

اسلام کا اقتصادی نظام

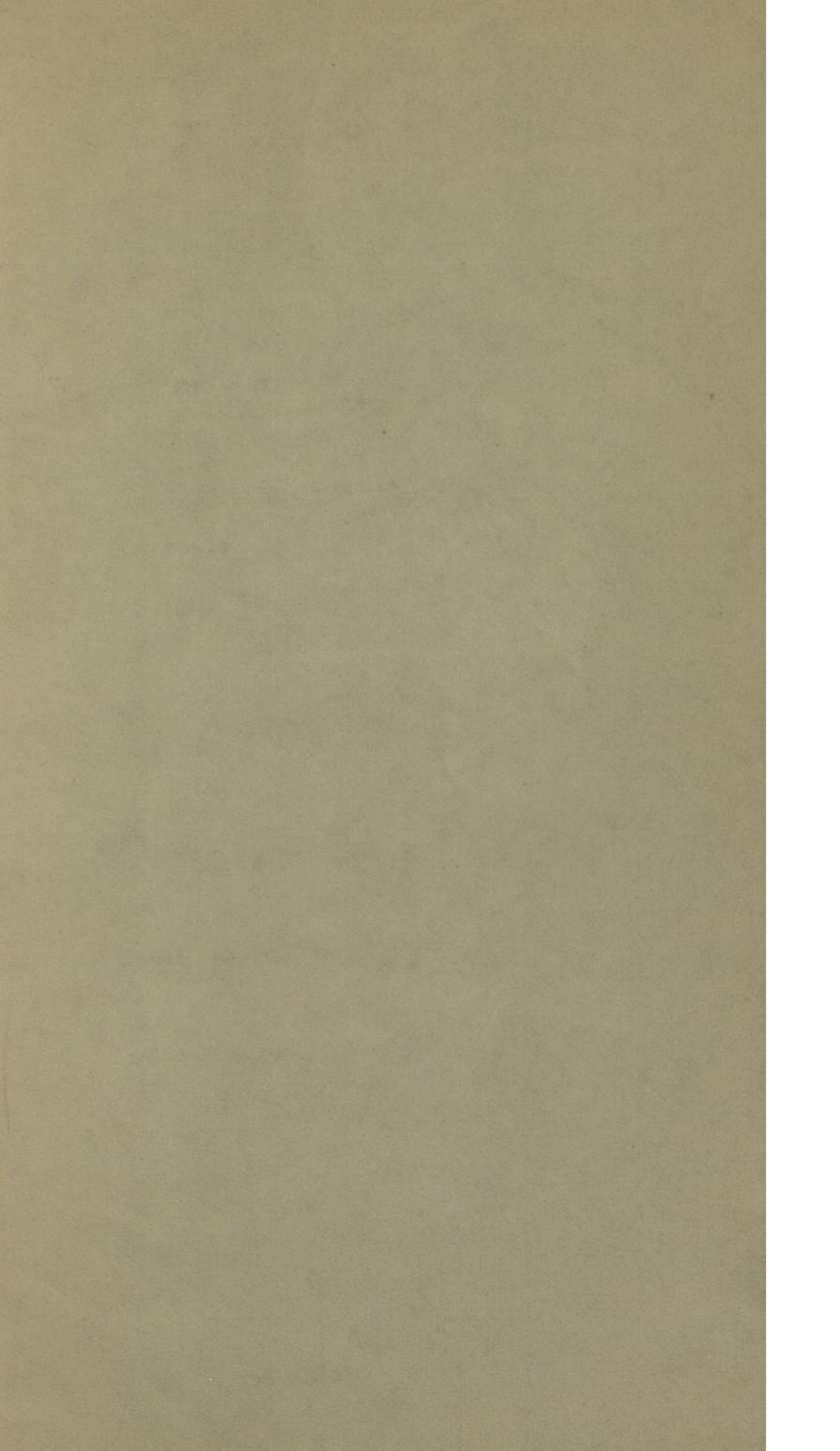
# اسلامی معیشت

وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي  
فَأَن لَّهٗ مَعِيشَتًا ضُنَّكَآ  
وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَى

مسنر فرزانہ بخاری  
مہر محمد نواز خان

نیو بک پبلیس اردو بازار لاہور







ایوانے معاشیات، ایوانے اسلامیات کے طلبہ و طالبات کے لیے

اسلام اور جدید اقتصادی نظریات

# اسلامی معیشت

فزانہ بخاری

ایم اے اکنامکس، لاہور

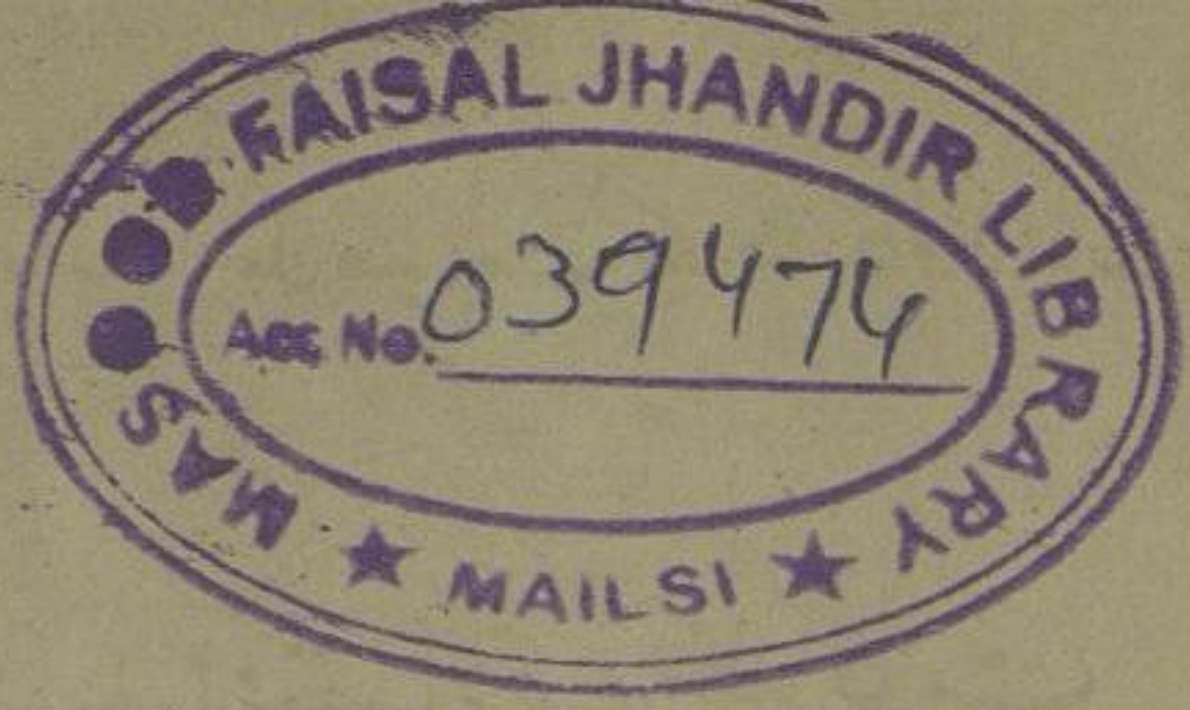
پروفیسر مہر محمد نواز خان

صدر شعبہ معاشیات گورنمنٹ ڈگری کالج  
علی پور مظفر گڑھ



نیو بک سپلین چوک اردو بازار لاہور





جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

اسلامی معیشت	نام کتاب :
مہر محمد نواز خان	مصنف :
نیو بک پبلس لاہور	ناشر :
یولس ندیم پرنٹرز لاہور	پریس :
۳۳ روپے	قیمت :





# فہرست

باب	عنوان	صفحہ
1	تعارف	6
2	عظمتِ اسلام	18
3	چند بنیادی اقدار	29
4	قرآن کے اقتصادی اصول	29
5	بنی کریمؐ کی معاشی تعلیمات	46
6	صحابہ کرامؓ اور اکابرین دین کے اقوال	61
7	مسلم مفکرین کے اقتصادی افکار	82
8	مختلف معاشی نظاموں کا جائزہ	102
9	اسلامِ نظیم معیشت کی امتیا ذمی خصوصیات	129
10	اسلامی حکومت کے ذرائع آمدنی	146
11	مصارف	192
12	زکوٰۃ	195
13	قانونِ وراثت	220
14	تجارت	228
15	سود	239
16	بینکاری	259
17	بیمہ سازی	262
18	احکامِ اراضی	265
19	لگان	294

گفالت عام  
اسلامی امانت  
کی معاشی ذمہ داریاں



باب	عنوان	صفحہ
۲۰	✓ بیت المال	۳۰۳
۲۱	✓ انفرادی معیشت	۳۰۹
۲۲	✓ اسلام اور عدل اجتماعی	۳۱۵
۲۳	✓ انسان کا معاشی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل	۳۲۲
۲۴	✓ قیمتوں کا تعین	۳۳۸
۲۵	✓ محنت اور اجرت کا اسلامی معیار	۳۴۸
۲۶	✓ انفرادی ملکیت کی حدود	۳۵۶
۲۷	✓ جدید اسلامی معیشت کا سوازنہ	۳۷۹
۲۸	✓ اسلامی حکومت کے فرائض	۳۹۹
۲۹	✓ مسلم ترقیاتی تنظیم	۴۱۳



# انتساب

جوندگانِ علم و عمل  
اور یابندگانِ حقیقت و ہدایت

کے نام



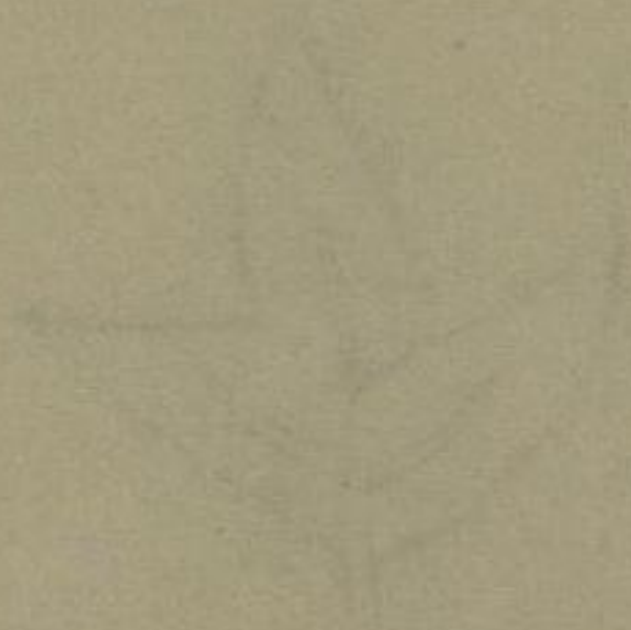


بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذي هدانا لهذا

ما كنا لنهتدي لولا أن هدانا الله

والحمد لله





# باب

## تعارف Introduction

تخلیق کائنات کے ساتھ انسان کی بے شمار خواہشات نے بھی جنم لیا۔ جب ایک آرزو پوری ہو جاتی ہے۔ تو دوسری سراٹھالیتی ہے۔ اور اسی طرح یہ ایک لاقتناہی سلسلہ جاری ہے۔ اگرچہ قدیم ازمیں یہ تمنائیں مختصر اور سادہ ہوتی تھیں۔ مگر امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ ان کی نوعیت اور اہمیت میں بھی جدت آتی گئی۔ اور جوں جوں انسان ترقی کی دہلیز پر قدم زن ہوتا چلا گیا ان کی خاصیت میں بھی تبدیلی آتی گئی۔ اور اس دور میں تو ان کی حالت بہت ہی عجیب و غریب منزل پہ پہنچ چکی ہے۔ تن ڈھانپنے کے لیے لباس، بھوک مٹانے کے لیے خوراک، رہائش کے لیے مکان، علالت دور کرنے کے لیے علاج اور ذہنی نشوونما اور قدرت کی شناسائی حاصل کرنے کی خاطر علم کی اشد ضرورت ہوتی ہے اور انہیں ہی ہم بنیادی اختیاجات Basic necessities کا نام دیتے ہیں۔ دراصل انسان کی تنگ و دو زیادہ تر ان کی تحصیل کے گراں متی رہتی ہے۔ اور ان کو حاصل کرنے کے لیے منصوبہ بندی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اور ایک ایسے علم کی تلاش ہوتی ہے۔ جو ان گتھیوں کو سلجھانے اور انہیں پورا کرنے میں مدد و معاون ثابت ہو اور یہی ہے علم المعیشت (Science of Economy) کی بنیاد پڑتی ہے۔

یاد رہے کہ معاشیات ایک قدیم علم ہے اور اس کی ضرورت ہر دور میں رہی ہے۔ موجودہ صدی میں اس علم کو چار چاند لگ گئے ہیں۔ اور کوئی ملک و قوم اس کے اصولوں اور طریقوں پر نفل کیے بغیر ارتقاء کے ذینے پر فائز نہیں ہو سکتے۔ یہی سبب ہے کہ اس کی کارفرمائی سے مختلف قومیں بامعروج پہنچ چکی ہیں اور جن کا دامن اس کی دولت لازوال سے تہی ہے وہ پست اور غیر ترقی یافتہ ہیں۔

چونکہ زندگی کے ہر شعبہ سے اس کا گہرا ربط ہے۔ اس لیے اس کا مختصر سا تعارف کرانا بے جا نہ ہوگا۔ مختلف علمائے اقتصادیات نے اپنی اپنی بساط کے مطابق اس کی تعریف کی ہے۔



## آدم سمٹھ کی تعریف (۱۶۹۵-۱۷۲۳) | سکاٹ لینڈ کے آدم سمٹھ نے اپنے نظریات کو ایک کتاب ”دولت

اقوام کی نوعیت اور تحقیق“ (۱) میں بیان کیا۔ انہوں نے اپنی کتاب کو ان چار حصوں میں تقسیم کیا :- پیدائش دولت، صرف دولت، تبادلہ دولت اور تقسیم دولت۔ اس میں انہوں نے بیان کیا ہے کہ کسی قوم کی دولت (ضرورت میں آنے والی اشیاء و خدمات کی مقدار) کس طرح بڑھانی جاتی ہے۔ اور پیدا کرنے والوں میں کس طریقہ کار اور نظام تقسیم کے تحت تقسیم ہوتی ہے مالتھس، ریکارڈو، مل، مینڈا اور سنیر نے بھی اس علم کو دولت سے دوہرا کیا ہے۔ جے۔ ایس۔ مل کے الفاظ میں ”معاشیات ایک ایسا علم ہے جس میں دولت کی نوعیت کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ اور ان قوانین پر بحث کی جاتی ہے۔ جو دولت کی پیدائش، تقسیم اور تبادلہ کو منضبط کرتے ہیں“ یہ نظریہ پیش کرتے ہوئے ان مفکرین نے اس بات پر دیا کہ انسان کی بھاگ دوڑ اور سرگرمیاں زیادہ تر اس وجہ سے عمل میں آتی ہیں۔ کہ وہ دولت کمانا چاہتا ہے۔ اور یہی خواہش اس کی روزمرہ زندگی میں غالب نظر آتی ہے۔

## الفرد مارشل کی تعریف (۱۸۴۲-۱۹۲۱) | انگلستان کے ایک ماہر اقتصادیات پروفیسر الفرد

مارشل نے نئے سرے سے تعریف کی۔ ان الفاظ میں :-

”معاشیات میں انسان کے ان افعال کا مطالعہ کیا جاتا ہے جن کا تعلق زندگی کے روزمرہ معاملات سے ہے۔ یہ علم انسان کی انفرادی اور اجتماعی کوششوں کے اس حصے کا جائزہ لیتا ہے جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ خوشحال زندگی کے مادی لوازمات کیونکر حاصل کیے جائیں اور انہیں کس طرح صرف کیا جائے پس معاشیات ایک تو دولت کا علم ہے اور دوسری جانب (جو پہلی سے زیادہ اہم ہے) خود انسانی زندگی کے ایک پہلو کا“

چند دیگر مفکرین مثلاً پروفیسر کینن، پیگو، پریٹو اور کلارک کی تصانیف میں مادی فلاح کے تصور کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ جیسا کہ کینن لکھتے ہیں :-

”معاشیات کا مقصد یہ ہے کہ ان اسباب کی وضاحت کرے جن پر انسان کی مادی فلاح کا دارو مدار ہے“ پیگو کے الفاظ یہ ہیں :- ”معاشیات کا تعلق معاشرتی زندگی کے اس پہلو سے ہے جو بالواسطہ یا بلاواسطہ زر کے پیمانے سے ماپا جاتا ہے۔“



مارشل کی تعریف پر تنقید کی گئی ہے۔ اس میں یہ سقم پایا جاتا ہے کہ تمام معاشی مسائل پر حاوی نہیں ہے۔ صرف دولت کا تصور صرف مادی ضروریات سے متعلق ہے اس نے ناقابل پیمائش تصور کی نشاندہی کی ہے۔ مادی فلاح میں کمی کرنے والی مساعی کا ذکر کیا ہے۔ اُس کے خیال کے مطابق پسند و ناپسند کا سوال بھی اٹھ کھڑا ہوتا ہے

**رانبر کی تعریف** | پروفیسر رانبر نے معاشیات کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:-  
 ”معاشیات انسان کے اس طرز عمل کا مطالعہ کرتی ہے جو خواہشات کے بے شمار ہونے اور ذرائع کے محدود ہونے کی بنا پر اختیار کیا جاتا ہے جبکہ یہ ذرائع متبادل مقاصد کے لیے استعمال ہو سکتے ہوں۔“

(Economics is a Science which studies human behaviour as a relationship between ends and Scarce means with alternative Uses.)

محدود وسائل اور لامحدود خواہشات کی بنا پر ان مقاصد کی اہمیت میں لمبی بستی ممکن ہے جن پر ذریعہ (یعنی روپیہ) استعمال ہو سکتا ہے۔ بڑی حد تک جامع اور وسیع تعریف ہے۔ مگر خامیوں سے خالی نہیں۔

پروفیسر کنیز (1883-1945) کی رائے میں معاشیات کا تعلق اس بات سے ہے۔ کہ انسانی اور مادی ذرائع کو آمدنی بڑھانے اور روزگار فراہم کرنے کے لیے کیسے استعمال کیا جاتا ہے۔ مختلف تعریفوں کا جائزہ لینے کے بعد یہ تعریف کی جاسکتی ہے:-

”اقتصادیات ایک ایسا علم ہے جس میں اس نظام کار کا مطالعہ کیا جاتا ہے جس کے تحت ایک معاشرہ کے افراد اپنے محدود مادی اور انسانی ذرائع کے توسل سے خوشحال زندگی گزارنے اور تسکین حاجات کا بلند سے بلند ترین معیار حاصل کرنے کے لیے انفرادی، اجتماعی، کوششیں خصوصاً ایک منصوبے کے تحت عمل میں لاتے ہیں۔“

سید مناظر احسن گیلانی اپنی کتاب ’اسلامی معاشیات‘ میں رقم طراز ہیں:-

”حقیقت تو یہ ہے کہ معاشیات اتنا ہی قدیم علم ہے جتنا کہ اس زمین پر انسانی وجود۔ یہ سمجھنا و انالی نہیں کہ آدم سمجھ سے پہلے یہ فن دنیا میں نہ تھا۔ انسان اپنی ضروریات کا احساس ہمیشہ ہی



سے رکھتا تھا۔ اس کی تکمیل کے لیے مختلف قسم کی جدوجہد بھی کرتا رہا ہے۔ ابتدائے عہد تمدن سے ہی انسان کو یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ مختلف اشخاص اور مختلف جماعتوں کے ذریعہ انسانی ضروریات کی تکمیل ممکن ہے۔ کسی فرد کی انفرادی کوشش سے سب کچھ مہیا ہونا ممکن نہیں۔ اس لیے تبادلہ کا سوال بھی بہت دن ہوئے پیدا ہو چکا تھا۔ اس لیے کچھ قواعد و ضوابط بھی ہر تمدن میں موجود تھے۔ معیار تبادلہ یعنی زر بھی بہت دنوں سے موجود ہے۔ جماعتی زندگی اور حکومت بھی بڑی قدیم بات ہے۔ اب ذرا سوچیے تو کہ معاشیات احتیاج، پیدائش دولت، تبادلہ اور مالیات عامہ پر بحث کے علاوہ اور کس بحث کا نام ہے۔ یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ تحریر و تدوین میں یہ فن آدم سمٹھ سے پہلے نہیں آیا تھا۔ کون ہے جسے امام ابو یوسفؒ کی کتاب الخراج، امام شریؒ کی ضخیم کتاب المبسوط کی تیس جلدوں اور ابی عبید کی کتاب الاموال میں معاشیات کا علم مدون و منضبط نظر نہ آتا ہو۔ اور میں تو یہ دیکھتا ہوں کہ یہ کچھ مسلمانوں ہی کی خصوصیت نہیں ہے۔ اسلام سے پہلے جو کتابیں یونانی، سریانی اور چینی وغیرہ زبانوں میں لکھی گئیں ان میں بھی معاشی مسائل پر کسی نہ کسی صورت میں بحث موجود ہے۔ ہاں طرز بیان اور ترتیب بحث ہر زمانہ میں مختلف رہی ہے۔ اور آج بھی قدیم زمانہ کی کتابوں سے مختلف انداز میں اس فن پر کتابیں لکھی جاتی ہیں۔“

جدید معاشیات میں عموماً زمین، سرمایہ، محنت، تنظیم، غاملین پیدائش شمار کیے جاتے ہیں۔ مگر بعض اوقات ہمت و استعداد (Endowment) انٹرپرائز کو بھی شامل کر لیا جاتا ہے۔ غور سے دیکھئے کہ ان میں زمین اور محنت کے سوا اور کسی کی کوئی حقیقت بھی ہے؟ سرمایہ بالبقہ محنت کی پیداوار ہے، تنظیم اور استعداد، محنت کی ایک قسم ہیں۔

لہذا حقیقی غاملین پیدائش صرف دو یعنی زمین اور محنت رہ گئے۔ معاشیات کا مسئلہ اصول ہے کہ انسان ان دونوں عوامل میں کوئی اضافہ نہیں کر سکتا۔ دونوں عطیہ رب العظیم ہیں نہ زمین میں ہماری سعی سے کوئی اضافہ ممکن ہے اور نہ محنت کی حد توں میں ہے۔ (سید مناظر احسن گیلانی)۔

جیسا کہ پیشتر ازیں لکھا جا چکا ہے۔ معاشیات ایک ایسا علم ہے جس میں انسانی احتیاجات اور ان کی تکمیل کے طریقے اور ذرائع سے بحث کی جاتی ہے۔ تعلیم و تفہیم کی غرض سے اُسے تین قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے۔



(۱) تشریحی معاشیات یا بیانیہ معاشیات ( Descriptive Economy )

(ب) نظریاتی معاشیات ( Theoretical Econ. or Econ. Analysis )

(ج) تطبیقی یا اطلاقی معاشیات ( Applied Economics )

پہلی قسم میں کسی مخصوص معاشی موضوع سے متعلق حقائق اور صورت حال کی پوری شرح اور تفصیل ایک جگہ جمع کر لی جاتی ہے۔ مثلاً پاکستان میں صنعت پارچہ بانی سے متعلق سارے تفصیلی حالات اور ضروری اعداد و شمار خام بہم رسانی تیاری کے مراحل اور پھر مصنوعہ مال کی کھپت دلاکت کے بارے میں مکمل کوالف اکٹھے کر لیے جاتے ہیں۔

دوسری قسم نظریاتی معاشیات میں یہ بتایا جاتا ہے کہ سب کچھ کس طرح اور کس طریقے سے انجام پذیر ہوتا ہے۔ کونسے اصول اور قواعد کار فرما ہوتے ہیں۔ طلب، رسد، بازار، تبادلہ قیمت کے تعین میں کونسے کلیات لاگو ہوتے ہیں اور وہ کونسا اقتصادی ڈھانچہ ہے جس پر یہ نظام قائم و دائم ہے؟ گویا نظریات و تصورات اور مختلف نظام اس بحث میں آتے ہیں۔

تیسری قسم میں اولیں قسم کے تحت مہیا شدہ معلومات اور مواد پر دوسری قسم کے نظریات و کلیات کی تطبیق کر کے ان کے علل و اسباب کی تلاش کی جاتی ہے۔ اور پھر اس پرنٹل درآمد کیا جاتا ہے۔

جدید معاشیات کا تعارفی خاکہ پیش کرنے کے بعد اب ہم اصل موضوع یعنی ”اسلامی اقتصادیات“ کی طرف آتے ہیں کیونکہ اصل موضوع سخن یہی ہے۔

اسلام عالم انسانیت کے لیے خدائے بزرگ و برتر کا بھیجا ہوا اور پسند کیا ہوا طریقہ حیات ہے۔ جس کی تکمیل عملی خود صاحب وحی محمد رسول اللہ نے کر کے نمونہ قائم کر دیا۔ اور آپ کے صحابہ کرامؓ نے اس نمونہ کے بموجب عمل کر کے دکھایا۔ یہ ایک مکمل ضابطہ ہے جس میں انسان کی پوری حیات کے لیے اور ہر مرحلہ کے لیے واضح اصولی ہدایات موجود ہیں۔ اس لیے جہاں اسلام نے عقائد اور عبادات کی تعلیم دی ہے وہاں معاملات اور معاشیات سے متعلق بھی واضح احکام دیئے ہیں جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام میں کوئی متعین معاشی نظام موجود نہیں ہے وہ نہ تو معاشیات کے فن کو سمجھتے ہیں اور نہ اسلامی احکام سے واقف ہیں۔ بقول سید مناظر احسن گیلانی ”بھلا وہ دین جس کے اصولی نظریات کی بنیادوں کو قرآن مجید جیسی عظیم کتاب نے ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا ہو، معاشی احکام و قوانین سے خالی ہو سکتا ہے؟ قرآن مجید کی



سب سے پہلی سورۃ، سورۃ فاتحہ ہے۔ اور اولیں آیت میں خدا نے بزرگ و برتر کی صرف ایک صفت کا ذکر ہے اور وہ ہے رَبُّ الْعَالَمِينَ۔ کیا دنیا کا ماہر معاشیات بتا سکتا ہے کہ معاشیات خدا کی ربوبیت سے پوری طرح استفادہ اور اس کے قانون ربوبیت کی شناخت کے علاوہ کسی اور شے کا نام ہے؟

افسوس صدیقی اس بارے میں یوں لکھتے ہیں :-

”اسلامی معاشی نظام کی بنیاد اللہ کے قرآن پاک میں احکامات، رسول اللہ کے ارشادات اور ان کے طریقہ زندگی اور صحابہ کرام کے طریقہ کار پر مبنی ہے یعنی جو کچھ اللہ تعالیٰ نے قرآن مقدس میں فرمایا بنی کریم صلعم نے جو ارشاد فرمایا کر کے دکھایا اور صحابہ کرام نے پیروی میں جو طریقہ کار اختیار کیا وہ بس سچ ہے۔ اور ہر لحاظ سے انفرادی اور اجتماعی زندگی گزارنے کے لیے مشعل راہ ہے اور ان سے سرمو فرق نہیں کیا جاسکتا۔

اسلام کے معاشی نظام کو سمجھنے کے لیے مقدمہ کے طور پر یہ بے حد ضروری ہے -

اس سے انحراف کی صورت میں ایک مسلم کے ایمان میں خلل آجاتا ہے اور غیر مسلم چوں و چرا یعنی شبہات کی بھول بھلیوں میں جھکتا رہتا ہے۔ اور اسلامی معاشی نظام کے سمجھنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر خدا نخواستہ ایک مسلمان کو کلام کی آیات و احکامات اور رسول اللہ کے ارشادات، فرمودات اور سنت میں ہی شک ہے تو پھر یہی دعا کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ روشنی دے اور صراط مستقیم پہنچنے کی ہدایت دے۔

اسلام جیسا کہ نام سے ظاہر ہے ایک سلامتی کا دین ہے اور بنیادی طور پر ایمان داری، نیک نیتی، راستبازی، ہمدردی و موافقت، اخوت و شرافت اور دیانت دامانت کا درس دیتا ہے۔ اس کی تلقین ہے کہ اسلام کے زیریں اصولوں کو اپناتے ہوئے خدا نے لم یزل اور رسول کریم کے احکامات عالیہ کو مانو۔ بااخلاق اور نیک سیرت بنو اور اچھے مسلم بن کر دنیا داری بھی نبھاؤ۔ اسلام میں کذب و دروغ، بغض و عناد، نفرت و حقارت، فریب و لالچ، مکر و چالپوسی اور عیاری و حرام خوری کی گنجائش نہیں۔ حدود میں رہتے ہوئے ہمارے تمام اقدامات دین و دنیا میں سرخروئی کا ذریعہ بن جاتے ہیں جبکہ نیت میں خلوص ہو۔ اگر قرآن و سنت و آثار صحابہ کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو بہت سے حقائق ابھرتے ہیں جو ہمارے لیے راہِ عمل متعین کرتے ہیں جس کی کما حقہ پیروی سے انسان ایک جانب دنیا میں بہترین،



پاکیزہ، اور صاف زندگی گزار سکتا ہے اور دوسری طرف غاقبت میں سرخرو ہو سکتا ہے اور اسی پر انسان کی حقیقی فلاح ہے اور افسوس صدیقی نے اسلامی معیشت کے چند بنیادی اصول کچھ اس طرح بیان کیے ہیں۔

”اسلام نے انسانی زندگی گزارنے کے لیے ایک محفوظ اور معتدل راہ عمل دکھائی ہے یہ انسان کو معاشی جدوجہد میں مصروف ایک دنیا دار فرد (Economic Man) تسلیم کرتا ہے اور رہبانیت سے منع کرتا ہے۔ معاشی نقطہ نظر سے اسلامی معاش کا بنیادی اصول یعنی اسلام میں کوئی رہبانیت نہیں ہے۔

ارشاد رب تعالیٰ ہے۔ ”ترک دنیا کو انہوں نے تراش لیا ہے۔ ہم نے اس کو ان پر فرض نہ کیا تھا۔ صرف خدا کی رضامندی طلب کی تھی انہوں نے اس کی رعایت ملحوظ نہ رکھی“ (الحمدید ۵۵ رکوع ۴)

اس کا مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں رہتے ہوئے دنیا سے کنارہ کش نہ ہو اور دنیا داری برتو اور اس دنیا میں تمہارا جو حصہ ہے اُسے حاصل کر دینا چاہیے ارشاد ہے ”تمہارا دنیا میں جو حصہ ہے اُسے نہ بھول جاؤ۔ کیونکہ اس دنیا میں جو کچھ اللہ نے پیدا کیا ہے وہ انسان ہی کے لیے ہے“ یہاں تک کہ :- ترجمہ: اور تمہارے لیے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے مسخر کیا۔ (پ ۲۵ الجاثیہ ۴۹ رکوع ۲)۔

خدا ہی نے تمہارے لیے جو کچھ زمین میں ہے پیدا کیا (پ البقرہ ۲۵) اس طرح اسلام چاہتا ہے کہ اس کے پیروکار اسلامی احکامات کے مطابق اس دنیا میں بھرپور معاشی کوشش اور تنگ و دو سے کام لیں تاکہ دیگر اقوام کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکیں اور اپنی عظمت و جلالت کو قائم رکھیں یہاں لفظ ”دنیا دار“ سے غلط فہمی پیدا نہیں ہونی چاہیے۔ مذکورہ لفظ کا استعمال افسوس صدیقی صاحب نے خالص معاشی نکتہ نظر کی بنا پر کیا ہے۔ یہاں دنیا دار سے مراد وہ شخص ہے یا وہ صارف ہے جو کسب و دولت کے حلال ذرائع کو تلاش کرے اور ان سے استفادہ کر کے پھر ان وسائل سے حاصل کردہ ثروت سے متعلق دین اسلام نے جو ذمہ داریاں عائد کی ہیں انہیں پورا کرے۔ اس کے برعکس رہبانیت دنیا کے مسائل سے فرار کا نام ہے۔ رہبانیت یہ ہے کہ بزرگم خویش اللہ کی خوشنودی کی خاطر کوئی فرد جنگل میں تنہائی کی زندگی گزارے۔ دوسروں کے لیے روزی کمانا تو درکنار خود اپنے لیے بھی روزی حاصل کرنے کی کوشش نہ کرے۔ خورد و نوش کے لیے کہیں سے



کچھ ملا تو بہتر ورنہ درختوں کے پتوں ہی سے گزارہ کرے۔ نکاح اور اس کی ذمہ داریوں سے بھی اجتناب کرے۔ غور سے مشاہدہ کیا جائے تو رہبانیت زندگی کے حقائق کا سامنا کرنے سے بزدلانہ فرار کا نام ہے۔ اسلام نے زندگی کے تمام شعبوں میں توازن و اعتدال کو ملحوظ رکھا ہے۔ زلیست کے شعبوں سے کسی پر بہت زیادہ زور دینا اور بعض سے صرف نظر کرنا جادۂ اعتدال سے ہٹ جانے کے مترادف ہے۔ اسی لیے رسول کریم کا فرمان ہے کہ اسلام میں رہبانیت نہیں۔ یہاں یہ بھی یاد رہے کہ اسلام میں جس دنیا کی مذمت کی گئی ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ کسبِ حلال کے جائز ذرائع کی جستجو اور ان سے حاصل کردہ مفاد بذاتِ خود مذموم ہے بلکہ ان چیزوں کو اصل مقصد سمجھ بیٹھنے اور اپنی ساری تنگ و دو کو دنیوی زندگی کے لیے ہی محدود کر دینے اور اخروی زندگی کی تیاری سے بالکل غافل ہو جانے کو "دُنیا" کہہ دیا جاتا ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ دنیا تو آخرت کی سرخروئی حاصل کرنے کا ایک ذریعہ بنتی ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے پانی کشتی کو چلانے کا سبب بنتا ہے۔ اگر کشتی میں پانی اندر داخل ہونا شروع ہو جائے تو یہی پانی کشتی کو معہ سواروں کے ڈبو دینے کا سبب بن جاتا ہے۔ اسی طرح اگر دنیا کی محبت دل میں پرچ بس جائے اور انسان آخرت سے غافل ہو جائے تو یہ دنیا انسان کے لیے رحمت کی بجائے زحمت بن جاتی ہے۔ قرآن مقدس میں ہے "اے ایمان والو! تمہیں تمہارے مال اور تمہاری اولادیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں۔ جو شخص بھی ایسا کرے گا تو ایسے ہی لوگ خسارہ پانے والے ہیں۔"

آنحضورؐ کی دعاؤں میں ایک دعا کے بعض جملوں کا ترجمہ یہ ہے۔ "اے اللہ! دنیا کو ہمارا سب سے بڑا ہم و فکر نہ بنا اور ہمارے علم کی رسانی صرف دنیا کے حصول تک ہی محدود نہ ہو اور ہمارے شوق کی انتہا یہ دنیا ہی نہ ہو۔" انسانی زندگی کا مقصد اللہ نے عبادت بیان کیا ہے مگر انسان کو اس دنیا میں روح و جسم کا رشتہ قائم رکھنے کے لیے دنیوی ذرائع اور اسباب سے استفادہ کیے بغیر چارہ کار نہیں۔ لہذا یہ استفادہ ممنوع نہیں بلکہ اس کا حکم دیا جاتا ہے۔ مگر یہ گوہر حقیقی نہیں تاہم دنیوی لذتوں میں بہت زیادہ انہماک (خواہ جائز کیونہ ہو) اکثر انسان کو آخرت سے غافل کر دیتا ہے۔ اور اس معاملہ میں حد اعتدال سے نکل جانا انسان کو حرام کے بھی قریب کر دیتا ہے۔ جس سے انسان خسارے میں رہتا ہے۔ اور اپنا دامن گناہ سے اگندگی سے آلودہ کر لیتا ہے۔ چنانچہ اقیانوسِ ضروری ہے۔

اسلام نے لاتعداد انسانی خواہشات (Unlimited Human Wants) کی تکمیل کے لیے اسلامی حدود و قیود میں رہتے ہوئے کھلی اجازت دی ہے۔ اسلامی حدود و قیود انسانی



معاشی مساعی میں اس طرح اختلال پیدا کرتی ہیں کہ زندگی کے دوسرے شعبے مجروح نہ ہوں چنانچہ کتاب مقدس میں ارشاد ہے۔ ”آدمی بڑا لالچی اور بے صبر پیدا کیا گیا ہے۔“ (پٹ۔ المکار ج ۶۰ ع ۱) مزید یوں فرمایا گیا ہے ”لوگوں میں عورتوں اور بچوں، سونے چاندی کے ڈھیر، سدھلے ہوئے گھوڑے اور مویشی اور کھیتی سے محبت کرنے کی خواہش آراستہ کی گئی“ (پٹ۔ النمران ج ۳ ع ۲)

احادیث میں انسانی فطرت کا نقشہ اس طرح کھینچا گیا ہے کہ عبداللہ بن زبیرؓ مکہ معظمہ میں ممبر پر کھڑے ہوئے بیان کر رہے تھے کہ بنی کریم فرماتے تھے ”اگر بنی آدم کو ایک دادی سونے کی بھری ہوئی دی جائے تو وہ دوسری کی خواہش کرے اور اگر دوسری دی جائے تو تیسری کی خواہش کرے اور انسان کا پیٹ تو قبر کی مٹی کے سوا کسی چیز سے نہیں بھرتا“ (بخاری کتاب الرقاق بروایت سعد بن عباس مسلم)

گویا انسان کی آرزوئیں اتنی زیادہ ہیں کہ تمام کی تمام پوری نہیں ہو سکتیں جب ایک کی تکمیل ہوتی ہے تو دوسری کمر بستہ ہو جاتی ہے اور اس طرح نہ ختم ہونے والا چکر جاری و ساری رہتا ہے غالب نے کیا خوب کہا ہے!

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پر دم نکلے

بہت نکلے میرے ارماں لیکن چہر بھی کم نکلے

انسان کی کئی خواہشات ایسی ہوتی ہیں جو اس دنیا میں پوری نہیں ہوتیں اور وہ آخر کار حسرتوں کا روپ دھار لیتی ہیں۔

لہذا اسلام میں صرف جائز مناؤں کے حصول کی معتدل مساعی کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا ہے اور تلقین کی گئی ہے کہ وہ ایک ہی گوشے میں ہاتھ پاؤں باندھ کر نہ بیٹھ جائے بلکہ اس دنیا میں پورے جوش و خروش اور تندی سے عمل میں مصروف رہے۔ اور اپنی خدا داد صلاحیت و اہلیت کو بروئے کار لاتے ہوئے مللی جدوجہد کا مظاہرہ کرے۔ اللہ اس کی محنت میں برکت ڈالتا ہے مشقت سے گھبرانے اور پہلو تہی کرنا اسلام کے منافی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

یعنی ہم انسان کو محنت و مشقت میں پیدا کیا۔ (پٹ۔ البقرہ ج ۲ ع ۱)

اسلام میں ہر صاف اور ستھری چیز کھانے کی اجازت ہے۔ ”اے انسانو! جو چیز زمین میں صاف ستھری ہے اُسے کھاؤ“ (پٹ بقرہ ج ۲ ع ۲)۔ ”خدا تعالیٰ نے جو حلال و مرغوب رزق تمہیں دیا ہے کھاؤ۔“ (پٹ۔ المائدہ ج ۵ ع ۲)۔ نیز فرمایا ”گھوڑوں، فخریوں اور گدھوں کو پیدا کیا تاکہ تمہاری



سواری کا کام دیں اور زینت نہیں اور وہ بھی پیدا کیا جو تم (عرب) سارے لوگ نہیں جانتے“  
(پہلا - النحل ۶۷ ع ۱)

قرآن مقدس ایسی آیات سے بھی معمور ہے۔ اس نے ضروریات زندگی کو آسان و سہل  
(معمولہ) کی حد تک محدود نہیں رکھا ہے بلکہ بڑی فیاضی سے زینت اور  
آرائش و زیبائش (Tidiness) سے بھی مناسب استفادہ کرنے کی اجازت دی ہے۔  
یاد رہے رب العزت نے تمام اشیاء انسان کے استعمال اور افادہ کے لیے پیدا کی ہیں۔ ان بہت سی  
اشیاء کی تخلیق کا مقصد یہ ہے کہ انسان ان سے جائزہ و حد تک استفادہ کرے۔ کوئی چیز بھی بیکار  
پیدا نہیں کی گئی۔ چنانچہ قرآن مقدس میں ارشاد ہوتا ہے: ”یعنی اللہ نے کوئی چیز بیکار پیدا نہیں کی“  
(ال عمران پ ۷ ع ۲) اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان اللہ کی کسی شے کو بیکار اور فضول خیال نہ کرے۔ بلکہ  
ان سے استفادہ کرنے کی کوشش کرے۔ تاہم حلال و حرام کی تمیز و ارکھنے جن سے اللہ نے منع کیا ہے  
رک جائے اور جن کے استعمال کی اجازت بخشی ہے ان سے فائدہ حاصل کرے۔

مولانا محمد حفظ الرحمن نے تعریف یوں کی ہے:

”لم لغت کی زبان میں قصد و اقتصاد (میان روی) اور (اچھے چلن) کا نام ہے۔ مگر عملی اور علمی اصطلاح  
میں ایسے وسائل کی ”دریافت“ کو کہتے ہیں جو دولت و ثروت کے پیدا کرنے کے مناسب طریقے،  
اس کے خرچ کے صحیح استعمال اور اس کی ہلاکت و بربادی کے حقیقی اسباب بتا سکیں۔ اس لیے علم  
الاقتصاد اس علم کا نام ہے جو ان ذرائع سے بحث کرتا اور ان کے صحیح و غلط ہونے پر مطلع کرتا ہو علم الاقتصاد  
اس معنی کے اعتبار سے دو حصوں پر منقسم ہے۔ ایک ”انفرادی یا منزلی“ اور دوسرا ”اجتماعی“۔ ہماری بحث  
کا نقطہ نظر اجتماعی اقتصاد ہے۔ اس لیے کہ یہی زندگی کی اصل بنیاد ہے۔ اور انفرادی و منزلی اقتصاد  
کے لیے دلیل راہ ہے۔“

مولانا ابوالکلام آزاد نے ترجمان القرآن میں یوں بیان کیا ہے:

”گو یا اس نظام معیشت میں بلاشبہ زیادہ سے زیادہ کمانے والے افراد موجود ہوں گے کیونکہ  
سعی و کسب کے بغیر کوئی مومن زندہ ہی نہیں رہ سکتا، لیکن جو فرد جتنا زیادہ کمائے گا اتنا ہی زیادہ  
انفاق پر مجبور بھی ہوگا۔ اور اس لیے افراد کی کمائی جتنی بڑھتی جائے گی اتنی ہی زیادہ جماعت برحیثیت  
جماعت کے خوشحال ہوتی جائے گی۔ قابل اور متعدد افراد زیادہ سے زیادہ کمائیں گے۔ مگر صرف اپنے  
ہی لیے نہیں کمائیں گے۔ تمام اشخاص قوم کے لیے کمائیں گے۔ یہ صورت پیدا نہ ہو سکے گی کہ ایک طبقہ



کی کمائی دوسرے طبقوں کے لیے محتاجی و مفلسی کا پیام ہو جائے جیسا کہ عام طور پر سہو رہا ہے۔“ مزید لکھتے ہیں کہ اسلام نے سوسائٹی کا جو نقشہ بنایا ہے اگر ٹھیک ٹھیک قائم ہو جائے اور صرف چند خانے ہی نہیں بلکہ تمام خانے اپنی اپنی جگہ پر بن جائیں تو ایک ایسا اجتماعی نظام پیدا ہو جائے گا جس میں نہ تو بڑے بڑے کروڑ پتی ہوں گے اور نہ مفلس و محتاج طبقے ایک طرح کی درمیانی حالت غالب افراد پر طاری ہو جائے گی۔ اس ساری بحث کا حاصل یہ نکلا کہ اسلامی اقتصادیات کا اطلاق ایک ایسے بہتر اور مکمل نظام معیشت پر ہوتا ہے جو اپنے اندر معیشت کے قدیم و جدید نظام ہائے مذہبی و عقلی کے کلی محاسن کو سموئے ہوئے ہے۔ اور ان کے معائب و نقائص سے یکسر خالی بلکہ ان کے مسموم اثرات کا بے نظیر تریاق ہے۔ اور ان تمام کمالات کے علاوہ اس کو برتری حاصل ہے کہ وہ انسانوں کے دماغ کی اختراع نہیں ہے۔ کہ جس کی بنیاد، انتقام، بغض یا طبقاتی منافرت جیسی خام کاریوں پر رکھی گئی ہو۔ بلکہ وہ نظام کائنات کے خالق کا بنایا ہوا ہے۔ زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح جسے رسول کریمؐ نے عملاً اپنا کر دکھایا۔ اور صحابہ کرامؓ اس رسول کی پیروی کی عمدہ مثال قائم کی۔ یہ نظام ہر زمانے کے لیے ایک نسخہ کیمیا ہے۔ یہ اور چیز ہے کہ آج کا مسلمان اس سے الگ ہو چکا ہے اور دوسرے فاسد نظاموں کا پجاری بنا ہوا ہے اسی لیے تباہی و ہلاکت کے دہانے پر کھڑا ہے۔ اور غیروں کا محتاج ہے۔ اسلامی نظم معیشت زیریں اصولوں کا مرقع ہے اور اس کا مقابلہ دنیا کا کوئی دوسرا نظام نہیں کر سکتا۔ کیونکہ مسلمان دائرہ اسلام میں رہ کر جو کام اور نام پیدا کرے گا وہ عبادت کا درجہ رکھتا ہے اور رب تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے اٹھا ہوا ہر قدم اپنے جلو میں نیکیوں کا ثمرہ رکھتا ہے اور نیکی بھلائی کی طرف لے جاتی ہے۔ اور بھلائی جنت کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔ انسان جو اشرف المخلوقات ہے اس کی اصل کامیابی یہی ہے کہ ایک ہاتھ میں دنیا ہے تو دوسرے ہاتھ میں اس دنیا کی مدد سے دین حاصل کیا ہو۔ اور اقتصادیات اسلامیہ اسی کا درس دیتی ہے۔





## باب (۲)

## عظمت اسلام

(Dignity of Islam)

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اسلام ایک سلامتی اور صلح کل کا مذہب ہے یہ کسی ٹھوس شے اور مجسم چیز کا نام نہیں ہے۔ یہ صرف چند قواعد و ضوابط اور محدود دائرہ کار کے امور و قوانین کا مرتع نہیں ہے بلکہ مکمل دین اور ضابطہ حیات ہے۔ حقانیت و الوہیت کا قائل بنانا ہے۔ خدا شناس کو وحدانیت و عرفانیت سے، شناس کرنا ہے۔ راہ فراموش کو صراط مستقیم پر گامزن کرتا ہے۔ علم و حکمت، تعلیم و تربیت کا علمبردار بنانا ہے۔ ضلالت و گمراہی سے نکال کر نور و روشنی سے ہمکنار کرتا ہے۔ عربی و عجمی، سیاہ و سفید، آقا و غلام، ہتمول و نادار کے امتیازات مٹاتا ہے۔ اور سب کے حقوق کی نگہداشت کرتا ہے۔ رنگ و نسل، ملک و ملت اور حسب و نسب کی بنا پر فضیلت و برتری کے معیار یک قلم منسوخ کرتا ہے۔ مزید برآں عدل گستری، صداقت و دیانت، ہمدردی و نمکساری، پاکبازی و جاں سپاری، دلجوئی و غربا پرستی، ہمبر و تحمل اور جود و سخا جیسی ارفع محامد بشری سے معمور کرتا ہے۔ زندگی کے تمام شعبہ عبادات و معاملات، اخلاق و سیرت، حقوق اللہ و حقوق العباد، سیاست و معاش اور حضارتی و مدنی معلومات کا بیش بہا خزانہ پیش کرتا ہے۔ مگر اس کے برعکس سوشلزم اور کمیونزم کی بنیاد اخلاقی یا روحانی نظام پر نہیں ہے اس لیے ان کی نظر میں ہر وہ ذریعہ اچھا ہے جو ان کے حصول مقصد میں معاون ہو۔ ان کی زندگی کا محور طبعی و نفسانی خواہشات کی تکمیل ہے انہوں نے انسان کو سوشل حیوان بلکہ غلام بنا دیا ہے۔

سید علی بگڑانی نے تمدن عرب، میں رقمطراز کیا ہے کہ پیغمبر اسلام جس مذہب کی اشاعت کی وہ نہایت شاندار اور سادہ ہے جس وقت حضرت جبریلؑ ایک ہادی کے لباس میں آنحضرتؐ کے پاس آئے تو آپؐ نے اس کے سوال کے جواب میں اس مذہب کے اعتقادات کو پوری تفصیل سے کھولا۔ حضرت جبریلؑ نے پوچھا، اسلام کیا چیز ہے؟ آپؐ نے فرمایا ”گو اہی دینا اس کی کہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں ہے اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پیغمبر ہیں، نماز پڑھنا، زکوٰۃ دینا، ماہ رمضان میں روزے رکھنا، حج بیت اللہ شریف کرنا جبکہ وہاں تک جانیکی استطاعت ہو۔ حضرت جبریلؑ نے



رسول کریمؐ کی تصدیق کی۔

اب مختلف غیر مسلم مفکرین کے افکار کی، اسلام کی برتری اور فضیلت کے بارے میں ایک جھلک پیش کی جاتی ہے۔

① اسلام کی علمی و فکری کامرانیوں میں ایک ممتاز کامیابی یہ ہے کہ ان میں نسلی تفوق کے تخیل کا فقدان ہے۔ عصر حاضر کی پکار یہ ہے کہ اس میں اسلامی خوبی و حسن کا عام چرچا اور اظہار کیا جائے۔ نظریہ قومیت و نسلیت کو آنحضرتؐ کے عقیدہ وحدتِ انسانیت میں تبدیل کر دیا جائے۔ (ٹائن بی)

② اسلام کو انسانیت کی ابھی ایک اور خدمت کا فریضہ ادا کرنا ہے۔ امت مسلمہ سے بڑھ کر کسی اور ملت کو اس باب میں کامیابی نہیں ہوئی۔ مغربی و مشرقی اقوام کی مخاصمت و کدورت کو اسلام ہی مؤدّت و اُلفت میں تبدیل کر سکتا ہے۔ (اے۔ ایچ گبٹ و در اسلام)

③ اگر بنی نوعِ انسان کی قیادت کی باگ ڈور آنحضرتؐ یا ان کے مماثل کسی اور شخصیت کے سپرد کر دی جائے تو تمام دنیا کی الجھنیں ان واحد میں سلجھ سکتی ہیں۔ آئندہ سو سال میں دنیا کا نظام حیات اسلام ہو گا یا اسی سے ملتا جلتا اور دستورِ زندگی۔ (برنارڈ شا)

④ میری توقع ہے کہ وہ دن دور نہیں جب میں اربابِ علم و دانش کو متحد کر کے ایک ایسا دورِ قائم کروں گا جو مسلمانوں کی طرح یک رنگ و ہم آہنگ ہو اور اصولِ قرآن اس کی بنیاد ہو کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ قرآن مجید کے اصول ہی سچے ہیں۔ انسانیت کو سکون و اطمینان کی منزل تک پہنچا سکتے ہیں۔ (نپولین بونا پارٹ)

⑤ موسیٰ و دال کہتے ہیں۔ ”اسلام ہی کی بدولت لکڑی کی موتیں اور بت اس ملک سے مفقود ہو گئے۔ انسان کی قربانی اور آدم خوری موقوف ہو گئی۔ عورتوں کے حقوق اگرچہ ان میں زیادہ ترقی نہیں ہوئی مقرر ہو گئے ہیں، تعداد از دراج محدود اور باقاعدہ ہو گیا ہے۔ خاندانی حقوق مضبوط و مستحکم ہیں۔ غلام خاندان کا ایک جز بن گیا ہے۔ اور آزادی کا دروازہ اس کے سامنے کھلا ہے۔ نماز، زکوٰۃ اور مہانداری نے اوضاعِ قومی کو بہتر بنا دیا ہے۔ انصاف اور خیرات کا خیال ہر شخص میں پیدا ہو گیا ہے۔ اور حکام نے محسوس و معلوم کر لیا ہے کہ ان کے جی ایسے ہی فرائض ہیں جیسے ان کی رعایا کے۔ یہاں کی معاشرت باقاعدہ اصول پر قائم ہو گئی ہے اور یہاں بھی مثل اور،

حکومتوں کے بے انصافیوں ہیں تو انصافِ الہی اس کی سختیوں کو کم کر دیتا ہے اور حیاتِ جاودانی کی امید و امنگ جو آسودگی پیدا کرنے والی اور مصائب کا معاوضہ دینے والی ہے مظلوم کو اپنی



منظومیت پر قانع کر دیتی ہے۔ یہ ہیں وہ فوائد جو مذہب اسلام نے ان غیر مذہب اقوام کو پہنچائے ہیں۔ (ڈاکٹر گستاؤلی بان)

⑥ اسلام ایک ایسا دین ہے جو اپنے ماننے والوں کو جہالت کی پستیوں سے نکال کر صداقت و روشنیوں کی بلندیوں تک پہنچاتا ہے۔ یہ محض نظریہ نہیں بلکہ عملی دین ہے۔ (آرثر گلن لیونارڈ)۔

⑦ مسٹر براؤن جو مشہور شرق ہونے والے ہیں۔ اپنی معروف کتاب مہتری آن پرنسپل لٹریچر میں ایک برجستہ اور اہم سوال کا جواب یوں دیتے ہیں۔

[ خلفائے راشدین اصل معنی میں حکمران تھے انہیں حکومت کے سب لوازمات حاصل تھے۔ خزانہ عامرہ اور جیش قامرہ ان کے پاس تھے۔ مگر پھر بھی وہ عام مسلمانوں جیسا سادہ لباس جس پر کئی کئی پیوند لگے ہوتے تھے زیب تن کرتے تھے۔ ایک وقت میں ایک ہی قسم کے طعام سے بہرہ ور ہوتے تھے۔ اپنا کام خود کرتے۔ ان کا مکان عام مسلمانوں کے مکان جیسا کچا اور تھوٹا ہوتا تھا اس کی کیا وجہ تھی؟ وہ خود اس کا جواب دیتے ہیں۔ اس لیے کہ عوام یہ نہ محسوس کریں کہ ان کے حکام ان سے علیحدہ ہیں۔ یا ان سے برتر ہیں۔ اس طرح ان کا عندیہ حقیقی مساوات قائم کرنا تھا۔ ہر شخص خلیفہ کے اشارہ پر چلتا کیونکہ وہ اپنے اور خلیفہ کے درمیان کوئی فرق محسوس نہیں کرتا تھا۔ ]

⑧ اسی طرح ڈاکٹر گستاؤلی بان اپنی کتاب

جس کا ترجمہ (تمدن عرب از سید غل بلگرامی) میں عظمت و جلالت اسلام کے بارے میں خوب رقمطراز ہیں۔ ہماری کتاب تمام ہو گئی اب ہم اس کا خلاصہ چند لفظوں میں پیش کرتے ہیں۔ تمدن کے لحاظ سے بہت کم اقوام مغربوں (مسلمانوں) پر سبقت لے گئی ہیں۔ کسی قوم نے اتنے تھوڑے زمانے میں علمی ترقی نہیں کی۔ مذہبی لحاظ سے انہوں نے دنیا کے مذاہب میں سے ایک بہت بڑے مذہب کی بنیاد ڈالی ہے وہ مذہب جو اس وقت بھی سب سے زیادہ زندہ ہے۔ ملکی لحاظ سے انہوں نے تاریخ عالم کی حکومتوں میں سے ایک بہت بڑی حکومت قائم کی۔ دماغی اور اخلاقی لحاظ سے انہوں نے یورپ کو متاثر کیا۔ بہت کم اقوام اس قدر ملحدی پر پہنچی ہیں۔ لیکن بہت کم اقوام ہیں جو اس قدر پست ہو گئی ہوں اور کوئی قوم ان سے بہتر مختلف اسباب کے امر کی نہیں ہو سکتی جو حکومتوں کے قیام، ان کی ترقی اور منزل کا باعث ہوتے ہیں۔ {



قرآن مجید کتاب الہی ہے۔ اور اس کی محافظت خود رب تعالیٰ کرتا ہے یہ ایک ایسی کتاب ہے جس میں رشد و ہدایت کے خزانے پوشیدہ ہیں اور اس کی تحریف نہیں کی گئی۔ دنیا کی کوئی ایسی کتاب نہیں جو اپنی اصلی حالت میں ہر جگہ کہ تواریخ اور انجیل میں بھی کانٹ چھانٹ کر دی گئی ہے۔ یہ اس کا انجاز ہے اور اس کی برتری ہے۔ نہ ہی شاعری ہے اور نہ ہی فتر ہے یہ تاقیامت اپنی منفرد حیثیت قائم رکھے گی۔

اب غیر مسلموں کی رائے ملاحظہ فرمائیں۔

مشرق و مغرب کے غیر مسلم اہل علم اور مفکرین نے قرآن مقدس کے بارے میں حسب ذیل گہانے

عقیدت پیش کیے ہیں۔

✓ ① ایک عیسائی مؤرخ مسٹر باڈے یوں رقمطراز ہے قرآن حکیم ہی ایک ایسی کتاب ہے جس میں تیرہ سو برس سے کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ یہودی اور عیسائی مذہب میں کوئی ایسی چیز نہیں جو معمولی طور سے جی قرآن کے مقابلے میں پیش کی جاسکے۔

② پروفیسر کار لائل کا خیال ہے:-

میرے نزدیک قرآن میں خلوص و سچائی کا وصف ہر پہلو سے موجود ہے۔ اور یہ بالکل کھلی اور سچی حقیقت ہے کہ اگر کوئی خوبی پیدا ہو سکتی ہے تو اسی سے پیدا ہو سکتی ہے۔

✓ ③ ڈاکٹر آرنلڈ کا کہنا ہے:-

جو احکام قرآن میں موجود ہیں وہ اپنی جگہ مکمل ہیں۔

✓ ④ گاندھی کی رائے ہے:-

میں نے تعلیمات قرآنی کا مطالعہ کیا ہے۔ مجھے قرآن کو الہامی کتاب تسلیم کرنے میں ذرہ برابر بھی تامل نہیں۔ مجھے اس کی سب سے بڑی خوبی یہ نظر آئی کہ یہ فطرت انسانی کے عین مطابق ہے۔

⑤ ڈاکٹر انبندرناتھ ٹیگور اعتراف کرتے ہیں:-

وہ وقت دور نہیں جب قرآن کریم اپنی مسلمہ صداقتوں اور روحانی کرشموں سے سب کو اپنے اندر جذب کر لے گا۔ وہ زمانہ بھی دور نہیں جب اسلام ہندومت پر غالب آجائے گا۔ اور ہندوستان میں صرف ایک ہی مذہب اسلام ہوگا۔

✓ ⑥ بابا گورو نانک جی کا ارشاد ہے:-

اگر کوئی ایمان کی کتاب ہے تو وہ قرآن شریف ہے۔

✓ ⑦ جرمنی کا مشہور شاعر اور فلسفی گوٹے لکھتا ہے:-



قرآن مقدس کی یہ حالت ہے کہ اس کی دلفریبی تدریج فرشتہ کرتی ہے پھر متعجب کرتی ہے اور آخر میں تخیر آمیز رقت میں ڈال دیتی ہے۔

س ⑧ منسرد و جہنمی نماند و کا بیان ہے :-

قرآن شریف غیر مسلموں سے بے تعصبی اور رواداری سکھاتا ہے۔ اس کے اصول کی پیروی سے دنیا خوشحال ہو سکتی ہے۔ اور دنیا کا آئندہ مذہب اسلام ہوگا۔

قرآنی تعلیمات کی روشنی میں ہی صحیح پیمیل معاشرہ ہو سکتی ہے۔ اس طرح سچا، مکمل اور دائمی معاشرہ قائم ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس میں اللہ کے ارشادات مخفی ہیں اور قرآن مجید ہر لحاظ سے قوانین کا مجموعہ ہے، اسی پر عمل پیرا ہو کر کامرانی حاصل ہو سکتی ہے۔ شارع اعظم نے پوری طرح ان فرمودات کو اپنی عملی زندگی میں اپنایا اور لوگوں کو ثابت کر کے دکھایا کہ یہی مذہب ہے جس پر یقین و عمل کرنے سے عاقبت سنو رتی ہے۔ کیونکہ اس میں روحانی، معاشرتی، مذہبی، ذہنی، ثقافتی، اقتصادی اور اخلاقی ہر پہلو پر پیش بہا معلومات کا ذخیرہ و خزانہ موجود ہے۔

اسلام کی عظمت و سطوت اس کے پیغام اور اس کے بانی حضرت محمد مصطفیٰ کے ارفع اور عظیم کردار میں مضمر ہے۔ آپ کی شخصیت پر وقار مظلوموں کا سہارا، یتیموں کا والی، غریبوں کا مولیٰ، عدل و انصاف اور مساوات کا نقیب ہے۔ آپ کی سیرت پاک اور آپ کی تعلیم ہر دور میں اور ہر قوم میں انسانوں کے لیے کامل ہدایت ہے۔

آنحضرتؐ نے ٹھیک ہی ہوئی اور سسکتی ہوئی انسانیت کے لیے جو بھلائی کی، دشمنوں کے ساتھ جس محبت اور اخلاص کا ثبوت دیا وہ آنے والی نسلوں اور قوموں کے لیے مشعل راہ بنا ہوا ہے۔ آپ نے جو ہدایت و یقین کی اس پر خود سب سے پہلے عمل کر کے دکھایا۔ آپ کی شجاعت و بسالت، صداقت و شرافت امانت و دیانت کے اسوہ حسنہ سے غیر مذاہب کے لوگ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ آپ شرم و حیا کا منبع اور پاسداری و صفا کا مجسمہ تھے رسول اکرمؐ کی زندگی نمونہ نیات اور سرشتیہ عرفان و معرفت ہے اور ہر زمانہ کے لوگوں کو متاثر کرتی رہے گی۔ اب غیر مسلموں کی آرا، ملاحظہ کیجیے۔

① بل ریچرڈ کہتا ہے :-

اس میں شبہ نہیں کہ محمدؐ کا بنیادی مقصد اسلام کی اشاعت تھا۔ خدا کی طرف سے آپ کو جو طاقت حاصل تھی وہ آپ اسلام کی اشاعت اور اللہ کی توحید اور وحدانیت پر صرف کر دی۔

② جارج بارنارڈ شاویول گویا ہے۔



میں نے ہمیشہ حضرت محمدؐ کے مذہب کو بڑے احترام سے پڑھا ہے کیونکہ اس میں حیرت انگیز کشش اور نئی زندگی ہے۔ اگر دنیا میں آپؐ جیسا انسان عمران پیدا ہو جائے تو تمام مسائل حل ہو جائیں اور اطمینان دائمی میسر ہو جائے۔

③ تھامس کارلائل نے اپنے خیالات اس طرح بیان کیے ہیں۔ ایک خاص اصول جس کو مغیر اسلام نے دنیا کے ساتھ رکھا۔ نظام شمس وغیرہ کے مشاہدہ کا اصول ہے۔ دنیا آپؐ کی نگاہوں میں کمالات اور فضیلتوں کے حاصل کرنے کی جگہ ہے۔ جس کی تکمیل سے انسان کو خدا نے واحد کی بزرگی اور عظمت کی طرف رجوع کرنے کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ یہ صفت ایسی قابل قدر ہے جو آپؐ کی بزرگی کو دوبالا کرتی ہے۔ کشمکش حیات اور تنانہ البقا جیسے الفاظ جن سے موت و زلیست کا گہرا تعلق ہے آپؐ کے قلب پر نورانی حروف میں لکھے ہوئے ہیں۔

④ نیولین بونا پاٹ نے ان الفاظ میں اظہار کیا ہے:- حضرت محمدؐ دراصل سردار عالم تھے۔ آپؐ نے اہل عرب کو اتحاد کا جو درس دیا اور ان کی آپس کی عداوت اور ناچاقی کو ختم کیا بھٹوڑے ہی عرصے میں آپؐ کی اُمت نے نصف دنیا کو فتح کر لیا اور تھوڑے دیوتاؤں کی پرستش کرنے والوں نے اس مذہب سے متاثر ہو کر مٹی کے بتوں، صنم خانوں میں رکھی ہوئی دوسری مورتیوں کو ختم کر دیا۔ یہ سب حضرت محمدؐ کی تعلیم سے ہوا۔

⑤ مہاتما گاندھی نے اس طرح تعریف کی ہے۔ حضرت محمدؐ ایک بڑے مغیر تھے جنہیں خدا کے سوا کسی کا خوف نہ تھا حضرت محمدؐ اور ان کے خاندان کا مطالعہ کرتا ہوں تو میری آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں حضرت محمدؐ کی زندگی فقیرانہ تھی۔ آپؐ دنیا میں بڑی سے بڑی دولت جمع کر سکتے تھے بنی کریم کی سادگی، انکساری، خلوص اور فرض شناسی نے ہر ایک کو اپنا گرویدہ بنالیا۔ خدا پر مکمل بھروسہ ہی سے تلوار کے زور کے بغیر آپؐ کو اسلام کی اشاعت میں کامیاب بنایا اور یہی وہ اوصاف ہیں جن کی مدد سے تمام رکاوٹوں اور پابندیوں کے باوجود مسلمان پیش قدمی کرتے چلے گئے۔

⑥ پڑھو! سب جانتے ہیں کہ رسول اکرمؐ پڑھ نہیں سکتے تھے لیکن آپؐ کی زبان پر وحی جاری ہوئی تو آپؐ نے انہیں کلمات سے دنیا کے ایک بڑے حصے میں انقلاب برپا کر دیا۔ لا الہ الا اللہ کا پیغام ایسا تھا جس نے عرب قوم کی حالت بدل ڈالی۔ (جیمز مشنر)۔

⑦ پیغمبر اسلامؐ پر تمام لوگوں کا اتنا اعتماد تھا کہ لوگ ہمیشہ آپؐ کو منصف (جج) بناتے اور اپنے جھگڑے



طے کرانے کے لیے آپ کے پاس حاضر ہوتے۔ پیغمبر خدا نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ معمولی غذا کھاتے اپنے ہاتھوں سے تمام کام کرتے۔ اپنے کمرے کی صفائی خود کرتے۔ بوسیدہ کپڑوں کو پوند بھی خود لگاتے۔  
(وائٹنگٹن اردن)

⑧ حضرت محمد مصطفیٰؐ پیغمبر اسلام امین تھے۔ فقیروں کی دولت، مسکینوں کے حامی، غلاموں کے ہمدرد اور یتیموں کے والی تھے۔ انہوں نے جو مثال زندگی گزار دی وہ مسلمانوں کے لیے مشعل راہ ہے۔ آرام و آسائش کی بجائے آپؐ نے معمولی غذا اور کٹے پھٹے کپڑوں پر گزارہ کیا۔ شرافت اور نرمی سے پیش آنارہمنوں کو معاف کر دینا ان کے ذاتی کردار تھے۔ جس نے اسلام کا بول بالا کیا۔ (پروفیسر ناراجند)

⑨ ولیم مور کا کہنا ہے:-

حضرت محمدؐ نے اپنی زندگی کو اس طرح سانچے میں ڈھا کر آنے والی نسلوں کے لیے مشعل راہ بنی ہوئی ہے۔

⑩ موجودہ دور کا کوئی بھی مؤرخ اس بات سے متفق نہیں ہو سکتا کہ حضرت محمدؐ کی عظیم شخصیت نے ایک عظیم الشان اور با اثر تحریک کی غرض کے لیے چلائی مگر آپؐ اپنی دھن کے پکے اور مگن میں سچے تھے۔  
(پروفیسر ربنار ڈلیوٹیس)

⑪ عام الحیات فصاحت و بلاغت میں مکتا۔ نے روزگار بانی مذہب اسلام اور دینی حکومت کے بانی محمد رسول اللہؐ کے سامنے پوری انسانیت کی عظمت بھی سچ ہے۔ آپؐ دنیا میں بانی کی حیثیت سے تشریف لائے۔ مذہب اور سلطنت کے بادشاہ، پوپ اور سیر کی طرح رسول اللہؐ بھی تھے مگر وہ پوپ کی مانند ریاکار اور سیر کی طرح فوجی دستے نہیں رکھتے تھے۔ (الفردوسی لیمٹائن)

⑫ حضرت محمدؐ کے یادگاری کردار اور اخلاق کریمانہ نے انسانوں میں اپنے آپ کو ایک انسان ثابت کیا۔ آپؐ کی راستگونی اور حقیقت پسندی نے جہوری اور ٹھوس شکل میں احکامات خداوندی کو پیش کرنے اور انسانوں کے تعلقات کو استوار کرنے میں مدد دی۔ حضرت محمدؐ کے اسوہ حسنہ تبلیغ اور بھروسے ہی نے دور جدید کی دنیا سے آپؐ کا تعلق قائم کر رکھا ہے۔ (ڈاکٹر جانسن)

⑬ سر ولیم میور نے زیادہ صاف لفظوں میں اعتراف کیا ہے:-

آنحضرتؐ کی تشریف آوری کے وقت دنیا میں جو گمراہی تھی اس سے پہلے کبھی نہ تھی اور حضورؐ کے رخصت ہوتے وقت جیسی مکمل ہدایت تھی اس سے پہلے کبھی نہ تھی۔



⑭ ڈاپر کہتا ہے :-

دنیا کے تمام انسانوں میں رسول اللہ نے نسل انسانی پر سب سے زیادہ اثر چھوڑا ہے۔

⑮ انسٹیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مصنفین لکھتے ہیں :-

جس وقت آنحضرتؐ نے اعلان نبوت فرمایا اس وقت دنیا میں تین طرح کے لوگ موجود تھے عیسائی، یہودی، مشرکین۔ اپنے آپ کو عیسائی کہنے والوں میں بھی عیسوی مذہب کا اقرار بہت ناقص تھا۔ جزیرہ نما عرب میں ہر قوم کا کفر و الحاد جو انسان کے خیال میں آسکتا ہے رائج تھا مشرکین کے مذہبی عقائد ایک دوسرے سے بہت مختلف تھے۔ اس لیے ایک ایسی چیز کی ضرورت تھی جو زیادہ سادہ متعین اور بالاصول ہو۔

ادھر پر ہم نے اسلام، قرآن اور پیغمبر صلعم کی عظمت کے بارے میں غیر مسلم مفکرین کے افکار و مباحثہ

کیے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام ایک ہمہ گیر اور مکمل دین ہے اس کے نبی اور الہامی کتاب کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اور تاقیامت اس کی حکمرانی اور کارستانی جاری رہے گی۔ کیونکہ تمام انسانیت کو عالمگیر رشتہ میں منسلک کرتا ہے۔ ہر قوم، ہر ملک کے باشندوں کے لیے یکساں ہے۔ توحید و آخرت کا سبق دیتا ہے۔ گویا اسلام ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ اس کا بانی ختم المرسلین اور افضل الانبیاء ہے۔ یہ زندگی کے بنیادی تصورات سے روشناس کراتا ہے۔ خود اعتمادی میں اضافہ کرتا ہے۔ مایوسی اور حرام نصیبی غلبہ نہیں پاتی۔ بشرطیکہ دل و جان سے اس پر عمل کیا جائے اور اس کی ہدایت کی روشنی میں زندگی بسر کی جائے

## اسلامی معیشت

### اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے

اسلام کا لفظی مطلب ہے فرمانبرداری۔ لیکن جب وہ دین کے معاملے میں آتا ہے تو فرمانبرداری خدا کی فرمانبرداری بن جاتی ہے۔

انسان روح اور مادے کا مرکب ہے۔ لہذا انسان کے لئے وہی مذہب مفید ہو سکتا ہے جو اس کے مادی جسم اور اس کی روح دونوں کے تقاضے پورے کر سکے۔

مذہب اسلام وہ مذہب ہے جو اس مقصد کو بہترین طور پر پورا کرتا ہے۔ اسلام نے انسانی



زندگی کے ہر پہلو کے بارے میں ہدایات دی ہیں مانیسانی زندگی کے بارے میں اسلام نے جو احکام دیے ہیں ان پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ در بڑے بڑے حصوں میں منقسم ہیں۔

### ۱۔ عبادات

### ۲۔ معاملات

انسان ایک طرف تو خدا کا بندہ ہے لہذا خدا کے ساتھ اس کا تعلق رہنا از حد ضروری ہے۔ دوسری طرف وہ ایک معاشرتی حیوان ہے اور دوسرے انسانوں سے کٹ کر زندگی گزارنا اس کے لئے ممکن نہیں۔ لہذا یہ بھی اس کے لئے بے انتہا ضروری ہے کہ وہ انسانوں کے ساتھ تعلقات قائم رکھے انسان کا جو تعلق خدا سے قائم ہوتا ہے اسے عبادات کہا جاتا ہے۔ جو تعلقات انسانوں کے ساتھ ہوتے ہیں وہ معاملات کہلاتے ہیں۔ مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ عبادات ہیں۔ دوسری طرف روزی کمانا متعلقین کے حقوق ادا کرنا ملک و ملت کی طرف سے عائد ہونے والے فرائض ادا کرنا بنی نوع انسان سے حسن و اخلاق سے پیش آنا، لوگوں کے ساتھ معاملات کرتے ہوئے دیانت داری سے پیش آنا، حکمران ہونے کی صورت میں عوام کے حقوق ادا کرنا یہ سب معاملات ہیں۔

اسلام کی نگاہ میں پسندیدہ اور مکمل انسان وہی ہے جو ایک طرف عبادات کا پابند ہو دوسری طرف معاملات میں فرض شناس ہو اسلام کے ایک مکمل ضابطہ حیات ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اسلام نے ایک طرف انسانوں کو تفصیل سے بتایا ہے کہ خدا کی عبادت کس طرح کن کن طریقوں سے کرے، اور دوسری طرف اسے مادی زندگی کے پہلوؤں کے بارے میں بھی ہدایات دی ہیں۔

چنانچہ قرآن کے مطالعہ سے جہاں یہ پتہ چلتا ہے کہ نماز کیسے پڑھی جائے، روزے کیسے رکھے جائیں۔ زکوٰۃ ادا کرنے کے کیا اصول ہیں اور حج کرنے کا کیا طریقہ ہے۔ وہاں یہ بھی تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ والدین کے حقوق کس طرح ادا کرنے ہیں۔ ہمسایوں کے ساتھ کیا سلوک کرنا ہے۔ ملک و ملت کی کس طرح خدمت کرنی ہے۔ روزی کیسے کافی ہے۔ تمدن، معاشرت، سیاست، معیشت، زراعت اور تجارت کے بارے میں کن بنیادی اصولوں کو پیش نظر رکھنا ہے۔ صلح کے کیا قواعد ہیں۔ جنگ میں کن اصولوں کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ مسلم اقوام کے باہمی تعلقات کیسے ہونے چاہئیں اور غیر مسلم اقوام کے ساتھ کیسے معاملات طے کرنا ہیں۔

غرضیکہ زندگی کا کوئی ضروری پہلو ایسا نہیں جس کے بارے میں اصول ہدایات دی گئی ہوں۔ لہذا ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا فرض ہے کہ زندگی کے تمام پہلوؤں میں اس بات کا دھیان رکھیں۔ کہ وہ قرآن اور سنت کے احکام کے مطابق بسر کئے جارہے ہوں۔ اگر ایک انسان نماز تو پڑھے مگر روزی



کھاتے ہوئے اشیاء میں ملاوٹ کرے۔ رشتہ لے اور بددیانتی کے فیصلے کرے تو محض نماز پڑھ لینے سے وہ ایک نیک انسان نہیں بن جائے گا۔

ایسے ہی اگر کوئی شخص روزی کھاتے ہوئے دیانتداری سے کام لے مگر نماز کو ضائع کر دے تو وہ بھی نیک انسان نہیں کہلائے گا کیونکہ دونوں نے آدھا آدھا کام کیا ہے اور باقی آدھا چھوڑ دیا ہے پہلے شخص نے خدا کا حق ادا کیا مگر انسانوں کا حق ادا نہ کیا اور دوسرے انسان نے انسان کا حق ادا کیا مگر خدا کا نہ کیا۔ اس لئے دونوں فرض ناشناس ہیں اور دونوں نے اسلام پر پورا عمل نہیں کیا۔

حدیث مبارکہ ہے کہ ایک دن حضور نے اپنے صحابہ سے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ ہم میں تو مفلس وہ ہوتا ہے جس کے پاس نہ روپیہ ہو نہ دنیاوی سازد سامان۔ اس پر حضور نے فرمایا کہ میری امت میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نمازیں، روزے اور زکوٰۃ لے کر آئے گا۔ مگر ساتھ ہی اس نے کسی کا دل دکھایا ہو گا کسی کو گالی دی ہو گی۔ ہمت لگائی ہو گی کسی کا مال کھایا ہو گا کسی کو مارا ہو گا کسی کا خون بہایا ہو گا۔ قیامت کے دن اس کی نیکیاں لے کر ان مظلوموں کو دے دی جائیں گی۔ پھر اگر اس کی نیکیاں اس کے ظلموں کا بدلہ ادا کرنے سے پہلے ہی ختم ہو گئیں۔ پھر ان مظلوموں کی خطائیں لے لی جائیں گی اور اس ظالم پر ڈال دی جائیں گی۔ اس حدیث سے معاملات کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے اور اس سے یہ پتہ چلتا ہے جہاں اسلام عبادات کا حکم دیتا ہے وہاں معاملات پر بھی پورا زور دیتا ہے۔

اور بھی ایسی بہت سی احادیث ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادات کی پابندی اختیار کرنا کتنا ضروری ہے۔ حضور کریمؐ نے واضح فرما دیا ہے کہ نماز کنز اور اسلام کے درمیان حد فاصل ہے۔ اور بغیر کسی شرعی عذر کے نماز نہ پڑھنا۔ روزہ چھوڑ دینا سخت گناہ کی بات ہے جس مال کی زکوٰۃ ادا نہ کی جائے گی وہ قیامت کے دن ذریعہ عذاب بن جائے گا۔ جو شخص ستمیعت ہوتے ہوئے بھی حج نہ کرے وہ گناہگار ہے۔

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور اس کے سارے کے سارے مذاہب و حیات کو اپنا کر ہی ایک انسان سچا مسلمان بن سکتا ہے۔ اس لئے اس بات کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں کہ زندگی کے کسی معاملے میں اسلام کے بتائے ہوئے اصول چھوڑ کر کسی اور طریقہ زندگی کے کچھ اور اصول آ کر لیں اور اسلام کے نظام زندگی میں ان کا جوڑ لگالیں۔ یہ ایسا جیسا جیسے کپڑے میں دوسرے قسم کے کپڑے کا پیوند لگا دیا جائے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسلام سہارا دین اور سوشلزم ہماری معیشت ہے۔ وہ یہ بات بھول جاتے ہیں کہ اسلام کے تراپے معاشی اصول موجود ہیں۔ اگر ہم سوشلزم کے معاشی اصول لا کر اسلام میں



جوڑ لگا دیں گے تو پھر لامحالہ ہمیں اسلام کے اپنے معاشی اصولوں کو وہاں سے ہٹانا پڑے گا۔ چونکہ اسلام ایک مکمل ضابطہ معیات ہے اس لئے اس کے نظام کو ترک کرنے کے بعد پھر کیسے کہہ سکتے ہیں کہ ہم پورے مسلمان ہیں۔

اسلامی نظام زندگی کے ایک پہلو سے تعلق توڑ کر اور مثلاً اس کا کفر کر کے ہمارا وہی حال ہو جائے گا جو یہودیوں کا تھا کہ وہ اپنی کتاب کے ان حصوں پر تو عمل کرتے تھے۔ جو ان کی مرضی کے مطابق ہوتا اور اسکے اُس حصے سے انکار کرتے جو ان کی خواہشات کے مطابق نہیں ہوتا تھا۔

ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا فرض ہے پورے کے پورے اسلام کو نافذ کریں، اور معاش بھی اس کا ایک حصہ ہے۔ اس کو علیحدہ کر کے دین نامکمل رہ جاتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ اگر دین کے ایک حصہ کو علیحدہ کر دیا جائے تو پھر دوسرے حصے بھی متاثر ہو کر رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر ہم اسلام کی اپنی معاشی پالیسی کو ہٹا کر وہ پالیسی اختیار کریں جس کا سرمایہ داری نظام سے تعلق ہو تو سرمایہ داری کی بنیاد ہی سود پر ہے اور سود اسلام میں حرام ہے لہذا سرمایہ داری کی معاشی پالیسی اختیار کر کے صرف یہی نہیں ہوگا کہ ہم نے اسلامی نظام کے ایک حصے کو کاٹ پھینکا۔ بلکہ اس کے علاوہ ہم سود خوری کا ارتکاب بھی کرتے رہیں گے۔ جیسے کہ بہت سے مسلمان کہلانے والے اب بھی کر رہے ہیں۔ ویسے بھی اگر ہم سوشلزم سے تعلق رکھنے والی پالیسی کو اختیار کر لیں گے۔ تو اس میں نجی ملکیت کی بالکل تفریق ہے اور اگر نجی ملکیت کی تفریق کر دی جائے تو پھر اسلام کا زکوٰۃ، صدقات اور درختے کا سارا نظام ہی بے کار ہو جائے گا کیونکہ ان اعمال کی بنیاد ہی نجی ملکیت پر ہے۔



## باب (3)

### چند بنیادی اقدار (Some Basic Values)

اسلام اس طرح کا دین نہیں کہ بندے اور خدا کے درمیان بس نجی معاملہ ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو اس کی تعلیمات لازمی انفرادی زندگی کے مسائل تک ہی محدود ہوتیں۔ وہ صرف مسجد کی باتیں کرتا، نماز روزے کا حکم دیتا، چند اخلاقیات کی تلقین کرتا، کچھ ہدایات دے کر خاموش ہو جاتا۔ مگر قرآن و سنت کا ہر صفحہ شہادت دیتا ہے۔ کہ صورتِ احوال ایسی نہیں ہے۔ اسلام کی مندرشار عبادت گاہوں اور زندگی کے انفرادی دائروں میں ہی کچھ ہوئی نہیں ہے۔ بلکہ وہ بازاروں، دکانوں، کاروباری اداروں، معاشی میدانوں، تمدن کے دائروں، سیاست خانوں، حکومت کے ایوانوں، راحت کدوں، رستورانوں اور خلوت گاہوں، غرضیکہ زندگی کے ایک ایک شعبہ میں نصاب دیتا، اور امر و نواہی کا درس دیتا ہے۔ ایک عام فرد سے لیکر سربراہ مملکت تک اس کی تعلیمات عالیہ سے پورے طور پر استفادہ کر سکتا ہے۔ یہی نہیں کہ قرآن اجماعی زندگی سے تعلق رکھنے والے صرف اپنے قوانین کو دین کہتا ہے۔ بلکہ کسی بھی مذہب اور سوسائٹی کے قوانین کو اس کا "دین" قرار دیتا ہے۔

انسانیت کا ایسا کوئی مسئلہ نہیں جو اس کے دائرہ کار سے باہر ہو۔ یہ ایک ایسا دین ہے جو ہر قدم پر انسان کی رہائی کے لیے معلومات کا بیش بہا خزانہ مہیا کرتا ہے۔ القصہ یہ ایک ایسا ملل نظام ہے جو انسانی زندگی کے اقتصادی، فکری، اخلاقی، اور عملی تمام پہلوؤں کو پوری طرح محیط کیے ہوئے ہے۔ کچھ اس طرح جس طرح کہ ہوا کا گڑہ اس زمین کو چاروں طرف سے اپنی آغوش میں لیے ہوئے ہے۔ اسلامی نظام کا سب سے اہم اور مرکزی جزو اس کا وہ حصہ ہے جس کا راست تعلق انسان کے اندرون سے ہے اور اسے روحانی نظام کہتے ہیں۔ اس کا اولین مقصد یہ ہے کہ انسانی روح نفس کی غلامی سے آزاد اور دنیا پرستی کی آلودگی سے پاک و صاف ہو رہے۔ اور اللہ کی اطاعت الفت اور اس کی رضا جوئی کے اچھے جذبات سے سرشار و مہمور ہے۔ نیز انسان وہی کچھ پسند کرنے لگے جو اس کے رب کو پسند ہے۔



دل میں پاکیزگی اور خدا طلبی کی کیفیت پیدا کرنے کے لیے اسلام نے جو ابتدائی اور راست تدابیر مقرر کی ہیں انہیں ارکان اسلام کا نام دیا جاتا ہے۔ ان پر کاربند ہونے سے پہلے شرائط ایمان سے اپنے دامن کو پر کرنا نہایت ضروری ہے۔ گویا دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے لیے شرائط عقیدہ کے پلیٹ فارم پر گامزن ہونا پڑے گا۔ روحانی نظام کے ساتھ ساتھ اخلاقی نظام کا ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ اسلام نے حسن اخلاق کو بڑی اہمیت دی ہے۔ آپ کا ارشاد ہے: بُعِثْتُ لِأَتَمِّمَ حُسْنَ الْأَخْلَاقِ (مشکوٰۃ بحوالہ موطا) میں حسن اخلاق کی تعلیم کے لیے بھیجا گیا ہوں۔

أَلْبَدُ حُسْنَ الْخُلُقِ (مسلم) نیکی حسن خلق کا نام ہے۔

أَحْسَنُ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْنَا (قصص - ۶۶)

لوگوں کے ساتھ بھلائی کرنا ہی طرح اللہ نے تیرے ساتھ بھلائی کی ہے۔ چنانچہ اسلام اپنے اہل خانہ سے لے کر سارے معاشرے تک بھلائی کا حکم دیتا ہے۔ اس باب میں چند بنیادی اور ضروری قدریں بیان کی گئی ہیں۔ تاکہ ان پر عمل پیرا ہو کر انسانی زندگی کو اچھے حلقہ میں ڈھالاجا سکے۔ ان اقدار کا ہماری زیست سے گہرا تعلق ہے اور یہ خاص اہمیت کی حامل ہیں۔

## ① توحید (Unity)

شرائط ایمان میں سے پہلی اور ضروری شرط رب العزت پر ایمان لانا ہے کہ کوئی انسان اس وقت تک دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اللہ کے واحد ہونے کا اقرار نہ کرے۔ خداوند تعالیٰ کو اس کی ذات اور صفات میں یکتا اور واحد تسلیم کرنا نہایت لازمی ہے اور یہ بنیادی عقیدہ ہے۔ خداوند کریم کے وجود، صفات، اختیارات اور حقوق پر یقین رکھنا ضروری ہے۔ اس کے ننانوے نام ہیں اور اس کی چند صفات کا تذکرہ یہاں کیا جاتا ہے۔ وہ ازل، ابدی اور واجب الوجود ہے۔ وہ خالق، رب، اور مالک و حاکم ہے بلکہ احکم الحاکمین ہے۔ وہ علیم و حکیم اور غیبی بھی ہے۔ نیر عادل، عزیز، معبود اور احد بھی ہے۔ قرآن حکیم اور رسول کریم کے ارشادات سے ظاہر ہوتا ہے کہ عقیدہ توحید کے اہم اور بنیادی تقاضے حسب ذیل ہیں:-

(۱) اللہ تعالیٰ کے بجز کوئی اور ہستی نہیں جو خود وجود میں آگئی۔ بلکہ تمام مخلوقات کا خالق وہی ہے۔

اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ (الزمر ۶۱) اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔ هُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ۔

(۲) قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ: فرمادیجئے کہ اللہ ایک ہے۔ نیز اسی سورۃ میں ہے۔ اس نے کسی کو



نہیں جتنا اور نہ ہی وہ کسی سے جتنا گیا۔ یعنی نہ تو وہ کسی کا باپ ہے اور نہ ہی کسی کا بیٹا ہے۔ اس سے انبیاء کے عقیدہ تثلیث کی نفی ہوتی ہے۔ نیز اس کی ہمسری کریمو الا کوئی نہیں۔ اور نہ ہی اس کا کوئی شریک ہے۔ (3) اللہ کی ذات بنیادی طور پر تمام موجودات سے مختلف ہے۔ اور کسی طرح بھی اس کا کوئی ہم جنس نہیں۔ لَیْسَ کَمِثْلِهِ شَیْءٌ۔ (الشورا ۱۱)

کسی بڑی سے بڑی ہستی پر بھی اس کا تیس نہیں کیا جاسکتا۔ جیسا کہ قرآن مقدس میں ہے: لِلّٰهِ الْمَثَلُ الْأَعْلٰی۔ (النمل ۶۰)۔

(4) صرف اللہ ہی ہے جس کی رضا جوئی کی انسان کو فکر کرنی چاہیے۔ سارے اعمال و حرکات صرف اسی کی ذات کے لیے مخصوص رکھنے چاہئیں۔ سجدہ صرف اسی کو کیا جاسکتا ہے۔ وہی عبادت کے لائق ہے۔ (5) وہ جذبات اور احساسات بھی اللہ ہی کے لیے مخصوص ہونے چاہئیں جن کے اندر بندگی کی کُوج پائی جاتی ہو۔ توکل صرف اسی پر کیا جائے۔ امیدیں اور توقعات صرف اسی سے وابستہ رکھنی ضروری ہیں۔ اسی کی اُلفت اور خوف ہونا چاہیے

(6) اس ساری کائنات کا مقتدر اعلیٰ وہی ہے حقیقی شارع اور قانون ساز بھی ہے۔ زندگی اور موت بھی اسی کے قبضہ قدرت میں ہے وہی عزت و ذلت دیتا ہے (7) وہی زائق ہے۔ زیادہ یا کم روزی کا اختیار بھی اسی کو حاصل ہے۔ انسان تو صرف کوشش کرتا ہے۔ برکت وہی ڈالتا ہے۔

(8) صانع حقیقی وہی ہے۔ اور اس کے اذن کے بغیر دنیا کا ایک چھوٹا سا ذرہ بھی حرکت نہیں کر سکتا۔ نفع و نقصان ہی وہی پہنچا سکتا ہے۔

(9) وہ رحیم و کریم ہونے کے علاوہ ستار اور غفار نیز جبار بھی ہے۔ اس کے قہر و غضب سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ اس کی رحمت جی عام ہے۔

(۱۰) تمام امور اسی کی رضا جوئی اور خوشنودی کے لیے سرانجام دینے چاہئیں۔ سارے سامانِ زلیست اسی نے تخلیق کیے ہیں۔ اس دنیا کی ساری نعمتیں اسی نے فراہم کی ہیں۔ بہشت و جہنم بھی اسی نے پیدا کیے ہیں۔ قیامت کے دن کا مالک بھی وہی ہے۔ اور سب مخلوق اسی کے سامنے جوابدہ ہے۔



## ② رسالت ( Prophecy )

اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے۔ اس کا اقرار بھی ایمان کا جزو لا ینفک ہے۔ اس کے معنی سفارت اور پیغمبری کے ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں اس سفارت کو کہتے ہیں جسے رب تعالیٰ نے انسانوں تک اپنے تشریعی احکامات ارسال کرنے اور انہیں اپنی مرضی کی راہ بتانے کے لیے قائم کیا ہے۔ اس کا دوسرا نام نبوت ہے، ہے اللہ نے انسانوں تک اپنے احکام بھیجے کا ذریعہ انسانوں کو ہی بنایا ہے۔ ارشاد ربانی یوں ہوتا ہے: وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رَجُلًا نُوحِيَ إِلَيْهِ سَمٌ۔ (یوسف ۱۰۹) اور اے محمد! ہم نے آپ سے پہلے بھی رسول صرف آدمیوں ہی کو بھیجا تھا جن پر ہم وحی نازل کرتے تھے۔ اسی طرح مزید فرمایا: قَالُوا إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا (ابراہیم ۱۵) ایک اور مقام پر یوں کہا گیا..... بلاشبہ یہ رسول کھانا کھاتے اور سودا سلف خریدنے کے لیے بازاروں میں چلتے پھرتے (فرقان ۲۰) وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً (رعد ۳۸) اور ہم نے ان کے لیے بیوی بچے بنائے تھے۔

جس مصلحت کے تحت انسانوں کو اس منصبِ طیبہ پہ فائز کیا گیا اس کی بھی صراحت کر دی گئی ہے: اے نبی! اُن سے کہہ دو کہ اگر زمین میں فرشتے چلتے پھرتے اور آباد ہوتے تو ہم ضرور انہیں اُن پر آسمان کے کسی فرشتے ہی کو رسول بنا کر بھیجتے۔ (بنی اسرائیل ۹۵) اس آیت سے رب تعالیٰ کا ایک متعین ضابطہ ظاہر ہوتا ہے کہ رسول کو اسی جنس سے ہونا چاہیے یعنی مخلوق میں سے بنایا جائے۔

ہر نبی اس قوم میں سے ہوتا تھا۔ اور کلامِ الہی بھی اسی زبان میں ہوتا تھا تاکہ اس کے فہم و ادراک میں آسانی ہو۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ۔ (ابراہیم ۴) یاد رہے کہ رسالت کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ اسے ذاتی کوشش اور محنت کر کے حاصل کر لیا جائے۔ بلکہ یہ ایک وحی شے ہے۔ اور رب تعالیٰ کا خاص عطیہ ہے۔ وہ خود انتخاب کرتا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ

يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ (العام ۱۲۵) اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ اسے اپنی پیغمبری کس کے سپرد کرنی چاہیے یہ لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ وہ کیا ہے؟ ان سے کہہ دو کہ وحی میرے رب کے خاص امور میں سے ہے۔ اور تمہیں بہت کم علم بخشا گیا ہے (بنی اسرائیل ۸۵)



نیز ایسی کوئی قوم نہیں جس میں کوئی خیردار نہ پیدا ہو (فاطر ۲۴) بنی کی ساری تعلیمات اللہ کی طرف سے ہوتی ہیں۔ وہ اپنی مرضی سے کوئی بات کرنے کا حکم نہیں دیتا۔ اور ان پر وحی نازل کی جاتی ہے۔ اور یہ کام حضرت جبرائیل کے سپرد کیا ہوا ہے۔ وہی پیغامات لاتے تھے۔

بنی معصوم ہوتا ہے۔ اس سے فکر و اجتہاد کی غلطیاں سرزد ہوتی ہیں۔ نہ اعمال و اخلاق کی لغزشیں نفس اور شیطان کی دراندازیوں سے اس کے جذبات، افکار اور افعال پاک ہوتے ہیں پیغمبر کی مکمل اطاعت اور پیروی ضروری ہوتی ہے۔ اور ایسا سمجھنا شرط ایمان ہے۔

ہم نے جس رسول کو بھی بھیجا ہے۔ اس لیے کہ اذن خداوندی کے مطابق اس کی اطاعت کی

جائے (النساء - 64)

پس نہیں، اسے بنی! تمہارا رب گواہ ہے کہ یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ وہ اپنے آپس کے نزاعی معاملات میں تمہیں حکم نہ بنائیں۔ اور جو فیصلہ آپ کریں اس میں اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں بلکہ اسے پوری آمادگی کے ساتھ قبول کریں۔ (نساء - 65)

جو اللہ کے رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔ (نساء - 80)

سارے انبیاء کرام پر ایمان لانا ضروری ہے۔ کسی ایک کا بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر آئے تھے۔ سب کی رسالت پر ایمان لانا ضروری ہے۔ مزید برآں حضرت محمد مصطفیٰ کو ختم المرسلین تسلیم کرنا بھی لازمی ہے کیونکہ اب نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے اور انہی کی شریعت پر عمل کرنا ضروری ہے۔ وہ تمام مخلوقات اور جہانوں کے بنی ہیں۔ اللہ رب العالمین ہے تو آپ رحمۃ للعالمین ہیں۔ نیز شفیع المذنبین بھی ہیں۔ شان ربوبیت کے ساتھ ساتھ فضیلت رسالت پر ایمان رکھنا ہی صحیح معنوں میں مسلمان ہونا ہے۔

نیک برتاؤ کرنا، بھلائی سے پیش آنا، فیاضانہ معاملہ کرنا، ہمدردانہ رویہ

### ③ احسان

رکھنا، رواداری سے کام لینا، درگزر کرنا، خوش خلقی سے پیش آنا،

دوسرے کو اس کے حق سے قدرے زائد دینا، اپنے حق سے کم لینا، کسی کی مدد کرنا، سب احسان کے معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ احسان کا لفظ حُسن سے نکلا ہے۔ کسی کام کو خوبی اور خوش اسلوبی سے سرانجام دینا حُسن کہلاتا ہے۔ احسان دراصل حُسن سے بھی زائد ایک چیز ہے۔ جس کی اہمیت معاشرتی اور اجتماعی زندگی میں عدل سے بھی زیادہ ہے۔ عدل کا حُسن و جمال احسان ہے۔ عدل اگر سونا ہے تو احسان اس پر مہاگہ ہے۔ عدل اگر معاشرے کو نیچوں، تنگیوں اور ناگوار یوں سے نجات دلاتا ہے تو احسان اس



میں خوشگواریاں، آسانیاں، حلاوتیں اور شیرینیاں اُجاگر کرتا ہے۔ نیز معاشرے کو لذتوں اور مسرتوں سے بہرہ نواز کرتا ہے۔ نفرت کی بجائے الفت اور غصہ کی بجائے عفو کو بخشتا ہے۔ گویا متوازن معاشرے میں احسان کا درجہ نہایت اعلیٰ اور ارفع ہے۔ ماحول کو پُر امن، پُر لطف اور پُر سکون بنانے کے لیے احسان کے رُول کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ محبت، خلوص، شکرگزاری، عالی ظرفی اور فیاضی کے موتی بچھا کر کرنے کے لیے احسان خاص فضیلت کا حامل ہے۔ اللہ لوگوں کو عدل اور احسان کے ساتھ معاملہ نہیں کا حکم دیتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيتٰى ذِي الْقُرْبٰى بِعَشْرٍ  
 اللہ انصاف اور احسان کرنے کا حکم دیتا ہے اور قرابت والوں کو دینے کا۔ (نمل - ۹۰)  
 وَ اَحْسِنْ كَمَا اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ - (قصص - ۶۶) اور جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ  
 احسان کیا ہے۔ تو بھی دوسروں کے ساتھ احسان کر۔  
 احسان دو طرح کا ہوتا ہے۔

عبادات کا احسان

معاملات کا احسان

اور دونوں کا اصل مفہوم یہی ہے کہ کسی کام کو نہایت عمدہ اور خوبصورت طریقے سے سرانجام دیا جائے۔

### عبادات کا احسان

بخاری اور مسلم کی مشہور حدیث ہے جسے حدیث جبرائیل کہا جاتا ہے۔ اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ ایک دن حضرت جبرائیل انسان کی شکل میں رسول کریم کے پاس آئے اور آپ سے کچھ سوالات کئے اور یہ بھی سوال کیا کہ احسان کیا ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا۔  
 ”احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کر کہ گویا تو خدا کو دیکھ رہا ہے لیکن اگر ایسی کیفیت ممکن نہیں تو اس طرح کی عبادت کر کہ گویا تجھے خدا دیکھ رہا ہے۔“

اس ارشاد نبوی کی روشنی میں احسان کی ایک قسم عبادات کے متعلق ہے۔ یعنی جب نفس میں یہ احساس موجزن ہو کہ خدا کی بارگاہ میں حاضر اس کو دیکھ رہا ہوں تو اس ذات کی عظمت و کبریائی و ملامت و شوکت کا ایسا تصور پیدا ہوگا جو انسان میں دلی وابستگی کی کیفیت پیدا کر دے گا۔ یہی جذبہ عبادت کو حسن ادائیگی سے ہمکنار کرے گا لیکن اگر طبیعت میں ایسی یکسوئی پیدا نہ ہو سکے تو پھر نفس میں یہ



احساس ضرور موجود ہو کہ خدا پاک میری طرف متوجہ ہے۔ خدا تعالیٰ کا انہی طرف متوجہ ہونے کا احساس انسان میں کم از کم وہ کیفیت ضرور پیدا کر دے گا کہ وہ اپنے فرائض عبادت کو ایسے طریقے سے ادا کر سکے کہ وہ خدا کی بارگاہ میں قبول ہو سکیں۔ جب خدا کے سامنے اپنے گناہوں کے اظہار کے ساتھ مغفرت کا انسداد ہو اور اس کے جذبات کی یہ صورت ہو کہ اس کی عبادت اللہ تعالیٰ کو پسند آجائے، اور قبولیت کا درجہ حاصل کرے۔ عبادات کی ادائیگی میں یہ حسن و خوبی بورتی احسان ہے، اور یہ احسان کی پہلی قسم ہے۔

### معاملات کا احسان

اس کی تفصیل یہ ہے کہ انسان اپنے ہم جنسوں کے بغیر زندگی نہیں گزار سکتا۔ باہمی زندگی اچھی طرح گزارنے کے لئے ضروری ہے کہ اگر ناپسندیدہ باتیں کسی سے ہرزد ہو جائیں تو ایسی صورت ہیں اخلاق کی اس خوبی کا مظاہرہ کیا جائے جسے احسان کہتے ہیں۔ بنی نوع انسان کے ساتھ حسن سلوک کے نقطہ نظر سے احسان بہت اہمیت کا حامل ہے کیونکہ خدائے پاک نے قرآن مجید میں بے شمار موقعوں پر احسان کی ترغیب دی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے

”تم لوگوں کو اچھی بات کہو اور تم احسان کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اور تم بھی احسان کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا ہے۔“

اس قسم ثانی میں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ نہ صرف لوگوں کے ساتھ احسان کرنے کا حکم دیا گیا ہے بلکہ یہ بھی وضاحت کر دی گئی ہے۔

”کیا نہیں ہے احسان کا بدلہ صرف احسان ہی“  
 ”ہرزدی روح کے ساتھ رحم کرنے پر تم کو ثواب ملے گا“ (حدیث مبارک)

خدائے پاک اور اس کے رسول کے ارشادات سے واضح ہو جاتا ہے کہ احسان دو حصوں میں بٹا ہوا ہے۔ ایک دلی توجہ و شوق سے خدا کی عبادت کرنا اور دوسرے انسانوں کے ساتھ حسن و سلوک سے پیش آنا ایک طرف تو انسان خدا کا بندہ ہے اور اسے خدا کی طرف ہی واپس جانا ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ انسان معاشرتی حیوان ہے اور دوسروں سے الگ تھلگ رہ کر زندگی نہیں گزار سکتا۔ لہذا بہترین طرز عمل یہی ہے کہ وہ اپنے خالق اور خالق کی مخلوق کے ساتھ گہرے تعلقات رکھے۔

آنحضرت کا اسوۂ حسنہ امت مسلمہ کے لئے مشعل راہ ہے اور وہ مینار نور ہے۔ جس کی



دشمنوں سے ہر انسان اپنی تارکب راہ کو منور کر سکتا ہے۔ آپ کی ذات گرامی ہر لحاظ سے اپنے اُمتیوں کے لئے کامل اور جامع نمونہ ہے۔ آپ نے ہر شعبہ زندگی میں رہنمائی کا فریضہ احسن طریقے سے پورا کیا ہے اور آنحضرت کی حیات طیبہ احسان کا پیکر ہے۔ آپ کی مبارک زندگی قدم قدم پر احسان کی مثالوں سے بھری ہے۔ آپ نے کبھی اپنے دشمنوں کے ظلم کا بدلہ نہیں لیا بلکہ ان کی غلطیوں کو درگزر کر کے ان کے ساتھ احسان کا سلوک ہی کرتے رہے۔

کفار کی روزمرہ کی ستانے والی کارروائیاں ہوں یا تبلیغی مشن میں روکنے کا دل دکھا دینے والا انداز۔ راستے میں بچھائے گئے کانٹوں سے گزرنا ہو یا بیت اللہ میں عبادت کرنے کے لئے ظلم و ستم کا ہدف بننا یا اخلاق سے گرے ہوئے القابات سے نوازے جانے کی فہم آنحضرت کی ذات گرامی تمام موقعوں پر ایسا پیکر نظر آتی ہے جس سے احسان کی مشاعیں منکس ہوتی رہتی ہیں جو دشمنیوں اور عداوتوں کی طویل داستان کو ان الفاظ میں ختم کر دیتے ہیں۔

” آج کے دن تم پر کوئی باز پرس نہیں

چلے جاؤ کہ تم سب آزاد ہو۔ “

اللہ کی طرف سے آپ کو خصوصی تاکید کی گئی :

” پس آپ ان کو معاف کر دیں اور درگزر کریں بے شک اللہ احسان کرنے

والوں کو پسند کرتا ہے۔ “

آپ کا اسوہ حسنہ ایک کامل نمونہ ہے اور پیروکاروں کے لئے ایک کھلی دعوت ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے اس حکم اور نبی کے نمونے سے سبق لے کر اپنی زندگی کو سنبھالنے کا اہتمام کریں۔ کیونکہ ہمارے نبی کا ارشاد ہے کہ ایسے نہ بنو کہ اپنی عقل سے کام نہ لو اور دوسروں کی دیکھا دیکھی کام کرو اور یہ کہنے لگو کہ لوگ احسان کریں گے تو ہم بھی کریں گے۔ اگر وہ زیادتی کریں گے تو ہم بھی کریں گے بلکہ اپنے آپ کو اس بات پر بخیر کر لو کہ احسان کرنے والوں کے ساتھ احسان کرو گے اور برائی کرنے والوں کا جواب بھی احسان سے دو گے۔

قرآن پاک ان لوگوں کے لئے باعثِ رحمت قرار دیا گیا ہے جو احسان کرنے والے نیکو کار

ہیں۔

آج بھی مسلمانانِ عالم یہ تہیہ کر لیں کہ وہ احسان سے پیش آئیں گے اور ایک دوسرے کے گناہ معاف کر دیں تو بیشتر جھگڑے اور نزاعات خود بخود ختم ہو جاتے ہیں اور دنیا امن و سکون کی



گود سے بھگنا رہو جائے گی۔ انتقامی کارروائی سے ہی اقوام بگبگ و جدال کہ لپیٹ میں آسکتی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی کسی کا حق غصب کرے اور دوسرا معاف کر دے تو معاملہ ختم ہو جاتا ہے۔ مقدمات تک نہایت نہیں آتی اور معاشی لحاظ سے بھی فائدہ ہوتا ہے۔ کاروبار کامیابی سے چلتا ہے۔ احسان کرنے کے بعد جتنا نہیں چاہیے کیونکہ رب اس کے اجر کو ضائع کر دیتا ہے اور "دغا باز، بخیل اور احسان جملانے والے جنت میں نہ جائیں گے" (ترمذی)

دوسروں کی غلطی اور زیادتی پر درگزر کرنا اور ان پر مہربانی کرتے ہوئے معاف کر دینا عفو کہلاتا ہے۔ اس کا اسلام میں بڑا درجہ ہے۔ یہ ایک ایسی صفت ہے جس سے دل صاف ہو جاتا ہے۔ اور انسان آپس میں ہمدردی و موانست سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے اپنی پوری حیات طیبہ میں کسی سے انتقام نہیں لیا حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرتؐ نے کبھی کسی ذاتی معاملہ میں انتقام نہیں لیا۔ سوائے اس کے کہ کسی نے احکام الہی کی رسوائی کی ہو۔

## ④ العفو

فَاتَّ اللَّهُ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا۔ (نساء - ۱۲۹)۔ تو بلاشبہ اللہ بڑی مغفرت اور بڑی رحمت والا ہے۔ فَاتَّ اللَّهُ كَانَ غَفُورًا قَدِيرًا۔ (نساء - ۱۴۹)۔ تو بلاشک رب بڑا معاف کرنے والا اور پوری قدرت والا ہے۔

نیز فرمایا اور وہ ایسا ہے کہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور برائیوں کو معاف فرماتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اس کا پورا علم رکھتا ہے۔ (شوریٰ ۲۵)

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ (مانہ - ۱۳) (اے نبی) آپ ان کو معاف کر دیں اور ان سے درگزر کریں۔

فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا (البقرہ - ۱۵۹) پس معاف کر دیا کرو اور درگزر کرو۔

اسی طرح مزیدیوں فرمایا۔ "اور بُرائی کا بدلہ بُرائی ہے۔ ویسی ہی اس پر بھی جو معاف کر دے اور صلح کرے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے۔ بے شک وہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ (شوریٰ ۶۵)

رسول اللہؐ نے غصہ کا علاج یوں بتایا۔ عطیہ بن عروہ سعدی کہتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا ہے: غصہ شیطان کی طرف سے ہے۔ اور شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے۔ اور آگ کو پانی سے بجھایا جاتا ہے اس لیے جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو وہ وضو کرے۔ (ابوداؤد)۔

ابوذرؓ کہتے ہیں، آپؐ نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے اگر وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے غصہ جاتا رہا تو خیر۔ ورنہ لیٹ جائے۔ (احمد، ترمذی)۔

ہر انسان سے توقع نہیں کی جاتی کہ وہ دوسرے کی غلطی کو معاف کر دے اور زیادتی کا بدلہ نہ لے۔



## ⑤ تقویٰ

تقویٰ کے معنی اللہ سے ڈرنے کے ہیں۔ اور ڈرنے والے کو متقی کہا جاتا ہے یہ دراصل فرض شناسی اور احساسِ ذمہ داری کا نام ہے۔ جو خوفِ خدا سے پیدا ہوتی ہے۔ اور انسان ساری زندگی میں ہر اس کام سے باز رہتا ہے جسے اللہ نے منع کیا ہے۔ اور ہر اس عمل کے لیے کمر بستہ رہتا ہے جس کا ذاتِ کبریٰ نے حکم دیا ہے۔ صحیح مسلمان اللہ کے سوا کسی دوسرے سے نہیں ڈرتا۔ دنیا کا ہر قسم کا ڈر انسان کو پریشان و متعجب کرتا ہے مگر تقویٰ اسے قوی تر بناتا ہے۔

أَنْذِرْ ذَٰلِكَ ۖ إِنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاتَّقُونِ (نمل - 2) آگاہ کر دو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ لہذا تم مجھ سے ہی ڈرو۔

أَنذَرْتُكُمْ فَاَتَّقُونِ (المؤمنون 52) میں تمہارا رب ہوں مجھ سے ہی ڈرو۔ اسی طرح ایک اور مقام پر یوں فرمایا۔ اللہ کا فرمان ہے کہ خدا نہ بنا لو خدا تو بس ایک ہی ہے۔ لہذا تم مجھ سے ہی ڈرو۔

درحقیقت ایمان کا تقاضا ہے کہ انسان اللہ سے ڈر کر زندگی گزارے۔ تقویٰ اسلام کی بنیاد ہے۔ انسان فطرتاً گمراہ و گمراہوں ہے۔ اس لیے اُسے ہر لمحہ اللہ کی رہنمائی کی ضرورت رہتی ہے۔ اور رب کی رہنمائی اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک انسان پرہیزگار نہ بنے۔

”جو اپنے عہد کو پورا کرے گا اور بُرائی سے بچ کر رہے گا وہ اللہ کا محبوب بنے گا کیونکہ پرہیزگار لوگ ہی اُسے پسند ہیں۔ تقویٰ والے ہی اللہ کے دوست ہیں۔“

وَاللَّهُ مُوَلِّيُّ الْمُتَّقِينَ - (جاثیہ 19) اور اللہ تقویٰ والوں کا دوست ہے۔ جو کوئی اللہ کا تقویٰ اختیار کرتا ہے۔ وہ اس کے لیے نکلنے کی راہ ہیا کر دیتا ہے اور اُسے ذرائع سے روزی بہم پہنچاتا ہے جس کا اُسے گمان تک نہیں ہوتا۔ (طلاق - 3 - 2)۔

تقویٰ کے لیے اس احتیاط کی ضرورت ہے کہ انسان حدود اللہ کے اُن آخری کناروں پر نہ گھومتا رہے۔ جہاں نیکی اور گناہ فاصلہ ایک لکیر رہ جاتا ہے۔ اُن سے دور رہتا رہے تاکہ گمراہی کی طرف امکان کم رہ جائے۔ اور اطمینان سے زندگی بسر ہو جیسا کہ فرمایا گیا:-

”یہ اللہ کی مقررہ حدیں ہیں۔ ان کے نزدیک نہ چٹکنا۔ اس طرح اللہ اپنے احکام لوگوں کے لیے بصراحت بیان کرتا ہے تاکہ لوگ تقویٰ اختیار کریں۔“

اسی طرح آپؐ نے فرمایا:- ”ہر بادشاہ کی ایک چرگاہ ہوتی ہے۔ اور اللہ کی چرگاہ اس کی حدود ہیں۔ جن سے اس نے حلال و حرام کا فرق قائم کیا ہے۔ جو جانور چرگاہ کے کناروں پر پہنچ جاتا ہے



ہو سکتا ہے کہ ایک روز چراگاہ کے اندر داخل ہو جائے۔“

تقویٰ کا مرکزی مقام دل ہے، آپ نے فرمایا ”خبردار جسم میں ایک لو تھرا ہے کہ جب وہ ٹھیک تو سارا جسم درست اگر خراب تو سارا بدن خراب خبردار وہ دل ہے“ (بخاری و مسلم)۔  
تقویٰ کے تین درجے ہیں۔ ادنیٰ درجہ ایمان ہے۔ اوسط گناہوں سے باز رہنا اعلیٰ باطنی اصلاح۔ متیقن کی متعدد صفات ہیں۔ عقائد اسلام کو مانتے ہیں۔ اللہ کی راہ میں مال صرف کرتے ہیں۔ ارکان اسلام کی پابندی کرتے ہیں۔ عہد کو پورا کرتے ہیں۔ تنگی میں صبر کرتے ہیں۔ دوسروں کے قصور و معاف کرتے ہیں۔ اقتصادی زندگی کو اچھی ڈگر پر متعین کرنے کے یہ اوصاف ضروری ہیں۔ ایک اچھا انسان دوسروں کا استحصال نہیں کرتا۔ بلکہ شکوک والی اشیاء کے استعمال سے بھی اجتناب کرتا ہے۔ قومی دولت کا ناجائز ضیاع بچ جاتا ہے۔ تقویٰ کسی کی وراثت نہیں ہے۔ عزت والا وہ شخص ہے جو متقی ہے۔ رنگ و رنگت کا کوئی امتیاز نہیں۔ اللہ پر سبز کاروں کو دنیا میں عزت بخشا ہے۔ ہدایت دیتا ہے۔ گناہ معاف کرتا ہے۔ زمین و آسمان کی برکتوں سے مالا مال کرتا ہے۔ اور آخری زندگی میں سرخرو بھی کرتا ہے۔

انسانی زندگی کا سب سے پہلا دائرہ اس کی گھر بیوی زندگی ہے جہاں اس کا اپنی بیوی اور بچوں سے ہر وقت ساتھ رہتا ہے۔ ہر شخص کا فطری طور پر اہل و عیال سے گہرا لگاؤ ہوتا ہے۔ اسلام نے اس بارے میں چند ہدایتیں دے رکھی ہیں۔  
وَعَا شِرُوهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ (نساء - ۱۹) اپنی عورتوں کے ساتھ بھلے طریقے سے پیش آؤ۔

اسی طرح آنحضورؐ نے فرمایا: خِيَارُكُمْ، خِيَارُكُمْ لِنِسَائِكُمْ (ترمذی) تم میں سے سب سے اچھے وہ لوگ ہیں جو اپنی عورتوں کے حق میں اچھے ہیں۔

یہاں سے بڑھ کر خاندانی زندگی کا حلقہ آتا ہے۔ آپ کا فرمان ہے ”تمہارے والدین تمہاری جنت اور دوزخ میں۔ (ابن ماجہ بحوالہ مشکوٰۃ) جو نیکو کار اولاد اپنے والدین پر شفقت اور محبت کی نظر ڈالتی ہے اللہ اس کی ایسی ہر نظر کے بدلے اسے ایک مقبول حج کا ثواب عطا فرماتا ہے (بیہقی بحوالہ مشکوٰۃ) دوسرے رشتہ داروں کے بارے میں بھی قرآن حکیم نے عام اور ہمہ گیر حسن سلوک کی ہدایت فرما رکھی ہے۔ رشتہ داروں کے ساتھ اچھے سلوک کو اصطلاح میں صلہ رحمی کہا جاتا ہے جس کے معنی خونی اقرباء کو جوڑے رکھنا، اور ان کی پاسداری کرنا ہے۔ قرآن مقدس میں صلہ رحمی کو انسانیت اور دینداری کا ایک بنیادی حق قرار دیا ہے اور اس کی بار بار تلقین کی ہے۔ رسول خداؐ فرماتے



ہیں کہ صلہ رحمی ایمان کے لوازم میں سے ہے۔

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُصِلْ رَحِمَهُ (بخاری) جو کوئی اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اُسے صلہ رحمی کرنا چاہیئے۔

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ۔ (بخاری) رحمی رشتے کاٹنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔ یعنی رشتے داروں پر رحم کھانا چاہیئے اور ان کی ہر طرح امداد و استعانت کرنی چاہیئے اگر وہ غریب و سبکیر ہوں تو ان کی مالی استعانت کرنی چاہیئے۔ اسی طرح اگر وہ صراطِ مستقیم سے ٹھکے ہوئے ہوں تو اس صورت میں بھی انہیں سمجھانا چاہیئے۔ اگرچہ رشتہ دار مخالفت بھی کرتے ہوں اس کے باوجود ہر اچھے مسلمان کا فرض ہے کہ انہیں مناسب ہدایت دی جائے اور ان کی جائز ضروریات کا خاص خیال رکھنا چاہیئے۔ زکوٰۃ دیتے وقت بھی پہلے وہی مستحق ہیں۔ تاکہ ان کی غربت کا ازالہ ہو جائے۔ اس کا لفظ میں عدل محدود معنی میں کسی معاشی عدل کا نام نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر اور جامع انسانی عدل ہے۔ زندگی کے تمام مظاہر اور ہر طرح کی سرگرمیاں اس کے دائرے میں شامل ہیں۔ وہ نکر و عملِ خیر اور دھند پر چھایا ہوا ہے۔ اس کا انحصار معاشی قدروں پر نہیں۔ وہ مادی، معنوی، روحانی تمام طرح کے اقدار کے ایک خوشگوار امتزاج کا نام ہے۔

اسلام نے عدل و انصاف کی تاکید کی ہے۔ لوگوں کے حقوق اور فرائض کا صحیح تعین کیا ہے۔ اچھا اور برا راستہ بھی بتا دیا ہے۔ پھر جو کوئی شخص کسی جرم کا ارتکاب کرتا ہے تو اسلام قانون کی رو سے سزا کا مستوجب ہوتا ہے اور مظلوم کی دادرسی کرنے کے لئے اسے سستا انصاف فراہم کیا جاتا ہے۔ معاشیات میں اس کا درجہ اس لئے بلند ہے کہ اقتصادی لحاظ سے جو لوگ کسی کا استحصال کرتے ہیں۔ انہیں اسلامی قانون کے مطابق سزا ملنی چاہیئے تاکہ معاشرے کا توازن قائم رہے۔

ارشادِ بآنی یوں ہے :

”اے ایمان والوں انصاف پر قائم رہو اور اللہ کی طرف گواہی دو۔ اگر تمہارا ، تمہارے والدین کا نقصان ہو۔ اگر کوئی مالدار ہے یا محتاج ہے تو اللہ تعالیٰ ان کا خیر خواہ ہے سو تم انصاف کرنے میں دل کی پیروی نہ کرو“ (النساء)

”اللہ تم کو ان لوگوں سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین پر نہیں لڑے اور اپنے گھروں سے نہیں نکالا۔ ان سے بھلائی اور انصاف کا سلوک کرو۔ بے شک رب تعالیٰ انصاف والوں کو چاہتا ہے۔“



اسلام میں قانون اور عدل کا بڑا گہرا تعلق پایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ قانون کا اطلاق کرتے وقت عدل و انصاف کا پورا پورا خیال رکھو۔ امیر غریب اعلیٰ داد فی، مالک و نوکر سب پر قانون کا اطلاق یکساں ہو۔ اپنے پرانے میں کوئی تفریق نہ کی جائے۔

حضور کریم کے زمانے میں ایک عورت نے چوری کی تو صحابہ نے کہا کہ اس کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں۔ کیونکہ یہ امیر اور باعزت گھرانے سے تعلق رکھتی ہے۔ آپ اس پر بہت ناراض ہوئے اور کہا کہ اگر اس کی جگہ میری بیٹی بھی ہوتی تو اس کو بھی سزا ملتی۔ آپ نے فرمایا پہلی قومیں اس لئے تباہ ہو گئیں کہ وہ عہدہ کے لحاظ سے تفریق کرتے تھے اور انصاف بھی عہدے اور شہرت و امارت کی بنا پر کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ قانون میں دشمنوں کو بھی سزا دیتے وقت انصاف کیا جائے۔ ارشاد ربانی ہے :

”اے ایمان والو! اللہ کے اس حکم پر مضبوطی سے قائم رہو۔ حق و انصاف کی گواہی دو۔ انصاف کی بات کرو۔ اللہ اس کا حکم دیتا ہے اور کسی شخص یا قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر نہ اکسائے کہ تم اس سے نا انصافی کرو۔“

معاشرے میں خوشگوار ماحول پیدا کرنے اور ترقی کی راہیں کھولنے کے لئے عدل و انصاف کا قیام ضروری ہے۔ معاشی عدل کے لئے کہا گیا ہے کہ ہر ایک کے ساتھ ایک جیسا سلوک کیا جائے ہر شخص دوسرے کی ضرورت کا خیال رکھے۔ تجارت کرتے وقت انصاف کے ساتھ منافع حاصل کیا جائے۔ اجرت، لگان کی شرح مقرر کرتے وقت انصاف کے تقاضوں کو پورا کیا جائے۔

غرض یہ کہ اسلام میں انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ہر شخص کے ساتھ بلا لحاظ رنگ و نسل انصاف کیا جائے۔ زندگی کے ہر شعبے میں عدل و انصاف رائج کرنے کے لئے سعی کی جائے۔

اللہ تعالیٰ نے عدل و انصاف کرنے والوں کو بہت پسند فرمایا ہے۔

”قیامت کے دن جب خدا کے سامنے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔ خدا سات شخصوں

کو اپنے سامنے بنے گا جن میں ایک عادل ہوگا۔“ (سورہ البقرہ)

ارشاد ربانی ہے :

”بے شک اللہ تم کو احسان، انصاف اور رشتے داروں کو دیتے رہنے کا حکم دیتا ہے۔“



⑧ **عہد و پیمان** قول و قرار اور عہد و پیمان کی شریعت محمدی میں خاص اہمیت ہے ہر قسم کے عہد و پیمان چاہے سیاسی ہوں، معاشی ہوں، معاشرتی

ہوں یا تجارتی ہوں۔ ان کی پابندی لازمی قرار دی گئی ہے۔ اسلامی معیشت میں ان کی اہمیت اس لیے ہے کہ جب ایک دفعہ کوئی چیز بیع کر دی جاتی ہے تو دونوں فریق ایک دوسرے کے ساتھ ایقانہ عہد کریں۔ اور اگر کوئی فریق بغیر معقول وجہ کے معاہدہ فسخ کر دے تو وہ بد عہدی کہلاتا ہے حضرت محمد مصطفیٰؐ جس سے عہد کرتے تھے ہمیشہ اُسے پورا کرتے تھے۔ اور کبھی بھی وعدہ خلافی نہیں کی تھی۔ جو کوئی شخص قول و قرار کا پختہ نہیں ہوتا وہ ساقط الاعتبار ہو جاتا ہے۔ اور دوسرے لوگ اس پر اعتماد کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ موجودہ دور میں تو اس کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی ہے۔ کیونکہ کاروبار کافی وسیع ہو چکا ہے اور شہنی ایجاد کے باعث تمام اقوام ایک دوسرے کے قریب آ گئی ہیں اور مسائل بھی متعدد پیدا ہو چکے ہیں۔ اس لیے ایک دوسرے کے روابط کو مضبوط کرنے کے لیے عہد کو نبھانا اولیٰ شرط ہے اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس نے بہت زیادہ فضیلت بخشی ہے۔ اللہ جھوٹوں پر لعنت کرتے ہیں۔

قرآن مقدس میں ارشاد ہے: ”اور اللہ کا عہد پورا کرو۔ اور جب آپس میں عہد کرو۔ اور قسموں کو نہ توڑو پکا کرنے کے بعد۔ اور تم نے اللہ کو ضامن کیا ہے۔ اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔“ (النحل ۹۱)۔

وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا۔ (بنی اسرائیل ۳۴)۔ اور عہد کو پورا کرو بے شک عہد کی پوری ہوگی۔ ”یہ عہد چاہے اللہ سے ہو یا بندوں سے ہو۔ بشرطیکہ جائز قسم کے عہد ہوں ان کی باز پرس ہوگی۔ انہیں پورا کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔“

### مساوات

مساوات کے معنی برابری کے ہیں۔

اسلام میں اس کا مطلب ہے کہ سب کے ساتھ بلا لحاظ رنگ و نسل ایک جیسا سلوک کیا جائے۔ سب کو زندگی گزارنے کے یکساں مواقع حاصل ہوں۔ روزی کمانے کے ایک جیسے حقوق ہوں اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے یکساں مواقع ہوں۔

سورۃ الحجرات میں خدا کا ارشاد ہے

”لوگو ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ اللہ کے نزدیک تم میں سے



زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے یقیناً  
اللہ سب کچھ جاننے والا باخبر ہے۔

اس آیت کریمہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب کو ایک طرح سے پیدا کیا ہے۔ بعد میں ان کی قومیں اور برادریاں بنا دی گئیں تاکہ ایک دوسرے کو پہچانا جاسکے۔ اس لئے نہیں کہ ایک دوسرے پر کچڑ اچھالیں۔ خدا کے نزدیک سب ایک جیسے ہیں۔ بڑائی صرف اسے حاصل ہے، جو متقی اور پرہیزگار ہے۔ اور حج الوداع کے خطبے میں حضور کریم نے فرمایا۔

لوگو! خبردار رہو، تم سب کا خدا ایک ہے۔ کسی عربی کو کسی عجمی پر کسی عربی پر کسی گورے کو کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی برتری حاصل نہیں ہے، مگر پرہیزگاری کے اعتبار سے تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

عام طور پر مسادات کی اصطلاح کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ دولت کی مساوی تقسیم لیکن اسلام میں دولت کی تقسیم مساوی نہیں ہے۔ اسلام میں دولت کو اس طرح تقسیم کرنے کا حکم دیا گیا ہے کہ اگر کسی کے پاس زیادہ دولت ہے تو وہ اس سے حاجت مندوں کی حاجت پوری کریں۔ اس کے علاوہ خواہ جتنی چاہیں دولت اپنے پاس رکھیں مگر زکوٰۃ ضرور نکالتے رہیں۔

حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اکرم نے فرمایا جس شخص کے پاس قوت اور طاقت کے سامان اپنی حاجت سے زائد ہوں اسے چاہیے کہ اس فاضل سامان کو کمزور کو دے دے، اور جس کے پاس سامان خورد و نوش زیادہ ہو اسے چاہیے کہ نادار اور حاجت مند کو دے دے۔ ابوسعید فرماتے ہیں۔ آپ اسی طرح مختلف النوع مال کا ذکر فرماتے رہے۔ حتیٰ کہ ہم نے یہ گمان کر لیا کہ ہم میں سے کسی فرد کو اپنے فاضل مال پر کسی قسم کا کوئی حق نہیں ہے۔ مشہور محدث یہ مسئلہ تحریر فرماتے ہیں۔

”ہر ایک بستی کے ارباب دولت کا فرض ہے کہ وہ فقراء، غرباء کی معیشتی زندگی کے کفیل ہو۔ اگر مالی فائز ان غرباء کی معاشی ضرورت کو پورا نہ کرتا ہو تو سلطان ان ارباب دولت کو اس کفایت کے لئے مجبور کر سکتا ہے (ان کے فاضل مال سے جزیہ لے کر فقراء کی ضروریات پر خرچ کر سکتا ہے) اور ان کی زندگی کے اسباب کے لئے کم از کم یہ انتظام ضروری ہے کہ بنیادی ضرورت کے مطابق روٹی میا ہو۔ پینے کے لئے گرمی و سردی دونوں لحاظ سے لباس فراہم ہو اور رہائش کے لئے ایک ایسا مکان ہو۔ جو ان کو بارش، گرمی، دھوپ اور سیلاب جیسے امور سے محفوظ رکھ سکے۔“



انسانوں کے درمیان جس قدر معاشی ناہمواری آج دیکھنے میں آرہی ہے اسلام کے نقطہ نظر سے درست نہیں بلکہ قابل اصلاح ہے کیونکہ اس ناہمواری کے نتیجے میں امیر، امیر تر اور غریب، غریب تر ہوتا جا رہا ہے۔ البتہ اکثر لوگوں کے درمیان اس حد تک معاشی تفاوت موجود ہو جس سے امیر، امیر تر اور غریب، غریب تر نہ ہوں اور معاشرے کی انفرادیت اجتماعی اور اجتماعی انفرادیت کے ہاتھوں تباہ نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ یہ ایک فطری تفاوت یا قدرتی فرق ہو گا جو خدائے قدوس کے حکیمانہ نظام کے تقاضوں پر مبنی ہو گا۔

دنیا کو جب اسلام کی دعوت دی گئی تو انسانیت لفظ مساوات سے نا آشنا تھی۔ کوئی اس بات کا دعویٰ کرتا تھا کہ وہ دیوتاؤں کی نسل ہے اور اس دعویٰ کی تائید کرنے والے موجود تھے۔ کوئی اس زعم میں مبتلا تھا کہ اس کی رگوں میں عام لوگوں کی طرح معمولی خون نہیں بلکہ خالص اور شاہانہ خون رواں ہے ایک قوم انسانوں کو مختلف طبقات میں تقسیم کر کے کسی طبقہ کو خدا کے سر سے تخلیق کئے جانے کے باعث بہت با عزت قرار دیتی اور کسی دوسرے طبقے کو خدا کے قدموں سے بنے ہونے کے سبب بہت ذلیل قرار دیتی تھی۔ عورتوں کے بارے میں یہ بحث چھڑی ہوئی تھی کہ ان کے جسم میں روح بھی ہوتی ہے کہ نہیں آقاؤں کے لئے بالکل جائز تھا کہ وہ غلاموں کو دردناک سزائیں دیں یا قتل کر دیں۔ ایسے حالات میں اسلام آیا اور اس نے مساوات کا سبق دیا اور بتایا کہ اللہ کے حضور دنیا و آخرت میں غرض ہر جگہ تمام انسانوں کو مساوی قرار دیا گیا ہے۔ عمل صالح کے سوا فضیلت اور امتیاز کا کوئی معیار نہیں۔ کسی انسان کے اللہ کا بیٹا ہونے کا خیال لغو ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کوئی نسل نہیں چلائی۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے :

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۝ اللَّهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ۝ لَمْ يَكُنْ لَهُ  
كُفُوًا أَحَدٌ ۝

ترجمہ : کہو اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا نہ وہ خود جنا گیا اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے۔

اس سورۃ مبارکہ سے یہ وضاحت ہو جاتی ہے کہ خدا کا کوئی ہمسر نہیں وہ واحد اور یکتا ہے اس کا کوئی ثانی نہیں۔ اس کی کوئی اولاد نہیں اور نہ وہ خود کسی کی اولاد ہے۔

اسی طرح شاہانہ خون کا دعویٰ بھی باطل ہے اور عالی خون کی تقسیم محض ایک افسانہ ہے اور



یہ بات بھی کہ کسی کو سر سے تخلیق کیا گیا ہے اور کسی کو پیر سے غلط اور من گھڑت ہے۔ سب انسان ایک جیسے ہیں۔ حضور پاک ص کا ارشاد ہے۔

”تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے تھے۔ لوگ اپنے آباء

اجداد پر فخر کرنا چھوڑ دیں ورنہ وہ ایک حقیر کیڑے سے زیادہ ذلیل ہوں گے۔“

اسلام عورت اور مرد میں بھی حقوق کی تفریق نہیں کرتا۔ اسلام نے عورت کو بحیثیت ایک صنف

کے پوری طرح مردوں کے صنف کے مساوی قرار دیا ہے۔ اس نے صرف ایسی برتری کو رد کر رکھا

ہے جس کی بنیاد ذمہ داری اور مہارت پر ہے۔ جہاں بھی ذمہ داری اور مہارت یکساں ہو، وہاں دونوں

کو مساوی مقام دیا گیا ہے۔ لہذا روحانی دینی اعتبار سے دونوں برابر ہیں۔

سورۃ النساء میں ارشاد ہے۔

”جو نیک عمل کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ایسے ہی لوگ

جنت میں جائیں گے اور ان کی ذرہ برابر حق تلف نہ ہوگی۔“

اس طرح حق ملکیت اور مالی تصرفات کا مجاز ہونے کے اعتبار سے بھی دونوں برابر ہیں۔

جائیداد میں عورت کو مرد سے آدھا حصہ اس لئے ملتا ہے کہ اس پر خاندان کی کفالت کی ذمہ داری

نہیں ہوتی۔ اس طرح شادی کے معاملے میں عورت مرد کے حقوق برابر ہیں۔ اس کی پسند ناپسند کو

اہمیت حاصل ہے۔

سیاسی طور پر اسلام میں ہر بالغ شخص کو اپنی رائے استعمال کرنے کا مساوی حق حاصل ہے۔

معاشرتی طور پر بھی اسلام ہر فرد کے ساتھ یکساں سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے۔ ہر فرد کو

روزی کمانے، زندگی گزارنے کے یکساں مواقع فراہم کرنا ہیں۔

اسلامی قانون میں بھی کسی شخص کے لئے کوئی امتیازی درجہ نہیں ہے خواہ کوئی امیر ہو یا

غریب، اعلیٰ ہو یا ادنیٰ، قانون کی نگاہ میں سب یکساں حیثیت رکھتے ہیں۔

غرض یہ کہ اسلام زندگی کے ہر پہلو کو لیتا ہے اور ہر جگہ پوری پوری مساوات قائم کرتا ہے کیونکہ

مساوات اسے بہت عزیز ہے لہذا وہ اسے جامع اور سمگیر دیکھنا چاہتا ہے۔

Brotherhood

⑩ اخوت ✓

محبت اور رحمت خدائی صفات ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں ان صفات کی جلوہ گری دیکھنا

چاہتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ صرف ان انسانوں سے محبت کرتا ہے جو اس کے بندوں سے محبت



کرتے ہیں۔

اسلام سلامتی، امن اور بھلائی کا دین ہے۔ یہ اپنے فرزند ان توحید کو باہمی الفت، اخلاص اور بھائی چارہ کی لڑائی میں پرورنے کا متمنی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون اور سہر دی کا سبق دیتا ہے۔ بھوکے کو کھانا کھلانے، پیاسے کو پانی پلانے اور عاجمندیوں کی ضرورت پوری کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

ارشاد ربانی ہے :

”رحم کرنے والوں پر رحم کیا جاتا ہے تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والے تم پر رحم کرے گا۔“

رحم کا جذبہ صرف انسانوں کے لئے ہی وقف نہیں بلکہ یہ جذبہ فیض عام ہوتا ہے اور جانور بھی اس سے مستفید ہوتے ہیں۔ اس جذبے کا اظہار انسانوں کو کس مقام پر پہنچا دیتا ہے۔ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔

ایک دفعہ ایک فاحشہ عورت نے دیکھا کہ ایک کتا پیاس کی وجہ سے زبان باہر نکالے ہوئے ہے اور قریب المرگ ہے۔ اس عورت نے اپنا موزہ نکالا اور اسے اپنی اوڑھنی میں باندھ کر کنوئیں میں ڈالا اور پانی نکال کر اس کتے کو پلایا۔

حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ واقعہ سننے کے بعد فرمایا۔ اللہ نے عورت کی اس ادا پر ہی اس کی بخشش کر دی اور فرمایا:

”ہر ذی روح کے ساتھ رحم کرنے پر تم کو ثواب ملے گا۔“

دین فطرت میں منسک ہونے کی بناء پر ایک مسلمان اپنے ہم مذہب سے خصوصی محبت رحمت حاصل کرنے کا حق دار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی اس صفت کو یوں بیان فرماتے ہیں:

”وہ آپس میں رحمت و شفقت رکھتے ہیں۔“

جب ابتدائے اسلام میں اللہ کے اذن سے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی جانب مسلمانوں نے ہجرت کی تھی تو اہل یشرب نے سخی، درمے اور دامے ہر لحاظ سے نوازدوں کی مدد کی تھی اور جس کے دو بیویاں تھیں ایک کو طلاق دے کر اپنے بھائی کے سواے کر دی۔ دنیا میں اولین بار ایسے مثالی معاشرے کی اساس قائم ہوئی اور ایک انصاری نے ایک ہجرت کنندہ کو اپنا بھائی تسلیم کیا۔ اسے اخوت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔



اخوت کا پہلا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان دوسرے بھائی کی جان و مال کا احترام کرے۔ جان اللہ تعالیٰ کا عطیہ خاص ہے اور وہی ذات اسے کسی شکل میں واپس لے سکتی ہے اور کسی شخص کو خود اپنا یا کسی کا سلسلہ حیات منقطع کرنے کا حق نہیں۔ انسانی جان کا احترام اس امر کا متقاضی ہے کہ اگر کوئی شخص صرف طریقت سے خون بہا کر تصفیہ کے لئے تیار نہ ہوں تو قاتل کو شدید ترین سزا دی جائے۔ یہ سزا تو صرف اس فانی دنیا میں ہے اصل سزا تو اللہ نے آخرت کے لئے رکھ چھوڑی ہے وہ دوزخ ہے۔ ہر شخص کو اپنی زندگی عزیز ہوتی ہے مگر اسلام کی تلقین یہ ہے اگر دوسرے کی جان عزیز تر نہیں تو کم از کم اپنی جان جیسی قابل حرمت سمجھی جائے اگر ایسا ہو تو کسی اور جان کو گزند پہنچانے کا تصور بھی نہیں آ سکتا۔ جان کے بعد انسان کی دوسری عزیز چیز اس کا مال و آبرو ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے مال و آبرو کے تحفظ کا حق دیا ہے۔ جو شخص جان و مال کی حفاظت میں مارا جاتا ہے وہ شہید کا درجہ پاتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے :

”تم لوگ آپس میں ایک دوسرے کے مال ناروا طریقے سے نہ کھاؤ۔“ (سورۃ البقرہ)

ایک بھائی کے تحفظ کے لئے دوسرے پر فرض ہے کہ اس کی مدد کے لئے آگے بڑھے۔

قرآن حضور ہے :

”جو کوئی کسی مسلمان کو ایسے موقع پر بے یار و مددگار چھوڑے گا جس میں اس کی عزت پر حرف آتا ہے اور اس کی آبرو جاتی ہے خدا اس کو بھی ایسی جگہ بے مدد چھوڑے گا جو کوئی کسی مسلمان کی ایسے موقع پر مدد کرے گا تو خدا بھی ایسے موقع پر مدد کرے گا۔“

اخوت کا تیسرا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان دوسرے مسلمان کی حاجت ردا کی اور اعانت کرے۔

حضور کریم نے فرمایا :

”مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اس کی مدد سے باز رہتا ہے۔ جو شخص اپنے بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگا ہو گا خدا اس کی حاجت پوری کرنے میں لگ جائے گا۔ جو شخص کسی مسلمان کو مصیبت سے نکالے اللہ تعالیٰ اسے روز قیامت کی مصیبتوں میں سے کسی مصیبت سے نکال دے گا اور جو مسلمان کسی کی عیب پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی عیب پوشی کرے گا۔“

درحقیقت یہ کائنات ایک دوسرے کے ساتھ اتحاد کرنے سے قائم ہے۔ بنی آدم ایک جسم کی مانند ہیں۔ اگر بدن کے کسی عضو کو درد یا تکلیف پہنچے تو سارا بدن بے چین ہو جاتا ہے اسی طرح اقوام



عالم بالعموم اور مسلمان بالخصوص دوسروں کے زیاں یا مصیبت پر چلا اٹھتے ہیں۔ دنیا میں مطمئن اور آرام دہ زندگی بسر کرنے کی خاطر باہمی تعلقات کو مضبوط رشتے میں منسلک کرنا پڑتا ہے۔ آجکل کے اضطراب کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ہم دوسروں کے دکھ درد میں شرکت کرنے سے اجتناب کرتے ہیں۔ جہاں بھی لوگوں کے روابط نہایت گہرے ہوتے ہیں۔ وہ دشواریوں کے وقت ایک دوسرے کے ہمنوا بن جاتے ہیں اور رفع کرنے کی اجتماعی مشترکہ کوشش کرتے ہیں اور اسی میں کامیابی مضمر ہے۔

### معاشی فوائد

بائمی محبت اور اخوت کا اثر معاش پر براہ راست ہوتا ہے۔ ایک مسلم معاشرے کے اندر اخوت، استطاعت رکھنے والوں کو اس بات پر ابھارتی ہے کہ وہ استطاعت نہ رکھنے والوں کے لئے معاشی امداد کا ذریعہ بنیں اور عالم اسلام میں مختلف مسلمان ممالک کے درمیان جذبہ اخوت اس بات پر اکٹھے گا کہ وہ اپنے اپنے مخصوص وسائل کو باہم متحد کر کے عالم اسلام کی معاشی ترقی اور بہتری کا بندوبست کریں۔ اس وقت اگر عالم اسلام کو بحیثیت مجموعی دیکھا جائے تو اس میں نہ دولت کی کمی ہے نہ ذہانت اور صلاحیت کی نہ شجاعت کی مگر صحیح اسلامی اخوت نہ ہونے کے باعث وہ نتائج نکل رہے ہیں جو نکل سکتے ہیں۔ ذرا تصور میں لائیے کہ اگر عربوں کی دولت، پاکستان کی ذہانت اور صلاحیت، ترکوں کی شجاعت اسی طرح آپس میں مل جائیں جس طرح نظریہ اخوت اسلام کی روح سے ملنا چاہیے تو پھر نتائج کس قدر خوش گوار ہوں گے۔ خوش قسمتی سے اکثر مسلمان ممالک جزائیائی لحاظ سے ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔ اگر ان میں صحیح اسلامی اخوت پیدا ہو جائے اور یہ سچے جذبہ ایمانی کے ساتھ جدوجہد کریں تو انشاء اللہ ایک ایسا مضبوط بلاک بنے گا جسے کسی دوسرے بلاک کے رحم و کرم کی قطعی کوئی ضرورت نہیں ہوگی۔



# باب (4)

## قرآن کے اقتصادی اصول = Economic Principles of Quran

قرآن مقدس رب العزت کی کتاب ہے۔ یہ رشد و ہدایت کا منبع اور قواعد و ضوابط کا مکمل مجملہ ہے مسلمانوں کے لیے آئین کا کام دیتا ہے۔ اس میں عبادات، اعتقادات اور اعمال صالحہ کا ذکر جمیل آتا ہے۔ اس لیے جو کوئی اس پر پوری طرح عمل پیرا ہوتا ہے وہ نہ صرف اس کائنات ارضی میں سُرخرو اور کامیاب ہوتا ہے بلکہ اس کی آخرت اور ابدی زندگی بھی سنور جاتی ہے۔ ہر قسم کے آداب زندگی اور طرز معاشرت کا بہترین سبق ملتا ہے۔ اگرچہ اس میں کسی ایک مقام پر اقتصادی اصول نہیں پائے جاتے مگر جا بجا ان کا ذکر ضرور ملتا ہے۔ زیر نظر باب میں انہیں ایک جگہ اکٹھا کرنے کی ایک حقیر سی کوشش کی گئی ہے۔ تاکہ لوگوں کے سامنے وہ نظریات صحیح صورت میں پیش کیے جاسکیں۔ اور جو بھولے ہوئے ٹھیکے ہوئے ہیں ان کے لیے رہنمائی کا بند و بست ہو سکے۔ نیز جو عاقبت اندیش اس مغالطہ کا ہدف بنے ہوئے ہیں کہ اسلام کوئی واضح معاشی افکار نہیں رکھتا ان کے شبہات کا جواب بھی میرے آجائے۔

① قرآن مجید نے جو معاشی نظریہ پیش کیا ہے اس کی تُو سے رزق کا کفیل رب تعالیٰ کی ذات گرامی ہے۔ انسانی عقل و تدبیر کو اس میں براہ راست دخل نہیں ہے۔ بارہا فرمایا گیا یُطِطُّ الرِّزْقُ لِمَنْ تَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ: وہ اپنے بندوں میں سے جس کی چاہتا ہے روزی فراخ کر دیتا ہے اور جس کی چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔

② اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِّينُ۔ خداوند ہی رزق دینے والا ہے بڑی قوت والا ہے۔

③ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا ط زمین پر چلنے والی کوئی ایسی مخلوق نہیں جس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو یعنی چرند پرند، حیوان انسان کا رزاق وہی ہے گویا اس کی رزاقیت صرف انسانوں تک محدود نہیں ہے۔

④ اس کی شان بے نیازی یوں بیان کی گئی ہے۔ وَهُوَ يُطْعِمُهُمْ وَلَا يُطْعَمُ



وہ دوسروں کو کھلاتا ہے اُسے کوئی نہیں کھلاتا۔ کیونکہ وہی خالق، مالک اور رزاق ہے۔

⑤ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ۔ ہم نے دنیاوی زندگی میں لوگوں کے وسائل معیشت تقسیم کر دیئے ہیں اور ایک کو دوسرے پر فوقیت دی ہے۔ گویا معاشی زندگی مساوات ایک غیر فطری چیز ہے۔ اور درجات میں تفاوت قدرتی ہے۔ لہذا مساوات کا نعرہ لگانا بے معنی اور لالچی ہے۔ تاہم وسائل پر چند افراد کا تسلط ناجائز ہے اور اسی سے استحصال کے دروازے کھلتے ہیں۔

⑥ اے قوم! ناپ تول کو انصاف کے ساتھ پورا کرو۔ اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو اور زمین میں فساد پھیلانے نہ پھرو۔

⑦ بخل جیسی بُری چیز سے یوں منع فرمایا ہے ”وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا“ (تم مال سے بڑی محبت رکھتے ہو) انسان کی ناشکری کا سبب بھی حُب دولت کو قرار دیا گیا ہے۔ **وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ** (کیونکہ انسان مال کی الفت میں بہت سخت ہے)۔ ایسے لوگوں کی تباہی و بربادی کی خبر دی گئی ہے جنہوں نے جمع مال کو مقصدِ زلیت بنالیا ہے۔

⑧ **وَيُلْ كُلُّهُمُةً لَمُزَةً أَلَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ** (بخل یہ سمجھتا ہے کہ اس کا جمع کردہ مال اُسے تباہی سے بچائے گا) یہ اس کی کج فہمی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّدَ (جب ہلاکت آنے لگی تو اس کا مال اس کے کام نہیں آئے گا۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ بِمَا أَنْتَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرٌ لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ) جو لوگ اس مال میں سے جو رب تعالیٰ نے انہیں دیا ہے بخل کرتے ہیں تو ان کے متعلق یہ خیال نہ رکھیں کہ یہ مال ان کے حق میں بہتر ہوگا بلکہ بدتر ہوگا (مزید فرمایا: ”جو لوگ بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل کا حکم دیتے ہیں اور اللہ نے اپنے فضل سے جو کچھ دے رکھا ہے اس کو چھپاتے ہیں یا دکھو ہم نے کافروں کے لیے ذلیل کن عذاب تیار کر رکھا ہے“)

نرا اندر دہی کرنے والوں کو سخت وعید سنائی گئی ہے۔

”جو لوگ سونا اور چاندی جمع رکھتے ہیں۔ اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو ان کو دردناک عذاب کی خبر سنادو جس دن سونا چاندی کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیوں، گردنوں، اور ان کی ٹپھیوں کو داغاً جائے گا۔ اور کہا جائے گا یہ ہے جو تم نے اپنے لیے جمع کر رکھا تھا“



نخل کی مانند اسراف اور فضول خرچی بھی گردش دولت پر اثر انداز ہوتی ہے۔

⑨ خُذْ بَعْزَ بَرْکِ دَبْرِ تَرَنِی اِس سے روکا ہے "کُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا اِنَّهُ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ" کھاؤ پیو مگر فضول خرچی سے کام نہ لو اللہ تعالیٰ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ مزید فرمایا:

اِنَّ ذَا الْقُرْبٰی حَقُّهُ وَالْمَسْکِیْنَ وَاٰیْنَ السَّبِیْلِ وَلَا تُبْذِرُوْا رِزْقَکُمْ ذٰلَکَ یُذَرِّیْکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّسْرِفِیْنَ  
(رشتہ داروں، غریبوں، اور مسکینوں کو ان کا حق دو اور فضول خرچی نہ کرو۔ اسی طرح فضول خرچی کرنے والوں کو شیطانوں کا بھائی بتلایا ہے۔

اِنَّ الْمُبْذِرِیْنَ کَانُوْا اِخْوَانَ الشَّیْطٰنِ۔

⑩ قرآن مجید میں میانہ روی اختیار کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ (اپنے ہاتھ گردن سے بندھا ہوا نہ کھو اور نہ ہی اسے بالکل کھول دو۔ ورنہ ملامت کیے جاؤ گے اور میٹھے ہوئے کچھاؤ گے)  
وَالَّذِیْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَکَانَ بَیْنَ ذٰلِکَ قَوَآمًا۔ اللہ کے بند سے وہ جب خرچ کرتے ہیں تو فضول خرچی نہیں کرتے اور نہ ہی نخل سے کام لیتے ہیں۔ بلکہ میانہ روی سے کام لیتے ہیں۔

بغیر محنت کے زر کی تحصیل سے اقتصادی توازن درہم برہم ہو جاتا ہے۔

⑪ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا (رب تعالیٰ نے تجارت کو حلال کیا ہے مگر سود کو حرام قرار دیا ہے) سود خور قیامت کے دن حواس باختہ ہوں گے۔ جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قبروں سے اس طرح اٹھیں گے جس طرح کسی کو شیطان نے چھو کر بدحواس کر دیا ہو یہ اس لیے کہ انہوں نے کہا کہ بیع سود ہی طرح تو ہوتی ہے۔ سود خواروں کو چیلنج کیا گیا ہے۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنْوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ (اگر تم باز نہ آؤ گے تو اللہ اور رسول سے لڑائی کے لیے تم کو آگاہ کیا جاتا ہے۔)

⑫ جو خوشی اور تکلیف میں خرچ کیے جاتے ہیں بغصہ و با لیتے ہیں اور لوگوں کو معاف کرتے ہیں

اور اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو چاہتا ہے (آل عمران ۱۳۴)

⑬ اِنَّ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَمْلِكُوْنَ لَکُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ۔ جن کو تم خدائے گرامی قدر کے علاوہ پوجتے ہو وہ تمہاری روزی کے مالک نہیں ہیں۔ تم صرف اللہ کے ہاں رزق تلاش کرو کیونکہ وہی رزاق ہے۔



(۱۴) وَ اخْذُوا مِنْ رِزْقِ اللَّهِ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (البقرہ)  
اور کتنے لوگ ہیں جو زمین میں چل پھر کر اللہ تعالیٰ کا فضل اور رزق تلاش کرتے پھرتے ہیں۔  
(۱۵) يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا  
خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ (البقرہ) اسے لوگو جو کچھ زمین میں  
ہے اس میں سے حلال اور طیب کھاؤ۔ شیطان کی پیروی نہ کرو کیونکہ یہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔  
فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا (مائدہ) پس خداوند تعالیٰ نے جو کچھ  
تم کو رزق دیا ہے اس میں سے حلال اور پاکیزہ کھاؤ۔

يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ  
عَلِيمٌ۔ اے پیغمبر! تم پاک چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو واللہ تعالیٰ اس کا جاننے والا ہے۔  
وَيُحِلُّ لَكُمْ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْكُمْ الْخَبَائِثَ اور نبی حلال  
رکھتے ہیں ان کے لیے پاک چیزیں اور حرام کرتے ہیں ان پر خبیث چیزیں۔ حلال اور طیب کی  
تفسیر علامہ رشید رضا نے تفسیر المنار میں اس طرح فرمائی ہے کہ جو شے بغیر حق کے لی گئی ہو یعنی اس کے  
حصول کے لیے جائز اور اچھا ذریعہ استعمال نہ کیا گیا ہو جیسا کہ منشیات، سود، ربا، رشوت خوری،  
قمار بازی، جوا، سٹہ بازی، جور و تعدی، غصب، فراڈ، خیانت، چوری وغیرہ حرام اور خبیث ہیں  
اس طرح شراب کی آمدنی، قحبہ گری کی انکم، لوٹ مار، ڈاکہ زنی، رہزنی کے ذرائع سے حاصل ہونے  
والی آمدنی اور مال و دولت حرام و خبیث ہیں۔ (المنار۔ ابن کثیر)۔

قرآن مقدس نے دیگر جن حرام اشیاء کا ذکر کیا ہے ان میں مُردار، خُون، خنزیر یا ایسے جانور  
کا گوشت جس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو، پتھر، لالچی سے فراہوا، جانور بینگ لگنے سے، کسی دند  
کے ہاتھوں مرنے والا، یا اوپر سے گر کر، یا تہوں کے نام پر ذبح کیا ہو  
أَنْ تَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذَٰلِكُمْ فِسْقٌ (مائدہ) جوئے سے اور پانے  
کے ذریعے کمایا جانے والا رزق بھی فسق ہے۔

إِنَّهَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ وَحُبْسٌ مِنْ عَمَلِ  
الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُونَ

بلاشبہ شراب (و دیگر منشیات) قمار، بت، اور پانے میں کارِ شیطان ہیں ان سے  
بچو تا کہ فلاح پاؤ۔ ان اشیاء کی تحصیل یا ان کے وسیلے روزی حاصل کرنا مطلقاً حرام ہے۔



①۶ سورہ اَرَبِیَّت میں ایک نئے مضمون کی جانب یوں اشارہ فرمایا گیا ہے کہ:  
 ”یقیناً وہی لوگ دین حق کی تکذیب کرنے والے ہیں جن کو رب تعالیٰ نے کشادہ رزق دیا ہے مگر ان کے ہاتھ یتیموں، ناداروں، معاشی لحاظ سے تنگ دست و کمزور لوگوں کی اعانت کے لیے دراز نہیں ہوتے اور وہ نمازیں پڑھتے ہیں اور اس دھم میں مبتلا ہیں کہ ان کی نمازیں قبول کی جائیں گی۔ ان کا یہ محض گمان ہے۔ اللہ صرف انہی لوگوں کی عبادت قبول کرے گا جو دوسروں کی دستگیری کرتے ہیں۔“

①۷ اسی طرح یتیم کا مال کھانے سے بھی منع فرمایا گیا ہے کہ اس کے مال میں بے جا خرچ نہ کرو۔  
 کیونکہ یہ گناہ ہے، بلکہ ان کے مال کی حفاظت کرو اور جب بالغ ہو جائیں یا بلوغت کو پہنچ جائیں تو ان کے حوالے کر دو۔

①۸ وَأَقِمْو الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ (البقرہ ۴۳)  
 نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو، اور جھکنے والوں کے ساتھ جھکو۔

اسی طرح اس سورہ میں ایک اور جگہ فرمایا ”نماز دستی سے ادا کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو جو نیک اپنی بھلائی کے لیے آگے بھیجے اس کا ثواب اللہ کے پاس پاؤ گے۔“

①۹ وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (البقرہ ۲۶۷)  
 خداوند تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو اپنی جانوں کو ہلاکت میں مت ڈالو اور احسان کرو۔ رب احسان کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔

②۰ نیز اس سورہ میں فرمایا ”اے پیغمبر! لوگ پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں تو کہہ دے جو کچھ خیرات کے طور پر خرچ کرو تو ماں باپ ناطے والوں، یتیموں، محتاجوں اور مسافروں پر جو بھلائی کرو اللہ اس کو جانتا ہے“ اسی طرح مزید فرمایا ”اور تجھ سے پوچھتے ہیں کتنا خرچ کریں تو کہہ دو جو کچھ رہے اللہ اس طرح اپنے حکم میں تم سے بیان کرتا ہے، تاکہ تم دنیا اور آخرت پر غور کرو۔“

②۱ مَنْ ذَا الَّذِي يقرضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفْ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً وَاللَّهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُطُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (البقرہ ۲۴۶)  
 ”کون ہے جو رب تعالیٰ کو قرض حسنہ دے پھر خدا تعالیٰ اس کو دو گنا تکنا بہت کر دے گا۔ اور اللہ ہی روزی تنگ کرتا ہے اور کشادہ کرتا ہے اور اسی کے پاس لوٹ کر جاتا ہے۔“



اسی سورۃ میں ارشاد ہوا ”مسلمانو! جو تم نے تم کو دیا ہے اس میں سے اس دن کے آنے سے پہلے خرچ کر دو جس دن خرید و فروخت ہوگی نہ دوستی، نہ سفارش اور کافر ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ (البقرہ پ ۳۴ رکوع ۳۴)

(۲۲) جو لوگ اپنے مال رب کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر خرچ کے بعد نہ احسان جہلتے ہیں اور نہ جس کو دیا ہے، ستاتے ہیں انہیں ان کے مالک کے پاس اپنا ثواب ملے گا اور نہ ان کو ڈر ہوگا نہ غم نہ رمی سے جواب دے دینا اور مانگنے والوں کی باتوں سے درگزر کرنا اس خیرات سے بہتر ہے جس کو ستانا ہو۔ اللہ تعالیٰ بے پرواہ ہے۔ تحمل والا ہے۔ ایمان والو اپنی خیرات کو احسان جہا کر اور ستا کر بیکار مت کرو۔ (البقرہ ۳/۳۶)

(۲۳) ایمان والو! جو اچھی عمدہ، (حلال) چیزیں تم کھاؤ ان میں سے خرچ کرو اور ان میں سے جو اللہ تعالیٰ یعنی تم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کیں۔ اور خراب چیزیں دینے کا قصد بھی نہ کرو تم اس کو راہ میں خرچ کرتے ہو اگر تم کو کوئی ایسی چیز دے تو نہ لو مگر ہاں آنکھ بند کر کے۔ اور یہ جان لو کہ رب بے پرواہ ہے خوبیوں والا۔ شیطان تم کو محتاجی سے ڈراتا ہے اور بخیلی کا حکم دیتا ہے اور رب اپنی بخشش اور مہربانی کا وعدہ کرتا ہے اور وہ گنجائش والا ہے۔ (البقرہ ۳/۳۷)

(۲۴) اور جو خدا کی راہ پر خرچ کرو یا کوئی منت مانو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے اور بے انصافوں کا کوئی مددگار نہیں۔ اگر سب کے سامنے خیرات کرو تو بھی اچھا ہے۔ اور چپکے سے فقراء کو دو تو تمہارے لیے بہتر ہے۔ اور گناہوں کا کفارہ ہے اور خداوند تعالیٰ تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔ اے پیغمبر! ان کو راہ پر لانا تمہارا ذمہ نہیں ہے۔ رب تمہارے چاہتا ہے راہ پر لگاتا ہے۔ اور تم مال خیرات کرو گے وہ اپنے لیے اور جو تم خرچ کرتے ہو رب تمہارے لیے خرچ کرتے ہو اور جو مال خیرات کے طور پر خرچ کرو گے قیامت کے دن تمہارا حق نہیں مارا جائے گا۔ خیرات ان محتاجوں کو دینا چاہیے جو اللہ کی راہ میں رُکے ہوئے ہیں، انکے ہونے یا گھر سے بیٹھے ہیں کسی ملک کا سفر نہیں کر سکتے۔ جو ان کا حال نہیں جانتا، مالدار سمجھتا ہے کیونکہ وہ مانگتے نہیں ہیں۔ تو ان کا چہرہ دیکھ کر پہچان لو کسی سے لپٹ کر نہیں مانگتے۔ اور تم جو مال خرچ کرو اللہ کو معلوم ہے۔ (البقرہ ۳/۳۷)

(۲۵) جو لوگ اپنے مال رات دن پوشیدہ اور باطن خرچ کرتے ہیں انہیں اپنے مالک سے ثواب ملے گا کوئی غم یا ڈر نہیں ہوگا۔ (البقرہ ۳/۳۸)



(۲۶) لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ (العمران ۴) جب تم ان چیزوں سے خرچ نہ کرو جس سے تمہیں پیار ہے نیکی کا درجہ ہرگز نہ پاؤ گے اور جو کچھ خرچ کرتے ہو اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

(۲۷) اور جو لوگ دکھاوے کی خاطر خرچ کرتے ہیں نہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں نہ قیامت پر اور شیطان جس کا ساتھی ہو وہ تو برا ساتھی ہے۔ اور ان کا کیا بگڑتا اگر وہ اللہ، قیامت پر ایمان لاتے اور جو انہیں دیا گیا ہے اس سے خرچ کرتے۔ وہ ان کے حال سے واقف ہے۔ (النساء ۵)

(۲۸) وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ (الأنفال ۱۰) اور تم جو اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے تم کو پورا ملے گا اور تمہارا حق نہیں مارا جائے گا۔

(۲۹) کہہ دے تم خوشی سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو یا ناخوشی سے، خرچ کیا ہو امیر گز قبول نہ ہو گا کیونکہ تم نافرمان لوگ ہو۔ اور ان کی خیرات کی قبول نہ ہونے کی وجہ یہی ہے کہ اللہ اور رسول اکرمؐ کے حکم کو نہ ماننا اور نماز کے لیے نہیں آتے اور راہ پہ خرچ نہیں کرتے (التوبہ ۱۰)

(۳۰) بعض ایسے ہیں جو زکوٰۃ کے بانٹنے میں تجھ پر آنکھ مارتے ہیں۔ پھر اس میں سے مل جائے تو خوش ہیں نہ ملے تو بگڑ بیٹھتے ہیں۔ خیرات ہی تو ان لوگوں کا حق ہے اور دل کا نہیں۔ فقیر، مسکین، خیرات لینے والے، جن کی تالیف قلوب مطلوب ہو، غلام، قرضدار، مجاہد اور مسافر۔ یہ اللہ کا قانون ہے وہ حکمت والا ہے خوب جانتا ہے (التوبہ ۱۰/۸)

(۳۱) ان لوگوں میں سے زکوٰۃ لے لو تو زکوٰۃ سے پاک صاف کر دے گا (التوبہ ۱۱)

(۳۲) اور جو لوگ تم میں بزرگی والے اور مالدار ہیں وہ ناطے والوں، محتاجوں اور اللہ تعالیٰ کی راہ ہجرت کرنے والوں کو خیرات نہ دینے کی قسم نہ کھا بیٹھیں (النور ۱۸)

(۳۳) اور جو تم سود دیتے ہو کہ لوگوں کا مال بڑھ جائے تو وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا اور جو تم زکوٰۃ دیتے ہو کہ اللہ تعالیٰ رضا دیکھنا چاہتے ہو تو ایسے لوگ ہی دگن (تگنا) ثواب پائیوا لے ہیں۔ (الفاطر ۲۲/۳)

(۳۴) اور جو لوگ قرآن مجید پڑھتے ہیں، نماز دستی سے ادا کرتے ہیں اور مال میں سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں ان کو ایسے پیار کی امید ہے جس میں نقصان ہرگز نہیں اللہ تعالیٰ پورا ثواب دے گا اور اپنے فضل سے کچھ زیادہ دے گا۔ (فاطر ۲۲/۴)

(۳۵) اگر وہ تم سے مال مانگے اور سارا چلے تو تم بخل کر دے گے۔ بس رکھو تم لوگ سارا مال کیا رو گے تم تو



کہتے ہو کہ خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو اور جو کوئی بخیل کرتا ہے اپنا نقصان کرتا ہے۔ (محمد ۲۶)  
 (۳۶) اور تم کو کیا ہو گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ زمین اور آسمان کا وارث دُہی ہے (الحمد ۳۷)

(۳۷) بے شک جو مرد خیرات کرتے ہیں، جو عورتیں خیرات کرتی ہیں اور جو لوگ خداوند تعالیٰ کو اچھا فرض دیتے ہیں تو ان کو دُگنا ثواب ملیگا۔

(۳۸) وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ: اور اللہ تعالیٰ سب روزی دینے والوں سے بہتر روزی دینے والا ہے (الجمعة ۲۸)

(۳۹) الْمَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا: مال اور اولاد دنیا کی زینت ہے۔

(۴۰) اے پیغمبر! ان لوگوں کی دولت میرے صدقے کے ذریعے انہیں پاک کرو۔ اور نہ کہ یہ نفس کرو۔ (القرآن کریم)

(۴۱) جو اپنے مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس لیے خرچ کرتے ہیں تاکہ اس کی خوشنودی حاصل ہو اور ان کے ایمان کی جڑیں مضبوط ہوں۔

(۴۲) اہل ایمان جھک کر زکوٰۃ دیتے ہیں اور یہ لوگ جو کچھ دیتے ہیں، ڈرتے ہوئے دلوں سے دیتے ہیں۔

(۴۳) وہ مشرکوں سے ہیں جو زکوٰۃ نہیں دیتے۔ (قرآن حکیم)

(۴۴) اور سودا کرتے وقت گواہ کرو اور لکھنے والے اور گواہ کو زبیاں نہ پہنچے اور اگر الیا کرو تو تم پر گناہ ہوگا۔

اور اللہ سے ڈرتے رہو اور رب تمہاری تعلیم کرتا ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔ اور اگر تم سفر میں ہو اور تحریر

کنندہ نہ ملے، تو (روپیہ کے بدلہ جو وصول کرنا ہے یا چیز کے بدلے جو وقت پر لینا ہے) ہاتھ گہری رکھ لو

اگر ایک دوسرے پر اعتبار ہو جس کا اعتبار کیا گیا اُسے چاہیے کہ دوسرے کی امانت ادا کرے اور اپنے مالک

سے ڈرتا رہے مسلمانو اللہ تعالیٰ کا تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت والوں کو پہنچاؤ۔ (البقرہ ۳/۶)

(النساء ۵/۸)

ان آیات میں سودا بازی کے وقت تحریر، گواہ بنانا اور امانتوں کی اہمیت بیان کی گئی ہے تاکہ

لین دین کے موقع پر کسی قسم کا فراڈ یا بد عہدی نہ ہو سکے تحریر سے فریقین کو تشفی ہو جاتی ہے۔

(۴۵) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ مِصْرَفًا وَلَا تَقْوَا

اللَّهَ تَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ ؕ (ال عمران ۴/۱۱) مسلمانو! سوؤ مت کھاؤ، دوسرے پر دونا، اور اللہ

سے ڈرو تاکہ تم اپنی مراد کو پہنچو۔



(۴۶) کھانے کی سب چیزیں بنی اسرائیل پر حلال تھیں۔ مگر جس کو اسرائیل (یعقوبؑ) نے خود اپنے اوپر تورات اُترنے سے پہلے حرام کر لیا تھا۔ (اے پیغمبرؐ) کہہ دے اگر تم سچے ہو تو تورات لے کر آؤ مجھے سناؤ پھر جو کوئی بعد اس پر جھوٹ باندھے تو ایسے ہی لوگ بے انصاف ہیں۔ (ال عمران ۴)

(۴۷) پھر جو بھوک سے بے قرار ہو جائے اور گناہ نہ کرنا چاہے تو رب تعالیٰ بخشنے والا ہے۔ لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں پھر حلال کون کونسی چیزیں ہیں تو فرما دیجیے ستھری (پاکیزہ) کھانے کی چیزیں جسکاری جانور جو تم نے سدھار کھے ہیں جن کو تم ان باتوں سے کچھ سکھلاتے ہو جو خداوند تعالیٰ نے تمہیں سکھائیں۔ وہ تمہارے لیے اگر جانور دبوچ رکھیں تو اس کو کھاؤ۔ اللہ کا نام اس پہ لے لیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ آج تم پر صاف ستھری چیزیں حلال ہو گئیں اور اہل کتاب کا طعام بھی حلال ہے۔ اور تمہارا کھانا ان پر حلال ہے (المائدہ ۶)

(۴۸) اے پیغمبرؐ! اُن سے پوچھ جو زینت اللہ نے اپنے بندوں کے لیے نکالی ہے اور غرور و فُورش کی ستھری چیزیں ان کو کس نے حرام کیا؟ جو چیزیں دنیا کی زندگی میں مومنوں کے لیے ہیں اور قیامت کے دن تو خاص مومنین ہی کے لیے ہیں۔ ہم اس طرح جاننے والوں کے لیے کھول کر آیات بیان کرتے ہیں۔ اے پیغمبرؐ کہہ دے کہ رب تعالیٰ نے تو صرف بُرے کاموں کو حرام کیا ہے کھلم کھلا ہو یا پوشیدہ اور گناہ کو اور ناحق ستانے اللہ کے ساتھ شریک کرنے کو جس کی اس نے کوئی سند نہیں اتاری اور رب تعالیٰ پر وہ بات لگانے کو جو تمہیں معلوم نہیں (الانعام ۷)

(۴۹) مسلمانو! جب تم میں سے کوئی مرنے لگے تو آپس کی گواہی وصیت کے وقت تم میں سے دو معتبر اشخاص کو ہونا چاہیے۔ یا اگر تم سفر میں ہو وہاں موت کی مصیبت آگے تو غیر سی دو شخص سہی۔ (المائدہ ۷۲) چونکہ جائیداد میں سے  $\frac{1}{3}$  کی وصیت کی جاسکتی ہے اور جن کے حق میں وصیت کی جائے وہ حصہ دار بن جاتا ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے اس کی اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے دو گواہوں کا حکم دیا۔ یاد رہے وارثانِ بازگشت میں سے کسی کے حق میں وصیت کرنے سے منع فرمایا گیا ہے تاکہ وہ اقتصادی لحاظ سے دوسروں سے زیادہ طاقتور نہ بن جائے۔ اور آپس میں فساد کا خطرہ نہ رہے۔

(۵۰) تم کو حکم دیتا ہے جب کوئی تم میں سے مرنے لگے اگر کچھ مال چھوڑنے والا ہے تو ماں باپ اور عزیزوں کے لیے واجبی طور پر وصیت کرے یہ ایک حق ہے پر ہیزگاروں کا پھر جو کوئی وصیت کے بعد بدل ڈالے تو اس کا گناہ انہی لوگوں پر ہوگا جو بدلیں بے شک رب تعالیٰ ہے پھر جس کسی کو وصیت کرنے والے کی خطا، یا عمدہ تصور معلوم ہو اور وہ وارثوں اور موصیٰ نہ ہیں صلح کر دے تو وصیت بدلنے کا کوئی گناہ نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ



بخشنے والا ہے جو لوگ مر جائیں اور بیماریاں چھوڑ جائیں تو وہ ایک سال تک نہ لکانے کی اور خرچ دینے کی وصیت کر جائیں اس پر اگر وہ نکل کھڑی ہوں تو وارثوں پر کچھ گناہ نہیں اس میں جو وہ رواج کے مطابق کام کریں اور اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے۔ (البقرہ ۲۱۷)

(۵۱) لَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِنْ إِمْلَاقٍ ۖ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ

(العام) اپنی اولاد کو روزی کے خون سے قتل نہ کرو۔ روزی کا ذمہ رب تعالیٰ نے لیا ہے۔

(۵۲) قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ ۖ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ ۚ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ۖ

دنیاوی مال و متاع آخرت کے خوشگوار صلہ کے مقابلہ میں بالکل حقیر حیثیت رکھتا ہے۔ دنیاوی مال و دولت کو ترجیح دے کر اللہ تعالیٰ کے قوانین کی تکذیب کی تو تا کہ برابر بھی ثواب نہیں ملے گا۔

(۵۳) فليؤدّي الذی اؤتمن امانته وليتق الله ربّه ۖ اعتماد السانیت قائم

رکھنا اور امانت کے حقوق پورے کرنا سبکی ہے۔

(۵۴) جو اپنے عہد و پیمان پورے کرتا ہے وہ بلاشبہ متقی ہے اور اللہ تعالیٰ صرف انہی کو پسند کرتا ہے۔

(۵۵) فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۖ سیدھی سچی بات کرنا اور قول کا نبھانا

پر مہیزگاروں کا کام ہے۔

(۵۶) اَعْدِلُوا هُوَ اقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ عدل قائم کرو و معاشرہ میں جو تمہیں رب تعالیٰ کے نزدیک

کر دے گا۔

(۵۷) صاحب ایمان وہی ہیں جو اللہ سے ڈرتے ہیں اسی سے پناہ مانگتے ہیں، اسی کو وسیلہ جانتے ہیں

محنت و مشقت کرتے ہیں وہی فلاح پائیں گے۔

(۵۸) وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۖ اللہ بغیر حساب کے روزی دیتا ہے (البقرہ)

(۵۹) وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ۖ (الذاریات) اللہ نے تم سے رزق کا وعدہ

کیا ہے۔

(۶۰) وَمَنْ يَرْزُقْكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۖ عَالِمٌ مَّعَ الْغُيُوبِ (نمل) اے آسمان و

سے تمہیں کون رزق دیتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی معبود ہے؟

(۶۱) وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَاشٍ ۚ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهُ بِرَازِقِينَ ۖ (الحجر) اللہ ہی

نے انسانوں کے لیے زمین پر معاشیت کے سامان فراہم کیے ہیں اور ان کے لیے بھی جن کو تم روزی نہیں دیتے

(۶۲) اور اس کی محبت پر اقربا، یتیموں، یتیموں، مسافروں، مانگنے والوں اور گریز میں پھڑانے والوں کو



مال دے۔ نماز قائم کرے، زکوٰۃ دے، جب عہد کریں تو پورا کرے اور صبر کرنے والے تکلیف میں اور نقصان میں اور لڑائی کے وقت۔ (البقرہ)

(63) هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ط (بقرہ) اللہ تعالیٰ ہی وہ عظیم ذات ہے جس نے تمہارے لیے زمین میں وہ سب کچھ پیدا کیا جس سے تمہارا بھلا مقصود ہے

(64) ربّنا ہی نے زمین پر بوجھ ڈالا اور ان میں برکتیں محفوظ کیں اور اندازہ سے خوراک مقرر کی تاکہ حاجت مندوں میں برابر تقسیم ہو۔

(65) اللہ نے رزق کے سلسلے میں بعض کو بعض پر ترجیح دی ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ جس کو زیادہ فرائع میسر ہوں وہ زبردستوں کو لوٹا دیں تاکہ روزی سب میں برابر اور کیساں تقسیم ہو ورنہ خداوند تعالیٰ کی نعمتوں کے منکر تصور ہوں گے۔ (النمل)

(66) هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ط وہ اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لیے زمین میں جو کچھ بھی ہے سب پیدا کیا۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمود الحسن صاحب کے مطابق زمین کی کوئی بھی شے کسی فرد یا خاندان کی ملکیت و میراث نہیں وہ سب کے لیے برابر ہے۔ البتہ فرد اپنی حاجت کے مطابق زیر تصرف رکھ سکتا ہے۔ اس سے زیادہ کو روک رکھنا قانونِ فطرت کے منافی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض صحابہ کرامؓ حضرت سے زائد شے کو زیر قبضہ رکھنا حرام سمجھتے ہیں۔

(67) قرآن مجید میں روزی کی تلاش اور کسبِ معاش کو ”فضل“ قرار دیا گیا ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے:

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ ط وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ ط (جمعة) جب نماز ختم ہو جائے تو اللہ کی زمین پر پھیل جاؤ اور رزق تلاش کرو۔

(68) إِنَّ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا فَاتَّبِعُوا عِنْدَ اللَّهِ الرِّزْقَ ط (عنکبوت) رزق کے حصول کی خاطر غیر اللہ کی پرستش مت کرو وہ تمہارے مالک نہیں تم رزق کی تلاش کے لیے حقیقی معبود کی جانب رجوع کرو۔

(69) وَآخِذُوا بِحَبْلِ اللَّهِ لِنَنْصُرَكُمْ فِي الْأَرْضِ ط يَتَّبِعُونَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ (مزمل) اور کتنے لوگ ہیں جو رزق و تلاش میں زمین پر پھرتے ہیں۔

(70) اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَ يَقْدِرُ ط اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے رزق میں فراخی دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے تنگی دیتا ہے۔



(۶۱) وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةً إِمْلَاقٍ ۖ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ  
اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطَاً كَبِيراً۔ اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرو ہم ہی رزق دیتے  
ہیں۔ بے شک ان کا قتل بہت ہی بڑا گناہ ہے۔

(۶۲) جن لوگوں نے دنیا میں فرائض معیشت پورے کیے ہوں گے وہی بعد از موت اللہ سے اجر  
حاصل کرنے کے سزاوار ہوں گے۔

(۶۳) اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز پسند نہیں کرتا جن کو وسیع رزق دیا گیا ہو اور پھر بھی وہ بخل سے کام لیتے  
ہیں اور بخیلی کو بہتر گردانتے ہیں۔ عنقریب ان کے گلے میں بخل کے باعث طوق ڈالے جائیں گے اور جکڑا  
جانے گا۔

(۶۴) جو کچھ تم اللہ کے بتائے ہوئے طریقوں پر خرچ کرتے ہو وہ واپس ملے گا اور کوئی زیادتی نہ ہوگی۔  
(الانفال)

(۶۵) تم سے صدقات کے ذریعے دوسروں کی امداد کا تقاضا اس لیے کیا گیا ہے کہ تمہارا مال پاک ہو جائے  
اور آخرت میں اس کا اجر مل سکے۔

(۶۶) یتیموں کا مال نہ چھینو اور نہ ان کا مال اپنے میں ملا کر اس سے ذاتی استفادہ اٹھاؤ۔ ایسا کرنا سخت  
جناہت اور شدید گناہ ہے کیونکہ اس سے تمہارے مال پاکیزہ نہیں رہ سکتے (نساء)

(۶۷) اللہ ان لوگوں کو فضیلت دی ہے جو اپنے مال و دولت سے جہاد کرتے ہیں۔

(۶۸) جو لوگ اپنی ذات کی نسبت دوسروں کی ضروریات کی تکمیل افضل سمجھتے ہیں اور اپنی زیب و زینت  
سے گریز کرتے ہیں ان کا یہ فعل پسندیدہ ہے اور اللہ تعالیٰ بہتر جاننے والا ہے (نساء)

(۶۹) وہی لوگ فلاح پاتے ہیں جو خود پر خرچ کرتے ہیں ریاضت و مجاہدہ کرتے ہیں اپنی خواہشات قربان  
کرتے، دوسروں کے دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں (تغابن)۔

(۷۰) جو لوگ اپنے آپ پر بھی خرچ نہیں کرتے دوسروں کے معاملہ میں بھی بخیل ہیں وہ اپنے نفس پر کبھی  
ڈالے ہوئے ہیں۔ بلکہ انسانی معاشرہ پر بھی بارگراں ہیں۔

(۷۱) اللہ تعالیٰ غنی ہے اور تم (صاحب مال ہونے کے باوجود اس کے سامنے فقیر ہو) (محمد)

(۷۲) تمہارے اموال میں اسی طرح ان لوگوں کا حق ہے جس طرح تمہارا اپنا حق خواہ وہ تم سے سوال کریں  
یا نہ کریں تمہارا فرض ہے کہ سوال کیے بغیر ان کا حق ان تک پہنچا دو۔ (الذاریات)

(۷۳) فَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ آمَنُوا سَلَامٌ أُولَٰئِكَ يُرِيتُ (حدید) جو تم میں سے



ایمان لائے اور جنہوں نے مال خرچ کیا اُن کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔

(84) اللہ ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو دنیاوی مال و جاہ، اقتدار کے نشہ میں غرور و تکبر کر بیٹھتے ہیں اصل میں وہ سخیل ہیں اور دوسروں کو بھی سخیل کی ترغیب دیتے ہیں اور اللہ کے احکامات کی پیروی نہیں کرتے۔

(85) دوزخ کی آگ سے وہ لوگ محفوظ رہیں گے جن کو اللہ نے دنیا میں مال و متاع دیا اور انہوں نے دوسروں کو شریک کیا، اس سے ان کا مال پاک ہوگا۔ اور وہ خود بھی عذاب سے بچ گئے (لیل)

(86) جو کچھ بھی تم لوگوں کی بھلائی پر صرف کرو گے وہ بطور یادگار ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر رزق دینے والا ہے۔ (سبا)

(87) صاحب ثروت و استطاعت کے لیے حکم ہے کہ معاشی طور پر کمزور رشتہ داروں اور سوسائٹی کے دیگر اہل حاجت لوگوں کی اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کی اعانت کریں اور ان سے حسن سلوک اختیار کریں ان کی لغزشوں سے درگزر کریں اور ان کی ضروریات پوری کریں (النور)

(88) اللہ نے طبقہ غریب کی کفالت کو نماز کے ساتھ شرط بنا دیا ہے۔ نماز اس کی قبول ہوگی جس نے غریب کی کفالت کی۔

(89) ہدایت کی جاتی ہے کہ اپنی کمائی سے اپنے اہل کنبہ کی حاجات پوری کرنے کے بعد باقی دوسروں پر صرف کر و کہیں ایسا نہ ہو کہ خود تنگ دستی کا شکار ہو جاؤ۔ بساط اور طاقت سے زیادہ صرف نہ کرو (میانہ روی اختیار کرو)۔ (بنی اسرائیل)

(90) إِنَّ اللَّهَ اشْتَوَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ۔ (یوسف) رب تعالیٰ نے خرید لیا ہے مومنوں سے ان کا مال و جان (یعنی ان پر انہیں ماسوائے اور کے قوانین پر عمل کرنے کے اور کوئی صورت باقی نہیں رہی) اس بات کے عوض کہ ان کے لیے جنت ہوگی۔

(91) یعنی اپنے ہاتھوں کو گردن سے نہ ملاؤ اور نہ ہی بالکل کھلے چھوڑ دو۔ (بنی اسرائیل) اس آیت مبارکہ سے اعتدال پسندی کا سبق ملتا ہے کہ انسان کو افراط و تفریط سے اجتناب کرنا چاہیے اور میانہ روی کو اپنا شعار بنانا بہتر ہے۔

(92) سَمِعُونَ لِلْكَذِبِ أَكْأَلُونَ لِلْسُّخْتِ (مائدہ) (یہ یہودی) جھوٹ کو (بڑی رغبت سے) سننے والے رشوت اور جھوٹ انصاف اور حق کو کھا جاتے ہیں۔ اور حرام کھانے والے ہیں۔



(۹۳) رَزَقًا لِلْعِبَادِ (ق ۶) روزی بندوں کے لیے ہے۔

(۹۴) لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ط

(النساء ۴) مردوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو وہ کمائیں اور عورتوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو وہ کمائیں (یہاں سے مراد تمام اچھے اعمال ہیں یعنی اچھا عمل خواہ مرد کرے خواہ عورت، بہر حال اسے فائدہ ملیگا۔ ساتھ ہی اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اقتصادی ذرائع استفادہ کا حق نسل انسانی کی کسی خاص صنف کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

(۹۵) وَلَا تَوْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا۔ (نساء) اور کم

عقلوں کو اپنے اموال نہ دیا کرو۔ رب نے تمہارے لیے سہارا بنایا ہے اس میں سرمایہ اور اصل کو معاشی نظام کے قیام و بقا کا ضامن ٹھہرایا گیا ہے۔ اور اس کے بجا اڑانے سے، یا کم عقل کے حوالے سے ممانعت کی گئی ہے۔

(۹۶) إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ۔ (القصاص ۲) یقیناً جسے تو نوکر

رکھے اس میں اچھا وہ ہے جو قوت والا اور امانت والا ہو۔

(۹۷) اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي خَفِيفٌ غَلِيمٌ (یوسف ۶) مقرر کرو مجھے زمین

کی پیداواروں میں، میں نگرانی کرنے والا اور جاننے والا ہوں

(۹۸) زَيْنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ طِيرِ الْمَقْظُورَةِ

مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْخُرُثِ

(ال عمران ۳) سنواری گئی ہے، آدمی کے لیے خواہشات کی چاہ یعنی عورتوں، بیٹوں

ڈھیروں، ڈھیر سونے چاندی کی، خوبصورت گھوڑوں، مویشیوں، کھیتوں کی۔

(۹۹) قُلْ مَنْ حَدَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ ط

ر (الاعراف ۳۱) بولے کس نے حرام کیا ہے اللہ تعالیٰ کی آسائش کو جسے رب نے اپنے

بندوں کے لیے پیدا کیا اور عمدہ رزق (کو کس نے حرام کیا؟)

(۱۰۰) بہت سے نام نہاد درویش اور رہبان لوگوں کا مال بذرِ بے باطل کھاتے اور روکتے ہیں اللہ تعالیٰ

کی راہ میں سے اور جو دینہ کرتے سونا، چاندی خرچ نہیں کرتے تو انہیں مژدہ سناو و عذاب

المیم کا۔ ان پر وہی دینہ جہنم کی آگ میں پھر داغی جائیں گی ان کی پیشانیوں، پہلو، پیٹھیں،

یہ وہ ہے جسے تم نے جمع کیا تھا اپنے لیے پس چکھو۔ (توبہ)



(۱۰۱) اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلٰی الْاَرْضِ زِينَةً لِّهَا (رکعت ۱۵) ہم نے زمین پر جو کچھ ہے اُسے زمین کا سنکار بنایا ہے۔

(۱۰۲) الْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْجِمَارَ لِتَرْكَبُوَهَا وَزِينَةً رَّالْنَحْلَ (۱۴) گھوڑے، فخر، گدھے اسی لیے ہیں کہ ان پر سواری کرو اور وہ آرائش ہیں۔

(۱۰۳) وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تَرْجُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ط (النحل ۱۴) تمہارے لیے ان مویشیوں میں جمال و حسن ہے جب تم شام کو انہیں واپس گھراتے ہو۔ اور صبح کو جب چراگاہ کی طرف لے جاتے ہو۔

مزید فرمایا گیا اے بنی آدم! ہم نے تم پر لباس اتارا جو تمہاری شرم گاہوں کو چھپاتا ہے اور آرائش بھی ہے۔ نیز مسجد گاہ کے پاس اپنی آرائش اختیار کرو۔ اور یقیناً بستیوں والے اگر مان لیں اور پارسانی اختیار کریں تو ضرور ہم ان پر زمین اور آسمان سے برکتیں کھول دیں۔

(۱۰۴) اَللّٰهُمَّ ذَرِكُنَا هٰؤُلَاءِ سَبَّحَ گاہ بنائے گا اللہ اس کے واسطے نکلنے کی راہ اور روزی پہنچا گا اُسے ایسی جگہ سے جہاں سے امید نہ ہو۔ (طلاق ۲۸)

(۱۰۵) فَاتَّبِعُوا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ (عنکبوت ۲۰) پس اللہ کے پاس روزی کو ڈھونڈو۔

(۱۰۶) وَاسْأَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهِ (نساء ۵) اور اللہ سے اس کے فضل کو مانگو۔

(۱۰۷) جس شخص نے فلاح پائی جس نے نفس کا تذکرہ کر لیا۔ وہ نامراد ہوا جس نے اُسے دیا۔ (القرآن)

(۱۰۸) وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَّهٗ مَعِيشَةً حَنْكًا ط اور جو کترا یا میری یاد سے

تو یقیناً اس کے لیے ہے ایسی معیشت جو ضیق اور تنگی سے بھری ہے۔

(۱۰۹) وسعت و گنجائش والوں کو چاہیے کہ اپنی استطاعت کے لحاظ سے خرچ کریں اور جس کی روزی

پنی تیلی کر دی گئی ہے چاہیے کہ جو کچھ خدا تعالیٰ نے اسے دے رکھا ہے اسی سے خرچ کرے۔

(۱۱۰) یعنی کافروں کو دنیوی زندگی میں ہم نے بظاہر جو بہتری و شادابی بخشی ہے اس کی طرف نظر اٹھا

کر بھی نہ دیکھنا۔ یہ تو ان کے حق میں فتنہ ہے آپ کے لیے تو بس آپ کے پروردگار کا رزق و

پائندہ تر ہے۔ (سورۃ طہ)

(۱۱۱) اپنے اہل و عیال کے متعلق بھی آپ کا اصل فریضہ ان کو عبادت یا نماز کا حکم کرنا اور اس پر جبر نہ کرنا

ہے۔ رہا رزق یا معاش کا معاملہ تو ہم اس کا کوئی مواخذہ آپ سے نہ کریں گے رزق تو خود ہی



آپ کو دیں گے۔ اور اس میں کچھ کمی یا تنگی بھی ہو تو اعتبار تو انجام یعنی آخرت کا ہے۔ سنو اس کی بہتری صرف تقویٰ سے وابستہ ہے یعنی طلبِ معاش انسانی زندگی کا مقصد حقیقی نہیں بلکہ اسے اعلیٰ مقصد کے حصول کا ذریعہ ہونا چاہیئے۔

(۱۱۲) ایک موقع پر فتوحات سے مالِ غنیمت بکثرت آیا تو ازواجِ مطہرات نے اپنے مصارف میں بھی توسیع و اضافہ کی درخواست کی۔ جس پر آیاتِ تخییر نازل ہوئیں کہ ازواجِ مطہرات کو دنیا و معاش کی خوشحالی کا اختیار دیا گیا یا دین و معاد۔ ارشاد ہوا:-

”اے نبی! آپ اپنی بیویوں سے فرمادیں کہ تم اگر دنیا کی زندگی کی اور اس کی بہار چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں مال و متاع دے کر خوبی سے رخصت کر دوں اور اگر تم اللہ رسولؐ اور آخرت کے گھر کو چاہتے ہو۔ تو رب تعالیٰ نے تم میں سے ایسی نیک بیویوں کے لیے (آخرت کا) بڑا اجر تیار کر رکھا ہے“ (سورہ احزاب) ان آیات میں قناعت کی تعلیم دی گئی ہے۔ مال کا بہت زیادہ خواہش اخلاقِ حسنہ کو متاثر کر دیتی ہے۔

(۱۱۳) اور نہ خیال کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اس چیز پر جو اللہ نے ان کو دی ہے اپنے فضل سے کہ یہ بہتر بخل ہے ان کے حق میں بلکہ یہ بہت بُرا ہے ان کے حق میں طوق بنا کر ڈالا جائے گا ان کے گلوں میں وہ مال جس میں بخل کیا تھا قیامت کے دن (ال عمران ۸۰)

(۱۱۴) بے شک اللہ فرماتا ہے کہ پنچا دو امانتیں امانت والوں کے اور جب فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے کرو۔ (النساء ۵۸)

(۱۱۵) اور وہی ہے کہ خوشخبری لانیوالی ہوا میں چلاتا ہے مینہ سے پہلے۔ یہاں تک کہ ہوا میں اٹھالاتی ہیں بھاری بادلوں کو تو ہم اس بادل کو ایک مُردہ شہر کی طرف اتارتے ہیں پھر اس سے سب طرح کے پھل نکالتے ہیں۔ (الاعراف ۵۶)

اسی طرح سورۃ الحجر (۲۱-۲۳) میں یوں فرمایا ”ہمارے پاس ہر چیز کے خزانے ہیں اور ہم معین اندازے سے اتارتے ہیں اور تمہارے پاس کوئی خزانہ نہیں۔ ہم ہی مارنے اور جلانے والے ہیں۔“

(۱۱۶) وہی ہے جس نے تمہارے لیے آسمان سے پانی اتارا۔ اس سے پیتے ہو۔ اسی سے درخت ہوتے ہیں جس میں چراتے ہو۔ تمہارے لیے کھیتی سے زیتون، انگور، کھجوریں، ہر قسم کے میوے اُگاتا ہے۔ البتہ ان چیزوں میں ان لوگوں کے لیے اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں جو غور کرتے ہیں دن رات سورج چاند اور ستارے تمہارے کام میں لگے ہوئے ہیں اس کے حکم سے (النمل ۱۲)



(۱۱۶) اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے واسطے تمہاری ہی قسم سے عورتیں پیدا کیں۔ اور تمہاری عورتوں سے بیٹے اور پوتے دیئے۔ اور کھانے کو صاف ستھری اشیاء دیں۔ اسی سورۃ میں فرمایا ”اللہ تعالیٰ انصاف اور بھلائی کرنے کا حکم کرتا ہے۔ (النحل ۶۲)“  
 قرابت والوں کے لیے دینے کا۔ بے حیائی اور نامعقول کاموں سے منع کرتا ہے اور سرکشی سے بھی۔  
 تمہیں سمجھاتا ہے تاکہ تم یاد رکھو۔ (النحل ۹۵)

(۱۱۸) کیا نہیں دیکھ چکے کہ اللہ تعالیٰ روزی کو پھیلا دیتا ہے جس پر چاہے اور پاپ کر دیتا ہے جسے چاہے ان میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو یقین رکھتے ہیں۔ سو تو قرابت والے، محتاج اور مسافر کو اس کا حق دے یہ بہتر ہے ان کے لیے جو اللہ کا دیدار چاہتے ہیں اور وہی میں جن کا بھلا ہے۔ او جو بیاج پر مال دیتے ہیں کہ بڑھتا رہے پس وہ نہیں بڑھتا اللہ کے یہاں۔ اور جو پاک دل سے چاہ کر اللہ کی رضا مندی کے لیے دیتے ہیں سو یہی ہیں جن کے دُونے (دُگنے) ہوئے۔ اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے تمہیں بنایا۔ روزی دی پھر تم کمارتا ہے اور پھر زندہ کرے گا۔ (الروم ۳۷ تا ۴۰)  
 (۱۱۹) کُلُوا مِنْ ذِزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَہٗ۔ اپنے رب کی روزی کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو۔ اور رب گناہ بخشنے والا ہے۔ (سبا ۱۵)

(۱۲۰) اللہ نے تمہارے لیے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ بنایا اور آسمان کو عمارت۔ اور تمہاری صورتیں اچھی بنائیں۔ صاف ستھری چیزوں سے روزی عطا کی۔ وہ تمہارا رب ہے جو رب سارے جہان کا ہے اس کی بڑی برکت ہے۔ (المومن ۶۴) اسی صورت میں آگے فرمایا۔  
 ”اللہ تعالیٰ ہے جس نے تمہارے واسطے چوپائے بنائے تاکہ سواری کرو۔ اور لبضوں کو کھاتے ہو اور ان میں تمہارے لیے بہت فائدے ہیں۔ اور تاکہ ان پر چڑھ کر کسی کام تک جو تمہارے جی میں ہے پہنچ سکو۔ اور ان پر کشتیوں پر سوار پھرتے ہو“ (۶۹ تا ۸۰)

(۱۲۱) اللہ اپنے بندوں پر نرمی رکھتا ہے اور جسے چاہے روزی دیتا ہے اور وہی نور اور اور زبردست ہے۔ (الشوریٰ ۱۹)

(۱۲۲) اور آسمان کو اونچا کیا اور ترانہ و دکھاتا کہ زیادتی نہ کرو ترانہ میں۔ اور سیدھی ترانہ و تولو انصاف سے اور تولو کہ مٹ گھٹاؤ اور زمین کو خلق کے واسطے بچایا۔ اس میں میوہ ہے۔ اور کھجوریں خوشہ در۔ اور اس میں اماج ہے جس کے ساتھ حبس ہے اور خوشبودار پھول۔ پھر تم دونوں رب کی کون کونسی نعمتیں جھٹلاؤ گے۔ (الرحمن ۱۳ تا ۱۴)



(۱۲۳) وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا . اور دن کو کمائی کرنے کے لیے بنایا۔ (النبا ۱۱)

(۱۲۴) لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي كَبَدٍ . تحقیق ہم نے آدمی کو محنت میں بنایا۔ (البلد ۶)

یعنی انسان رنج، فکر اور سختیوں میں مبتلا رہتا ہے۔

(۱۲۵) إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا . البتہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے (الانشراح ۵)

فَإِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ . پھر فارغ ہونے پر محنت کر ( ۷ )

وَالِی رَبِّكَ فَارْغَبْ . اور اپنے رب کی طرف دل لگا ( ۸ )



# باب (۵)

## نبی کریمؐ کی معاشی تعلیمات

( Economic Teachings of Holy Prophet )

حدیث، رسول اکرمؐ کے قول، فعل اور تقریر کو کہا جاتا ہے۔ قول سے مراد آپؐ کا کلام، فعل سے مراد آپؐ کا کام ہے اور تقریر کا مفہوم یہ ہے کہ کسی نے آپؐ کے سامنے کوئی کام کیا یا کوئی بات کہی اور آپؐ نے منع نہ فرمایا۔ گویا آپؐ نے اپنے سکوت سے اس کام کے جواز یا اس بات کی صحت کو متعین کر دیا۔

احادیث، قرآن مجید کے مضامین کی یا تو تائید کرتی ہیں یا قرآن حکیم کے مجمل احکام کی وضاحت کرتی ہیں۔ یا جو بات قرآن میں مذکور نہ ہو اُسے بیان کرتی ہیں۔ حدیث کے بغیر قرآن کریم کا ادراک مشکل ہے۔ قرآن مقدس میں اللہ تعالیٰ نے رسول کریمؐ کو فحیاط کر تے ہوئے فرمایا ہے کہ اسے ہم نے اس لیے اتارا ہے کہ تو لوگوں کے سامنے اس کی وضاحت اور تشریح کر دے۔ قرآن میں رسول اکرمؐ کو معلم کتاب کہا گیا ہے۔ ظاہر ہے کوئی بھی استاد جب کسی کتاب کی تعلیم دیتا ہے تو کتاب ہی کے متن کو طلبہ پر دہرائے جاتا بلکہ کتاب کے مشکل اوراق مضامین کی توضیح اپنی زبان یا عمل وغیرہ سے بھی کرتا ہے۔ رسول کریمؐ نے بھی قرآن کی تشریح فرمائی ہے۔ اس لیے ثابت ہوا حدیث کے بغیر قرآن فہمی ممکن نہیں۔ قرآن کا ٹھیک ٹھیک ہم تک پہنچنا قطعی یقینی ہے۔ کیونکہ قرآن کریم ہم تک تو اتارے سے پہنچا ہے یعنی ہزار ہا لاکھوں لوگوں نے اسے حاصل کیا اور دوسروں کو پہنچایا۔ اس کے برعکس احادیث ہم تک راویوں کے ذریعے پہنچیں۔ محدثین نے احادیث صحیح یا غلط معلوم کرنے کے لیے اصول وضع کیے جو اصول حدیث کہلاتے ہیں۔ راویوں کی خوب چھان بھٹک کی گئی اس طرح بڑی محنت اور عرق ریزی سے احادیث کی درجہ بندی کی گئی۔ حدیث کو ظنی کہا جاتا ہے۔ ”ظن“ گمان اور اٹکل دوڑانے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کا معنی یقین استدلال کا بھی ہے۔ یعنی وہ یقین جو دلائل سے حاصل



ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں ”ظن“ کا لفظ مذکورہ دونوں معنوں میں مستعمل ہے۔ چنانچہ سورۃ بقرہ میں یہ کہا گیا ہے کہ ”نماز ان لوگوں پر بھاری نہیں ہے جو یہ ظن رکھتے ہیں کہ ان کی ملاقات ان کے رب سے ہونے والی ہے تو یہاں (ظن) کا لفظ ”یقین“ کے معنوں میں ہے کیوں کہ جس شخص کو رب تعالیٰ سے ملاقات کا شک ہو وہ دوسرے سے مسلمان ہی نہیں منافق ہوگا۔

یقین قطعی اور یقین استدلالی میں فرق یہ ہے کہ اول الذکر میں شک کا احتمال نہ تو واقعہ کے لحاظ سے ہوتا ہے اور نہ ہی عقل اسے تسلیم کرتی ہے ”دو جمع دو چار“ یہ یقین قطعی کی مثال ہے۔ یقین استدلالی وہ یقین ہے جو دلائل سے حاصل ہو واقعہ کے لحاظ سے تو شک کا احتمال نہیں البتہ عقل شبہ کر سکتی ہے۔ مگر عقل کے اس شبہ کو دہم کہا جائے گا مثلاً زید کا ایک بیٹا خالد ہے۔ زید اسے اپنا بیٹا مانتا ہے۔ خالد بھی زید کو اپنا باپ تسلیم کرتا ہے تو معاشرتی معاملات میں زید کی بات کو صحیح سمجھا جائے گا مگر عقل شبہ کر سکتی ہے کہ شاید خالد، زید کا بیٹا نہ ہو لیکن جب تک کوئی قوی قریبہ موجود نہ ہو تو اس شک کو دہم گردانا جائے گا اور اس پر عمل نہ ہوگا۔ یقین استدلالی سے نچلا درجہ ظن غالب کا ہے۔ ظن غالب میں ایک چیز کے وجود یا عدم وجود کی ایک سمت بہت ہی بھاری ہوتی ہے۔ اور اس کی مخالف سمت بہت ہی ہلکی ہوتی ہے۔ دنیا میں یقینیات بہت ہی کم ہیں۔ دنیاوی کاروبار زیادہ تر ظن غالب پر ہی چلتا ہے۔ مثلاً تاجر کو قطعی یقین نہیں ہو سکتا کہ اسے ہر حال میں فائدہ ہوگا۔ اس کے باوجود وہ تجارت کرتا ہے۔ طالب علم کو یقین قطعی نہیں ہوتا کہ وہ ضرور درس گاہ تک پہنچ جائے گا۔ راستے میں حادثات وغیرہ کا عقلی امکان موجود ہے۔ تاہم اس امکان کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اپنی منزل کا رخ کرتا ہے اس قسم کی بے شمار مثالیں دی جاسکتی ہیں۔

حدیث کو ظنی ”یقین استدلالی“ کے معنی میں اور بعض اقسام حدیث کو ظنی ”انتہائی غالب“ کی بنا پر کہہ دیا جاتا ہے۔ جس طرح ہم اپنے عام دنیوی معاملات یقین استدلالی اور ظن غالب پر عمل کرتے ہیں۔ اسی طرح حدیث پر بھی عمل ہوگا۔

یہ تفصیل اس لیے بیان کی گئی ہے کہ منکرین حدیث یہ کہہ کر حدیث کا انکار کرتے ہیں کہ حدیث

ظنی ہے۔ کبھی یہ کہتے ہیں کہ قرآن کو سمجھنے کے لیے کسی دوسری چیز کی ضرورت ہی نہیں اگر ان کا یہ قول صحیح ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے وہ خود کیوں لوگوں کو قرآن سمجھانے پر لگے ہوئے ہیں؟ ظاہر ہے کہ وہ سخت غلط فہمی کا شکار ہو چکے ہیں۔

اسلامی قانون سازی میں حدیث کو قرآن کے بعد دوسرا درجہ حاصل ہے۔ حدیث کے بغیر معاشی



مسائل کا حل بھی گمراہ کن ہوگا۔

”سُنّت“ کا لفظ محدثین کی اصطلاح میں آنحضرتؐ کے عمل کو ظاہر کرتا ہے لیکن کبھی اس لفظ کو حدیث، کا مترادف سمجھا جاتا ہے۔ لہذا عرف عام میں قرآن و سُنّت سے مراد قرآن و حدیث ہے۔ گویا اس باب میں رسالت مآبؐ کی احادیث مبارکہ کی روشنی میں اقتصادی تعلیمات (Economic Teachings) کا احاطہ کیا جائے گا کیونکہ زندگی کا کوئی ایسا گوشہ نہیں جس کے بارے میں آنحضرتؐ نے واضح اور درست ہدایات سے سرفراز نہ کیا ہو۔ کوئی بھلائی ایسی نہیں جس کے کرنے کی آپؐ نے تعلیم نہ دی ہو اور کوئی بُرائی ایسی نہیں جس سے آپؐ نے منع نہ فرمایا ہو۔ گویا ایک سپاہی سے لیکر کمانڈر تک اور چرواہے سے لے کر فرمانروائے سلطنت تک آپؐ کے کلام شیریں اور دلپذیر سے رہنمائی حاصل کر سکتا ہے۔

### احادیث مبارکہ سے شواہد :-

- (۱) حلال معیشت کا طلب کرنا اللہ کی عبادت میں سے ہے۔ دعا بھی عبادت ہے بلکہ بقول رسول کریمؐ دعا عبادت کا مغز ہے۔ وہ بھی نماز کا ہی حصہ ہے۔ یہ لفظ وسیع معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ہر وہ کام جو اللہ کی رضا کے لیے اور رسولؐ کی متعین کردہ حدود کا لحاظ رکھتے ہوئے کیا جائے اُسے عبادت کہتے ہیں لہذا ہر نیکی عبادت کے زمرے میں شامل ہے۔
- (۲) آنحضرتؐ نے فرمایا، رات سونے کے بعد اٹھو اور فجر کی نماز پڑھ کر اپنے رزق کی تلاش میں مصروف ہو جاؤ۔ اور نیند کا نام نہ لو۔

- (۳) حضرت عمر و ابن العاصؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا اچھا مال اچھے آدمی کے لیے اچھی چیز ہے۔ (احمد)

- (۴) نبی کریمؐ نے فرمایا: مسلمان مرد کے لیے ریشمی لباس اور دیبا فز کے کپڑے ریشمی دزم گدوں پر بیٹھنے اور ارغوانی رنگ (بھڑکیلا کلمر) استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔

- (۵) جس شخص نے دنیا میں فخر و غرور کا لباس پہنا اُسے قیامت کے دن ذلت و خواری کا لباس پہنانے کا۔ نیز فرمایا فخر و غرور کا لباس وہ ہے جو اس کے بھائیوں کے لباس سے مختلف ہو اور افضل و امتیازی ہو۔ (زیریں و ابوداؤد)

- (۶) رسول اکرمؐ نے فرمایا، مسلمان مردوں اور عورتوں کو جائز نہیں کہ سونے چاندی کے برتن استعمال کریں (بخاری)



(۶) حضرت حذیفہ کے قول کے مطابق آپؐ نے ہمیں سونے چاندی کے برتن ریشمی لباس اور بڑکیلی پوشاک کے استعمال کی ممانعت فرمائی ہے۔ (بخاری شریف)

(۸) حضورؐ نے فرمایا جس شخص کا گوشت پوست پلست ظلم سوردے بنا ہوا اس کے لیے روزخ کی آگ زیادہ بہتر ہے۔ (بخاری)

(۹) حضرت جابرؓ کی روایت کے مطابق آپؐ نے فرمایا: إِذَا دَوَزْتُمْ فَاَرْجَحُوا یعنی جب تم تو نے تلتل لگو تو ترازد و دوسرے فریق کے حق میں رکھو۔ (ابن ماجہ)

(۱۰) حضرت کعبؓ فرماتے ہیں جب میں نے سارا مال صدقہ کرنے کا ارادہ کیا تو آپؐ نے فرمایا کچھ بچا لو یہ بھی کار خیر ہے۔ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ غزوہ تبوک کے موقع پر آنحضرتؐ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو سارا مال دینے سے کیوں درو کا؟ ان کا مقام توکل بہت بلند ہے۔ توکل اسباب کے چھوڑ دینے کا نام نہیں ہے بلکہ یقین رکھنا ہے کہ اسباب اس لیے رکھ رہا ہوں کہ رب تعالیٰ کا حکم ہے۔ ورنہ کامرانی و ناکامی اُسی کے قبضہ قدرت میں ہے حضرت ابوبکر صدیقؓ میں توکل کی صفت اتنے اعلیٰ درجے کی تھی کہ سارا مال دینے کے بعد تنگی محسوس نہ کریں گے۔ مگر عام لوگوں کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ ان میں اتنا مادہ نہیں ہوتا۔

(۱۱) بعض گناہوں میں سے ایسے بھی ہیں جن کا کفارہ صرف (حلال) طلب معیشت اور جدوجہد سے ہو سکتا ہے۔

(۱۲) اے اللہ میں کفر اور فاقہ سے پناہ مانگتا ہوں (ابن ماجہ) ایک شخص نے دریافت کیا کہ کیا دونوں ایک جیسی ہیں تو فرمایا ”ہاں“ (نسائی)

(۱۳) عطیہ حب تک عطیہ ہے اُسے قبول کرنا واجب دین اور اس کی مبارکات کے خلاف رشوت کی شکل اختیار کر لے تو ہرگز قبول نہ کر دیجھے ڈر ہے کہ غربت و فاقہ کشی تم پر اس طرح سوار ہو جائے کہ مجبور ہو کر رشوت بھی لینے لگو۔ (مسلم - ترمذی)

(۱۴) حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ محبوبِ خدا نے فرمایا جو لوگ خود کو محض تقدیر کے بس میں سمجھتے ہیں اور تدبیرِ دمی سے حالات بدلنے کی کوشش نہیں کرتے ان کی گفتگو پر کان نہ دھرو اور ان کی باتوں میں نہ آؤ۔

(۱۵) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے اپنا تمام مال صدقہ کرنے کا ارادہ کیا تو حضور اکرمؐ نے فرمایا: اس میں سے اپنے داروں کو۔ تاکہ وہ تمہارے بعد ھیک نہ مانگیں۔ (بخاری)



(۱۶) مزدور کو اس کے کام سے بھی حصہ دو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا عامل اور لیبرر نامراد نہیں کیا جاسکتا۔  
 (۱۷) یہودیوں کے بارے میں فرمایا گیا ”اَكْلُوْنَ لِلسُّحْتِ“ یعنی وہ حرام چیزوں کے زیادہ کھانے والے ہیں۔ لہذا اس سے پرہیز ضروری ہے نیز امانت کا حکم دیا اور خیانت سے بچنے کی تاکید کی گئی۔

(۱۸) آنحضرتؐ نے راشی اور مرثی دونوں کو جہنمی فرمایا ہے۔

(۱۹) زکوٰۃ کے بارے میں ارشاد ہوا کہ دولت مالداروں ہی میں نہ گردش کرتی رہے۔ اس لیے غریبوں کی استعانت کا حکم ہوا۔

(۲۰) حضرت ابوہریرہؓ کے قول مطابق آپؐ نے فرمایا: ”اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْفَقْرِ Poverty وَالْقِلَّةِ Scarcity وَلِذَلَّةِ Ignominy“ (بخاری) اسی طرح آپؐ نے مزید فرمایا ”اے اللہ میں بھوک سے پناہ مانگتا ہوں کیوں کہ یہ بہت بُرا سا تھی ہے۔ (نسائی)

(۲۱) آنحضرتؐ کا ارشاد ہے جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا اُس پر اللہ کبھی رحم نہ کرے گا۔

(۲۲) حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ سے روایت ہے آپؐ نے فرمایا اگر دُعاؤں کے لیے کھانا پکانا مطلوب ہو تو تین کے لیے پکاؤ تاکہ کوئی مستحق شامل ہو کر تمہارے لیے برکت کا باعث بنے۔

(۲۳) میں (ابن حزم) کہتا ہوں کہ ایک شخص بھوکا نہنگا ہے اور دوسرا فاضل سامان کی قدرت رکھتا ہو اور پھر اس کی کفالت نہیں کرتا وہ قرآن و حدیث کی رو سے مجرم و گناہگار ہے۔ (مسلم - بخاری)

(۲۴) محبوبِ کبریٰ نے فرمایا ”فراڈ“ دوزخ کی طرف لے جاتا ہے اور جو کوئی ایسے عمل سے آگاہ نہ کرتا ہے جو ہمارے طور طریق سے مطابقت نہیں رکھتا تو وہ مردود (فہور) (Coudemned) ہے (بخاری)

(۲۵) حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی سند سے حضورؐ سے نقل ہے کہ بھوکے کی پرورش اور قیدی کی رہائی تمہارے ذمہ ہے۔ (بخاری)

(۲۶) آپؐ نے فرمایا جس کے پاس زائد سواری ہو، پیدل کو دے جس کے پاس ضرورت سے زائد

خورد و نوش ہو یا لباس ہو وہ دوسرے مستحق کو دے۔ حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں، اس طرح ہم سمجھ گئے کہ اپنی حاجت سے زائد کوئی چیز ہماری نہیں وہ دوسرے کا حق ہے۔

(۲۷) آپؐ نے فرمایا: مزدور سے کام لیتے وقت اجرت طے کی جائے اور اس کی رضامندی حاصل کی جائے۔ (بیہقی)



(28) مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اجرت ادا کی جائے۔ (بیہقی)

(29) مالدار شخص کے سرمایہ میں دوسروں کا حق ہے جو ادا نہیں کرے گا ظالم ہوگا۔ اور ظالم کا ٹھکانہ

دوزخ ہے۔ (بخاری و مسلم)

(30) بہترین کمائی مزدور کی ہے کیوں کہ وہ جسم کی تمام توانائیاں صرف کرتا ہے اگر مزدور حق اور بھلائی بھی

پیش نظر رکھے تو اس کا درجہ بہت بلند ہے۔ (بخاری و مسلم)

(31) مرتشی حاکم عدالت نہیں کر سکتا اور جو شخص عدل پر مامور ہو اور انصاف نہ کرے اس کے لئے جہنم

ہے۔ مزید فرمایا: رشوت کا لین دین دلالی کرنا حرام اور خنزیر اس کے مرتکب عذاب الہی میں

گرفتار ہوں گے۔ (بخاری و ترمذی)

(32) آپ نے فرمایا: زکوٰۃ اسلام کا خزانہ ہے۔

(33) حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ قرآن نے دولت و مال میں جن لوگوں

کے حقوق مقرر کیے ہیں۔ شر و منہدوں پر فرض ہے کہ وہ حق قرآن کے مطابق تقسیم کریں اور جو

باقی بچے اس پر وراثت کا حکم نافذ ہے۔

(34) لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهُ (مسند احمد) اس کا ایمان نہیں جو امانت دار نہیں۔

(35) مَا عَالَ مِنْ اِقْتَصَادٍ (مسند احمد) وہ محتاج نہ ہوا جس نے میانہ روی اختیار کی۔ گویا

فضول خرچی انسان کے لیے مضر ہے۔ اس لیے اس حدیث مبارکہ میں اعتدال پسندی کی ترغیب

دی گئی ہے۔

(36) عُوْدُوا الْمَرِيضَ وَاطْمِعُوا الْجَائِعَ وَفَكُّوا الْعَائِي (بخاری) بیمار کی تیمارداری

کرو۔ بھوکے کو کھانا کھلاؤ۔ اور قیدی کو آزاد کرو۔

(37) لَا يَحْتَكِرُ إِلَّا الْخَاطِئُ (مسلم شریف) ذخیرہ اندوزی نہیں کرتا مگر وہی جو خطا کار ہے۔

اس حدیث میں ذخیرہ اندوزی کی مذمت کی گئی ہے اور یہ آری لکاب صرف خطا کار سے ہی سرزد ہو

سکتا ہے۔ یہاں ذخیرہ اندوزی سے مراد یہ ہے کہ غلہ وغیرہ کو اس لیے روکنا کہ لوگ مجبور ہو کر مہنگے

داموں خریدیں فحط سالی کے زمانہ میں غلہ روک کر اپنی دولت بڑھانے کی فکر پر لے درجے

کی خود غرضی ہے۔ ہاں اپنی گھریلو ضرورتوں کے لیے یا عام حالات میں تجارت کے لیے ذخیرہ

اندوزی ممنوع نہیں۔

(38) مَا مِنْ بِيْ مِنْ بَاتٍ جَارُهُ جَائِعًا (البزار) وہ مجھ پر ایمان نہیں لایا جس کا ہمارا



رات بھر بھوکا سویا۔

(39) جو شخص زمین کی ایک بالشت بھی ناحق طور پر ملے لے قیامت کے دن ساتوں زمینوں کا طوق بنا کر اس کے گھلے میں ڈالا جائے گا۔ اس حدیث میں نقدی سے کسی کی زمین پر قبضہ کر لینے سے ڈرایا گیا ہے۔

(40) تین شخص ہیں جن کے مقابلہ میں مدعی بنوں گا۔ ایک وہ ہے جس نے مزدور سے کام لیا اور مزدور کی ندی۔ مستدرک حاکم۔

(41) اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تین اشخاص سے بات نہ کرے گا نہ رحمت کی نظر کرے گا ایک وہ ہے جس کے پاس ضرورت سے زیادہ پانی تھا مگر دوسرے کو آبپاشی نہ کرنے دی جس طرح تو نے پانی روکا اسی طرح میں فضل روکوں گا۔

(42) اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ اور شروع اس شخص سے کر جس کے نان و نفقہ کے تم ذمہ دار ہو (متفق علیہ) اس حدیث سے اپنے اہل و عیال اور قرابت داروں کی مالی امداد کرنے کے لیے اشارہ ملتا ہے کہ خیرات بھی اپنے عزیز و اقارب سے شروع کرنی چاہیے کیوں کہ ان کے حقوق زیادہ ہوتے ہیں۔

(43) رسول قبول نے فرمایا: ”پروردگار! یہ لوگ پیادہ ہیں انہیں سوار کیجیے۔ پروردگار! یہ لوگ ننگے ہیں انہیں پنپائیے۔ پروردگار! یہ لوگ بھوکے ہیں انہیں سیر کیجیے۔“

(44) قال النبی ان قامت الساعة وفي احدكم فيلة فان استطاع ان لا تقوم حتى يغرسها في فرسها۔ (کنز العمال بحوالہ محم) رسول اکرم نے فرمایا، قیامت قائم ہو جائے اور تم میں سے کسی کے ہاتھ میں کوڑا پودا اس کے بس میں کہ کھڑا نہ ہو جب تک کہ اسے بلونہ سے توچا بیٹے کر بو دے۔

(45) رسول اللہ نے فرمایا، انہیں ہے ایسا کوئی مسلمان جس نے کھیتی کی ہو یا درخت گایا ہو پھر اس کھیتی سے یا درخت آدمی یا جانور گمرہ کر ہو گا اس کی طرف سے صدقہ۔ (رداہ البخاری فی صحیحہ)۔

(46) ارشاد گرامی ہے ”اور چاہیے کہ اپنے اہل و عیال کے لئے طلبِ حلال کی کوشش کر و کر یہ اللہ کی راہ میں جہاد ہے۔“

(47) منی لم یسأل اللہ یغضب علیہ (ترمذی شریف) جو اللہ سے نہیں مانگتا، رب تعالیٰ



اس پر غصہ فرماتے ہیں۔

(48) اے اللہ میں فقر و محتاجی کے فتنہ سے تیری پناہ مانگتا ہوں مجھ سے میرے قرض کے بار کو اتروا دے اور محتاجی سے مجھے بے نیاز کیجئے۔

(49) آنحضورؐ کا فرمان ہے کہ جب تم نے زکوٰۃ ادا کر دی تو تم پر جو حق تھا پورا کر دیا۔

(50) تم میں سے جس کی نظر کسی ایسے شخص پر پڑے جسے مال و دولت میں برتری عطا کی گئی ہو تو چاہئے کہ اس وقت ان لوگوں کو دیکھے جو اس سے نیچے ہوں (ایسا کرنے سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی توفیق ہوگی۔

(51) آدمی سے دریافت کیا جائے گا کہ اپنے مال کو کن ذرائع سے حاصل کیا۔ اور کن راہوں پر صرف کیا۔ (صحاح)۔

(52) آنحضرتؐ نے ایسے جانوروں جو ابھی پیدائے ہوئے ہوں یا مونث میں ظاہر نہ ہونے ہوں، کی خرید و فروخت سے منع فرمایا ہے۔ (مسلم)۔

(53) جو غنی ہونے کے باوجود لوگوں سے بھیک مانگتا ہے وہ دوزخ کے انکار سے جمع کرتا ہے۔ (صحاح)

(54) حضرت جابرؓ کے قول کے مطابق رسول مقبولؐ کا ارشاد ہے: ”غبن المسترسل رباً“ کسی ایسے شخص کا استحصال کرنا جو کہ تم پر اعتماد کرتا ہو سود کے مترادف ہے (To exploit)

(55) صدقہ صاحب غنا اور مضبوط کے لیے حلال نہیں ہے۔

(56) تم اپنے وارثوں کو غنی چھوڑ کر جاؤ یہ اس سے بہتر ہے کہ انہیں افلاس کی حالت میں چھوڑو۔ کہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔

(57) آدمی جو خرچ اپنی بیوی پر کرتا ہے اور خدا کو سامنے رکھتا ہے یہ اس کی طرف سے صدقہ ہے (بخاری و مسلم)

(58) آپؐ نے فرمایا: مرنے کے بعد جو کوئی مال چھوڑے وہ اس کے وارثوں کا حق ہے مگر کوئی بوجھ چھوڑ کر مرے تو اس کی ذمہ داری ہم (حکومت) پر ہے۔ (بخاری)۔

(59) تم نے اپنے آپ کو جو کھلایا یہ بھی صدقہ ہے جو اپنی اولاد کو کھلایا یہ بھی صدقہ ہے تمہاری طرف سے اور اپنی بیوی کو جو کھلایا وہ بھی صدقہ ہے اور اپنے نوکر کو جو کھلایا وہ بھی تمہاری طرف سے صدقہ ہے۔ (مسند احمد)۔



(60) وہ اشرفی جسے اللہ کی راہ پر خرچ کیا اور وہ اشرفی جو غلام آزاد کرانے میں اور وہ جو مسکین پر صدقہ کی اور وہ جو اپنی زوجہ پر صرف کی تو ان تمام اشرفیوں میں ثواب اور اجر کے حساب سے بڑی وہ ہے جسے اپنی بیوی پر خرچ کیا۔ (بخاری و مسلم)۔

(61) سونے چاندی کے برتنوں میں نہ پیا کرو اور نہ ان کے بادیوں میں کھانا کھایا کرو۔ (صحاح ستہ)

چاندی کے برتن میں جو کھاتا پیتا ہے وہ دوزخ کی آگ میں اُس کے پیٹ میں کھولیکا (بخاری)

(62) عقبہ بن عامر کے قول کے مطابق رسالت مآبؐ نے فرمایا: ایک مسلمان دوسرے کا بھائی ہے

اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے مسلمان کے ہاتھ کوئی ایسی چیز فروخت کرے جس میں

کوئی خرابی ہو اور اُسے ظاہر یا بیان نہ کیا جائے۔ (ابن ماجہ)۔

(63) بنی کریمؐ کا ارشاد ہے: ”اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں پر رحم کرتا ہے جو خرید و فروخت یا قرض کی

والپی پر دوسروں پر شائستہ ہیں اور ان کا خیال رکھتے ہیں۔ (ابن ماجہ)۔

(64) ان الله يحب ان يرمي اثار نعمته على عبده (ترمذی)۔ اللہ اس کو

پسند کرتے ہیں کہ اپنی نعمت کے نشانات کو اپنے بندے پر دیکھیں۔

(65) اذ كان احدكم فقيرا فليبدء بنفسه (مغنی)۔ تم میں جو کوئی نادار ہو تو

چاہئے خرچ کی ابتداء خود اپنی ذات سے کرے۔ نیز ابوداؤد میں ہے تصدق بہ علی

نفسك۔ اپنی ذات پر اسے خیرات یعنی خرچ کر دے۔

(66) علم والوں کا اس پر اتفاق ہے کہ ایسے نادار والدین جن کی نہ کوئی کمائی ہو اور نہ ان کے پاس

مال ہو ان کا خرچ اولاد کے ذمہ ان کے مال سے واجب ہے۔ رسول کریمؐ سے دریافت کیا گیا

تو فرمایا: امك! امك! امك! ثم الاقرب فالاقرب (ابوداؤد) ماں کے

ساتھ! ماں کے ساتھ! ماں کے ساتھ! پھر جو قریب رشتہ دار ہو اس کے بعد۔ پھر وضاحت

فرمادی، ماں کو دو، باپ کو دو، بہن، بھائی، قریبی رشتہ دار کو، پھر ان کے بعد سہول۔ مزید فرمایا

دینے والے کو دو ثواب حاصل ہوتے ہیں۔ رشتہ داری کا اور صدقہ کا۔ (بخاری و مسلم)

(67) خير صدقة ما كان عن ظهر غنى۔ سب سے اچھا صدقہ وہ جو تو نگرہ کی

پشت پناہی میں ہو۔

(68) لا ىبارك فى ثمن ارض ولا دار لا يجعل فى ارض ولا دار (مسند احمد)

نہ برکت دے اللہ اس زمین اور اس گھر کی قیمت میں جو پھر زمین ہی یا گھر ہی میں نہ لگا دی جائے۔



اس طرح ابن ماجہ کے الفاظ میں ! -

جو شخص کوئی گھریا جائیداد فروخت کرے اور پھر اسے اس جیسی چیز یعنی گھریا جائیداد کے خریدنے میں نہ لگا دے تو وہ اس کا مستحق ہے کہ اس کے مال میں برکت نہ دی جائے۔ اسی طرح سچائی ابن آدم القرشی نے الخراج میں اس حدیث کا ذکر یوں کیا ہے :-

نہیں برکت دی جاتی زمین اور گھر کی قیمت میں مگر یہ کہ پھر اس قیمت کو زمین یا گھر ہی میں لگا دیا جائے۔ گویا ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک جائیداد کو فروخت کر کے اس کے بدلے دوسری جائیداد بنائی جائے۔ نہ کہ اس رقم کو عیاشی اور فضول کاموں پر صرف کر دیا جائے جیسا کہ امراء و مومنا کرتے ہیں۔

(69) کوئی شخص حرام کماتا ہو پھر اسے صدقہ کرتا ہو تو ایسا صدقہ قبول نہیں ہوتا اور نہ ایسے مال کو اپنے اوپر خرچ کرنے میں برکت ہوتی ہے۔ اور اگر ایسے مال کو ترکہ میں چھوڑے تو وہ اس کے حق میں دوزخ کا توشہ بن جاتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کو برائی کو برائی سے نہیں مٹاتا بلکہ بھلائی سے برائی کو مٹاتا ہے (مشکوٰۃ شریف) (70) کسی چیز کو جس کے واپس لینا ایسا ہی ہے جیسے کتافے کر کے پھر کھا جاتا ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ: ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو۔ یہ آپس کی دشمنی اور کینہ کو دور کرتا ہے۔

(71) قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک مال کی اتنی زیادتی نہ ہو جائے کہ بہا بہا پھرے حتیٰ کہ مالدار آدمی کو فکر پڑ جائے گی کہ اس کا صدقہ کون لے جس کو دینا چاہیے گا یہ کہہ کر رد کر دے گا کہ مجھ کو ضرورت نہیں۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے:

”صدقہ کرو کیوں کہ ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ آدمی اپنا صدقہ ذر کوۃ لینے پھرے گا اور کوئی لینے والا نہ ہوگا“ (بخاری)

(72) حضور اکرمؐ فرماتے ہیں کہ میں نے جنت کے دروازے پر لکھا دیکھا کہ صدقہ دینے سے دس نیکیاں اور قرض دینے سے اٹھارہ۔ آپؐ نے حضرت جبریلؑ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا قرض وہی مانگتا ہے جسے سخت حاجت ہو بخلاف صدقہ کے۔ قرض دینے کا اتنا ثواب ہے کہ خیر و خیرات کا نہیں (یعنی بعض حالات میں قرض دینے کا اجر زیادہ ہے۔

(73) رسول مقبولؐ نے اُمراد سے غریب کے بارے میں یوں فرمایا: ”کہ اگر کسی مسلمان بھائی کی حالت گھٹیا ہو تو نہ سے جو کچھ خود کھاتا ہے اور پہنتا ہے تو اس کا حصہ دار بنانا چاہیے“ (بخاری شریف)

(74) دولت اُمراد سے لیکر غریبوں کو لوٹا دینی چاہیے (بخاری) اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے



کہ ثروت امیروں سے زبردستی چھین لینی چاہیے بلکہ انہیں ترغیب دینی چاہیے کہ غریبوں میں تقسیم کریں۔ البتہ جو لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے ان پر سختی بھی کی جاسکتی ہے جس طرح کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے زکوٰۃ نہ دینے والوں کے خلاف اعلان جنگ کیا تھا۔

(۷۵) حضرت عائشہ صدیقہؓ کے مطابق حضور اکرمؐ نے فرمایا: آپس میں ہدیہ اور تحفہ بھیجا کر داس سے بغض و کینہ دور ہوتا ہے۔ (ترمذی)

(۷۶) ہر امت کے لیے کوئی خاص آزمائش ہوتی ہے اور میری امت کی خاص آزمائش مال ہے۔ (ترمذی)

(۷۷) بھوکے بھڑنے جو بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑے گئے ہوں ان بکریوں کو اس سے زیادہ تباہ

نہیں کر سکتے جتنا آدمی کے دین کو مال اور عزت و جاہ کی حرص تباہ کرتی ہے۔ (ترمذی)

(۷۸) حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں آپؐ نے فرمایا: ”بندہ کہتا ہے میرا مال! میرا مال! حالانکہ اس کے مال

میں سے جو واقعی اُس کا ہے وہ بس تین مہینے ہیں جو اس نے کھا کر ختم کر دیا جو پہن کر پُرانا کر دیا اور جو راہ خدا میں دے کر آخرت کے لیے ذخیرہ کر لیا باقی جو بچا وہ دوسروں کے لیے چھوڑ جائیگا۔“ (مسلم)

(۷۹) جو شخص دنیا کو مطلوب و محبوب بنائے گا وہ اپنی آخرت کا ضرر نقصان کرے گا پس عقل و دانش

یہی ہے کہ فانی کے مقابلے میں باقی کو اختیار کیا جائے۔ (بیہقی)

(۸۰) حضرت ابو امامہؓ نے روایت کیا ہے آپؐ نے فرمایا: اللہ نے میرے سامنے یہ بات رکھی کہ وہ

میرے لیے مکہ کی وادی کو سونے سے بھر دے میں نے عرض کیا میرے پروردگار میں اپنے لیے یہ

نہیں مانگتا بلکہ میں تو پسند کرتا ہوں کہ جب بھوک لگے آپ کو یاد کروں اور آپ کے سامنے گر پڑوں

زاری کروں۔ اور جب آپ کی طرف سے ملے اور پیٹ بھرے تو آپ کی حمد اور شکر کروں۔ (ترمذی شریف)



# باب (6)

## صحابہ کرامؓ اور اکابرین دین کے اقوال

صحابہ عظامؓ نے رسول کریمؐ کی رفاقت میں زندگی بسر کی تھی۔ وہ آپؐ کی ہر ادا اور وفا سے بخوبی واقف تھے۔ انہوں نے بھی اپنی طرز معاشرت آپؐ ہی کی گفتار و رفتار کے مطابق ڈھال لی تھی اور آپؐ کے بعد بھی اس کی پوری طرح پابندی کرتے رہے اس لیے اُن کے اقوال بابرکات کا تذکرہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے کیوں کہ اشاعت اسلام اور تبلیغ دین میں اُن کے رول (Role) کو کسی صورت میں بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ان کے اقتصادی اقوال ان کے افعال کا شاندار عکس پیش کرتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ معاشی میدان میں بھی ان کی باتیں خصوصی اہمیت کی حامل ہیں۔ اس باب میں چند دوسرے بزرگوں کے اقوال بھی بیان کر دیئے گئے ہیں تاکہ پوری وضاحت ہو جائے۔

اسلامی نظام معیشت ایک جداگانہ اور ممتاز حیثیت کا حامل ہے۔ اس کی اپنی ایک نہج ہے جس پر کاربند رہ کر فرزندِ ان توحید اپنی زندگی کے پیچیدہ اور دقیق تر مسائل کو سلجھا سکتے ہیں۔ اور جہاں کہیں کوئی دشواری پیش آئے ان اصول اور فرامین سے رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ ذیل میں چند اقوال رقم طراز کیے جاتے ہیں۔

(۱) حضرت عبدالرحمن بن مہدی کے سلسلہ سند سے حضرت عمر فاروقؓ کا یہ ارشاد گرامی ہے جو بات مجھے معلوم ہوئی پہلے معلوم ہوتی تو دولت مندوں کو ان کی حاجت سے زائد لے کر طبقہ غریب اور میں بانٹ دیتا اور انہیں احتیاج سے زائد مرگز نہ رکھنے دیتا۔ (حضرت عمرؓ کی غالباً یہ امراء کو مال نہ خرچ کرنے پر تہدید ہے۔

(۲) سعید بن مسعودؓ حضور کے سلسلہ سند سے حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اصحاب ثروت پر

اس قدر اپنے مال کی دوسروں کے لیے ادائیگی فرض قرار دی ہے کہ جو طبقہ غریب اور حاجت مندوں کی کفالت کے کانی ہو پس اگر لوگ بھوکے ننگے اور پریشان حال ہوں گے تو اس کی وجہ اہل ثروت کی زیادتی ہوگی اور اس کے لیے اہل دولت سے محاسبہ کیا جائے گا

(۳) حضرت عمرؓ بن خطابؓ نے فرمایا کہ زکوٰۃ کے علاوہ بھی دولت مندوں کے ذمہ غریبوں کے حقوق اللہ



نے مقرر فرمائے ہیں۔ اور جو شخص ان کا حق پورا نہیں کرتا گناہگار ہے۔

- (۴) حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ سے حضرت حسن بن علیؓ اور عبداللہ بن عمرؓ نے روایت کیا کہ اگر تو اس حالت میں سوال کرے کہ دردناک خون کا معاملہ ہونا قابل برداشت تاوان کا یا مہلک بھوک بیماری اور فقر و فاقہ کا تو اصحاب دولت پر تیرا حق واجب ہو گیا
- (۵) مشہور تابعی شعبیؒ، مجاہد اور طاؤس سے منقول ہے کہ صاحب ثروت کے مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی غبار کا حق ہے۔

- (۶) اگر ایک عورت معاش سے تنگ اور پریشان ہو کر زنا کا ارتکاب کرے تو اس پر زنا کی حد جاری نہیں کی جائے گی البتہ جس شخص نے چند سکے یا (اس کا کوئی تبادل) گزر بسر کے لیے حاصل کر کے بدی کرانی اس مرد پر حد بھی جاری ہوگی اور اس کے مال کو بھی چھین لیا جائے گا حضرت امام ابو حنیفہؒ کا حکم درست اور صحیح ہے۔

- (۷) اگر ایک گرسنہ، برہنہ بیماریوں سے ستایا ہوا نادار شخص اپنی حاجت کا سامان کسی مالدار سے چھین لے یا چورائے تو اس پر چوری کی حد جاری نہیں ہوگی بلکہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے فقہ کے مطابق مالدار کا محاسبہ ہوگا۔

- (۸) حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ رزق کو زمین کے پوشیدہ خزانوں میں تلاش کرو۔

- (۹) نیز انہوں نے فرمایا کہ ”تم میں سے کوئی فرد طلب معیشت کی جدوجہد میں پست ہو کر نہ بیٹھ جائے“

- (۱۰) میانہ روی معاشی زندگی کی خوشگواہی کا نصف حصہ ہے۔ (کنز العمال ابن عمرؓ)

- (۱۱) امام احمد طبرانی نے حضرت ابو داؤد سے روایت کی ہے کہ فرزادگی اور دانائی یہی ہے کہ معیشت میں میانہ روی اختیار کی جائے یہی حضور کا ارشاد ہے۔

- (۱۲) حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں ایک فرد کا کل اثاثہ دس درہم ہے اور وہی راہ خدا میں تقسیم کر دیتا ہے تو اس کا درجہ اس شخص سے ہزار درجہ بہتر ہے جس کے پاس دس ہزار درہم ہوں اور ان میں سے پانچ ہزار راہ خدا میں صرف کرے۔ (بخاری)

- (۱۳) شیخ سعدیؒ نے فرمایا، مال عمر کی آسائش کے لیے ہے نہ کہ عمر اس لیے کہ اسے مال کی خاطر گروہی رکھ دیا جائے۔

- (۱۴) مزید فرمایا کہ دو ایسے شخص ہیں جن کی محنت رائیگان گئی ایک وہ جس نے مال جمع کیا اور اُسے کام میں نہ لایا دوسرا وہ جس نے علم پکٹا اور اس پر عمل نہ کیا۔



(۱۵) نیکی کر اور احسان نہ رکھتا کہ اس کا نفع تیری طرف واپس آئے۔

(۱۶) علم دین کی پرورش کے لیے ہے نہ کہ دنیا کمانے کے لیے۔

(۱۷) اس طرح یوں گویا ہونے کہ حریص کو ساری دنیا دے دی جائے تو بھی وہ بھوکا رہے گا اور قناعت

والا ایک روٹی سے سیر ہو جائے گا۔

(۱۸) حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اگر ناپ تول اور پیمائش کا علم انسان کو نہ دیا

جاتا تو وسیع تر تجارت نہ ہو سکتی تھی۔ تجارت کا انحصار ناپ تول پر ہے اور ناپ تول صحیح نہ کرنے

والے مجرم ہیں کیوں کہ ناپ تول پورا نہ رکھنے کی وجہ سے انسان کو اپنا ضمیر بھی ملامت کرتا ہے۔

(۱۹) علامہ ابو بکر بن الجصاص کہتے ہیں: ان لا فضیلة فی امتناع اکلسا (ص ۴۵۲ جلد ۳)

جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حلال فرمایا ہے ان کے کھانے سے پرہیز کرنے میں کوئی فضیلت نہیں ہے۔

(۲۰) حضرت شیخ ابوالکلام علاؤ الدین سمنانیؒ فرماتے ہیں: ”حق تعالیٰ اس زمین و مزارع را بحکمت

آفریدہ و مے خواہد کہ معمور باشد و فائدہ بخلق رسد خلق بدانند کہ از عمارت دنیا کہ برائے فائدہ دخل

کنند نہ بوجہ اسراف چه ثواب است ہرگز ترک عمارت نکنند۔ و اگر بدانند کہ از ترک عمارت و

گذاشتن زمین را موطل چه گناہ حاصل می شود ہرگز نگذارند کہ اسباب او خراب شود۔ ہرگز زمینے

دارد کہ ہر سال از ان زمین ہزار ہا من غلہ می تواند کرد، اگر بہ تقصیر و اسماں نہ (نو) صد من حاصل کند

و سبب آن صد من از خلق خلق دور افتد، بقدر آن از وے بازخواست خواهند کرد۔ (نفحات الانس

جامی ص ۵۰۸)

آخر یہ فرماتے ہیں۔ از کاہلی ترک عمارت زمین کنندہ از ترک دنیا و زہد نام نہند، چیز مطابعت

شیطان چیزے دیگر نیست۔

(۲۱) معلم الامہ امام الفقہاء حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے، میں اس کو ناپسند کرتا ہوں

کہ آدمی کو فارغ دیکھوں یعنی نہ دنیا کے کسی کام میں ہو اور نہ آخرت کے کام میں ہو۔

(۲۲) قریب ہے کہ ناداری اور محتاجی کفر بن جائے۔ محتاجی اور ناداری دونوں جہاں کی رو سیاہی ہے۔

(۲۳) لَا تَبَالِعُوا السَّهْلَ فِي الْمَاءِ فَإِنَّهُ غَرَرُ (کتاب الخراج - قاضی ابو یوسفؒ)

مچھلی کو پانی کے اندر نہ بچا کر و کہ اس میں دھوکہ ہے۔

(۲۴) مَا كَانَ مِنَ الشَّوَارِعِ وَالطَّرِيقَاتِ وَالرَّحَابِ بَيْنَ الْعَمْرَانِ فُلَيْسَ

لَا حِلَّ أَحْيَاؤُهُ، راستے، کوچے، شہر کے میدان، چوک جو آبادیوں کے درمیان ہوتے ہیں ان کے



مستعلق کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ انہیں آباد کرے۔ کوئی شخص ان پر قبضہ کر کے ملکیت نہیں بنا سکتا۔ ان گنہگار ہوں میں جو کشادہ اور وسیع مقامات پر ہوں تو ان پر بیٹھ کر خرید و فروخت اس وقت جائز ہے جب آنے جانے والوں کی راہ میں تنگی نہ ہو اور نہ کسی اور کو تنگی ہو۔

(۲۵) احمد بن حنبلؒ فرمایا کرتے تھے: قرض لینا بھیک مانگنا نہیں ہے کیونکہ رسول کریمؐ خود قرض لیتے تھے اگر مکر وہ ہوتا تو رسول اکرمؐ کی ذات گرامی دور رہتی۔ نیز فرمایا اپنی اولاد میں کسی کو زیادہ حصہ کر دینے میں کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ ضرورت ہو۔ بلا ضرورت ناپسند بلکہ مکروہ ہے۔

(۲۶) جو کسان تخم وغیرہ مہیا کرنے سے معذور ہو اسے سرکاری خزانہ سے اتنا سرمایہ دیا جائے جس سے وہ اپنے کاروبار کو جاری رکھ سکے۔ (فتح القدیر)

(۲۷) حضرت ابوسعید خدریؓ نے فرمایا: جو بے نیازی کا رویہ اختیار کر لیا خدا اسے بے نیاز رکھے گا اور جو دوسروں سے لینے میں احتیاط برتے گا خدا تعالیٰ بھی اس کی آبرو کی حفاظت کرے گا۔

(۲۸) ہاتھ تین ہیں سب سے اونچا ہاتھ خدا کا ہے اور دینے والے (خدا کے ہاتھ کے بعد ہے)۔ اور لینے والا سب سے نیچے ہے اور یہ قیامت تک قائم رہے گی۔ پس جہاں تک ہو سکے مانگنے سے بچو اور خود کمانے سے نہ تھکو۔ اور اگر بقدر کفایت تمہارے پاس ہو تو پھر تم قابلِ ملامت نہیں ہو۔ اور اللہ تعالیٰ جب تمہیں مال دے تو اسے اوپر نمایاں کرو۔ (الطحاوی)

(۲۹) هلك النفس او العضو بالامتناع عن المباح حرام (شامی) جائز اور حلال چیز کو چھوڑ کر اپنی جان ضائع کرنا یا کسی حصہ کو نقصان پہنچانا حرام ہے۔

(۳۰) حضرت حکیم الامت قاضی نے کسی بزرگ کا قول نقل کیا ہے: آیت مد بونیت (قرض کے لین دین) سے زیادہ کوئی آیت رحمت کی نہیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے حفاظتِ مال کے طریقے بتائے ہیں۔ کہ جب کسی کو قرض دیا کرو تو لکھ لیا کرو۔ اور دو آدمیوں کو آپس میں گواہ کر لیا کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کو ہمارے پیسے کا نقصان بھی گوارہ نہیں۔ (عمل الشکر)

(۳۱) سفیان ثوریؒ کا قول ہے: کہ جس کے پاس پیسہ ہو تو اس کی قدر کرے۔ اڑانے نہیں۔

(۳۲) حضرت غوث الاعظمؒ نے فرمایا: ”حلال کمائی سے اپنے دل کی صفائی کرو۔ اکلِ حلال نور ہے۔ کسب کی ترک اور لوگوں سے بھیک مانگنا بندے کے لیے عذاب الہی ہے۔ اپنے نفس (صوائی طبیعت) پر سوار ہو جاؤ ورنہ وہ تم پر سوار ہو جائے گا۔ جو چیز تمہیں اللہ سے روکے اس سے بھاگو۔ دنیا حکمت سے معمور ہے اور آخرت سے قائم ہے۔



- (33) علامہ زنجیری اپنی "کشاف" میں فرماتے ہیں: غریب بھی آپ جیسے بشر ہیں۔ وہ آپ کے بھائی ہیں۔  
اس لیے یہ ان کے مناسب ہے جس کے روزی کمانے کے ذرائع بہتر ہیں تو انہیں اپنی آمدنی میں حصہ  
دار بنانا چاہیے تاکہ قدرتی آسائشات سے سادی طور پر لطف اندوز ہو سکیں۔
- (34) ابو الحسن علی بن عثمان بن علی الحلّابی المعروف داتا گنج بخش لاہوری اپنی پیاری کتاب "کشف المحجوب"  
میں یوں فرماتے ہیں: حرام کے لقمہ سے پرہیز کرو۔ جھوٹ رزق کو کھا جاتا ہے۔ غریب مساکین اور  
یتامی وغیرہ کی فراخ دل سے امداد کرو کیوں کہ یہی بہترین توشہ معقبی ہے۔
- (35) امام غزالیؒ اپنی کتاب احیاء العلوم میں فرماتے ہیں: جو شخص معاش کی طلب میں راستی کی راہ پر اپنے  
اوپر لازم نہ رکھے گا۔ اُسے میاں نہ روی کا مرتبہ کبھی نہ ملیگا۔ اور جب تک طلب معاش میں آداب شرعیہ  
کا پابند نہ ہوگا اس کے حق میں دنیا وسیلہ آخرت کبھی نہ ہوگی۔
- حضرت عمرؓ خطاب فرماتے ہیں تمہیں طلب رزق میں قواعد نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی بار بار کہنا چاہیے  
خدا یا میں رزق دے تم جانتے ہو آسمان سے سونا چاندی نہیں اترتے۔
- (36) مجھے نئے کپڑوں میں دفن نہ کرنا، ان کا زیادہ حق ہے جو بہنہ زندہ ہیں۔ (حضرت ابو بکر صدیقؓ)۔
- (37) دل کی صفائی حلال غذا اور کم خوری میں ہے۔ (فرید الدین گنج شکر)۔
- (38) اگر امیر غریبوں کا حق نہ ماریں تو کوئی نادار نہ رہے کیونکہ زمانے میں اوپچ نیچ کی وجہ اصل میں ایک طبقہ  
کا دوسرے طبقہ کا حق مارنا ہے۔ (حضرت علیؓ)۔
- (39) اجرت محنت سے پہلے طے کر لی جائے تاکہ جھگڑے کا احتمال نہ رہے۔ (امام علی رضاؓ)
- (40) اگر کوئی اچھی چیز ہے تو عین اسلام ہے اگر بُری ہے تو اسلام نہیں کیونکہ اسلام انصاف ہے۔  
(قائد اعظم)
- (41) حضرت عمرؓ نے فرمایا جب خداوند تعالیٰ تمہیں بکثرت (دولت) عطا کرے تو اپنی بُور و باش میں  
فیاض بنو۔ (موطا امام مالک)
- (42) آپ ہی نے فرمایا: "ایسی مچھلی جو ابھی تک پانی میں ہے، کی خرید و فروخت نہ کرو۔ کیونکہ یہ شکوک  
کا روہا رہے۔ کتاب الخراج)



# باب (۶)

## مسلم مفکرین کے اقتصادی افکار Economic Ideas of Muslim Thinkers

اگرچہ بنیادی طور پر ان مفکرین نے اپنے سیاسی خیالات پر طبع آزمائی کی ہے تاہم انہوں نے معاشی فیلڈ کو بھی تشنہ تکمیل نہ رہنے دیا۔ اس باب کے پیش کرنے کی ضرورت اس لیے محسوس کی ہے کہ آج کل مختلف مکاتب فکر کے لوگ اسلاف کے افکار کو توڑ موڑ کر پیش کرنے کی جسارت کرتے ہیں اور اپنی طرف سے تاویلیں اور دلیلیں گھڑنا شروع کر دیتے ہیں اس طرح نظریات معدوم ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اور لوگوں کو ریشہ دوانیاں کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ اسلاف کے کارناموں کو تابندہ، وزندہ رکھنا اخلاف کا فرض منہی ہوتا ہے۔ اور جو کوئی قوم اسے پس پشت ڈال دیتی ہے۔ اور محض نئے نعرے اور شعبہ بازی پر اتر آتی ہے۔ وہ دنیا کی ترقیاتی اور ایجاداتی دور کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم کو رانہ تقلید پر ہی عمل کرتے رہیں۔ زمانے کے بدلتے ہوئے حالات کے مطابق جدت طرازی بھی خاص اہمیت رکھتی ہے۔ تاہم بنیادی نظریات میں کوئی تبدیلی نہیں ہونی چاہیے۔ بلکہ ان کے دیئے ہوئے تصورات کی زیادہ سے زیادہ تشریح و تفسیر ہونی چاہیے اور ان کو عملی جامہ بھی پہنانا چاہیے تاکہ کامران و کامیاب ہو سکیں۔

۱۔ فارابی - نے سیاست المدنیہ میں نوآبادی کے وجود آنے کی تین وجوہات میں سے ایک اقتصادی رباؤ یا معاشی بد حالی بیان کی ہے۔ فارابی معاہدہ عمرانی پر عقیدہ رکھتا ہے جس کی رو سے انسان اپنی ضروریات زندگی کے پیش نظر ہوا ہے۔ ورنہ درحقیقت ہم جنسوں کا دشمن ہے۔ اس لیے اس کے نزدیک اشتراکیت ناقابل عمل نظریہ ہے کیونکہ جو کچھ بھی برائے نام اتحاد انسانوں میں پایا جاتا ہے وہ جبری ہے تاہم وہ چند چیزوں کو افراد کے قبضے میں دینے جانیکی بجائے مشترک ملکیت میں رہنے کا حکم صادر کرتا ہے وہ ایک محدود حد تک ذاتی ملکیت کو نہ صرف جائز بلکہ لازمی سمجھتا ہے اس کا خیال آج بھی قابل عمل ہے اور دنیا کو جنگ کے ہولناک شعلوں سے بچا سکتا ہے۔

۳۔ ماوردی: کا طرز استدلال اسلامی ہے۔ وہ قرآن و حدیث کو سرچشمہ ہدایت و رشد سمجھتا ہے یہی وجہ ہے کہ مصارفِ زکوٰۃ کو متعین کرنے کی خاطر آیت زکوٰۃ بطور دلیل پیش کی ہے۔ چار سرکاری محکموں میں سے ایک خزانہ ہے اس کے ذمہ تمام دفاتر اور نو مفتوحہ علاقوں کے لیے قانون وضع کرنا



ہے محتسب کے فرائض ہیں سے یہ بھی ہیں کہ وہ بازاروں میں جا کر اشیائے خوردنی کا معائنہ کریں۔ اور دیکھیں کہ آمینرش تو نہیں کی گئی۔ نیز ناپ تول کے پیمانوں کی جانچ پڑتال کریں کہ وہ معیاری پیمانوں سے کم تہ نہیں۔ مزید برآں غیروں کی زمین میں مڑے دفن نہ کیے جائیں۔ قرض دار قرض خواہ کی رقم واپس کرے۔

3۔ نظام الملک طوسی = (حسن نام اور کنیت ابو علی) محکمہ مال کے قیام پر زور دیتا ہے۔ عوام پر ٹیکس کا بار کم ہو ٹیکس کی شرح کا ہر ایک کو ظم ہو۔ تاکہ زیادہ وصول نہ کیا جائے۔ شرعی محاصل بادشاہ کو حتی الامکان وصول کرنے چاہئیں اور خلاف شرع عائد کرنے سے احتراز کیا جائے۔ محصلین پر کڑی نگاہ رکھنے کی تاکید کرتا ہے تاکہ واجبی ٹیکس ایک پیسہ بھی وصول نہ ہو سکے۔ کسانوں اور محصول ادا کرنے والوں کو عام اجازت ہو کہ بلا روک ٹوک محکمہ مال کے کارکنوں کی شکایت کر سکیں۔ عہد کو تین سال سے زائد عرصہ ایک مقام پر نہ رکھا جائے۔

4۔ کیکاؤس : وزیروں کے اوصاف میں سے یہ بھی بیان کرتا ہے کہ اس کی تمام تر توجہ اس امر پر صرف ہو کہ حکومت کی آمدنی میں اضافہ کیا جائے۔ اس کی کوشش یہ ہو کہ کم آباد علاقے آباد کیے جائیں تاکہ بیروزگار لوگ کام پر لگ جائیں اور ملک سے بیروزگاری ختم ہو۔ پیداوار میں اضافہ ہو۔ اس میں اضافہ اس صورت میں ممکن ہے جب کسانوں کو حقوق حاصل ہوں۔ وہ اس کے خلاف ہے کہ فوج رعایا پر تسلط کر دی جائے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ اگر فوجیوں کے سپرد نظم و نسق کر دیا جائے تو آبادی میں کمی ہو جائے گی جس کا خراب اثر ملکی معاشیات پر پڑے گا۔

5۔ غزالی : (نام محمد کنیت ابو حامد اور خطاب حجتہ الاسلام ہے) امام صاحب کے نزدیک چار چیزیں انسانی زندگی کے لیے لائق اور ضروری ہیں۔ غذا، لباس، مکان اور باہمی تعلقات۔ غذا کے لیے زراعت لباس کے لیے بانی اور مکان کے لیے علم تعمیر اور باہمی تعلقات کے لیے سیاست۔ غزالی نے نو سو سال پہلے میزانہ کا تصور پیش کیا تھا۔ آمدنی کے سلسلے میں جائز ٹیکسوں کی وصولی پر زور دیتے ہیں۔ شرعی حدود سے پیسہ بھی زائد وصول کرنا ناجائز سمجھتے ہیں حکومت کی آمدنی کی تین اقسام بتائی ہیں۔ پہلی قسم حلال آمدنی ہے جس میں مال غنیمت، شرعی شرائط کے مطابق وصول کرو۔ جرمانے اور لاوارث متوفی کی میراث شامل ہیں۔ دوسری قسم حرام ہے۔ اس قسم میں مسلمانوں سے وصول کردہ خراج یا ان سے حاصل کردہ جرمانوں کی رقم اور رشوت داخل ہیں اس نے اس قسم کی آمدنی سے بچنے کی پر زور تاکید کی ہے۔ بلکہ غزالی نے ایسے لوگوں کو جو شاہی خزانہ سے روزیہ وصول کرتے ہیں، تاکید



کی ہے کہ وہ رقم کی وصولیابی سے پہلے تحقیق کر لیں کہ حرام آمدنی میں سے تو روزینہ نہیں دیا جا رہا۔ حتیٰ کہ علماء کو حکم دیتے ہیں کہ اگر سربراہ مملکت یا کوئی اور حاکم ان کے پاس حرام مال غریبا میں تقسیم کرنے کی غرض سے بھیجیں تو واپس کر دیں۔ اور مشورہ دیں کہ اصل مالکوں کو واپس کر دے۔ تو گویا آج کل سودی مد سے تنخواہیں ادا کرنا بھی ناجائز ہے اور سرکاری ملازمین کو احتیاط لازم ہے حلال و حرام آمدنی کے علاوہ بیری قسم مشکوک اور مشکبہ آمدنی ہے۔ بیگار لینے، اس کے ذریعے رقم حاصل کرنے کو وہ مشکوک آمدنی کہتے ہیں۔ وہ احادیث سے ثابت کرتے ہیں کہ ایسی آمدنی سے بھی پرہیز ضروری ہے۔ غزالی نے نہ صرف جائز کمائی پر زور دیا ہے بلکہ جائز خرچ پر بھی زور دیا ہے اس کے نزدیک سربراہ مملکت کو یہ اختیار نہیں کہ خزانے سے اپنی ذات پر کوئی رقم خرچ کرے۔ وہ صرف مفاد عامہ پر رعایا سے حاصل کردہ رقم کو صرف کر سکتا ہے۔ جائز آمدنی اور خرچ کے سلسلے میں غزالی احادیث خلفائے راشدین، مشاہیر سلاطین کے اقوال اور ان کے طریقہ ہائے کار سے استدلال کرتا ہے۔

غزالی نے پیشے کے لحاظ سے انسانوں کے تین طبقے قائم کیے ہیں۔ پہلا طبقہ کاشتکاروں، چرواہوں اور اہل حرفہ پر مشتمل ہے۔ دوسرے میں فوجی اور لشکر ہی ہیں۔ تیسرا طبقہ اہل قلم و اہل علم ہے۔ غزالی کہتے ہیں کہ اہل قلم پہلے دو طبقوں میں ربط و تعلق قائم کرتے ہیں۔ اور پہلے طبقہ سے خراج وصول کر کے دوسرے طبقہ کے افراد میں تقسیم کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اہل قلم فوجیوں سے اور فوجی کاشتکاروں سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔

مبادلہ اشیاء و سکتہ۔ غزالی کے مطابق صنعت و حرفت بغیر مال داد و زار کے نہیں چل سکتے۔ وہ مال کی تعریف نہایت جدید طرز پر کرتے ہیں۔ مال میں ایسی اشیاء شامل ہیں جو روٹے زمین پر پانی جاتی ہیں اور ان سے منتفع ہوتے ہیں۔ مال میں غذا، مکانات، لباس اور کسیت شامل ہوتے ہیں۔ انہوں نے مال کے عوض مال کے لین دین کو انسانی ضروریات، نیز باہمی تقسیم کار کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ بعض اوقات ایسی آبادی بھی ہوتی ہے جہاں کاشتکار تو ہوتے ہیں مگر زرعی آلات نہیں ہوتے۔ بڑھئی، لوہار ایسے کاڈل میں ہوتے ہیں جہاں کاشتکاری نہیں ہوتی ظاہر ہے کہ ان کے بغیر گزارہ نہیں کر سکتا۔ اسی طرح بڑھئی لوہار غلہ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔

یہ باہمی ضروریات بیع و شرا کا محرک بنی۔ اس لیے بازار اور منڈیاں وجود میں آئے۔ ہارڈ سٹم شروع ہوا۔ پھر دیہات سے شہر میں غلہ اور شہر سے دیہات تک آلات پہنچانے کے لیے ذرائع نقل



وجہ کی بڑی۔ اسی طرح کرایہ اور ٹھیکہ کا طریقہ بھی رائج ہوا۔ جب خرید و فروخت میں اضافہ ہوا تو معاملات و معاوضات میں تعین مقدار کی ضرورت لاحق ہوئی دو چیزوں کے تبادلہ میں عدل و مساوات لازمی ہے۔ مساوات کے لیے ضروری ہے کہ ایسی چیز عینی ہو۔ مالیت رکھتی ہو۔ پائیدار بھی ہو۔ معدنی اشیاء مثلاً سونا، چاندی اور تانبے کو مساوات کی غرض سے نقدی مقرر کیا اور باقاعدہ سکے ڈھالے گئے اس طرح غزالی نے مال کے بدلے سکے کے وجود میں آنے کے مراحل کا جائزہ پیش کیا ہے۔ پھر وہ سکوں کے سلسلے میں یک دھاتی سکوں کے علاوہ سہ دھاتی سکوں کا طریقہ بھی بتلاتے ہیں گویا یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ غزالی نے اہم اقتصادی نظریات پر طبع آزمائی کی ہے۔ اور اگر انقدر علم میں معتد بہ اضافہ کرنے کی مساعی جمیلہ کی ہے۔ اور آئندہ کے لیے میدان ہموار کیا ہے۔

6۔ ابن تیمیہؒ : والیان حکومت کو انہی مالیات کی وصولی کی اجازت دیتے ہیں جو کہ کتاب و سنت سے ثابت ہیں۔ یعنی زکوٰۃ، مال غنیمت اور فتنے۔ اور ان میں سے ہر ایک کی توضیح بھی کرتے ہیں۔

زکوٰۃ کا انصاب اور وہ چیزیں جن پر زکوٰۃ لی جائے ان سے ابن تیمیہؒ بحث نہیں کرتے البتہ مستحقین زکوٰۃ کی وہ تفصیل بیان کرتے ہیں۔ جن کا ذکر سورۃ توبہ میں آیا ہے۔ قوی اور روزی کمائی کی طاقت رکھنے والوں کو زکوٰۃ کا مستحق نہیں بتلاتے اور غالباً اس سے ان کا مطلب یہ ہے کہ ایسے آدمی جو روزی کما سکتے ہیں اور روزی کمانے کے مواقع بھی میسر ہیں لیکن اس کے باوجود وہ ہاتھ پر نہ ہائیں تو ان کو زکوٰۃ کی رقم دینا جائز ہے۔

مقروض کے بارے میں ابن تیمیہؒ کی رائے ہے کہ بقدر قرض زکوٰۃ کی مد سے اس کا قرض ادا کر دینا جائز ہے بشرطیکہ یہ قرض کسی گناہ یا عیاشی کے باعث نہ لیا گیا ہو۔ اگر ایسا ہو تو زکوٰۃ کی مد سے اس کی ادائیگی اس وقت تک نہ کی جائے جب تک کہ مقروض ان معاصی سے تائب نہ ہو جائے جن کی وجہ سے وہ قرض دار ہو گیا ہے۔ وہ فی سبیل اللہ کے تحت نادار مجاہدین کی خوراک اور ان کے لیے اسلحہ جات کا انتظام کرانے کے علاوہ حج فی سبیل اللہ کو بھی داخل کرتے ہیں۔

مال غنیمت جس کو عربی میں انفال کہتے ہیں، ابن تیمیہؒ اس سے کماحقہ بحث کرتے ہیں۔ ابتداءً انفال کی تشریح کرنے کے بعد سورۃ انفال کی ان آیات کا انہوں نے حوالہ دیا ہے جن میں مال غنیمت کے متعلق رہنمائی کی گئی ہے۔ مال غنیمت کے مصارف قرآن مجید کے مطابق بیان کرتے ہیں۔ وہ نسب یا فضیلت کی بنا پر کسی کو زیادہ حصہ دینے جانے کے شدید مخالف ہیں۔ اور عہد رسالت کا واقعہ رقم طراز کرتے ہیں کہ ایک بار حضرت سعد بن ابی وقاص نے کسی صاحب شخص کو کم حیثیت



اُدھی پر ترجیح دی تو رسول کریمؐ نے فرمایا ”یاد رکھو تم لوگوں کو اپنے ضعیفوں اور مفلوک الحال لوگوں کی بدولت رزق دیا جاتا ہے اور انہی کے طفیل مدد دی جاتی ہے“ البتہ کسی مجاہد کی عمدہ کارکردگی کے صلہ میں انعام دیا جاسکتا ہے۔ اس کے مطابق پیدل کو ایک حصہ اور سوار کو تین دینے چاہئیں۔ وہ ان فقہاء سے اختلاف رکھتے ہیں جو سواروں کو دو حصے دانا چاہتے ہیں۔ وہ اس سلسلے میں عقلی اور نقلی دو قسم کے دلائل دیتے ہیں۔ اول یہ کہ رسول اکرمؐ نے فتح خیبر کے بعد سواروں کو تین حصے دیئے۔ مزید برآں سوار کو نہ صرف اپنی ذات پر خرچ کرنا ہوتا ہے بلکہ اس کے ذمہ گھوڑے کا بھی خرچ ہے۔ اور دو آدمیوں سے اتنی منفعت نہیں پہنچ سکتی جس قدر گھوڑے سے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

ابن تیمیہ لفظ فئے کے لغوی معنی اور وجہ تسمیہ بیان کرتے ہیں۔ ان کے مطابق فئے کے معنی لوٹا دینا کے ہیں۔ فئے ایسا مال ہے جو رب تعالیٰ کافروں کی طرف سے مؤمنوں کو لوٹا دے۔ وہ کہتے ہیں کہ فئے خدا نے کریمؐ نے نہ و مال اپنے بندوں کی اعانت کے لیے بنایا ہے۔ اصطلاح میں فئے اس مال کو کہتے ہیں جو جنگ کے بغیر حاصل ہو۔

ابن تیمیہ نے جزیہ، رقم مصلحت، غیر مسلم حکومت کے تحائف، حربی تاجروں کے تجارتی مال پر دسواں حصہ یا ذمی تجارت پر بیسواں حصہ تجارتی ٹیکس کو شامل کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ نقص عہد کی وجہ سے کفار سے وصول کردہ جرمانے لاوارث مال، اموال مغصوبہ بھی ان کے نزدیک فئے کی قسمیں ہیں۔ وہ فئے کی رقم کو مصالح امت پر خرچ کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ اس کے نزدیک اہم ترین جماعت اسلامی لشکر ہے۔ لشکر دوسرے لوگوں کے مقابلے میں فئے کا زیادہ حق دار ہے۔ اس کے بعد عمال حکومت، قضاة، علماء، محصلین زکوٰۃ، آئمہ مساجد اور مؤذن وغیرہ فئے کے مستحق ہیں۔ ان مصارف کے علاوہ یہ بتاتے ہیں کہ مفاد عامہ پر خرچ کیا جائے مثلاً اسلحہ جات جنگ کے خریدنے، سرقدوں قلعوں کے بنانے یا پل نہر اور سڑک کی تعمیر وغیرہ۔ مساکین کو دیگر مسلمانوں کے مقابلے میں ترجیح دیتے ہیں۔ ابن تیمیہ تالیف قلوب کے لیے فئے کی رقم خرچ کرنا صرف جائز بلکہ ضروری بتاتے ہیں۔ وہ اسے سنت نبویؐ سے تعبیر کرتے ہیں، اگر آپؐ نے سرداروں کی تالیف کے لیے فئے میں سے عطیات دیئے تھے غیر مسلموں کی تالیف قلوب کے لیے روپیہ دینے جانے کو جائز کہتے ہیں۔ جس کا مقصد ان کی وحشت کو دور کرنا یا خود کو ان کے نقصانات سے محفوظ رکھنا ہے۔ تالیف قلوب میں صرف کرنے کا مقصد دین کی کوئی مصلحت ہونا چاہیئے۔



۶۔ ابن خلدون: تہذیب میں خلدون کی اولاد میں ولی الدین عبدالرحمن نامی ایک بچہ پیدا ہوا جو اپنے چچا مجد خاں خلدیا خلدون کی وجہ سے ابن خلدون مشہور ہوا۔ کنیت ابو زید۔ تاریخ پیدائش یکم رمضان ۶۳۲ھ بمطابق ۲۶ مئی ۱۳۳۲ء ہے۔ ابتدائی تعلیم دستور کے مطابق اپنے والد محمد سے حاصل کی۔ قرآن مجید حفظ کیا۔ حدیث و فقہ کے علاوہ عربی زبان و ادب میں مہارت تامہ حاصل کی۔ مختلف ممالک کا دورہ کیا۔ رئیس وزارت کے عہدہ جلیلہ پر بھی فائز رہا۔ حاجب سفیر بنا۔ جیلوں کی ہوا بھی کھانی۔ تصانیف کا دائرہ وسیع ہے۔ فلسفہ و منطق، فقہ و ادب حتیٰ کہ ریاضی پر بھی کتب لکھیں۔ تاریخ العبر اور مقدمہ ابن خلدون شہرہ آفاق کتب ہیں۔ اور کوئی قوم مقدمہ کا بدل پیش نہیں کر سکی۔ اس کے اقتصادی نظریات اس کی علمی بصیرت اور کاوش شاقہ پر دلالت کرتے ہیں۔ نقلی دلائل کے علاوہ عقلی دلائل سے بھی بحث کرتا ہے۔

## معاشی افکار

اس کا کہنا ہے کہ بادشاہ خود مختاری قبائلی عصیت کو کمزور کر کے حاصل کرتا ہے جس کے ذریعے سے اس نے حکومت حاصل کی ہوتی ہے۔ اس کی کمی کو پورا کرنے کی خاطر فوج رکھنا پڑتی ہے فوج کے مصارف پورا کرنے کے لیے رعایا ٹریکس عائد کرنا پڑتے ہیں۔

اس کا مقولہ ہے کہ سلطان اور مملکت دنیا کے سب سے بڑے بازار میں اگر بادشاہ دولت جمع کرتا ہے اور اُسے خرچ نہیں کرتا یا اس کے پاس دولت کی قلت ہے تو اس کے دوستوں اور حامیوں کی تعداد بہت کم ہوگی۔ اگر صاحبین کی تعداد کم ہو تو بازار بُری طرح متاثر ہوگا۔ بلکہ دیران ہو جائے گا اور تیار شدہ سامان پر کم منافع ہوگا۔ کا نتیجہ ٹریکس کی کمی کی صورت میں ہوگا۔ حکومت مفلس و ہو جائے گی اس لیے دولت کھڑی رہے۔ اگر اسے روکے رکھا تو رعایا اور حاکم دونوں کو نقصان پہنچے گا۔ گویا اس کے مطابق متوازن بحث ایک ضروری چیز ہے۔ ابتدا میں حکومت کے محاصل زیادہ نہیں ہوتے اسلامی محاصل زکوٰۃ، خراج، جزیہ وغیرہ کم محدود ہیں جب بدوی زندگی کی جگہ پر لطف شہری زندگی لیتی ہے۔ تو مصارف میں زبردست اضافہ ہو جاتا ہے۔ جس قدر محصولات بڑھتے ہیں رعایا کی تمہیں لپٹ ہو جاتی ہیں اس کے برعکس محصولات کم ہوں تو لوگ اپنے کاموں میں دلچسپی لیتے ہیں۔ معاشیات کے سلسلے میں ابن خلدون انسانوں کو یقین دیتا ہے کہ وہ قدرت کی پیدا کردہ چیزوں سے فائدہ اٹھائیں۔ گویا قدرتی وسائل سے پوری طرح استفادہ کیا جائے۔ وہ کسب معاش کے ذرائع سے بھی بحث کرتا ہے۔ بدویان زندگی میں محدود و اؤ شہری زندگی میں لا محدود ہوتے ہیں۔ اگرچہ ان میں سچیدگی پائی جاتی ہے کیونکہ قدرتی ہونے کی بجائے



مصنوعی بن جاتے ہیں۔

کسب معاش کا سب سے اہم اور اولین وسیلہ زراعت ہے یہ پیشہ قدیم ترین ہے کیونکہ اس کا وجود حضرت آدمؑ کے زمانے میں ملتا ہے۔ اس کی سیکھنے کی کم ضرورت پڑتی ہے۔ تکلیف بھی کم برداشت کرنا پڑتی ہے۔ غذاؤں کی فراہمی کے علاوہ حکومت کی آمدنی کا بڑا ذریعہ ہے کیونکہ ٹیکس کا زیادہ تر حصہ زرعی زمینوں اور ان کی پیداوار سے حاصل ہوتا ہے ان فوائد سے علاوہ نقصانات بھی گنوائے ہیں۔ سب سے بڑا نقصان زلت اور جنگی صلاحیتوں کا خاتمہ ہے۔ اس قول سے استدلال کرتے ہیں۔ (ہل) جس قوم کے یا اس میں لازمی طور پر زلت آئی۔

دوسرا ذریعہ تجارت ہے۔ کاشتکار اپنی فاضل پیداوار کے بدلے ایسی چیزیں لیتے ہیں جو زراعت سے حاصل نہیں ہوتیں۔ اس سے تجارت کا آغاز ہوتا ہے۔ اس کو بارٹر نظام کہتے ہیں۔ اس کے بعد نقدی تجارت نے جنم لیا۔ پھر سکے ڈھالے گئے۔ اسلامی سکوں کی تاریخ شرح و بسط سے بیان کرتا ہے۔ تجارت نے آگے چل کر مستقل فن کا درجہ دھار لیا۔ درآمد و برآمد کے اصول بھی ضبط تحریر میں لانا ہے۔ تجارت کا فروغ حکومت کی سرپرستی کے بغیر ناممکن الحصول ہے۔ گویا کہ تاجرانہ کی پالیسی کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔ تجارت سے پیدا شدہ نقصانات کا بھی جائزہ لیتا ہے۔ تجارت اخلاق پر بڑا اثر ڈالتی ہے تاجر حریص اور چال باز بن جاتا ہے ایجنسی طریقے کی تعریف کرتا ہے کیونکہ اس سے تاجر کا کردار سیف رہتا ہے اور کچھ خلقی سرایت نہیں کرتی۔ ذخیرہ اندوزی اور چور بازاری کی مخالفت کرتا ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ اس سے برکت اٹھ جاتی ہے۔ کسب معاش کا تیسرا ذریعہ صنعت و حرفت ہے۔ اگرچہ بنیادی صنعتیں بدویانہ زندگی میں بھی ہوتی تھیں تاہم تمدن نئی نئی صنعتوں کو وجود میں لاتا ہے۔

اور لوگ بھی روزی کمانے کی خاطر نئے نئے پیشے سوچتے ہیں جن سے نئی صنعتیں قیام پذیر ہوتی ہیں ابن خلدون غلامی اور جنگ کو وسائل کسب معاش میں شمار نہیں کرتا۔ انسان فطرتاً آزاد ہے اور جب تک آزادی قائم نہیں رہتی اس وقت تک مجتمع صحیح معنوں میں ترقی کی منازل طے نہیں کر سکتا۔ وہ غلامی کے ذریعے پیٹ پروری کو خود داری کے منافی کہتا ہے۔

(۱) راتوں رات امیر بن جانے کی خواہش غیر طبعی اور نقصان دہ ہے۔ پانچویں باب خلاصہ میں لکھتا ہے شہروں کے اکثر بے وقوف لوگ اس لالچ میں رہتے ہیں کہ کہیں سے انہیں گڑا ہوا خزانہ مل جائے اور وہ اس پر اپنی گزر بسر عیش و آرام سے کریں۔ یہ لوگ طبعی ذرائع معاش تجارت کاشتکاری ہنرمندی روزی کمانا نہیں چاہتے۔ بلکہ بے محنت دولت کے بھوکے ہوتے ہیں اس کی وجہ اسرا



اور فضول خرچی بتائی ہے۔

(۲) صنعت و تجارت میں حکومت کی اجارہ داری عوام کے لیے مضر ہے۔ اخراجات زیادہ ہونے اور آمدنی کم ہونے سے غیر متوازن بجٹ تشکیل پاتا ہے۔ حکومت براہ راست تجارت میں حصہ لیتی ہے عام تاجر مقابلہ نہیں کر سکتے۔ انفرادی کاروبار مندہ۔ لوگ بے ہمت تنگ دست ہو جاتے ہیں۔ مشورہ دیتا ہے کہ کاروباری لوگوں کی معاونت کی جائے۔

(۳) ٹیکسوں کی بھرمار زوال کا پیش خیمہ ہے۔ ہر سلطنت کی ایک طبعی عمر ہوتی ہے۔ ابتدا میں سلطنت ساڈے بے تکلف اور کم خرچ۔ مہذب زندگی کے باعث اخراجات میں اضافہ۔ جنگی راہداری کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ تجارت اور مال پر ٹیکس لاگو۔ لوگ مایوس اور بد دل۔ بطوائف الملوکی، بے چینی اور انتشار جنم لیتا ہے۔ سلطنت کمزور ہو جاتی ہے۔

(۴) ذخیرہ اندوزی غریب عوام کا معاشی استحصال ہے۔ پانچویں باب کی تیرھویں فصل میں علامہ صاحب اس کی خدمت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اہل بصیرت اسے منحوس اندام مبارک گردانتے ہیں بشرعیت نے بھی اسے ناجائز قرار دیا ہے۔ خورد و نوش کا ذخیرہ کرنے والے تاجر دل کو مفت خور کہتے ہیں۔ وہ اسے اخلاقی برائی خیال کرتے ہیں۔

(۵) رزق کی فراوانی آمدنی سے اخلاق و جسم پر اثر ہوتا ہے۔ اس کی وضاحت یوں کی ہے کہ جو لوگ سادہ زندگی بسر کرتے ہیں عیش و آرام سے دور محنتی و جفاکش ہوں ان کی صحت عمدہ، جسم سڈول اور خوبصورت ہوں گے۔ ذہین، ہوشیار اور عابد ہوں گے۔ اس کے برعکس شہروں میں رہنے والے جسمانی لحاظ سے کاہل، بیکار اور سست ہوتے ہیں کیوں کہ وہ عیش و آرام سے رہتے ہیں۔ چستی و چالاکی اور رزمگاہ زلیست میں جارحانہ اور بھرپور کردار ادا کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ اخلاق بگڑ جاتے ہیں۔ بسیار خور بن جاتے ہیں۔ حریص اور لالچی ہوتے ہیں۔ عبادت رو بھرو جاتی ہے۔ دلوں میں سختی اور غفلت کا غلبہ ہوتا ہے۔ اس نے دیہاتی اور شہری زندگی کا مقابلہ کیسی خوبی سے کیا ہے۔

(۶) قیمتوں میں کمی بیشی کی وجوہات اس طرح بیان کی ہیں:-

اُس نے اشیاء کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک بنیادی اشیاء جن کے بغیر گزارہ نہیں جیسے غلہ، اناج مکان، عام کپڑے وغیرہ اور دوسرے درجے پر شاندار سواریاں، قیمتی پارچات وغیرہ، شہروں میں بنیادی ضرورت کی چیزیں سستی اور پر تکلف مہنگی، قصبات میں ضروری اشیاء کی گرانی اور تکلف والی کی ارزانی کیوں کہ طلب کم ہوتی ہے۔ محصول والی چیزیں مہنگی ہوں گی۔ شہری زمینوں اور مکانوں کی



قیمت زیادہ ہوتی ہے۔ کاشتکار کو زمین پر کھا داؤد ہوا ری کے لیے خرچ کرنا پڑے تو غلہ گراں ہوگا۔  
کساد بازاری کی دو وجوہات - (۱) سرمایہ داروں کی ذخیرہ اندوزی (۲) عوام کی قوت خرید میں کمی۔  
اس کے آگے دو اسباب محصولات اور ملازمین کی کم تنخواہیں بیان کی ہیں۔

(۷) اقتصادی مظالم اور بگاڑ سے ملک مٹ جاتے ہیں بمعرفہ و مقدمہ، کے میرے باب کی ۶۳ ویں  
فصل میں اس کی پوری تشریح کی ہے۔ اگر معاش کے سلسلے میں لوگوں پر ظلم کیا جائے ان کے مالوں  
پر دست درازی کی جائے زمینوں سے بے دخل کیا جائے اور انہیں بادشاہ کے کاسے لیسوں  
اور درباریوں میں تقسیم کر دیا جائے تو بلاشبہ لوگوں میں بددلی اور مایوسی پھیلے گی۔ وہ کوشش اور  
اکتساب رزق سے ہاتھ کھینچ لیں گے۔ بازار اور منڈیاں سرد پڑ جائیں گی۔ حکومت کی آمدنی کم ہو جائیگی  
بیروزگاری اور مایوسی ابھرے گی۔ سلطنت کی جڑیں کھوکھلی ہونا شروع ہوں گی اور آخر کار ملک  
مٹ جائے گا۔

کام میں غصب کرنا، کسی سے ناجائز مطالبہ کرنا یا کسی کو ایسی ذمہ داری سونپنا جس کا اہل نہ ہو یا جو شریعت  
کے خلاف ہو۔ اسی طرح ناجائز ٹیکس لگانا، اس میں بے جا تشدد کرنا، لوگوں کی حق رسی میں خندہ اندازی  
کرنا، لوگوں کی املاک غصب کرنا بھی ظلم اور عدوان ہے۔ اور اس کا نتیجہ تباہی و بربادی ہے۔ بیگار  
میں کام لینا اور محنت کا معاوضہ ادا نہ کرنا بھی زیادتی ہے۔ عوام سے سستے داموں لے کر حکومت  
کا مہنگے داموں اشیاء کا بیچنا بھی ظلم ہے۔

بعض اوقات حکومت عوام پر ظلم کے پہاڑ توڑتی ہے اور معاشی خرابی و بگاڑ انتہا کو پہنچ جاتا ہے  
مگر ضروری نہیں اس کا نتیجہ فوری طور پر برآمد ہو۔ دیر کے بعد بھی نکل سکتا ہے۔ معاشی ابتری اور  
غلط منصوبہ بندی سے معاشرے کا انحطاط بالآخر شروع ہو جاتا ہے اور آہستہ آہستہ بڑھتا رہتا ہے  
حتیٰ کہ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ لاواچھٹ پڑتا ہے اور سلطنت غارت ہو جاتی ہے۔ ابن خلدون  
نے حکومت کے زوال کس اچھوتے طریقے سے بیان کیے۔ اور آج کل بھی پورے اترتے ہیں۔

(۸) **مُتَفَرِّقات** | ابن خلدون نے زراعت پر بحث کرتے ہوئے اس کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے

مگر اس کے ساتھ ساتھ اس نے پیشیوں کی وقعت کو نظر انداز نہیں کیا۔ بلکہ  
محنت کو نظریہ قدر میں مرکزی رول دیا گیا ہے۔ پیشیوں کے تخصص کا ذکر کرتے ہوئے اس نے  
کہا ہے کہ جہاں اس سے فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ کام میں مہارت بڑھ جاتی ہے وہاں یہ نقصان  
بھی ہوتا ہے کہ دوسرے پیشے کو اختیار کرنا اور اس میں کاریگری حاصل کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔



اگرچہ ابن خلدون تجارت اور صنعت میں سرکاری دخل اندازی کو ناپسند کرتے ہیں تاہم وہ اس بات کے قائل ہیں کہ حکومت کا فرض صرف سرحدوں کی حفاظت اور اندرون ملک نظم و نسق کا نبھانا ہی نہیں ہے۔ بلکہ ملکی فلاح و بہبود اور صنعتی ترقی میں بھی ہاتھ بٹانا ہے۔

اسی طرح اس نے سونے اور چاندی کی اہمیت کی وجہ ان کی پائیداری *Durability* بتائی ہے۔ یہی سبب ہے کہ یہ معیشی جہد و جہد کا خاص محور ہیں۔ کھوٹے اور ناکارہ سکوں کے رواج دینے کی بھی اس نے پرزور مذمت کی ہے۔ کیونکہ ملکی اعتماد اور قومی ساکھ کا دار و مدار انہی پر ہوتا ہے۔

علامہ صاحب کے اقتصادی افکار موجودہ دور کے تقاضوں پر بھی پورا اترتے ہیں۔ اگرچہ ان پر عمل درآمد کریں اور ان کی پیروی کا دم بھریں تو پیش تر فوائد حاصل ہو سکتے ہیں اور بہت سی مشکلات کو حل کیا جاسکتا ہے۔

۵۔ شاہ ولی اللہ: تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی دنیا کی کشتی منجھڑھار میں چنپی تو پر وہ غیب سے اس کی ناکھانی کے لیے کوئی نہ کوئی مردِ با صفا باہر آیا۔ اور ساحل تک پہنچا کر دم لیا۔ شاہ صاحب انہی میں سے ہیں۔ سن ولادت ۴ شوال ۱۱۱۴ھ بمطابق ۲۱ فروری ۱۷۵۳ء ہے، ۶۱ سال میں قرآن مجید ختم کیا۔ حدیث، تفسیر، فقہ، کلام، معانی، ادب، فلسفہ اور منطق کے علاوہ طب، ہیئت اور ریاضی میں مہارت تامہ حاصل کی۔ علوم ظاہری کی تحصیل کے بعد علوم باطنی کی جانب مائل ہوئے۔ ان کے عظیم اقتصادی افکار کی نمایاں جھلک کچھ یوں سی ہے اور مشعل ہدایت ہیں۔ نیز علم کا بے بہانہ خزانہ سے تعبیر کیا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ شاہ صاحب کا انتقال کامل مارکس کی ولادت ۵۵ برس پہلے ہو چکا تھا۔ اس کے باوجود شاہ صاحب معاشی عدم توازن سے جس منطقیانہ انداز سے بحث کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ مارکس سے بھی نہ بن پڑی۔ مولانا عبید اللہ سندھی ان کے معاشی نظریات کا نقشہ یوں کھینچا ہے۔

”گو حیوانی زندگی کے لیے اقتصادی ضروریات لازمی جانی جاتی ہیں۔ لیکن انسانیت کے ساتھ اقتصادیات کا جو ربط و تعلق ہے اس پر کسی نے توجہ نہیں کی اس کے باعث ہماری سیاست کھوکھلی ہو گئی۔ ہمارے بڑے غفل مند اور زیادہ با اخلاق صوفیاء سب کے سب اجتماعی سیاست سے دور رہنا اپنا کمال گردانتے ہیں اور یہی تصوف کی کتب کی سب سے بڑی کوتاہی تھی کہ ان کے مدد کرنے والوں نے انسانی اخلاق اور معاشیات کے باہمی رشتہ اور ایک دوسرے سے متاثر ہونے کی اہمیت کو نہیں سمجھا اس لئے شاہ صاحب نے زندگی کی اس حقیقت کو اس کی صحیح شکل میں پہنچانا اور بار بار اپنی کتابوں میں اس کی طرف توجہ دلائی۔ دولت کے فوائد و نقصانات کے پہلوؤں کو اجاگر کیا۔ ان کے خیال کے مطابق دولت محمود و مذموم



دونوں طرح کی خصوصیات کی حامل ہے۔ اس کے ذریعے انسان میں کریمانہ اخلاق نشوونما پاتے ہیں۔ اور شردت ہی انسان کو بے کسی کی زلیلت سے مصنون و مامون رکھتی ہے۔ لجانیت قلب کے حصول کا اس سے بہتر کوئی اور ذریعہ نہیں۔ لیکن دوسری طرف یہی دولت افراد میں بغض و عناد اور حسد کا بیج بوتی ہے۔ ایک دوسرے پر لوٹ مار کرنے پر اکساتی ہے۔ آخرت سے غافل کر دیتی ہے۔ اس کے علاوہ ظلم و ستم اور جبر و جفا کے دروازے کھول دیتی ہے۔ شاہ صاحب کے خیال میں ایسی عجیب و غریب شے کے استعمال میں بے حد احتیاط برتنے کی ضرورت ہے جس معاشرے پر زبردستی کا غلبہ و تسلط ہو گیا وہ معاشرہ تباہی کی نذر ہو جائے گا۔

شاہ صاحب حکومت کے زوال کے دو اسباب بیان کرتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ شاہی خزانہ کی رقم سے مفت خوروں کی شکم پرپی کی جائے۔ لوگ خواہ مخواہ سپاہی بن کر منشن کی رقوم وصول کریں جیسا کہ این۔ ڈی وی اور سپاہی دانش والوں نے خزانہ عامرہ یہ ناروا بار ڈالا۔ اور حکومت وقت نے اخراجات میں ناروا اضافہ کیا۔ اور نتائج منفی برآمد ہوئے۔ یہ بیرون کاری کا حل نہیں ہے۔ بلکہ سیاسی ٹولہ کے وجود قائم کرنے اور اپنے حواریوں کے گرد وہ کی تشکیل مترادف ہے۔ پھر انہیں اچانک برطرف کر دینے سے حکومت کے خلاف شور و غل کا طوفان برپا ہو جاتا ہے۔ مزید برآں کچھ علماء کا لبادہ اڑھ کر جاگیریں حاصل کریں۔ یا محض شاعری کی بنا پر بہاری قمی وصول کریں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حرام خوروں کی تعداد میں اضافہ ہو جاتا ہے حتیٰ کہ وہ خود ایک دوسرے کے لیے مصیبت کا باعث بن جاتے ہیں۔

سقوط حکومت کا دوسرا سبب بھاری ٹیکس تلاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کمزور لوگ ٹیکس ادا تو کرتے ہیں لیکن خود تباہ ہو جاتے ہیں جس کے دماغ میں ورستی و سختی ہوتی ہے وہ بغاوت پر آمادہ ہو جاتے ہیں دونوں صورتوں میں معاشرہ کی بربادی یقینی ہو جاتی ہے۔ اور حکومتیں زوال پذیر ہو جاتی ہیں۔ شاہ صاحب واضح فرماتے ہیں کہ شہروں کی آبادی کا انحصار کم ٹیکس پر ہے۔

۹۔ ڈاکٹر محمد اقبالؒ: شاعر فطرت، نباض ملت، مفکر اسلام اور ترجمان حقیقت کی ولادت باسعادت ۹ نومبر ۱۸۷۶ء ہے۔ ان کا کلام سوز و گداز کا مخزن، عشق و محبت کا مجموعہ، دانش و حکمت کا خزانہ اور معرفت و عرفان کا مرقع ہے۔ ان کا پیغام نہ صرف مسلمانانِ پاکستان کے لیے سرچشمہٴ رشد و ہدایت ہے بلکہ سائر عالم اسلام کے لیے تازیانہٴ درس و عبرت ہے۔ وہ حقائق کی موٹنگانیوں کو نہایت اچھوتے اور حسین انداز میں سلجھانے کی مساعی جمیلہ کرتے ہیں۔ ان کے سینے میں ترپنے والا دل موجود تھا۔ جس میں نازک احساسات اور جذبات کا اتھاہ سمندر موجزن تھا۔ ان کی آرزو تھی کہ تاریکی کے بادل چھٹ جائیں



غفلت و جہالت کے منحوس سائے ہٹ جائیں اور فرزندِ ان توحیدِ علم و عمل کی قندیل سے فرزندانِ توحید ہو کر اپنا کھویا ہوا وقار بحال کریں عظمتِ رفتہ کو حاصل کریں۔ اسی لیے انہوں نے دلفشیں پیرائے میں فرمایا :-  
 بے ایک ہوں مسلم سرم کی پاسبانی کے لینے

نیل کے ساحل سے تباہ خاکِ کاشغر  
 وہ قوم کی کشتی کو زلزلت کی لپٹی سے نکال کر رفعت و خوش بختی کے زینے پر فائز کرنے کے شیدائی تھے۔ ان کے عظیم افکار، ان کی رفیع و اعلیٰ شخصیت کی دلالت و دلالت کرتے ہیں۔ ان کے نہ صرف سیاسی خیالات کافی اہمیت کے حامل ہیں بلکہ اقتصادی افکار بھی اپنے غریب و وسیع دامن میں حقانیت کا رنگ و ڈھنگ سمونے ہوئے ہیں۔ لہذا علامہ پر عقیدت کی جتنی گل پاشی کی جائے اتنی ہی کم ہے مگر اصل خراج تحسین و آفریں اسی صورت میں پیش کیا جاسکتا ہے جب ان کے بتائے ہوئے ندیں اصولوں کی روشنی میں ہم قومی زندگی کے خطوط استوار کریں اور ان کی روح کو ایصالِ ثواب پہنچائیں۔

اسلاف کے درخشندہ کارناموں کی تشہیر کے ساتھ ساتھ اپنے ذہنوں کی تطہیر بھی لازمی ہے اور ان کی حیاتِ طیبہ سے سبق لے کر اس پر عمل پیرا ہونا زیادہ اہم ہے۔ وہ ملتِ اسلامیہ کی نجات، اسلامی ضابطہٴ زیست اپنانے میں گمراہ تھے ہیں۔

اُسے اب اُن کے معیشی نظریات پر ایک مشتاقانہ نگاہ ڈالیں۔ وہ اپنے اظہارِ خیال کا آغاز یوں کرتے ہیں :-

”میرے نزدیک فاشیزم، کمیونزم یا زمانہٴ حال کے دوسرے ازم کوئی حقیقت نہیں رکھتے میرے عقیدہ کی رُو سے صرف اسلام ہی ایک حقیقت ہے جو بنی نوعِ انسان کے لیے ہر نقطہٴ نگاہ سے موجبِ نجات ہے۔ میرے کلام پر یا قدرانہ نظر ڈالنے سے پہلے حقائقِ اسلامیہ کا مطالعہ ضروری ہے۔ اگر پورے غور اور توجہ سے یہ مطالعہ کریں تو ممکن ہے کہ آپ بھی انہی نتائج تک رسائی حاصل کریں جس تک میں پہنچا ہوں اس صورت میں غالباً آپ کے تمام کے تمام شکوک رفع و دفع ہو جائیں گے۔“

اقبال کے اقتصادی تصورات پر خالصاً اسلامی رنگ غالب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ہر غیر اسلامی نظام پر کڑی تنقید کی ہے۔ سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں کو اعتراضات کا ہدفِ لاختا بناتے ہوئے فرماتے ہیں :-



ۛ اٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو ،

کاخ امراء کے در و دیوار بلا دو ،  
دیگر تمام نظاموں میں یہ نقص ہے کہ معاشیات کو اخلاقیات سے یکسر جدا کر دیا گیا ہے۔ اور یہی  
ہماری بد بختی کی علامت اور زبوں حالی کی منہ بولتی تصویر ہے۔ اس لیے ہم جبت تک وحدت فکر و ذکر  
پیدا نہ کریں اور اپنی سوچ و بچار کے دھارے کو نہ بدلیں اور معاشی کاوش کو اخلاقی اصول کے تحت نہیں  
لائیں گے ہماری پیش رفت مختار ہے گی۔ اور حالات نہیں سدھریں گے۔ بلکہ دشواریوں کا تانہا بندھا  
رہے گا۔

سرمایہ داری میں مسابقت نے جنم لیا جس نے دنیا کو واصل جہنم کیا جس اصول شہوت کی تیز دڑ نے اخلاقی  
قوانین کو روند ڈالا ہے اور انسان کی حیثیت جانوروں سے بھی بدتر ہو گئی۔ انسان نے انسان کا خون پینا شروع  
کیا۔ اس طرح استحصال اور شد و بربریت کی داغ بیل پڑی۔ آجروں و مزدوروں کے تعلقات کشیدہ و بریدہ ہو گئے  
غیر مساوی تقسیم فائدے سے دولت چند ہاتھوں میں مرکوز ہونے لگی۔ طبقاتی کشمکش اور گروہی منافرت کو ہوا ملی۔  
اس طرح اضطراری کیفیت اور بچانی صورت منڈلانے لگی۔

سرمایہ داری کی اساس اس بات پر منحصر ہے کہ زمین اور سرمایہ پر انفرادی قبضہ ہو مگر اقبال کے مطابق  
کائنات کی تمام اشیاء جو انسان کے زیر تصرف ہوں بطور امانت کے ہیں۔ فی الحقیقت اصل مالک رب تعالیٰ  
کی ذات گرامی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے :-

مرد ناداں این ہمہ ملک ماست

چسیت شرح آیہ لا تُفْسِدُوا

اے خوش آن ملک را بحق سپرد

تاز کار خویش بکشتائی گرہ ، ،

ۛ اے کرمی کوئی متاع ماز ماست

ارض حق را ارض خود دانی ، گکو

پس امانت را بکار خود بسر

ملک یزداں را بیزداں باز رہ ،

سرمایہ دارانہ نظام ہی ہماری نکتبت و افلاس کا حقیقی باعث ہے اور اس سے دنیا نالاں ہے۔ اسی  
لیے شاعر مشرق نے فرمایا۔

ۛ زیر گمہ دول فقر و مسکینی چہ راست ؟      آنچہ از مولامی گوئید ز ماست

اس نظام میں جذبہ ملکیت کی تسکین چند اشخاص یا اقوام تک محدود ہے کیونکہ بیشتر عوامیل پیدائش پر  
ان کا کنٹرول ہوتا ہے۔ ایک طبقہ بڑے بڑے زردار، زمیندار، صنعتکار، بینکار اور تاجرانہ پرتل ہوتا ہے  
تو دوسرا نادار، اجرت کار، کسانوں اور مزارعین کا گروہ ہوتا ہے، جو افلاس زدہ، فلاکت یافتہ اور حراماں



نصیب ہوتا ہے۔ زندگی کی بنیادی ضروریات کی تکمیل کی خاطر مالدار گروپ کا دست نگر ہوتا ہے۔ اور یہی حقیقت یہ ہے کہ وہ ٹولا اپنی تجوریوں انہی کے ذریعے بھرتا ہے مگر یہ خود نان جوین تک کے لیے ترستا ہے۔ حالانکہ ان کی محنت و مشقت کا صلہ وہ لیتا ہے۔ اور انہیں بہت کم میسر آتا ہے اس طرح آقا و بندہ کی تمیز سرے سے اٹھ جاتی ہے۔ کیونکہ ان کے جائز حقوق بھی پامال ہو جاتے ہیں۔ علامہ صاحب اس کی نشاندہی یوں کرتے ہیں:

ۛ تمیز بندہ و آقا فسادِ آمیت ہے      خدائے چہرہ و ستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں  
مگر اس کے برعکس اسلامی تنظیم معاشرت میں کوئی تفاوت نہیں۔

ۛ بندہ حق بے نیاز از ہر مقام،      نے غلام اور آزاد کو اس را غلام  
اسلام کی رو سے تمام مومن اخوت کے مقدس اور مضبوط رشتہ میں منسلک ہیں اور وہ یکساں حقوق و فرائض کے مستحق ہیں۔

سوشلزم کو بھی اخلاق کریمانہ سے کوئی سروکار نہیں بلکہ یہ سرمایہ داریت سے بھی چند قدم آگے ہے۔ وہ اخلاقیات کی سرحدوں کو پھلانگ جاتی ہے۔ اور اپنا الگ راگ الاپتی ہے۔ کیونکہ یہ بھی انسانی ذہن کا رل مارکس کی اختراع ہے۔ اُسے عموماً ”پیغمبر بے کتاب اور پیغمبر بے جبرائیل“ کہتے ہیں۔ اس کے پیش کردہ سسٹم نے دنیا کو مذہب و موم اور مضرت و اذیت سے ہمکنار کیا۔ امن و امان کو تہ و بالا کر ڈالا۔ کشت و خون کی ندیاں بہ نکلیں اسی لیے ڈاکٹر صاحب نے فرمایا:

ۛ قلب آدمی مومن و ماغش کافر است

اس میں مساوات شکم کے اصول کو تسلیم کیا گیا ہے۔ اخلاقی ضوابط کو درخور اعتناء نہیں گردانا گیا۔ آزادی سلب ہو جاتی ہے۔ لوگ مشینوں کی مانند کام پر لگے رہتے ہیں۔ مذہبی شعائر اور اخلاقی اقدار کا تسخیر ایا جاتا ہے۔ اقبال عکاسی یوں کرتے ہیں۔

ۛ دیں آں پیغمبر ناحق شناس      بر مساوات شکم وارد اساس  
رنگ و بو از تن نگیرد جان پاک      جز بہ تن کارے ندارد اشتراک

دوسرے تمام نظام ہائے اقتصادیات میں افراط و تفریط کے نقائص پائے جاتے ہیں مگر اسلام ان سے مبرا ہے۔ بلکہ ایک متوازن اور ہمہ گیر نظام ہے۔ علامہ روضہ شناس یوں گویا ہیں:-

ۛ رزق خود را از زمین بدون رواست      ایں متاع بندہ و ملک خداست  
بندہ مومن این، حق مالک است      غیر حق ہر شے بینی مالک است



باطن الارض اللہ ظاہر است ہر کہ این ظاہر نہ بنید کافر است

مردمون کی صفات ستودہ و عالیہ کا نقشہ کچھ اس انداز سے کھینچتے ہیں:-  
 کہتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک و صاف  
 اس سے بڑھ کر ہو گا کیا فکر و نظر کا انقلاب  
 بادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمین  
 گویا ان کے مطابق زمین کسی شخص، خاندان یا قوم کی ملک نہیں بلکہ دنیا میں جو کچھ بھی ہے خداوند تعالیٰ کا ہے۔ اس کی ملکیت کا دعویٰ نہ عہد قدیم میں کسی نے کیا اور نہ سلاطین مغلیہ کے زمانہ میں کیا گیا۔ اگر کسی وقت کسی ملک کے اندر یہ نظریہ رائج تھا تو بیسویں صدی میں اسے جانہ نہیں مانا جاسکتا۔ اس پر سب سے پہلے ایک یورپی مصنف پیرن نے تحقیق کی اور بالآخر ۱۸۸۰ء میں اسے مسترد کر دیا گیا۔ بریگز نے ۱۸۳۰ء میں انڈیا میں ملکیت کے قانون و رواج کی پوری جستجو و تحقیق کی اور نتیجہ اخذ کیا کہ تاریخ ہند کے کسی دور میں سلطنت ملکیت اراضی کی دعویدار نہیں ہوئی۔ اس بنا پر علامہ موصوف لگان معاف کر دینے کے حق میں تھے۔

حق زمین راجز متاع مانگفت  
 ایں متاع بے بہا مفت است و مفت  
 دہ خدایا یہ زمین تیری نہیں میری نہیں  
 تیرے آباد کی نہیں میری نہیں

ڈاکٹر اقبال کا مقصد تھا کہ اگر سارا نہیں تو لگان کم از کم کر دیا جائے۔ اور اس کے لیے انکم ٹیکس کے اصول پر عمل کیا جائے۔ ان کا خیال تھا کہ جس فرد کے پاس پانچ بیگھ سے کم زمین ہو اس سے لگان وصول نہ کیا جائے۔ چنانچہ اس طرح کم اراضی کے مالکان ایک بوجھ سے بچ جاتے۔ جو لوگ اقبال کو سوشلسٹ ہونے کی الزام تراشی کرتے ہیں ان کے ذہنوں پر کم علمی اور تعصب کی چھاپ پڑی ہوئی ہے۔ یا انہوں نے ان کے تصورات کے ادراک میں زبردست ٹھوکر کھائی ہے یہ اظہار من الشمس ہے کہ موصوف اسلامی معیشت کو دوسرے تمام نظاموں پر فوقیت دترجیح دیتے ہیں اس کا اظہار انہوں نے جا بجا اپنی شاعری میں کیا ہے۔ بلکہ وہ تو اس کی ترویج و نفاذ کے متمنی تھے۔ اور وہ اپنی اس حسرت کو دبائے غازی سفر آخرت ہوئے۔ اور اپنے خیالات کا ورثہ دیگر کتب کے علاوہ ”علم الاقتصاد“ جیسی کہ القدر تصنیف میں چھوڑ گئے۔



# اسلام کے فلسفہ حیات میں معاشی تعلیمات کا مقام

## معاشی تعلیمات کا مقام

اسلام کے فلسفہ حیات میں معاشی تعلیمات کا مقام اسی سے ظاہر ہے کہ اسلام کی پانچ بنیادی عبادات میں سے ایک بنیادی عبادت زکوٰۃ ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ امیروں کی دولت کو غریبوں تک پہنچایا جائے۔ ایسے ہی اسلام نے مسلمانوں پر جو معاشرتی ذمہ داریاں عائد کی ہیں ان میں سے ایک ضروری ذمہ داری یہ ہے کہ انسان ان لوگوں کو کما کر کھلائے جن کی کفالت ان کے ذمے ہے۔

اسلام کے فلسفہ حیات میں معاشی تعلیمات کا مقام متعین کرنے کے لئے مندرجہ ذیل ۲۲ نکات کا علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ یہ وہ موضوعات ہیں جن کے بارے میں قرآن نے ہدایت و احکام دیئے ہیں۔

- ۱۔ پہلی بات یہ ہے کہ قرآن میں جگہ جگہ واضح کیا گیا ہے کہ تمام ذرائع اور وسائل جن پر انسان کی معاش کا انحصار ہے خدا کے پیدا کردہ ہیں۔ قرآن میں بے شمار ایسی آیات ملتی ہیں جن میں بار بار یاد دلایا گیا ہے کہ خدا ہی وہ مہستی ہے جس نے انسانوں کے لئے بارش برساتی اور اناج اور طرح طرح کے پھل پیدا کئے اور سمندروں میں کشتیاں چلائی ہیں۔
- ۲۔ قرآن میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ اشیاء اور اعمال کے جائز اور ناجائز ہونے کی حدود مقرر کرنا خدا ہی کا کام ہے۔ انسان نہ کسی شے کو جائز کر سکتا ہے اور نہ ناجائز ٹھہرا سکتا ہے۔ اس لئے وہ تمام معاشی ذرائع و وسائل جنہیں خدا نے جائز قرار دیا ہے کوئی شخص انہیں ناجائز نہیں ٹھہرا سکتا۔ وہ تمام معاشی ذرائع اور وسائل جنہیں اللہ نے ناجائز قرار دیا ہے انسان انہیں جائز نہیں کر سکتا۔
- ۳۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کچھ پابندیوں کے ساتھ شخصی ملکیت کا حق ادا کیا ہے اور ان چیزوں کو جو اس کی ملکیت میں ہوں جائز طریقوں سے تصرف کرنے کا حق بخشتا ہے۔
- ۴۔ اسلام میں مساوات موجود ہے مگر اس کا فطری تخیل ہے یعنی سب انسانوں کو آمدنی کمانے کے مواقع یکساں طور پر حاصل ہوتے ہیں۔ لوگ اپنی صلاحیتوں کی بنا پر جتنی ترقی چاہیں کریں۔
- ۵۔ اسلامی طرز زندگی میں اہم بنائیت کو نافذ کیا گیا ہے اور روزی کے حصول کے بارے میں بھی حد سے بڑے ہوئے زہد کو پسند نہیں کیا گیا۔



- ۷۔ کسب مال کے ذرائع میں جائز اور ناجائز کا فرق رکھا گیا ہے۔
  - ۸۔ کسب مال کے حرام طریقوں کی تفصیل دی گئی ہے مثلاً بھوا، چوری، سود، ناجائز استیاء، کی تجارت غبن، ڈاکہ، دھوکہ وغیرہ۔
  - ۹۔ کنجوسی اور مال جمع کرنے کی مذمت کی گئی ہے۔
  - ۱۰۔ زر پرستی اور مال کے حرص کو سخت مذموم قرار دیا گیا ہے۔
  - ۱۱۔ ایک طرف کنجوسی اور بخل کی مذمت کی گئی ہے تو دوسری طرف اسراف کو بھی ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔
  - ۱۲۔ دولت کے صحیح معارف کا تعین کر دیا گیا ہے۔
  - ۱۳۔ گناہوں کے مالی کفارے بیان کئے گئے ہیں۔
  - ۱۴۔ انفاق فی سبیل اللہ کے قبول ہونے کی شرائط بیان کی گئی ہیں۔ مثلاً خلوص اچھی چیز دینا۔ ریاست بچنا، خود غرضی سے اجتناب کرنا اور جن پر احسان کیا ہے ان کو دکھ دینے اور احسان جتانے سے بچنا۔
  - ۱۵۔ اس بات کو وضاحت سے بیان کر دیا گیا ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ کی اصلی حیثیت یہ ہے کہ یہ ایک عبادت ہے۔
  - ۱۶۔ زکوٰۃ کی شرح بیان کی گئی ہے۔
  - ۱۷۔ زکوٰۃ کے معارف کی تفصیل دی گئی ہے۔
  - ۱۸۔ اموال غنیمت کے خمس کا اصول بیان کیا گیا ہے۔
  - ۱۹۔ تقسیم میراث کے قانون کی وضاحت کی گئی ہے۔
  - ۲۰۔ وصیت کرنے کا قاعدہ بیان کیا گیا ہے۔ یہ اسے زیادہ کی وصیت نہیں کر سکتا۔
  - ۲۱۔ یتیم نابالغ اور نادان لوگوں کے مفاد کی حفاظت کے بارے میں ہدایات دی گئی ہیں۔
  - ۲۲۔ سرکاری املاک میں اجتماعی مفاد کے لحاظ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔
  - ۲۳۔ ٹیکس عائد کرنے کا اصولی ضابطہ بیان کیا گیا ہے۔
- قرآن کریم نے ان ۲۲ نکات سے عین انسان کی معاشی زندگی کے لئے جو سکیم مرتب کی گئی ہے اس کے بنیادی اصول نمایاں خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں :
- ۱۔ یہ سکیم معاشی انصاف اس طریقے سے قائم کرتی ہے جس سے ایک طرف ہر طرح کے معاشی



ظلم اور بے جا استعمال کا سد باب بھی ہو اور دوسری طرف معاشرے میں اخلاقی فضائل کی نشوونما بھی ہو سکے۔ قرآن پاک کے پیش نظر ایسا معاشرہ بنانا نہیں ہے جس میں کوئی انسان کسی دوسرے انسان کے ساتھ خود نیکی نہ کر سکتا ہو اور افراد کی بھلائی اور نیکی کا ہر کام اجتماعی مشین کے ذریعے ہوتا رہے کیونکہ اس طرح سے معاشرے میں اخلاقی فضائل کے نشوونما کا کوئی امکان نہیں رہتا۔ اسلام اس کے برعکس وہ معاشرہ بناتا ہے جس میں افراد ایک دوسرے کے ساتھ بے غرضانہ فیاضی اور ہمدردی اور احسان کا برتاؤ کریں اور اس کی بدولت ان کے درمیان آپس کی محبت فروغ پائے۔ اس غرض کے لئے وہ زیادہ تر انحصار لوگوں کے اندر ایمان پیدا کرنے اور ان کو تعلیم و تربیت کے ذریعے بہتر بنانے کی تدبیروں پر عمل کرتا ہے۔ پھر جو کسر باقی رہ جاتی ہے اس کو پورا کرنے کے لئے وہ ان جبری احکام سے کام لیتا ہے جو اجتماعی فلاح کے لئے ناگزیر ہیں۔

۲۔ اس سکیم میں معاشی اقدار کو اخلاقی اقدار سے الگ رکھنے کی بجائے دونوں کو ایک دوسرے سے ہم آہنگ کیا گیا ہے اور محیشت کے مسائل کو معاشی نقطہ نظر سے لے کر حل کرنے کی بجائے اسے اس مجموعی نظام حیات کے تناسب میں رکھ کر حل کیا گیا ہے جس کی عمارت اسلام نے کلیتہً خدا پرستانہ تصور کائنات اور فلسفہ اخلاق پر استوار کی ہے۔

۳۔ اس سکیم میں زمین کے معاشی وسائل و ذرائع کو نوع انسانی پر خدا کا فضل قرار دیا گیا ہے۔ جس کا تقاضا یہ ہے کہ شخص، گروہ یا قومی اجارہ داریوں کی سرحود افزائی نہ کی جائے اور اس کی بجائے خدا کی زمین پر بنی نوع انسان کو اکتساب رزق کے زیادہ سے زیادہ ممکن حد تک کھلے مواقع دیئے جائیں۔

۴۔ اس نظام میں افراد کو شخصی ملکیت کا حق دیا گیا ہے مگر یہ حق غیر محدود نہیں ہے۔ فرد کے حق ملکیت پر دوسرے افراد اور معاشرے کے مفاد کی خاطر ضروری پابندیاں عائد کی گئی ہیں۔ یہ پابندیاں عائد کرنے کے ساتھ ساتھ یہ سکیم ہر فرد کے مال میں اس کے اقربا، ہمسایوں، دوستوں، حاجت مند اور کم نصیب انسانوں اور مجموعی طور پر پورے معاشرے کے حقوق قائم کرتی ہے۔ ان حقوق میں سے بعض جبری طور پر قابل تنقید ہیں اور بعض کو سمجھنے اور ادا کرنے کے لئے خود افراد کو ذہنی اور اخلاقی تربیت کے ذریعے سے تیار کرنے کا انتظام کیا گیا ہے۔

۵۔ انسانی زندگی کے معاشی نظام کو چلانے کی فطری صورت اس سکیم کی رو سے یہ ہے کہ افراد اُسے آزادانہ سعی و جدوجہد کے ذریعے چلائیں اور ترقی دیں لیکن یہ آزادانہ کوشش اس میں بے قید نہیں رکھی گئی ہے بلکہ معاشرے اور خود ان افراد کی اخلاقی اور تمدنی اور معاشی بھلائی کے لئے اسے



بعض حدود کی مدد سے محدود کیا گیا ہے۔

۶۔ اس میں عورت اور مرد دونوں کو ان کی کمائی ہوئی اور میراث اور دوسرے جائز ذرائع سے پائی دولت کا یکساں مالک قرار دیا گیا ہے اور دونوں صنفوں کو اپنے حق ملکیت کے یکساں حقوق دیئے گئے ہیں۔

۷۔ اس میں معاشی توازن برقرار رکھنے کے لئے ایک طرف تو لوگوں کو بچیلی سے روزہ کر خدائی نعمتوں کے استعمال پر ابھارا گیا ہے اور دوسری طرف انہیں اسرار، فضول خرچی اور عیاشی سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے۔

۸۔ اس میں معاشی انصاف رکھنے کے لئے یہ انتظام کیا گیا ہے کہ دولت کا بہاؤ نہ تو غلط ذرائع سے کسی خاص سمت میں چل پڑے اور نہ ناجائز ذرائع سے آئی ہوئی دولت کسی ایک جگہ سمٹ کر بے کار ہی رکھی رہ جائے۔ اس کے ساتھ یہ انتظام کیا گیا ہے کہ دولت زیادہ سے زیادہ استعمال اور گردش میں آئے اور اس کی گردش سے خصوصیت کے ساتھ ان عناصر کو حصہ ملے جو کسی نہ کسی وجہ سے اپنا مناسب حصہ پانے سے محروم رہ جاتے ہوں۔

۹۔ یہ سکیم معاشی انصاف قائم کرنے کے لئے قانون اور ریاست کی مداخلت پر زیادہ انحصار نہیں کرتی۔ چند ناگزیر تدابیر کو ریاست کی ذمہ داری قرار دینے کے بعد وہ اس مقصد کے لئے اپنی

تدابیر کا نفاذ افراد کی ذمہ داری اور اخلاقی تربیت اور معاشرے کی اصلاح کے ذریعے کرتی ہے۔ تاکہ آزاد سچی زندگی کی معیشت کے منطقی تقاضوں کو برقرار رکھتے ہوئے معاشی انصاف کا مقصد حاصل ہو سکے۔

۱۰۔ معاشرے کے مختلف عناصر کے درمیان طبقاتی کشمکش پیدا کرنے کی بجائے اس کے اسباب کو ختم کر کے ان کے درمیان تعاون اور رفاقت کی روح پیدا کر دی ہے۔



## (۸) باب

### مختلف معاشی نظاموں کا جائزہ

(Appraisal of different Economic Systems)

آج کل اضطراب و آفات فری کے باعث دنیا چند گروہوں میں بٹ چکی ہے ایک طرف سرمایہ داری کا دور دورہ ہے تو دوسری جانب سوشلزم اور کمیونزم کی یلغار جاری و ساری ہے۔ اب تیسری طرف ترقی پذیر اور پسماندہ ممالک کا گروپ ابھر رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سب کچھ اقتصادی عدم توازن کے موجب استعجاب و تذبذب کی فضا منڈلا رہی ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام اپنی سخت چیرہ دستیوں اور ہولناکیوں کے سبب اپنی موت آپ مر رہا ہے۔ اس سے دو بڑے اور متخارب فرق قائم ہوئے تھے۔ ایک جانب متمول اور صنعتکار طبقہ منظر عام پر آیا تو دوسری طرف مزارع و مزدور کا ٹولہ وجود میں آیا جو سرمایہ داروں کے سہام تقیم جو کا ہدف لائحہ بنا۔ اور اس کی دردمند سکیاں کسی نے نظام کی متلاشی تھیں۔

پایان کا مروجہ دنیا کے اندر ایک عجیب و غریب اور پُر فریب سسٹم نے سر اٹھایا۔ چند ممالک نے اسے سر آنکھوں پر ٹھہرایا اور اپنی تجارت اسی کے نفاذ میں گردانی اب پوری آب و تاب اور برق رفتار سی سے اکثر ممالک کو اپنی منحوس لپیٹ میں لے رہا ہے۔ اس کے برعکس کچھ طالع آزمائے اسلام کے ساتھ پیوند کاری میں مصروف ہیں وہ اسلامی اشتراکیت، سائنٹیفک سوشلزم اور اس قسم کے دیگر دلفریب نعرے لگانے میں بے تاب ہیں۔ گویا ان کے خیال میں اسلام کا نظام اقتصادیت نامکمل ہے جو وقتی ضروریات سے ہم آہنگی کرنے سے قاصر ہے۔ مگر اللہ نے الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ کہہ کر پاپہ تکمیل تک پہنچا دیا۔ اس باب میں مختلف نظاموں کا ناقدانہ جائزہ پیش خدمتِ عالیہ ہے۔

( Capitalism )

سرمایہ داری

سرمایہ دارانہ نظام کی بنیاد جس نظریہ پر قائم ہے۔ وہ صاف اور سادہ الفاظ میں یہ ہے کہ ذرائع پیداوار عوام کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ اور حکومت ان کی نگران و محافظت ہوتی ہے۔ ہر فرد اپنی کمائی کا مالک ہوتا ہے اور کسی دوسرے کا حق نہیں ہوتا صنعت، زراعت، تجارت، پرائیویٹ



اداروں اور اشخاص کی رہنمائی ہوتی ہیں۔ تمام دہاندلیوں، بے قاعدگیوں اور بے اصولیوں کو روکنے کے لیے حکومت وقتاً فوقتاً قوانین اور قواعد کا نفاذ کرتی رہتی ہے۔ ہر شخص کو اپنے مال میں کمی بیشی کرنے اور تصرف کرنے کا پورا پورا اختیار ہوتا ہے جس قدر وسائل دولت اس کے قبضہ میں ہیں انہیں روک رکھے اور اپنی ذات کے لیے کوئی مفاد حاصل کیے بغیر انہیں صرف کرنے سے انکار کرنے

کا اختیار ہونا چاہیے۔ اور یہیں سے غیر مساوی تقسیم دولت کی ابتدا ہوتی ہے۔ معاشرہ عموماً دو تجارتی گروہوں مالدار اور نادار میں بٹ جاتا ہے۔ اس طرح معاشی توازن بگڑنے لگتا ہے۔ اور سوسائٹی مختلف عوارض میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ امیر طبقہ غرباء کا خون چوسنے لگتا ہے۔ اور ان کی بے بسی، عسرت اور غربت انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔ حتیٰ کہ امیر طبقہ اپنی ثروت کی جھنکار سے عنان حکومت بھی اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے۔ دولت چند مضبوط خاندانوں میں جمع ہونے لگتی ہے۔ اور اکثریت مسکیناں لینے لگتی ہے ایک طرف صنعتکار، زمیندار اور ساہوکار ابھرتے ہیں تو دوسری طرف محنت کش مزارع، کاشتکار اور مزدور جنم لیتے ہیں۔ دونوں فرقی اپنی اپنی طاقت اور بساط کے بل بوتے پر ایک دوسرے کو نیچے کرنے کی عملی کوشش کرتے ہیں۔ اور اس طرح طبقاتی کشمکش کا ایک عجیب سا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس نزاع کے باعث تالہ بندی، رسد بندی اور ہڑتال وغیرہ منظر عام پر آ جاتی ہیں۔ پیداوار بری طرح متاثر ہونے سے معیشت کا شیرازہ بکھرنے لگتا ہے۔ بعض اوقات انسانیت کا دائرہ تنگ کر دیا جاتا ہے۔ اس نظام میں لوگوں کا رجحان زیادہ تر روپیہ جمع کرنے کی طرف زیادہ متقل ہو جاتا ہے۔ مشترکہ سرمایہ کی کمپنیاں بینک، بیمہ کمپنیاں، ادارہ باہمی کی انجمنیں، صنعتی قدرتی ادارے وغیرہ معرض وجود میں آ جاتے ہیں۔ طلب و رسد پر آجروں کا کنٹرول ہوتا ہے۔ قیمت کی میکانیت سارے نظام کو متاثر کرتی ہے۔ اور بیشتر کاروبار سود کی بدولت شروع کیا جاتا ہے۔ ہر شخص اپنی قابلیت اور المہیت کے مطابق کوئی پیشہ اختیار کر سکتا ہے۔

امریکہ اور برطانیہ اس نظام کا گہوارہ ہیں۔ چونکہ اس میں بڑی بڑی جاگیریں بھی قائم ہو جاتی ہیں اس لیے اُسے بعض اوقات جاگیر دارانہ نظام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ دنیا کے بیشتر ممالک میں سرمایہ دارانہ سسٹم قائم ہے۔ البتہ اس کی چیرہ دستیوں کے بموجب اب اس کے خلاف سخت رد عمل پایا جاتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اب اس میں اصلاحات کی جارہی ہیں۔ اور حکومت جہاں خرابی دیکھتی ہے اس ادارہ یا فیکٹری کو سرکاری تحویل میں لے لیتی ہے۔ اس سے پہلے حکومت صرف چند عوامی مفاد والے شعبے، دفاع، کرنسی، امور خارجہ، ریلوے، پولیس، ڈاک وغیرہ اپنے پاس رکھتی تھی۔ مگر اب مخلوط معیشت کی ترویج ہو رہی ہے۔



تمام ساتھ ساتھ نجی ملکیت بھی قائم ہے۔ اس نظام کے بارے میں چند ماہرین کی آزاد ملاحظہ ہوں جو کہ اردو میں پیش کی جا رہی ہیں۔

انتخابات کے سلسلہ میں اپنی تقریر دلنشین چرچل سے پوچھا گیا کہ سرمایہ داری کی وضاحت آپ کیسے کریں گے اور اسے کس طرح سوشلزم پر ترجیح دیں گے۔ انہوں نے فوراً جواب دیا کہ:-

”سرمایہ داری سے مراد معاشی مفادات و برکات کی غیر مساوی تقسیم ہے، جبکہ سوشلزم، معاشرتی لغتوں کی مساوی تقسیم کا نام ہے۔ انہوں نے یہ بھی ظاہر کیا کہ روس، ان کے خیال میں ایک ایسا نمونہ ہے جس پر اسرار کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔“

نجی ملکیت، سرمایہ دارانہ نظام کی روح رواں ہے جبکہ اس کی مکمل نفی، اشتراکیت کا اصل مغز ہے۔ آج جس سرمایہ داری کا ہمیں سامنا ہے۔ یہ دولت کے مذہب یا ڈالر کی آمریت کا مظہر ہے۔ ایچ جی ولینز کے فصیح و بلیغ الفاظ میں ”سرمایہ داری ایک ایسی چیز ہے کہ ہم سے کوئی بھی اس کی تعریف کرنے سے قاصر ہے۔ مگر ہم نے اسے سرمایہ دارانہ نظام کہا ہے۔۔۔۔۔۔ یہ روایتی معمولات، بے پناہ اور بے لگام اکتسابی قوتوں، اخلاق کے معکوس ارتقاء و زندگی کے ضیاع کا نام ہے۔“

اپنے زمانہ رضاعت میں اس نے فطرت کا استحصال کیا، بلوغت میں انسان کا۔ اس نے معاشرتی امن کی جڑیں کھوکھلی کر دیں۔ سرمایہ داری سونے کے بچڑے کا مذہب ہے۔ (موسیٰ کے زمانہ میں سامری ایک شخص نے سونے کا بچڑا بنا کر بنی اسرائیل کو گمراہ کیا تھا) اور اس کے متعلق سخت حیران کن امر یہ ہے کہ دوسروں کے مفاد سے دلچسپی اور تعلق نہ رکھنے والے (خود غرض) آج بھی اس کے حامی ہیں۔ سرمایہ داری نہ صرف محتاجوں اور کس میسرول پر ایک عذاب اور بوجھ ہے بلکہ یہ انسانی شخصیت، ہر انسانی شخصیت کے لیے غینظ و غضب اور زحمت ہے۔

جان شارچی اپنی تصنیف ”خطرہ فاشلزم“ میں رقم طراز ہیں: ”سرمایہ دارانہ نظام میں غلام کے لیے آزادی قدیم تاریخ، مثلاً یونانی جمہوریہ کے زمانہ سے ہی یکساں قسم کی رہی ہے۔ جدید



دور کے اجرتی غلام، سرمایہ دارانہ استحصال سے اس قدر کچل دیئے گئے ہیں اور اس قدر ناداری و غربت کا شکار ہیں کہ جمہوریت ان کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی۔ سیاست ان کے لیے ایک فضول امر ہے۔ یہ باتیں ان کے لیے روزمرہ معاملات ہیں۔ آبادی کا ایک بڑا حصہ معاشرتی و سیاسی زندگی میں شرکت سے محروم کر دیا گیا ہے۔

## سرمایہ داری ( Capitalism )

### خوبیاں

(۱) **شخصی ملکیت کے حقوق** اس نظام میں شخصی حقوق ملکیت کا تحفظ کیا گیا ہے۔ اس میں مختلف قسم کی اشیاء، مثلاً کپڑے، برتن، مکان، مویشی وغیرہ ہی نہیں بلکہ ایسی چیزیں پر بھی حقوق تسلیم کیے گئے ہیں جن کی مدد سے مزید اشیاء پیدا کی جاسکتی ہیں۔ جیسے مشینیں، آلات، زمین اور دیگر اشیاء پیداوار وغیرہ، اس نظام کی سنگ بنیاد یہی ہے کہ اس نے حقوق ملکیت کو مان لیا ہے۔ اور جب کبھی کسی فرد کا کسی ایک شے پر قبضہ ہو جاتا ہے تو وہ قانونی لحاظ سے بھی اس کا حق بن جاتا ہے۔ اور اس سے کوئی دیگر چھین نہیں سکتا۔ نیز حقوق ملکیت پر کوئی قدغن نہیں لگائی گئی۔

(۲) **جدوجہد کی آزادی** افراد کا یہ حق کہ وہ فرداً فرداً یا چھوٹے گروہوں کی شکل میں مل کر اپنے ذرائع کو جس میدان عمل میں چاہیں استعمال کر سکتے ہیں۔ اس کوشش میں فوائد یا نقصانات انہیں کو برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ گویا ان کی ذاتی سعی کو ہی اس میں دخل ہوتا ہے۔ اور وہ آزادانہ طور پر کوئی پیشہ اختیار کر سکتے ہیں۔ اشیاء کی پیدائش، صرف، تقسیم وغیرہ کا اختیار انہیں ہی حاصل ہوتا ہے۔ پیدائش کے عوامل کا باہمی اور نسبتی اشتراک عمل ہی انہی کامروہ منت ہوتا ہے۔ اور وہ خود اس کے دائرہ کار کا یقین کرتے ہیں۔ آجروں، مستاجر، زمیندار و مزارع کے مابین شرائط ہی باہمی صلاح و شوریہ طے پاتی ہیں۔

(۳) **مقابلہ و مسابقت** سرمایہ دارانہ نظام کے حامی کہتے ہیں کہ یہی وہ چیز ہے جو بے قید و معشت میں افراد کی خود غرضی کو بے جا حد تک بڑھنے

سے روکتی ہے۔ اور ان کے درمیان اعتدال و توازن کی فضا قائم کی جاتی ہے۔ یہ انتظام فطرت نے خود کر دیا ہے۔ کہ بہت سے سوداگروں، صنعتکاروں اور تجارت کے درمیان مقابلہ پایا جاتا ہے اور وہ



ایک دوسرے پر بقت لے جانے کی دوڑ میں اچھا مال سپلائی کرنے کی تک و دو کرتے ہیں۔ نیز زیادہ سے زیادہ صارفین کی توجہ کھینچنے کی خاطر جلد مال تیار کرتے ہیں اگرچہ اس میں حقیقت شاید کم پائی جاتی ہو۔ اور عام طور پر یہی کہا جاتا ہے کہ قیمتوں میں توازن قائم رہتا ہے۔

اس نظام کے وکلاء کا یہ موقف ہے کہ جب کاروبار (۴) ریاست کی عدم مداخلت میں منافع کا سارا دار و مدار اس پر ہے کہ اگت کم ہو اور پیداوار زیادہ ہو تو کاروباری شخص کو اپنا مفاد مجبور کرتا ہے کہ زیادہ پیداوار حاصل کرنے کے لئے طریقے اور سائنسی آلات استعمال کیے جائیں۔ اپنی مشینری کو اچھی حالت میں رکھے خام مال کم قیمت پر حاصل کرے اپنی تنظیم کو ترقی دینے میں ہر وقت کوشاں رہے اور وہ بیرونی مداخلت کے بغیر ہی کاروبار کو وسیع تر کرتا جائے۔ اس لیے حکومت کی مداخلت کی کم ضرورت پڑتی ہے چونکہ نفع حاصل کرنے کے میں آج اپنے حالات کو درست رکھنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔

اس نظام میں مواد و طبعی جنم لیتے ہیں۔ (۵) اجیر اور مستاجر کے حقوق کا فرق ایک مالک جو اپنے کاروبار کو شروع کرتا اور دوسرا مزدور ہوتا ہے جس طرح صنعتکار اپنی صنعت کو چلاتا ہے اور مزدور کام کرتا ہے۔ اس طرح لینڈ لارڈ زمین کا مالک ہوتا ہے اور مزارع چند شرائط کے مطابق کاشت کرتا ہے۔ فریقین کے درمیان معاہدے اور شرائط خود بخود طے ہو جاتے ہیں۔ نفع و نقصان کا ذمہ دار خود مالک ہوتا ہے اور مزدور فقط اپنی اجرت لینے کے حق دار ہوتے ہیں۔ انہیں پیداوار کی کمی بیشی سے کوئی سروکار نہیں ہوتا مزدور کی بھرتی، شرائط کار، ترقی، تنزلی اور بے دخلی کا اختیار مالک کو ہوتا ہے۔ عموماً کاریگر اور لیبر فورس مجبور محض ہوتی ہے۔ البتہ دور جدید میں چند اہم تبدیلیاں کر دی گئی ہیں مگر اس کے باوجود زیادہ تر اختیارات صرف آجر طبقہ کو ہی حاصل ہوتے ہیں اور وہ اپنی من مانی کاروائی کرتے رہتے ہیں۔ مزدوروں کی خواہوں حالات کار، اور دیگر سہولیات کا تعین مالکین کرتے ہیں۔ اس طرح اس نظام میں دو گروہ قائم ہو چکے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ زندگی کے ہر شعبہ میں طبقاتی کشمکش نظر آتی ہے۔ اور ہر گروپ اپنی سرگرمیوں میں مصروف عمل ہے۔

مزدور خداداد صلاحیت کے بل بوتے پر زیادہ سے زیادہ مراعات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ (۶) ذرائع کا استعمال ہر شخص ایسا کاروبار شروع کرنے کی کوشش کرتا ہے جس سے اسے زیادہ سے زیادہ نفع حاصل ہو اور اس طرح ان ذرائع کو بھی استعمال



میں لانے کی پوری جدوجہد کی جاتی ہے جس سے پیدائش کا عمل شروع ہو سکتا ہے چنانچہ آجران کے استعمال کو وسعت دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اس طریقے سے پیداوار میں اضافہ کیا جاسکتا ہے تاہم بعض اوقات چند ذرائع بیکار بھی ثابت ہوتے ہیں۔ اور قوم و ملک ان کے فوائد سے محروم رہ جاتی ہے۔

ہر آجر کی یہ پابندی ہوتی ہے کہ اشیا کی لاگت کم سے کم ہو تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ منافع کما سکے۔ اس

### (۷) فطری اسباب پر بھروسہ

لیے وہ عاملین کو اس طریقے اور تربیت سے لگانے کی کوشش کرتا ہے کہ کم سے کم اخراجات پر زیادہ سے زیادہ پرائفٹ حاصل کر سکے۔ اس کے لیے نئے طور طریقے بھی ایجاد کیے جاتے ہیں طریق کار میں اصلاح کی تدابیر کی جاتی ہیں، مشینوں کا صحیح استعمال اور تنظیم کی صحیح تربیت وغیرہ سے کماتہ فوائد حاصل کیے جاتے ہیں۔ نئے تجربات کیے جاتے ہیں۔

آج ایسا مال تیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں جن کی منڈی میں طلب زیادہ ہوتی ہے۔ بدلتے ہوئے فیشن

### (۸) صارفین کی خواہشات

کے تقاضے پورے کیے جاتے ہیں۔ نئی اشیا کو پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ جدت طرازی ترقی کرتی ہے۔ مختلف النوع اشیا کی پیدائش سے خواہشات بھی بدلتی رہتی ہیں۔ اور اس طرح میدان عمل گرم رہتا ہے۔

اپنے نفع اور طمع کی خاطر آجر سعی و عمل میں زیادہ کوشش کرتا ہے اور اس طرح اس میں یہ جذبہ ابھرنے سے پیداوار زیادہ سے زیادہ

### (۹) ذاتی نفع کا محرک

حاصل کی جاتی ہے۔ اس طرح ضروریات فراہم ہو سکتی ہیں۔

### خامیاں

اس قسم کا ہر نظام اپنے جلو میں چند خامیاں بھی رکھتا ہے اور یہ داری اس سے مستثنیٰ نہیں ہے اب ہم اس کی تصویر کا دوسرا رخ دیکھتے ہیں کہ اس میں کونسی خامیاں پائی جاتی ہیں اور انہیں کس طرح دور کیا جاسکتا ہے۔

(۱) بے قید معیشت کی حمایت میں جن فطری قوانین کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ وہ بالکل درست نہیں ہیں۔ لارڈ کینز نے خوب کہا ہے ”دنیا پر اخلاقی و فطری قوانین کی ایسی بندوبست قائم نہیں ہے۔ جس کے زور سے افراد کے ذاتی مفاد اور سوسائٹی کے اجتماعی مفاد میں ضرورت آپ ہی آپ توازن قائم رہتا ہے۔“



ہوتی رہے معاشیات کے اصولوں سے یہ استنباط کوئی صحیح استنباط نہیں ہے۔ کہ روشن خیال خود غرضی ہمیشہ اجتماعی فلاح و بہبود کے لیے کوشش کیا کرتی ہے۔ اور یہ کہنا بھی درست نہیں ہے کہ خود غرضی ہمیشہ روشن خیال ہوا کرتی ہے۔ اکثر یہ دیکھا جاتا ہے کہ جو لوگ انفرادی طور پر اپنی اغراض کے تک دد کرتے ہیں وہ اس قدر نادان ہوتے ہیں کہ اُسے پورا نہیں کر پاتے۔ کجا کہ ان کے ہاتھوں اجتماعی مفاد پورا ہو سکے۔ اسی طرح آدم متمدن کو بھی یہاں تک کہنا پڑا۔

”ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ جب کاروباری لوگ کہیں باہم جمع ہوں اور جماعہ پبلک کے خلاف کسی سازش قیمتیں چڑھانے کے لیے کسی قرارداد پر ختم نہ ہو۔ حد یہ ہے کہ تقریبات تک مل بیٹھنے کا جو موقع میسر ہوتا ہے اس کو بھی یہ حضرات اس جرم سے خالی نہیں جانے دیتے۔“

اسی طرح شخصی آزادی اور آزادی عمل کے دعوے بھی مبالغہ آمیز تھے۔ ایک شخص ہزاروں کی معیشت کو متاثر کر سکتا ہے۔ دو متحارب گروہ قائم ہو گئے۔ اس طرح طبقاتی نزاع وجود میں آیا۔ امن و امان اور سکون نہ رہا ہو گیا۔ یہ رسد کشتی بہت سے بُرے نتائج لے آئی۔ اور استحصال نے قدم جمالیے۔ ایک کے خون پسینہ پر دوسرے کے مملات تعمیر ہونے لگے۔ ایک نے تجوریاں بھر لیں جبکہ دوسرے نان جویں کو ترسنے لگے گویا دولت کی غیر مساوی تقسیم شروع ہوئی اور اس طرح معاشرہ بے اطمینانی کا شکار ہو گیا۔ ایک دولت کی جھنکار سے کھیلنے لگا تو دوسرا غربت کے سایہ میں ترپنے لگا۔

( 2 ) صنعتی انقلاب کے وجود میں آنے سے نئے آلات اور مشینوں کا بے تحاشا استعمال ہونے لگا۔ ایک نیکڑی قائم ہونے سے سینکڑوں لوگ بیکار ہونے لگے۔ گویا اس انقلاب کے باعث بے روزگاری میں اضافہ ہونے لگا اور یہی وجہ ہے کہ آج کل امریکہ اور برطانیہ جیسے متمدن ترین ممالک میں بھی پرسد سنگین صورت اختیار کر گیا ہے۔ ماہرین کی کوشش فراواں کے باوجود اس میں اضافہ ہو رہا ہے اور فی الحال کسی لے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔ ان لاکھوں بیروزگاروں کو ملازمت نہ ملنے کے موجب دیگر معاشرتی برائیاں جنم لینے لگیں۔ اس طرح سوسائٹی میں بے اعتدالی اور عدم اطمینان کی فضا منڈلانے لگی۔ ایک شخص کے بیروزگار ہونے سے متعدد دوسرے بھی فاکوں اور ہلاکتوں کا ہدف لائحہ بننے لگے۔ اخلاقی، معاشرتی، اور روحانی عوارض جنم لینے لگے۔ جتنا زیادہ مشینوں کا استعمال ہونے لگا ہے اتنا ہی بیروزگاری میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اگرچہ حکومتیں منصوبہ بندی کر کے اسے حل کرنے کی کوشش کر رہی ہیں تاہم ابھی تک اس کے مکمل خاتمہ کی کوئی واضح صورت نظر نہیں آتی۔ ترقی پذیر ممالک میں یہ مہلک مرض کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ مستور بے روزگاری بھی سراٹھا رہی ہے۔



(۳) بیروزگاری کے باعث ہزاروں مزدور کا خانہ داروں کی چوکھٹوں پر ماتھے رگڑنے لگے۔ قسبات سے شہروں کی جانب آبادی کا انحلاہ شروع ہوا۔ اجرتیں کم مقرر ہوئیں۔ کیونکہ طالبانِ اجرت کی تعداد زیادہ ہوتی اور کام کے مواقع کم ہوتے اس لیے لازمی طور پر اجرت کم ملتی جس سے مزدوروں کے لیے بال بچوں کا پیٹ پالنا مشکل ہو گیا۔ اس طرح اس طبقہ کا استدلال کہ آجروں مستاجر باہمی طور پر اجرت کا تعین کر لیتے ہیں غلط ثابت ہوا۔ گویا اس طرح ایک صنعتکار ہزاروں کے رزق کو غصب کرنے لگا اور کھلا مقابلہ ہونے کے باوجود تنخواہوں کا صحیح تقریر نہ ہو سکا۔

نیز مزدوروں کی چھانٹی، بیدخلی آسان ہو گئی۔ کیونکہ لیبر فورس کی کمی نہیں گویا بیشتر کے مواقع چھن جانے کا شدید خطرہ لاحق ہو گیا۔ زیادہ محنت و وقت صرف کرنے کے باوجود معاوضہ کم ملنے لگا۔

(۴) زیادہ مزدوروں کے ہونے کے باعث خویش پروری اور قربانوازی کے جذبات نے جنم لے لیا۔ بلکہ رشوت خوری جیسی لعنت بھی معاشرہ میں گھسنے لگی۔ روزگار حاصل کرنے کی خاطر سودا بازی ہونے لگی۔ اور جس نے زیادہ نظر نہ پیش کیا اسی کے دارے نیارے ہونے لگے اور غریب بچا پر کے سسکیاں لیتے رہے کیوں کہ ان کے پاس تو روٹی خریدنے کے لیے پیسے نہیں ہیں۔ وہ تحائف کیسے پیش کر سکتے ہیں۔ اس طرح غلط افراد کے آجانے سے پیداوار کم ہونے لگی۔ اور مزید خرابیاں پیدا ہو گئیں۔ اس طرح اس نظام نے حسین خوابوں کی جو بڈنگ تعمیر کی تھی وہ خود بخود کھوکھلی ہونے لگی۔ اور اس کی چیرہ دستیوں کے باعث معاشرہ اس سے متنفر ہونے لگا اور کسی نئے نظام کی طرف نگاہیں اٹھنے لگیں جو ان کے لیے مسیحا ثابت ہو سکے اور ان کے دکھوں کا درماں کر سکے۔

(۵) مزدور کا مستقبل تاریک ہونے لگا۔ یعنی بوڑھے کمزور اور ناتواں ہونے سے اُسے ملازمت سے سبکدوش کرتے وقت اس کے الاؤنس، مراعات اور پنشن وغیرہ کا کوئی خاص بند و بست نہ کیا جانے لگا۔ گویا وہ پیرانہ سالہ ہیں بالکل بے بس اور ناکارہ ہو کر رہ گیا۔ بلکہ بعض اوقات تالہ بندی اور چھانٹی کر کے نکال دیا جاتا۔ صحت خراب ہونے کی صورت میں مستقبل کی کوئی ضمانت نہ تھی۔

(۶) لوگوں نے کاروبار کے فطری اور معقول طریقوں سے چشم پوشی کر لی اور مصنوعی قلت پیدا ہونے لگی اور اس طرح قمینیں اوپر چڑھ جاتیں اور صارفین کو اشیاء صرف بھی مشکل حاصل ہونے لگیں۔ بلکہ اس قلت سے اکثر کی حاجات تشنہ تکمیل رہ جاتیں۔ بعض اوقات مال کم پیدا ہونے سے بھی شدید کمی پیدا ہو جاتی۔ اور لوگوں کو بنیادی ضروریات زندگی بھی فراہم نہ ہو سکتیں۔

ذخیرہ اندوزی اور کلنگ جیسی معاشرہ سوز برائیاں وجود میں آئیں۔ علاوہ ازیں چور بازاری اور ملاوٹ



کا بازار گرم ہونے لگا۔ اور اس طرح صاف ستھرا ماحول بھی اکثر ملنے لگا۔ اور فضا مذموم بن جاتی۔

(۷) مقابلہ ہونے کے باعث اشتہار بازی، نعرہ سازی پر کثیر رقم صرف کر دی جاتی اور اس طرح اشیاء کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کی کوشش کی جاتی۔ اصلی اور مصنوعی چیزیں امتیاز مشکل ہو جاتا۔ اور گاہکوں کو دھوکا ہونے لگتا۔ چنانچہ جن ممالک میں اس نظام کا زور و شور ہے وہاں ان فضول امور پر کافی اخراجات کیے جاتے ہیں اور اس طرح یہ روپیہ غیر ترقیاتی کاموں پر صرف ہو جاتا ہے اور معاملہ یہاں تک ختم نہیں ہوتا بلکہ اگر اخراجات بڑھ جائیں تو یہ منافع کی کمی صارفین سے پوری کی جاتی ہے۔ گویا اس طرح آخر کار سارا بوجھ طلبکاروں کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔

(۸) لاکھوں کے بیروزگار ہونے سے حاجت مند ہونے کے باوجود مال نہیں خریدا جاسکتا۔ اس طرح صنعت و تجارت کو صحیح فروغ حاصل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ بددلی اور بے اطمینانی کی لہر دوڑ جاتی ہے جب پہلا مال ہی یونہی پڑا ہو تو مزید پیدائش کا عمل رک جاتا ہے۔ اس طرح صنعت و تجارت کو خسارہ ہوتا ہے۔ ملک اور قوم ترقی نہیں کر سکتے۔ نیز اس طرح بہت ذرائع بیکار پڑے رہتے ہیں۔ اور ان سے کوئی افادہ حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ منڈیاں بھی ترقی نہیں کر سکتیں۔ بلکہ وہ بھی ناکامیوں کا شکار ہو جاتی ہیں۔ کاروبار قلیل پیمانے پر ہونے لگتا ہے۔ بڑھتی ہوئی آبادی اور ضروریات کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ اس طرح ملک غربت میں چس جاتا ہے۔ ذاتی اغراض قومی مفاد پر ترجیح لے لیتے ہیں۔

(۹) سرمایہ اندوزی کے وجود میں آنے سے سود کا بے دریغ استعمال ہونے لگا۔ اور یہ ویک کی طرح معاشرہ میں گھسن آیا۔ جس سے بہت سی بُرائیاں پیدا ہونے لگیں۔ دولت کا غلط استعمال ہونے لگا اور حرام مال سے کمائی بھی حرام ہونے لگی۔ اس طرح سرمایہ دار اور جاگیر دار طبقہ میں عیش و عشرت کا دور دورہ ہونے لگا۔ معاشرے میں متعدد بُرائیاں جنم لینے لگیں۔ شراب نوشی، قمار بازی، لوٹ کھسوٹ اور دیگر متعدد وبائیں عود کر آئیں جن سے نجات حاصل کرنا نہایت دشوار ہو گیا ہے۔ ان بُرائیوں کے باعث قوانین کا احترام بھی کم ہو گیا۔ اخلاقی حدود پامال ہونے لگیں۔ روحانی اقدار کا مذاق اڑایا جانے لگا۔ سود نے نظام اقتصادیات کو سمیٹہ بنادیا۔ بغیر سود کے قرض کا حصول ناممکن ہو گیا۔ اس طرح کاروبار پر بہت بُرا اثر پڑا۔ اور قرض حسنہ جیسی ہولت سے لوگ محروم و محجور ہو گئے۔ شرح سود زیادہ ہونے سے مذہبی کاروبار عام ہونے لگا۔

(۱۰) جدید معاشرہ سے ہمدردی، انس، رحم اور شفقت جیسے جذبات سرد پڑنے لگے۔ حرص و مہواریاؤں ہونے لگیں۔ کارخانہ دار، ساہوکار ایسی صنعتیں سے یکسر محروم ہونے لگے۔ بلکہ دیدہ دلیری سے لوگوں کو



لوٹا جانے لگا۔

ایسی اچھی عادات کے کم ہونے سے غرباء اپنے زیور، برتن وغیرہ ملک بھینے پر مجبور ہو گئے۔  
 (۱۱) دولت کی غیر مساوی تقسیم سے دو طبقے معرض وجود میں آ گئے۔ امیر طبقہ سیاست پر چھانے لگا۔  
 اور اس طرح حکومت پر اس کا عمل دخل زیادہ ہو گیا جمہوریت کے وجود میں آنے سے یہی طبقہ غرباء کو ڈرا  
 دھمکا کر ووٹ حاصل کر لیتا۔ اور اس طرح حکومت میں اکثر نمائندے اسی طبقہ سے تعلق رکھتے نتیجہً ناداروں  
 کی ضروریات کا پھر بھی کم خیال رکھا جاتا۔ یہ مرض ترقی پذیر اور پس ماندہ ممالک میں عام پایا جاتا ہے۔  
 کیونکہ عوام الناس عموماً ناخواندہ اور قلاش ہوتے ہیں۔ انتخاب میں بے حساب رقم بہانے کے ذرائع  
 ان کے پاس نہیں ہوتے اس لیے ان کا کامیاب ہونا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اور جب امیر طبقہ برسرِ اقتدار  
 آجاتا ہے تو وہ اپنی دولت کو مزید بڑھانے اور اس کے تحفظ کے لیے حکمت عملی اختیار کرتے ہیں۔ اس  
 طرح سرمایہ داری نظام سے کوئی حکومت عوام کی صحیح طور پر خدمت کرنے سے اور ان کو خوشحالی کے زینے  
 پر فائز کرنے سے قاصر رہتی ہے۔

سرمایہ داری کی خوبیوں اور خامیوں کا بنظرِ غائر جائزہ لینے کے بعد اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس کی  
 اصلاح کس حد تک کر دی گئی ہے اور ابھی تک کونسے نقائص اس میں باقی ہیں۔  
 جدید سرمایہ داری قدیم سے خاصی مختلف ہے کیونکہ بہت سی تبدیلیاں کر دی گئی ہیں اگرچہ باقی ماندہ  
 خامیاں بھی خاصی وزنی ہیں۔ حسبِ ذیل چند تفصیلات قاری کی توجہِ عالیہ کو منقطع کر سکتے ہیں۔  
 ہر شعبہٴ زراعت میں بنیادی تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں۔ اس طرح ہر شعبہٴ معیشت میں مزدوروں  
 اور ملازموں کی تنظیموں کو باقاعدہ تسلیم کر لیا گیا ہے۔ ٹریڈ یونین یا اس قسم کی انجمنیں اپنے مطالبات منوا  
 سکتی ہیں اور آجروں کے ساتھ مذاکرات ہو سکتے ہیں۔ اجرتوں میں اضافہ ہو گیا ہے۔ اوقاتِ کار میں اصلاح  
 ہو گئی۔ تعلیمی، طبی، پنشن، گریجویٹ اور دیگر سہولیات بھی حاصل ہو گئی ہیں۔ حتیٰ کہ حادثہ، بیماری وغیرہ کی  
 صورت میں مدد کا امکان پیدا ہو گیا ہے بلکہ بعض کارخانوں میں مزدوروں کو منافع میں حصہ اور بونس  
 وغیرہ بھی مل جاتا ہے۔ سوشل انشورنس کی سکیم بھی جاری ہو چکی ہے۔ حکومت کی سرپرستی قبول کر گئی ہے  
 اور حکومت وقتاً فوقتاً قواعد و ضوابط کا اعلان کرتی رہتی ہے جن کی پابندی لازمی ہوتی ہے۔ انحراف  
 کی صورت میں سزا مل سکتی ہے۔ ریکورڈ منٹ، ترقی، تنزلی، تنخواہوں کے لیے رولز بنا دیے گئے ہیں  
 اسی طرح ضروری اداروں اور صنعتوں کو قومیاں کی پالیسی اختیار کی جاتی ہے۔ نیز زرعی، لمبر، صنعتی  
 تجارتی اصلاحات کی جاتی ہیں۔ نفع اندوزی، قاپاق، چور، بانداری، سٹہ بازی اور دیگر قباحتوں



پر پابندیاں لگا دی گئی ہیں۔ مگر ابھی تک چند خرابیاں موجود ہیں۔  
 بیروزگاری کا استیصال ابھی تک باقی ہے بلکہ مسئلہ زیادہ سنگین بن رہا ہے۔ اسباب عیش و عشرت  
 بھی باقی ہیں۔ دولت کی غیر مساوی تقسیم بھی قائم ہے۔ بلکہ جھگڑے زیادہ ہو رہے ہیں۔ بہت سا مال، غلہ برباد  
 کر دیا جاتا ہے۔ مصنوعی قلت، ذخیرہ اندوزی بھی کر لی جاتی ہے ابھی تک صارفین کی خواہشات کا گلہ دہایا  
 جاتا ہے۔ صحیح اجرت نہیں دی جاتی۔ تجارتی چکر بھی قائم رہتے ہیں قیمتوں میں اتار چڑھاؤ اکثر و بیشتر ہوتا  
 رہتا ہے۔ غیر ضروری اشیاء پیدا کی جاتی ہیں۔ مالدار طبقہ اور جاگیردار سکیوں، محتاجوں، اپاہجوں کی دستگیری  
 کرنے سے اجتناب کرتے ہیں۔ ریاست و حکومت کی تشکیل سرمایہ دار طبقہ کے ہاتھ میں ہے۔ سود جیسی  
 لعنت سے نجات نہیں ملی۔ بلکہ اس میں اضافہ ہو گیا ہے۔ درست منصوبہ بندی کا بھی فقدان ہے۔  
 معاشرے کا اخلاقی انحطاط بھی زوروں شوروں پر ہے اور یہی سبب سے بڑی قباحت و اکناہت ہے۔  
 یہی وجہ ہے کہ سوسائٹی بزبان حال کسی بہتر، مکمل، ہمہ گیر، اور اصلاحی نظام کی متلاشی ہے جو عظیم انقلاب  
 برپا کر دے اور لوگ سکون و اطمینان کی دولت لازوال سے مالا مال ہو جائیں جو عین انسانی فطرت کی عکاسی  
 کرتا ہو۔

## اشتراکیت ( Socialism )

اشتراکی نظام سرمایہ دارانہ نظام کے برعکس ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اس کی خامیوں کو پشت  
 از بام کرنے کے بعد جس نظام کی بنیاد پڑی اُسے سوشلزم کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اور یہ اُس کے  
 رد عمل کے طور پر وجود میں آیا تھا۔ لوگوں نے اسے اپنے لیے میجا سمجھا۔ اور اس کے دامن میں اپنی دُکھ  
 بھری داستان رکھنے کے بعد اپنی نجات کا ذریعہ گردانے لگے۔ یہ تو وقت بتانے کا کہ آسمان سے گر اکھجور  
 میں اٹکا کے مصداق یہ کس حد تک ان کے زخموں کو مندمل کرنے میں کامیاب ہوا۔ اس نے کیا لیا اور  
 کیا دیا۔ یہ ایک طویل حکایت ہے جس کے پیش کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بانی  
 کارل مارکس ( Karl Marx ) کی زندگی کے گوشوں سے دبیز پردے اٹھالیے  
 جانیں تاکہ سیاق و سباق کو نگاہ میں رکھتے ہوئے حقائق کی قلمی کھولی جاسکے۔ ہر نظام کے ساتھ اس  
 کے بانی کا گہرا ربط اور ضبط ہوا کرتا ہے۔ اس لیے حسب ذیل چند سطور میں اس کے حالات کا تذکرہ  
 کیا جاتا ہے۔

کارل مارکس جرمنی کے شہر ٹراٹر میں ۱۸۱۸ء میں پیدا ہوا۔ اس کا خاندان متوسط یہودی



طبقة سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا دادا یہود کا فقیہ اور عالم تھا۔ باپ نے یہودی مذہب ترک کر کے عیسائیت قبول کر لی۔ وہ باریٹ لاد تھا اور وکالت کرتا تھا۔ گویا اس کا خاندان اگرچہ متوسط طبقہ سے تعلق رکھتا تاہم اہل علم و دانش تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ کارل مارکس کو والد اعلیٰ تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے کا متمنی تھا۔ اس کے باپ کی خواہش تھی کہ قانون کی ڈگری حاصل کرے اور وکالت کا پیشہ اختیار کرے۔ ۱۶ برس کی عمر میں جرمنی کی معروف یونیورسٹی بون (Bonn) میں داخل کرایا گیا۔ کارل مارکس کو لاء کی بجائے فلسفہ سے زیادہ رغبت تھی۔ اس لیے اُس نے اس کی تحصیل شروع کر دی۔ پالمنٹ کے ایک ممبر کی بیٹی سے منگنی قرار پائی۔ اس وقت ۲۱ سال کا تھا۔ وہ ہیکل کے مضامین سے بہت متاثر ہوا۔ یہ اس کی آمد سے پیشتر یونیورسٹی میں مشہور استاد تھا۔ مگر اس کی شخصیت سے جلد ہی نفرت ہو گئی۔

بعد ازاں اُسے برلن یونیورسٹی میں داخل کرایا گیا۔ جہاں سے اُس نے فلسفہ میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ اسی دانش گاہ میں ملازمت کی کوشش کی مگر ناکام ہو گیا۔ اور ایک اخبار کا ایڈیٹر بن گیا۔ اسی دوران اس نے کیونسٹوں سے رابطہ بڑھایا۔ اور راہ ورسم پیدا کر لیے۔ اینگلز (Engels) سے ہم ملاقات ہوئی اور دونوں کے نظریات میں کافی حد تک ہم آہنگی پیدا ہو گئی۔ دونوں نے مل کر کمیونسٹ تحریک کی تنظیم کی مگر حکومت نے انہیں جلاوطن کر دیا تاکہ اپنے افکار لوگوں میں نہ پھیلا سکیں۔ انگلستان کا دورہ شروع کر دیا اور کمیونسٹ لیگ کا متفقہ منشور (Manifesto) تیار کیا جو بھاری اکثریت سے منظور ہو گیا۔ اور اسے جدید اشتراکیت کا مقدس باب تصور کیا جاتا ہے۔ انگلینڈ سے واپس آکر جرمنی کے ایک اور شہر میں آباد ہو گئے۔ چونکہ اسے کوئی اور روزگار نہ مل سکا۔ اس لیے اپنے مضامین کی اشاعت پر ہی گزر اوقات ہونے لگی۔ اس نے مکان کرایے پر لے رکھا تھا۔ تنگ دستی کے باعث کرائے کی عدم ادائیگی کی صورت میں اس کا سامان ضبط کر لیا گیا۔ غربت کی وجہ سے بیوی کے زیورات اور پارچات تک فروخت کر ڈالے۔ بیوی بیمار ہو گئی۔ دو بچے کم عمر میں ہی فوت ہو گئے۔ یہ اتنا بد حال تھا کہ کفن دفن کا انتظام بھی نہ کر سکا۔ ان مصائب و آلام اور صعوبات کے بموجب سخت ذہنی اضطراب و کرب میں مبتلا ہوا اور شاید اسی لیے اس کے دل میں سرمایہ داری کے خلاف شدید رد عمل شروع ہوا۔ ابتدائے زمانہ سے ہی اسے اچھے اور بھلے دن دیکھنے کا اتفاق نہ ہوا۔ اس لیے نفرت و حقارت کا اجاگر ہونا یقینی امر تھا۔ ان برسوں میں اپنے دیرینہ دوست اینگلز سے دوبارہ رابطہ کا آغاز کیا۔ اس نے اس کی بے بسی اور ناداری کو دیکھتے ہوئے مستقل امداد شروع کر دی اُس نے اپنی زندگی مطالعہ میں وقف کر دی اور بڑے میوزیم میں مستقل مستقر بنا لیا۔ اور ہمہ وقت مطالعہ میں مصروف رہتا۔ ۶ سال کے بعد اس کی ساس فوت ہو گئی۔ اس سے کچھ تر کہ میسر ہوا اور قدرے آرام سے دن



گزرنے لگے مگر اس کے باوجود وہ ہمیشہ مسائل پر غور کرتا رہتا۔ پایان کار ۱۸۶۶ء میں ایک جماعت کا قیام عمل میں آیا۔ اس کے آخری بیس سال افلاس میں بسر ہوئے۔ اور انگریز بدستور اس کی اعانت کرتا رہا جب مشکلات اور مصائب کا تسکینہ بہت سخت ہو گیا تو اس نے براہِ مجبوری ریلوے میں ایک کلرک کی پوسٹ کے لیے درخواست دی جو منظور کر لی گئی۔ مگر اُس کا خط *Hand writing* خراب تھا اس لیے سردس کے قابل نہ سمجھا گیا۔ اور اس نے جلتی پرتیل کا کام کیا۔ ان وجوہات سے اس کے مزاج میں چرچہ اپن پیدا ہو گیا۔ ۱۸۸۱ء میں بیوی سرطان کے مرض میں مبتلا ہو کر رحلت کر گئی۔ ایک ماہ بعد اس کی بڑی لڑکی بھی اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گئی اور مارچ ۱۸۸۳ء میں اشتراکی انقلاب کا مفکر بھی اس دنیا سے رخصت ہوا۔ تاہم اپنے عظیم افکار اپنی شہرہ آفاق کتاب *Das Kapital* (کیپیٹل) کی صورت میں یہاں چھوڑ گیا۔

”زندگی میں جن حالات سے اسے گزرنا پڑا ان کی وجہ سے وہ سرمایہ دارانہ نظام کا سخت مخالف ہو گیا تھا۔ خدا اور مذہب سے بھی متنفر ہو گیا۔ اگر نیویارک ٹرمین کارل مارکس کو اس کے مضامین کے عوض منہ مانگا معاوضہ دے دیتا تو آج دنیا اشتراکیت کے طوفان کا شکار نہ ہوتی“ (امریکی صدر کنیڈی)

یاد رہے اُسے فی مضمون ۳ پونڈ ملتے تھے اور اس کا مشکل سے گزارہ ہوتا تھا۔ اس لیے اُس نے چار پونڈ طلب کیے تھے مگر اخبار نے انکار کر دیا اور مضامین کی اشاعت بھی بند کر دی تھی۔ آخر کار زار روس میں انقلابی تحریک بالشویک پارٹی کی صورت میں ظہور پذیر ہوئی۔ لیکن بھی اُس کے خیال کا منہ ہوا تھا۔ اس نے مظالم کا دور ختم کیا۔ اور سوشلزم کی بنیادیں مضبوط کیں۔ اس لیے وہ آجکل ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لینے کی کوشش کر رہا ہے۔ نامساعد حالات کی سنگینی نے اُسے انتہا پسند بننے پر مجبور کر دیا۔ اور آج بھی وہی لوگ مالداروں کے خلاف نعرے لگاتے ہیں جو بے بس ہوتے ہیں۔ اور جن کے پاس کچھ نہیں ہوتا حتیٰ کہ بنیادی ضروریات کی تکمیل سے بھی قاصر رہتے ہیں۔

اشتراکیت کا فلسفہ یہ ہے کہ تمام وسائل ثروت سوسائٹی کے درمیان مشترک ہیں۔ اس لیے فرداً فرداً ان پر بالکانہ حقوق کا قبضہ کرنے اور اپنے حسبِ نشان ان میں تصرف کرنے اور ان کے منافع سے تنہا متمتع ہونے کا کوئی جواز نہیں۔ افراد کو جو کچھ ملے گا وہ محض ان خدمات کا معاوضہ ہوگا جو معاشرہ کے مشترکہ مفاد کے لیے انجام دیں گے۔ معاشرہ ان کے لیے ضروریاتِ زندگی فراہم کرے گا اور وہ اس کے بدلہ اپنی ذہانت و اہلیت کے مطابق کام کریں گے۔ بنجی اطلاق اور جاگیریں نہیں ہوں گی۔ روپیہ جمع کرنے



ذاتی کاروبار کرنے کی اجازت ہی نہیں ہوتی۔ پرائیویٹ اداروں، صنعتوں اور کمپنیوں کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔

چونکہ بنیادی طور پر سارا انتظام و انصرام حکومت یا ایک پارٹی کے زیرِ تحت ہوتا ہے اس لیے سودی لین دین کے مواقع بہت ہی کم ملتے ہیں۔ مگر عملاً ایسا نہیں ہو رہا کیونکہ ابتداء میں جو نظریہ قائم کیا گیا تھا۔ وہ صحیح طور پر کامیاب نہ ہو سکا۔ اس لیے اب تبدیلیاں اور ترمیمیں کر دی گئی ہیں جن کے مطابق زائد از ضروریات معاوضہ بنکوں میں رکھا جاسکتا ہے اور اس پر سود بھی حاصل ہوتا ہے۔ روس اور چین اشتراکیت کی آماجگاہ ہیں۔ انہوں نے محسوس کیا ہے کہ ذاتی جائداد کا پالچ دینے سے لوگوں میں کام کرنے کا جذبہ موجزن ہوتا ہے۔ ساری پالیسیاں بند ایوانوں میں مرتب کی جاتی ہیں۔ پیدائش و صرف کے سارے نظام پر سرکاری کنٹرول ہوتا ہے۔ اپنی مرضی سے کوئی پیشہ اختیار کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ آزادی دیکھنے کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ مذہبی اقدار کی پذیر آرائی نہیں ہوتی۔ توازنِ دولت عموماً قائم رہتا ہے۔ الحاصل لوگوں سے سرمایہ چین کر ایک مرکزی مقام یعنی حکومتی پارٹی کے پاس مرکوز ہو جاتا ہے۔ اور اس طرح چھوٹے سرمایہ سرمایداروں کی بجائے بہت بڑا سرمایہ دار وجود میں آ جاتا ہے۔ اور وہ اپنی زبردست طاقت سے دوسروں کو کچل کر اور دبا کر حکومت کرتا رہتا ہے۔

## اشتراکیت کے فوائد

اس نظام کو اپنانے سے حسب ذیل چند فوائد حاصل ہو سکتے ہیں:-

(۱) افراد کے تسلط سے زمین، مشین اور دیگر تمام کاروبار نکال لینے سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ اشیاء کی لاگت اور ان کی بازار کی قیمت کے درمیان جو منافع پہلے صنعتکار یا لینڈ لارڈ کی جیب میں جاتا تھا وہ اب سرکاری خزانہ میں آنے لگا۔ اس طرح اس کے فوائد سے اجتماعی فلاح کے کاموں میں صرف کیا جاسکے گا۔ گویا انفرادیت کی بجائے اجتماعیت کو مفاد حاصل ہوگا۔ اور اس طرح میں حیث القوم ترقی ہوگی۔ سرمایہ داری میں صرف چند لوگ فوائد حاصل کر سکتے ہیں مگر سوشلزم میں ساری جمعیت کو فائدہ حاصل ہوگا اور اس طرح ترقی و پیش رفتی کے لیے رستے اور دروازے کھلیں گے۔

(۲) تمام ملک کے ذرائع پیدائش ایک ہی نظم و نسق کے قبضہ میں آ جانے سے یہ ممکن ہو گیا کہ ایک طرف طے شدہ منصوبہ کے مطابق ان سب کو زیادہ سے زیادہ ترقی دینے اور زیادہ سے زیادہ مفید طریقے سے استعمال کرنے کی جدوجہد کی جائے اور دوسری جانب سارے ملک کی ضروریات کو سامنے رکھ کر پورا کرنے کی منظم مساعی عمل میں لائی جائے گویا اچھی منصوبہ بندی کے ذریعے تمام



وسائل کو اپنے مخصوص مسائل کے مطابق استعمال کیا جائے۔ بے کار ذرائع بھی قومی پیداوار میں اضافہ کرنے کی خاطر محدود و معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔ حکومت کو اپنے محدود وسائل کو استعمال کرنے سے زیادہ مفاد اٹھانے کی خاطر جامع منصوبہ بندی کرنے سے آگاہی بھی ہوتی رہتی ہے۔ اور حالات کے مطابق انہیں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

(3) تمام وسائل دولت کو منصوبہ بندی کے ذریعے استعمال کرنے سے روزگار کے مواقع بھی زیادہ حاصل ہو سکتے ہیں اور اس طرح بیروزگار افراد کو کسی نہ کسی کام پر لگایا جاسکتا ہے اور بیروزگاری میں کمی کی جاسکتی ہے۔ اگرچہ جدید دور میں مکمل روزگار کا حاصل کرنا تو دشوار ہے تاہم بیشتر تربیت یافتہ افراد کی کھپت کا انتظام کیا جاسکتا ہے۔

سرمایہ داری کے برعکس اشتراکیت میں بیروزگاری کم ہو سکتی ہے۔ اور اس طرح تعلیم یافتہ افراد کی صلاحیت و اہلیت سے ملک و قوم کو فائدہ پہنچایا جاسکتا ہے۔

چونکہ سارا انتظام و انصرام حکومت وقت کے ہاتھ میں ہوتا ہے اس لیے اس سنگین مسئلہ کو سنبھالایا جاسکتا ہے۔

(4) زراعت، صنعت اور تجارت کے شعبوں سے حاصل ہونے والے منافع کا ایک خاص حصہ ”سوشل انشورنس“ سکیم پر صرف کیا جاسکتا ہے یعنی جو لوگ عارضی یا مستقل طور پر بیروزگار، محتاج، بیمار وغیرہ پڑ جائے تو اس مشترکہ فنڈ سے ان کی استعانت کی جاسکتی ہے اور ان کا روزنیہ مقرر کیا جاسکتا ہے تاکہ وہ بھی اپنی روزی حاصل کر سکیں۔

(5) چونکہ تمام ذرائع پیداوار حکومت کی ملکیت میں ہوتے ہیں۔ اس لیے مصنوعی قلت پیدا نہیں کی جاتی بلکہ لوگوں کی ضروریات کے مطابق اشیائے صرف فراہم کی جاتی ہیں اور اس طرح صارفین کی ضروریات کا کماحقہ خیال رکھا جاتا ہے اور انہیں یہ اشیاء بروقت مل سکتی ہیں۔ عموماً گرانی جی ضروروں پر نہیں ہوتی۔ کیونکہ ذاتی نفع کا محرک اس نظام میں مفقود ہوتا ہے۔ اس لیے لوگوں کی سہولت کو پیش نظر رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور آنے والے دن کی پریشانیوں سے کم و بیش نجات مل جاتی ہے۔ اسی طرح چور بازاری اور کلنگ جیسی بیماریوں کا بھی علاج ہو جاتا ہے۔

(6) بیشتر رقم غیر ترقیاتی کاموں کی بجائے ترقیاتی امور اور منصوبوں پر صرف کی جاتی ہے۔ صرف ایسی سکیمیں تیار کی جاتی ہیں جن سے ساری قوم کو فائدہ حاصل ہوتا ہو۔ فضول اور غیر ضروری اخراجات سے کنارہ کشی کی جاتی ہے۔ بجٹ سازی اور منصوبہ بندی کی خاص اہمیت ہوتی ہے۔



(۷) چونکہ تمام ذرائع پیدائش حکومت کے زیر تسلط ہوتے ہیں اس لیے دولت کی غیر مساوی تقسیم نہیں ہوتی۔ امیر اور غریب کا تفاوت کم ہوتا ہے جیسا کہ روس اور چین کی معیشت میں ہے۔ امیر طبقہ کے لیے غریبوں کو لوٹنے کے کم مواقع ملتے ہیں۔ اس طرح ہر طبقہ زندگی کی دوڑ میں آگے جانے کی کوشش کرتا ہے۔ کام کے تقریباً یکساں مواقع میسر آتے ہیں۔

(۸) چونکہ دولت کا کم فرق ہوتا ہے اس لیے جن نمائندگان پر مشتمل حکومت اقتدار میں آتی ہے وہ عموماً مستحکم اور مضبوط ہوتی ہے۔ جیسا کہ روس میں کمیونسٹ پارٹی کی حکومت چلی آ رہی ہے اور اس طرح چین میں بھی ایک ہی جماعت حکومت پر قابض ہے۔ اس طرح دیر پا حکومت طویل الیعاذ منصوبہ بندی کرتی ہے اور ان کے ہدف حاصل کرنے کی پوری کوشش کرتی ہے۔ نیز اس کی پالیسی ہوتی ہے کہ عوام الناس کا زیادہ سے زیادہ اعتماد حاصل کیا جائے۔ اس قسم کی حکومت سارے ملک کو یکساں فوائد پہنچانے کی کوشش کرتی ہے۔

(۹) چونکہ ملک میں اجارہ داریاں اور کارٹل وغیرہ نہیں ہوتے۔ اس لیے رشوت ستانی، بددیانتی، اقرباء نوازی کے کم مواقع حاصل ہوتے ہیں۔ ذہین اور اچھے افراد کو آگے آنے کا موقع ملتا ہے۔

(۱۰) نظام تعلیم اور معیار زندگی کو اعلیٰ بنانے کی پوری تہیہ سے کوشش کی جاتی ہے۔ ملکی ضروریات کے مطابق تعلیمی پالیسی مرتب کی جاسکتی ہے۔ تکنیکی اور فنی ادارے قائم کر کے مختلف ٹریدز میں تربیت دی جاتی ہے۔

سوشلزم کارٹون پیلور دیکھنے کے بعد اب ہم تاریک پہلو کا جائزہ پیش کرتے

## نقصانات

ہیں۔ بے شک بے قید معیشت سے جو بیماریاں پیدا ہوئی تھیں اس آپریشن نے ان کا خوب علاج کیا مگر روس کو اس کی جو قیمت دینی پڑی انہیں ورطہ تحریر میں لانے سے قلم کانپ جاتا ہے۔ نیز ان بیماریوں کو دور کرنے سے کونسی نئی بیماریاں وجود میں آئیں۔

(۱) تمام ذرائع پیداوار یعنی زمین، مہین، کارخانوں کو نجی ملکیت سے نکال کر قومی ملکیت میں لینے سے جو کھیل کھیا گیا وہ کوئی آسان اور بازیچہ اطفال نہیں تھا۔ یہ ایک کٹھن اور دشوار مرحلہ تھا۔ مسلسل ظلم و ستم اور برسوں کی کوشش سے یہ مقصد حاصل ہو سکا۔ لاکھوں افراد کو ذاتی املاک سے محروم کرنا جان جو کھوں کا کام تھا۔ کشت و خون اور قتل و غارت کی نمایاں بہانی گئیں۔ اس سکیم کو عملی جامہ پہنانے کی خاطر تقریباً ۱۹ لاکھ اشخاص کو موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ ۲۰ لاکھ نفوس کو مختلف نوع کی سزائیں دی گئیں اور تقریباً چالیس لاکھ آدمیوں کو ملک بدر ہو کر تشرنوبت ہونا پڑا۔ صرف اجتماعی کاشتکاری کی سکیم کو نافذ کرنے کی خاطر لاکھوں چھوٹے



چھوٹے اور متوسط زمینداروں (Kulaks) کو جس بے دریغ طریقہ سے فنا کیا گیا، ایک المناک داستان سے کم نہیں اور اس پر حامی بھی حینج اٹھے۔

(۲) جو لوگ دنیا کے مسلم مذہبی، اخلاقی اور قانونی اصولوں کے مطابق اپنی املاک کے جائز مالک ہوں انہیں اگر یکدم بے دخل کر دیا جائے۔ تو نہ صرف ان اصولوں کی خلاف ورزی ہوگی بلکہ انہیں کھینچنے کی خاطر تمام تر قوت بروٹے کا رونا پڑے گی۔ مزید برآں ہر قسم کا فریب، ظلم اور بے دردی کا جواز پیدا کرنے کی خاطر ایک نیا ضابطہ اخلاق مرتب کرنا پڑے گا جس کے رُوسے یہ ناجائز افعال بھی درست ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ اشتراکی رہنماؤں نے خدا اور مذہب کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیا اور طبقہ کے ساتھ ساتھ مسلمانوں اور عیسائیوں کے مذہبی پیشواؤں کو بھی سختی سے کچلا۔ نیز اخلاق کا نیا اور اچھوتا نظریہ پیش کیا۔

لینن کے الفاظ میں ملاحظہ ہو :-

”ہم ہر اس اخلاق کو رد کرتے ہیں جو عالم بالا کے کسی تصور پر مبنی ہو یا ایسے خیالات سے ماخوذ ہو جو طبقاتی تصورات سے ماوراء ہیں۔ ہمارے نزدیک اخلاق قطعی اور کمالی طور پر طبقاتی جنگ کا تابع ہے۔ ہر وہ چیز اخلاقاً بالکل جائز ہے جو پُرانے نفع اندوز اجتماعی نظام کو مٹانے کے لیے اور محنت پیشہ طبقوں کو متحد کرنے کے لیے ضروری ہو۔ ہمارا اخلاق بس یہ ہے کہ ہم خوب مضبوط اور منظم ہوں اور نفع گیر طبقوں کے خلاف پورے شعور کے ساتھ جنگ کریں۔ ہم یہ مانتے ہی نہیں کہ اخلاق کچھ ازلی وابدی اصول بھی ہیں۔ ہم اس فریب کا پردہ چاک کر کے رہیں گے۔ اشتراکی اخلاق اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ مزدوروں کی مطلق العنان حکومت کو مضبوطی کے ساتھ قائم کرنے کے لیے جنگ کی جائے“

ناگزیر ہے کہ اس کام میں ہر چال، فریب، غیر قانونی تدبیر حیلے بہانے اور کذب سے کام لیا جائے۔ یہ بہت بھاری قیمت تھی جو اس نظام کو نافذ کرنے کے لیے دینی پڑی۔ گویا لاکھوں جانوں کے ساتھ دین، ایمان، اخلاق، شرافت، دیانت، انسانیت سے بھی ہاتھ دھونے پڑے۔ یہ نظام مذہب کے لیے سم قاتل سے کم تر ہرگز نہیں۔ مزید برآں سرکاری طور پر مذہبی آزادی تسلیم نہیں کی جاتی۔ اگرچہ امتدادِ زمانہ کے ساتھ اس نظام کے ظلم بردار ترمیمات اور تبدیلیاں بھی کرتے رہے ہیں۔ اور اپنے شکنجہٴ آہنی کو سخت کرنے کی خاطر فرضی آزادی بھی دی جاتی ہے۔ تاہم سرکاری طور پر مذہبی تشہیر نہیں ہوتی۔

(۳) جب بھی اخلاق کے بند ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔ اور دوسری طرف ضروریاتِ زندگی پر سرکاری کنٹرول نافذ کر دیا جاتا ہے تو خیانت اور غبن وغیرہ کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ پرمٹ، لائسنس یا



راشن کارڈ یا کوٹہ حاصل کرنے کے لیے جتن کرنے پڑتے ہیں۔ اور لازمی امر ہے معاشرتی برائیاں جنم لیتی ہیں اور اس طرح بد اعتدالی کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ اور لوگوں کے حقوق غصب کرنے کی تدبیریں سوچی جاتی ہیں۔ ضروریات زندگی بڑی دقت کے ساتھ فراہم ہوتی ہیں کیونکہ متعدد مراحل طے کرنا پڑتے ہیں۔ اس طرح وقت اور روپیہ بھی ضائع ہوتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات ناجائز استعمال کرنا پڑتا ہے۔ وگرنہ ضرورت پوری نہیں ہو سکتی۔

(۴) انفرادی ملکیت سے نکال کر اجتماعی ملکیت کے اصول پر صحیح طور پر چلنے کے لیے اور کامیابی سے بہکنار ہونے کے لیے نہ صرف بڑی تنگ و دو کی ضرورت ہوتی ہے بلکہ انسان کے ذہن سے خود غرضی اور ذاتی مفاد کی طلب بھی دور کرنی پڑتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ لالچ اور حرص جیسی بیماری سے چھٹکارا حاصل کرنا کوئی آسان اور سہل کام نہیں ہے۔ اسی طرح انفرادیت کی بجائے اجتماعیت کی بھلائی کی طرف راغب کرنا بھی کارے وارد۔ عموماً اعلیٰ اخلاقی صفات سے اسے کم کیا جاسکتا ہے اور مذہبی طور پر ان جذبات کو دور کیا جاسکتا ہے۔ مگر سوشلسٹ نظام میں مذہب کا سہارا تو لینے کی بات ہی نہیں کی جاتی۔ جب نجی کاروبار سرکاری تحویل میں آگئے تو عارضی طور پر یہ جذبات دب گئے۔ مگر اندر ہی اندر یہ چنگاری سلگتی رہی اور آخر دوسری ہیشمار برائیوں کو جنم دینے کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ انسان اپنی کچی ہوئی دولت سے مزید دولت پیدا نہیں کر سکتا۔ البتہ حکومت کے وسیلہ سے ایسا کر سکتا ہے اور اس پر کافی شرح سود کما سکتا ہے۔ جو پس انداز ہونے کی صورت میں موت کے بعد اس کے وارثوں کو مل جاتا ہے۔ اکثر لوگ خوراک، لباس اور مکان پر حد سے زیادہ خرچ کرنے لگتے ہیں۔ نیز عیاشی و خوش باشی کی ساری صورتوں پر بے دریغ روپیہ بہایا جاسکتا ہے۔

(۵) اس قدر کشت و خون کا بازار گرم کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اشیاء کی لاگت اور بازاری قیمت سے جو منافع حاصل ہوتا تھا وہ انفرادیت کی جیبوں میں جانے کی بجائے اجتماعیت کے مصرف میں آئے۔ مگر حکومت کے شعبوں اور معاشی اداروں میں ملازمین کے مشاہروں میں بہت زیادہ فرق پایا جاتا ہے۔ اور دولت کی مساوی تقسیم والا مسئلہ صحیح طور پر حل نہ ہو سکا۔ اس طرح گویا معیار زندگی میں بھی تفاوت قائم رہا۔ اسی طرح روس اور چین کی نسبت فی کس آمدنی امریکہ اور انگلستان وغیرہ میں زیادہ ہے۔

(۶) روس کے مزدوروں اور کاشتکاروں اور دیگر شعبوں سے تعلق رکھنے والے سارے افراد کمیونسٹ پارٹی میں شامل نہیں ہیں۔ کم و بیش دس فیصد پارٹی کے ممبر ہوں گے۔ ظاہر میں یہ مزدوروں کی پارٹی ہے مگر حقیقت میں مزدوروں اور محنت کشوں پر کمیونسٹ پارٹی کی ڈکٹیٹر شب ہے۔ اور جب کسی ملک پر آمریت کے سائے منڈلانے لگتے ہیں تو سکون و امن تو بالابھوتا ہے۔ اور حکومت چلانے کے



لیے ہر قسم کے حربے استعمال کیے جاتے ہیں۔ نیز یک جماعتی حکومت قائم ہو جانے سے بہت سی قباحتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور جب اس پارٹی کو یقین ہوتا ہے کہ اسے حکومت سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ تو وہ اپنی من مانی کاروائیاں کرنے پر اترتی ہے۔

گویا وہاں بھی اجتماعیت کی بجائے انفرادیت (پارٹی کی صورت) میں پنپنے لگتی ہے۔ اور صرف اپنی جماعت کی جڑیں مضبوط کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ حکومت کے خلاف اٹھنے والی ہر آواز کو دبایا جاتا ہے۔ البتہ حکومت کی تعریف و توصیف میں زبان کھولی جاسکتی ہے۔ اس طرح نظم و نسق عموماً سختی سے قائم رکھا جاتا ہے۔ پارٹی کی حکومت سارے ملک میں جوابی انقلاب کے خطرات، شبہات اور امکانات کو مٹا دینے کے لیے ہر وقت تکی رہتی ہے۔ اس نے جاسوسی کا جال بچھا رکھا ہے حتیٰ کہ باپ بیٹا اور میاں بیوی تک کے مابین شک و شبہ کی دیوار حائل ہو چکی ہے۔ گویا افراتفری کا عالم جاری و ساری ہے۔ اور لوگ ایک دوسرے کو مشکوک نگاہوں سے گھورتے ہیں۔ اس لیے جب کوئی رات کو گھر واپس نہیں پہنچتا تو یہ خیال کیا جاتا ہے کہ کسی الزام میں گرفتار ہو چکا ہے۔ ایسے ماحول میں زندگی اجیرنی ہو گئی ہے۔ بلکہ ایک بار گراں محسوس ہوتی ہے۔ اگرچہ انہیں زلیبت چہار روزہ کے سارے لوازمات حاصل ہوں مگر طمانیت قلبی سے محرومی اس کے لیے وبال جان بن جاتی ہے۔

(۷) چونکہ حکومت کے خلاف تحریک و تقریر کے دروازے بند ہیں۔ اس لیے مملکت تمہیارتیار کیے جاتے ہیں۔ روس اپنے بحیث کا کثیر حصہ دفاع اور دفاعی سامان پر صرف کر رہا ہے۔ سائنسدانوں کا ایک خاص گروپ تجربہ گاہوں میں نئے اوزار بنانے میں مصروف عمل ہے۔ اور چین جسے آزادی حاصل کیے ہوئے کوئی زیادہ عرصہ نہیں گزرا خطرناک تمہیارتیار کر چکا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام میں ایسے آلات ایجاد نہیں کیے جاتے۔ وہاں بھی ایسا ساز و سامان بن رہا ہے۔ مگر اشتراکی ممالک اپنے نظام کو مضبوط بنانے کی خاطر زیادہ توجہ دیتے ہیں۔

(۸) بخشی ملکیت بنانے کی اجازت نہ ہو تو کام کرنے کی رفتار سست پڑ جاتی ہے اور ہر شخص میں اتنا احساس نہیں ہوتا کہ وہ ملک و قوم کی خاطر رات دن ایک کرتا رہے۔ یہ جذبہ سرور پڑنے سے پیدا ہوتا ہے۔ متاثر ہوتی ہے۔ اور اس طرح قومی آمدنی پر بھی فرق پڑ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب روس میں بھی بخشی حقوق دینے کے بارے میں غور ہو رہا ہے۔

(۹) ایک ہی کام پر کرتے رہنے سے جی اکتا جاتا ہے۔ انسان مشین کا پرنزہ بن کر رہ گیا ہے اور اس کا ذوق سلیم بھی ماند پڑ جاتا ہے۔ اور آخر کار آزادی کا طالب ہو کر شورش بپا کرنے کی تدبیریں چننا



ہے اور ٹک جاتا ہے۔

## اشتمالیت (Communism)

کیونززم، سوشلزم کی نسبت زیادہ شدید ہے۔ مارکس نے معاشرہ کے مروج اقتصادی نظام کو ذیلی ڈھانچے سے موسوم کیا۔ مذہب، قوانین، اخلاقیات اور سوسائٹی کے دیگر ادارے سپر (اُعلیٰ) ڈھانچہ (Structure) ہیں۔

مذہب اور اخلاقیات اپنے مفادات کی حفاظت کی خاطر مالدار اور حکومت پر فائز طبقے گھڑ لیتے ہیں۔ اس لیے تمام مذاہب اور اخلاقیات جو کہ بنی نوع انسان کے مابین مروج ہیں مشکوک پائے جاتے ہیں۔ مارکس کے معاشی نظریہ کے پانچ اصول ہیں۔

(۱) قانونِ ترکاز۔

(ب) زائد قدر۔

(ج) طبقاتی کشمکش۔

(د) بحرانوں کی فاضل پیداوار کا نظریہ۔

(۴) معاشرتی انقلاب۔

کارل مارکس نے اپنے افکار کے لیے انہیں ستون قرار دیا اور ساری عمارت کی اساس انہی پانچ اصولوں پر استوار کی۔ اس کے خیال کے مطابق ساری دولت محنت پیدا کرتی ہے۔ مگر اُسے صرف گزراوقات کرنے کے لیے اجرت دی جاتی ہے۔ اور باقی ثروت مالدار طبقہ کی جیبوں میں جاتی ہے۔ اس طرح گویا کہ آج مزدوروں کا استحصال کرتے ہیں۔ اس طرح ترکاز دولت وجود میں آتا ہے اور نتیجہً دو طبقوں سرمایہ دار اور پروتاریہ (Proletariat) یعنی محنت کش

کے درمیان جنگ و جدال کا آغاز ہو جاتا ہے ان کی صلح یا سمجھوتہ کی صورت پیدا نہیں ہو سکتی کیونکہ جیسا کہ معاشرہ ترقی کر جاتا ہے مزدور جو کہ اکثریت میں ہوتے ہیں اور صارفین بھی وہی ہوتے ہیں مگر ان کی قوت خرید کم ہوتی ہے۔ کیونکہ ان کی زائد پیدا کردہ پیداوار انہیں معاوضہ کی صورت میں کم ملتی ہے۔ صنعتی تباہی شروع ہو جاتی ہے اس طرح سرمایہ دارانہ نظام خود بخود بر باد ہو جائے گا۔ جب یہ صورت حال جنم لیتی ہے تو مارکس کا یقین ہے کہ ایک انقلاب معرض وجود میں آجائے گا۔ پروتاریہ طبقہ ایک نیا نظام قائم کرے گا جس کے مطابق مالدار طبقہ کو اپنی ثروت و جائیداد سے یکسر محروم کر دیا جائے گا



اور اس مرحلہ کو پروتاریہ کی آمریت ( Dictatorship of Proletariat ) کہا جاتا ہے  
یعنی دانشمند اقلیت ( کمیونسٹ پارٹی ) ہر حال میں برسرِ اقتدار آجانی چاہیے اور آہنی ہاتھ سے ملک پر حکمرانی  
چاہیے۔ القصہ طاقت کے زور سے تختہ الٹ دیا جاتا ہے۔ اور یہیں سے اشتعالیت کے انسانیت سوز  
مظالم کی ابتدا پڑتی ہے جب ریاست و سیاست پر مکی طور پر کمیونسٹ جماعت چھا جاتی ہے۔ ذرائع پیداوار  
قومیا لیے جاتے ہیں تو ملک میں کوئی طبقہ نہیں ہوتا۔ سارا ملک ایک ہی جماعت میں منسلک ہو جاتا ہے یہ اس  
کی آخری منزل *Higher of Fixed Factors* ہے جس کے مطابق ”ہر ایک سے قابلیت کے مطابق  
اور ہر ایک کو اس کی ضرورت کے مطابق ( *from each according*  
*his ability from each according his need* )

سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ اشتعالیت میں تمام کار و بار ایک خاص منصوبے کے تحت مرکزی طور پر انجام  
پاتے ہیں۔ معاشرتی اور تعلیمی پروگرام وضع کیے جاتے ہیں تاکہ ملک ترقی کے دُور ہے پا کر کھڑا ہو جائے  
منصوبہ بندی کا خاص کردار ہوتا ہے۔ واضح رہے کہ سوشلزم اور کمیونزم میں فرق صرف طریق کار کا ہے۔ ذرائع  
پیداوار کو قومی ملکیت بنانا تو دونوں میں مشترک ہے۔

مارکسزم ایک باطل مذہب ہے۔ یہودی کارل مارکس اس مذہب کا ”پیغمبر“ اور ”سرمایہ“ اس کی  
کتاب ہے۔ اس لحاظ سے ابلیس اس کا خدا ہے اور لوگوں کو اعلیٰ اخلاقی اقدار سے بدظن کرنا، ان کے اندر ذہنی  
انتشار پھیلانا اور ان میں کشت و خون کرنا۔ انسانوں کو حیوانوں کی طرح ذلیل اور بے بس کرنا اس کا مقصد ہے  
( ساری غیر یہودی اقوام کے ساتھ ایسا سلوک کرنا عالمی یہودی سازش کا بنیادی نکتہ ہے )۔

سری بلغا کوف نے اپنی تصنیف ”کارل مارکس بطور مذہبی قسم“ مطبوعہ ۱۹۶۵ء میں لکھا تھا کہ:-

[ مارکسزم کی ساری بنیاد الحاد پر ہے باقی یونہی سب کچھ اس کے ٹانگ دیا گیا ہے۔ مذہب

کی سخت مخالفت اس کی نمایاں خصوصیت ہے ]۔

موجودہ دور کا ایک روسی ادیب ایگنر انڈر آئی سالنٹس جسے ۱۹۷۶ء میں ملک بدر کر دیا گیا

تھا اپنے ایک مکتوب میں جو اس نے روسی لیڈروں کو بھیجا تھا، رقمطراز ہے:-

[ مارکسزم نہ صرف ایک غلط نظریہ ہے نہ صرف یہ کوئی سائنس نہیں، نہ صرف اس نے کسی

ایک بھی آنے والے واقعہ کے متعلق صحیح اندازہ نہیں کیا بلکہ انسان اور معاشرہ کے

بارے میں اس کے نظریات کا اُچڑپن حیران کن ہے۔ بیسویں صدی کے اس مکروہ مذہب

کا باعث بعض لوگوں کا لالچ بعض کا اندھا پن اور بعض کا یہ سودا ہے کہ انہیں کوئی غنیمت



مل جائے یہ نظریہ اب یورپ میں اپنی ساکھ کھو چکا ہے۔ اور وہاں اس کا دیوالیہ نکل چکا ہے۔ مارکسزم کو ماننے والوں کی سب سے کم تعداد روس میں ہے۔ کیونکہ ہم اس کا منہ چکھ چکے ہیں۔ اس کا معاشی نظریہ بالکل ابتدائی انسانی دور کا اور محض سطحی ہے۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔ یہ چکی کے پاٹ کی طرح ہماری گردنوں میں پڑا ہوا ہے۔ اور ہم نیچے ہی لے جا رہا ہے۔ سب سے بڑا پتھر زرعی فارموں کے ایشمال کا ہے۔ دوسرا پتھر چھوٹے کاروبار اور چھوٹی ملازمتوں کو سرکاری تحویل میں لینے کا ہے۔ اس نے عام شہریوں کی زندگیاں ناقابل برداشت کر دی ہیں۔ اس کی وجہ سے چوری اور تھوٹ میں دن رات اضافہ ہو رہا ہے۔ ہمارا یہ فضول نظریہ بالکل بنا دٹی ہے۔ اور اس نے سوائے ہماری قوتیں سلب کرنے اور ہمارے ہاتھ پاؤں باندھنے کے اور کوئی کام نہیں کیا۔ [ میاں عبدالرشید۔ نوائے وقت ]۔

درحقیقت اشتراکیت اور اشتمالیت ایک ہی ماں کے دو جوڑواں بچے ہیں۔ اشتمالیت ان میں سے زیادہ تند، ترش اور شدید ہے۔ یہی سبب ہے کہ اس میں طاقت اور زور کے ذریعے ہر شے پر قبضہ کیا جاتا ہے جب ان کی ابتداء ہوئی تو سوال کیا گیا کہ جو لوگ اس وقت زمینوں، کانوں، کارخانوں اور دکانوں کے مالک ہیں ان کی ملکیت ختم کرنے اور اجتماعی ملکیت قائم کرنے کی کیا صورت ہوگی؟ اس کے دو جواب ملے :-

ایک گروہ نے جواب دیا: اس کے بغیر کے لیے جمہوری طریقے آزمائے جائیں گے۔ رائے عامہ کو ہموار و بیدار کر کے، سیاسی اقتدار پر قبضہ کیا جائے گا۔ اور قانون سازی کے توسل سے تہذیبی و زرعی جانداروں، تجارتوں اور صنعتوں کو اجتماعی ملکیت بنایا جائے گا۔ اس طریق کار کو ارتقائی سوشلزم (Evolutionary Socialism) کہا جاتا ہے۔

دوسرے ملک والوں نے کہا کہ جمہوری طریقوں سے یہ تبدیلی نہیں آسکتی۔ اس کے لیے تو انقلابی طریق کار ناگزیر ہے۔ نادار اور محنت کش (پرولتاریہ) عوام کو منظم کیا جائے گا۔ اصحابِ جاندار طبقوں کے خلاف ہر ممکن طریقے سے جنگ کی جائے گی۔ بوزر و افصحہ Boudghodha حکومت کا صفایا کر دیا جائے گا۔ مزدوروں کی ڈکٹیٹر شپ قائم ہوگی۔ زمین، کارخانے اور تجارتیں زبردستی دبوچ لی جائیں گی۔ جو مزاحمت و ممانعت کرے گا اسے فنا کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ سارے طبقات ختم کر کے تمام آبادی کو ایک کلاس (اپنے ہاتھ سے کام کر کے روٹی کمانے والا طبقہ) بنادیا جائے گا۔ امیر و غریب میں کوئی امتیاز نہیں ہوگا۔ سب ایک ہی لاشی سے ہانکے جائیں گے۔ ازروئے قانون یہ چیز حرام کر دی



جانے گی کہ ایک شخص دوسرے سے کام اجرت پر لے اور اس کا نفع خود کمانے بچہ جب یہ انقلاب مکمل ہو جانے کا اور سرمایہ دار طبقات کے از سر نو اٹھنے کا کوئی خطرہ لاحق نہیں رہے گا تو یہ آمریت آپ سے آپ سوکھ کر بھڑ جانے گی۔ اور اس کا وجود باقی نہیں رہے گا۔ شاید کوئی جادو کا لیمپ یا کوئی دیو یا فریضہ سرانجام دے گا۔ ان کی ایک ہی پھونک یا ہانک سے پلسم ٹوٹ جائے گا۔ نیز خود بخود ایک ایسا سسٹم اس کی جگہ لے گا جس میں حکومت اور جبر کے بغیر زندگی کے تمام شعبے لوگوں کی باہمی رضامندی تعاون، ہمدردی اور مشاورت سے چلتے رہیں گے۔

Scientific Socialism

اس دوسرے ملک کا نام ”انقلابی سوشلزم“ ہے۔ اس کو ”بولشوزم“ بھی کہتے ہیں۔ ایدیپی مارکزم Marxism یا عرف عام میں ”کمیونزم“ سچا نام ہے۔ بعض اوقات اسے ”سائنٹیفک سوشلزم“ کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ اور جس کا پرچار کبھی کبھی اس ملک میں بھی کیا جاتا ہے کیونکہ یہاں بھی خرد لوگ اشتراکیت کے حامی بنتے ہیں۔ اور وہ اپنی قوم و ملت پر اسے مسلط کرنے کے سہانے خواب دیکھتے رہتے ہیں۔ شاید وہ اپنے چہرے سے تعصب کی پٹی اتارنا بھول جاتے ہیں یا انہیں کم علمی کے باعث معلوم نہیں کہ ہمارے پاس تو خداوند تعالیٰ کا دیا ہوا اکمل نظام حیات موجود ہے جس پر فرزندِ نادان توحید نازاں ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ خود ہم نے اس پر عمل کرنا ترک کر دیا ہے اور اسی لیے فقر و فاقہ میں گرفتار ہیں۔

اشتراکیت اور اشتعالیت کے فوائد و نقصانات کم و بیش یکساں نوعیت کے ہیں۔ اس لیے علیحدہ نہیں بیان کیے گئے۔ تاہم چند لوگوں کی کمیونزم کے بارے میں آراء دی جا رہی ہیں جو کہ اردو میں ہیں۔

”ایک عظیم جرمن عالم نے ۱۸۴۲ء میں یہ رائے قائم کی۔ ”کمیونزم“ موجودہ بورژوا حکومت کے خلاف خوفناک معاند قسم کی پرولتاریہ حکومت کے قیام کا خفیہ نام ہے۔ یہ ایک خوفناک دو طبقوں کا مقابلہ ہو گا۔ یہ کیونکر ختم ہو گا؟ یہ کوئی نہیں جانتا۔ ہم اسے بخوبی جانتے ہیں۔ کمیونزم ایک سیاہ تاریک پیرد ہے جس نے جدید المیہ ڈرامہ میں، گو عارضی طور پر سہی، مگر ایک بڑا رول ادا کرنا ہے۔“

جارج براؤن ایک برطانوی ٹریڈ یونینٹ نے یہ رائے دی :-

”عدم مساوات، عدم مسرت، ظلم و جبر ایسی چیزیں ہیں جنہیں نہ چھپایا جاسکتا ہے اور نہ ہی



فراموش کیا جاسکتا ہے (کیونست ملک میں) ایک نوکر شاہی اقلیت موجود ہے جو کسی بھی (ضابطہ کے) پیمانے اور معیار سے ماوراد ہے۔“

جان ڈیوی سو ویٹ کے تعلیمی نظام کا رسیا تھا لیکن وہ جلد ہی اس فریب سے نکل آیا جب اُس نے ایک بارہ سال کے لڑکے کو دیکھا۔ جو شان کے پیدا کردہ خوفناک قحط کا شکار ہو کر گدا گردی کی طرح تھا۔ اس لڑکے کو موت کی سزا دی گئی کیونکہ اس نے ریلوے میں کئی اشیاء چرائی تھیں۔

## فاشزم اور نازی ازم

روس میں اشتراکیت نے اپنی بنیاد مضبوط کرنے کے لیے جس وسیع و عریض پیمانے پر تعسری و ظلم کے ہولناک مناظر کھیلے۔ اور پھر اس انقلاب کی کامرانی سے دنیا کے ہر ملک میں طبقاتی جنگ کے شعلے اٹھنے لگے۔ اس نے تمام غیر اشتراکی ممالک کے اہل الرائے ذہنوں کو انداز فکر میں تبدیلی لانے پر مجبور کر دیا۔ اور وہ محنت کش کلاس کی بے چینی اور اضطراب کی زنجیریں بند کرنے کی تدبیریں عمل میں لانے لگے۔ بے قید معیشت میں وقتاً فوقتاً تغیر، ترمیم اور اصلاح کا عنصر روسی معاشرت کے مسلسل نظریات اور اثرات کو ملاحظہ کرنے کے بعد ہی پیدا ہوا۔ اور اس رد عمل نے سرمایہ داریت کے دو بڑے علاقوں میں دو مختلف صورتیں پیدا کر دیں۔

جن اقوام کا نظام زندگی جنگ عظیم اول کے خطرناک شعلوں میں جھلس گیا تھا اور جنہیں سوشلزم کی آگ سے بھی شدید خطرہ لاحق ہو گیا تھا اور جہاں جمہوریت کے قدم زیادہ مستحکم نہیں تھے وہاں فاشیت اور نازیت نے سراٹھایا۔ جن ممالک میں جمہوریت کا ڈنکا بجتا تھا اور ان کی حکومتیں مضبوط تھیں انہوں نے اپنی پرانی وسیع الشرب سرمایہ داری کے بنیادی ستونوں کو قائم رکھتے ہوئے صرف بے قیدی میں اصلاحات نافذ کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ اور اس طرح متذکرہ بالا دونی تحریکوں کے سائے سے محفوظ و مامون رہے۔ تاہم سرمایہ دار طبقہ چونکہ ضرور ہو گیا۔ اور قدم پھونک پھونک کر رکھنے لگا۔ سوشلسٹ ان دونوں تحریکوں کو یعنی اٹلی کی فاشی اور جرمنی کی نازی کو سرمایہ داری کی رجعت قرار دینے لگے۔ اور یہ الزام دھرتے ہیں کہ اپنی بازی ہرتی دیکھ کر سولینی اور ہٹلر کو کھڑا کر دیا تھا۔ حالانکہ یہ لوگ ہر دیانت ایجنٹ نہیں تھے۔ بلکہ مارکس اور لینن کی مانند چالاک، زیرک اور ستھے۔ جب انہوں نے اپنی قوم کی تباہی اور بربادی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور ملاحظہ کیا کہ ان کا وقار اور مقام خاک میں مل گیا ہے۔



تو اس کا مدد کرنے کے لیے تدبیریں بنانے لگے۔ نیز ان کی قوم ایک طرف سوشلزم کی لیغار اور دوسری طرف بے قید معیشت کی لپیٹ میں آویزاں ہے تو اسے دلدل اور مصیبت سے نجات دینے کے لیے عجیب قسم کی کانٹ چھانٹ کر کے ایک نئی آمیزش بنادی۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح ان کی قوم معاشی لحاظ سے مضبوط اور سیاسی لحاظ سے مستحکم ہو جائے گی۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ چند صداقتوں اور متعدد حماقتوں کا مرکب تھا۔ اور یہی سبب ہے کہ یہ بھی ایک غیر متوازن نظام معیشت تھا۔ اگرچہ یہ ساری دنیا کو تو اپنی لپیٹ میں نہ لے سکا تاہم اس کے کچھ اجزاء اب بھی مختلف ممالک میں پائے جاتے ہیں۔ جن کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

## محاسن

(۱) **تفاوت کا خاتمہ** | ان کا خیال تھا کہ ایک ہی معاشرہ کے طبقوں میں کوئی فرق نہیں ہونا چاہیے۔ یہ تضاد صرف نفرت، جنگ اور غنا کا

باعث ہو سکتا ہے۔ ویسے مالدار اور محنت کش طبقہ میں یہ فرق نامناسب ہے۔ اصل چیز قوم اور معاشرہ ہے۔ ان سب کام یہ ہے کہ مل کر اشیائے ضرورت پیدا کریں اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون و اتحاد کا ہاتھ بڑھائیں۔ تاکہ ملک اور قوم ترقی کر سکے۔ اگر کوئی خلل یا نقص ہو تو اسے رفع کرنا چاہیے۔ اختلاف کو بڑھانے کی بجائے ختم کرنا چاہیے۔ سب کو یکساں مواقع ملنے چاہئیں۔

(۲) **انفرادی ملکیت** | ان کے مطابق انفرادی جائداد اور ذاتی نفع طلبی نقصان دہ چیز نہیں ہے اور اس سے اجتماعی مفاد کو زیاں کاری کا سامنا

نہیں کرنا پڑتا۔ بلکہ یہ دونوں چیزیں ملکی مفاد کے لیے ضروری ہیں۔ البتہ انہیں محدود کیا جاسکتا ہے۔ بالکل ختم کرنا مناسب نہیں ہے۔ افراد اپنے نفع کی خاطر جدوجہد کر سکتے ہیں مگر اس سے اجتماعی مفاد کو نقصان نہ پہنچے پائے۔

(۳) **سٹم بازی** | وہ تجارت میں سٹم بازی کے خلاف تھے اس لیے چاہتے تھے کہ سٹم بازی کا رواج نہیں ہونا چاہیے بلکہ اسے مکمل طور پر ختم ہو جانا چاہیے۔

(۴) **سود کا خاتمہ** | وہ سود جیسی لعنت کے بھی خلاف تھے۔ اور کاروبار میں سود کو چلانے کے مخالف تھے اگرچہ وہ سود کو عملاً بند نہ کر سکے۔ تاہم

نظریاتی طور پر اس کے مخالف ضرور تھے اور اسے برا جانتے تھے اور بند کرنے کے قائل بھی تھے۔



(۵) ریاست کے فرائض | انہوں نے وسیع الشری کے اس نظریہ کی تردید کر دی کہ ریاست صرف پولیس اور عدالت کے فرائض سرانجام دے اور اقتصادی کاروبار میں بالکل دخل نہ دے۔ قومی معیشت کے مختلف عناصر میں ہم آہنگی، ربط اور تعاون قائم رکھنا حکومت کے فرائض میں شامل ہے۔ اسے لااقل نہیں ہو جانا چاہیے۔ اس سے بہت سی خرابیاں جنم لیتی ہیں۔ اور معاشرے کا سکون و ریم بریم ہو جاتا ہے۔

(۶) انہوں نے ہڑتال اقدالہ بندی کو از روئے قانون ممنوع ٹھہرایا۔ اجسروں اور تاجروں کی مشترکہ کونسلیں بنائیں جو ان کے حقوق اور فرائض کا تعین کرتی تھیں۔ نیز جھگڑوں کے فیصلوں کے لیے پنجاہیت اور عدالتی فیصلوں کا باقاعدہ نظام مقرر کیا۔

(۷) معاشرتی بیمہ کاری | جو لوگ بیکار یا ناکارہ ہو جاتے ہیں اور ان کے روزگار کا کوئی باقاعہ ذریعہ نہیں ہوتا اور بے وسیلہ ہوتے ہیں۔ اس کے لیے وسیع پیمانے پر سوشل نشورنس کا اہتمام کیا۔ تاکہ بیماری، پیرانہ سالی اور حادثات کی صورت میں کارکنوں کی مدد کی جاسکے۔ مزید برآں ماؤں بچوں کی نگہداشت، مفلوک الحال، لاوارث، بوڑھوں کی دیکھ بھال وغیرہ کے عظیم الشان ادارے قائم کیے۔

(۸) تنظیم | سارے اقتصادی امور کی انجام دہی اور ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے تنظیم و توفیق کا کام ریاست نے سنبھال لیا۔ تمام شعبوں کی کونسلیں مرتب کیں۔

مالیات | معدنیات، جہاز سازی و جہاز رانی، سامان جنگ کی صنعت اور ایسے دیگر بڑے کاروبار انفرادی ملکیت کی بجائے قومی ملکیت قرار پائے اور بڑی اجارہ داریوں کا خاتمہ ہو گیا۔

## معائب

اچھے کاموں کا جائزہ لینے کے بعد اب ہم اس کی خرابیوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔ انہوں نے مقاصد حاصل کرنے کے لیے اگرچہ کوئی نظریہ پیش نہیں کیا تھا۔ بلکہ رد و بدل ہی کیا تھا تاہم اس کے عمل درآمد کرنے کے لیے مختلف حیلے بہانے اور سیاسی فلسفے کا سہارا ضرور لیا تھا۔ اور بے شمار مبائعوں اور خیال آفرینیوں کے ستون کھڑے کیے انہوں نے کہا کہ: ”فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں ہے“

سیاسی فلسفہ |



اور یہاں تک اتر آئے جو پارٹی میں شامل نہیں ہوتا اُسے کچھ نہیں ہونا چاہیئے۔ بر ملا کہتے تھے کہ۔

”جرمن ہے تو نازی ہے پارٹی میں آ اور اگر اٹالین ہے تو فاشلسٹ ہے“

اس طرح گویا شخصی آزادی ختم کر دی گئی۔ تنقید و جرات کی اجازت نہیں تھی۔ انتخابات برائے نام رہ گئے۔ پولیس، ریڈیو اور دوسرے ابلاغ عامہ پر سرکاری کنٹرول قائم ہو گیا۔

اختلاف رائے بند، بحث مباحثہ پر پابندی، تنقید بند، مؤرخہ و احتساب بند، بلکہ یوں سمجھیے

چند دماغوں کے علاوہ ساری قوم کے اذہان بھی بند و مانند سنگ۔ افراد ایک مشین کے پُرزے کی مانند

ہو کر رہ گئے۔ انہوں نے سارے ملک کی زندگی کو تمام معاشی، مذہبی، سیاسی، تمدنی اور تہذیبی

پہلوؤں سمیت ایک ضابطے بلکہ آہنی تسکینے میں گس ڈالا۔ اور ایک ہی منصوبہ پر چلانا شروع کیا۔



# باب (۹)

۳۰

## اسلامی نظم معیشت کی امتیازی خصوصیات

(Distinctive Features of Islamic Economy)

گذشتہ باب میں دنیا کے مختلف معاشی نظاموں کا ناقدانہ جائزہ لیا گیا ہے۔ کوئی نظام بھی مکمل نہیں ہے اگر اس میں اچھائیاں پائی جاتی ہیں تو برائیوں سے بھی مبرا نہیں ہے۔ کیونکہ وہ انسانی ذہنوں کی اختراع ہے۔ اور وہ ہنگامی ضروریات سے ہم آہنگی و مطابقت پیدا کرنے سے قاصر ہیں۔ ویسے بھی شخصی دماغ کی پیداوار میں متعدد سُقم پائے جاتے ہیں۔ انسانی ذہن کسی مرحلہ پر ٹھوکر کھا سکتا ہے۔ اور بنی نوع انسان کے لیے مضرت ثابت ہو سکتا ہے۔ نیز ہر فرد اپنے مخصوص حالات میں رہ کر کوئی نظریہ پیش کر سکتا ہے اور ضروری نہیں ہے کہ وہ تمام انسانوں کے لیے یکساں فائدہ مند ثابت ہو۔ ابتدائے آفرینش سے ہی مخلوق اپنی روزی کمانے کے لیے مختلف طوع طریقے استعمال کرتی رہی ہے۔ البتہ عصری تقاضوں کے مطابق ان میں تبدیلی یا ترمیم ضرور ہوتی رہی ہے اور جوں جوں زمانہ کے حالات پٹا کھاتے رہے ہیں اس کے ڈھانچہ میں تبدیلی رونما ہوتی رہی ہے۔ اگرچہ ذاتِ کبریا نے ہر ذی رُوح کی قوت کا ساز و سامان کر دیا ہے اور اس کی روزی کا ذمہ خود لیا ہے مگر ناعاقبت اندیش انسان کو اس پر کامل بھروسہ نہیں ہے۔ اس لیے غیروں کی چوکھٹ پر حبیں سائی کرنے پر مجبور ہے۔ وگرنہ غور کیا جائے تو چرند، پرند اور دیگر حشرات الارض کو ان کی خوراک کون چنپا رہا ہے؟ چڑیا کے گھونسلے میں پڑے ہوئے بچوں کو کون نذوق دیتا ہے حتیٰ کہ شکم مادر میں ہی روزی کا بندوبست کر دیا گیا ہے۔ نوزائیدہ کے لیے شیر والدہ کی دودھیں جاری ہو جاتی ہیں۔ جب انسان شعور کی دہلیز پر قدم رکھتا ہے تو اس میں اپنی روزی کمانے کا خیال انگڑائی لیتا ہے اور وہ پراگندہ خاطر ہو جاتا ہے۔ بادھراؤدھر حواس باختہ ہو کر ہاتھ پاؤں مارتا ہے حالانکہ اب بھی فاطر السموات والارض اس کی روزی کا انتظام کر سکتا ہے۔ پھر یہ پراسیگی اور حیرانی کیسی؟ حقیقت یہ ہے کہ انسان صراطِ مستقیم سے ہٹک چکا ہے۔ ایمان کی رستی ڈھیلی پڑ چکی ہے عقیدہ میں کمزوری پیدا ہو گئی ہے اور فرزندِ ان توحید اپنے اسلاف کے درتہ کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ ان کی خدشہ ردایات سے



روگردانی کر لی ہے۔ رب متعالیٰ کی متعین کردہ حدود سے تجاوز کر چکے ہیں۔ اگر سینہ ایمانی نور سے فرزند ہو دل صحیح عقیدہ کی دولت لازوال سے پُر ہو۔ اسلامی تعلیمات کو مشعلِ راہ بنایا جائے۔ بنی کریم کے اسوہ حسنہ کو سرچشمہ رشد و ہدایت تسلیم کیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ قوم فلاح کی مرقات اور ترقی کے زینہ پر فائز نہ ہو سکے۔

۷ وہ زمانے میں مُعزز تھے مسلمان ہو کر

اور ہم خوار ہوئے تارکِ قرآن ہو کر

اسلام ایک صالح کل مذہب ہے۔ یہ چند محض عقیدوں اور اصولوں کا مذہب نہیں ہے بلکہ مکمل دین اور ضابطہٴ زلیست ہے۔ دورِ جدید کے پیدا کردہ پیچیدہ اقتصادی مسائل، سیاسی الجھنوں تمدنی دشواریوں کا مکمل اور صحیح حل پیش کرتا ہے۔ اس کی تابندہ تعلیمات کا دامن گرا نمایہ زندگی کے ہر گوشہ پر محیط ہے۔ اور کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس کا اس نے واضح اور درست حل پیش نہ کیا ہو۔ صرف غور و خوض اور تدبیر و تفکر کے دھارے کو اس کے مطابق ڈھالنے کی سعادت حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ شہری تقاضوں اور انسانی جبلتوں کی نکاسی نہایت اچھے اور اچھوتے انداز میں کرتا ہے۔

دیگر تمام مذاہب اور نظاموں سے بہت کر اس نے راہِ اعتدال اختیار کی ہے۔ افراط و تفریط کے گھنورے کشتی کو پستی سے نکال کر حاصلِ مراد سے ہمکنار کرتا ہے۔

اسلام نے اشتراکیت اور سرمایہ داری کے درمیان جو متوسط اقتصادی نظریہ پیش کیا ہے اس پر ایک نظام کی عظیم عمارت استوار کرنے کے لیے سب سے پیشتر معاشرے میں چند اخلاقی اور عملی بنیادیں قائم کرتا ہے جو اس بلند نگ کو مضبوطی سے سنبھال سکیں۔ وہ ہر فرد میں ایسی ذہنیت پیدا کرنے کا خواہاں ہے جو اس متوازن نظام کو چلانے والے افراد میں درکار ہے۔ وہ انفرادی آزادی کو چند حدود کا پابند بھی بناتا ہے۔ بیشتر بے مبارکی مانند اُسے نہیں چھوڑتا۔ اسی لیے ڈاکٹر اقبال نے فرمایا :-

۸ شہادت گہۂ الفت میں قدم رکھنا ہے

لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

مگر مشکلات کے ساتھ آسانیاں بھی ہوتی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ دائرہ کار کے اندر رہ کر ہی ہم تک دُور کی جاسکتی ہے۔ اسلامی نظامِ تمدن میں فرد کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ کیونکہ افراد سے ہی قومیں وجود میں آتی ہیں۔ اور انہیں سے عروج و زوال کی داستانیں وابستہ ہیں۔ بارگاہِ رب العزت میں ہر شخص اپنے اعمال کا جواب دہ ہے۔ اس ذاتی ذمہ داری پر ہی انسان کی ساری اخلاقی قدر و قیمت



کا انحصار ہے۔ اجتماعی زندگی سے اصل مقصود مجموعی خوشحالی مراد نہیں بلکہ ہر فرد کی بھلائی و بہبود ہے۔ ایک کامران اجتماعی نظام کے صالح یا فاسد ہونے کا حقیقی معیار یہ ہے کہ وہ اپنے اشخاص کے پھلنے پھولنے میں اور ان کی ذاتی صلاحیتوں کے بروئے کار آنے میں کس حد تک محدود و معادن ہے۔ یا منراجم و سدراہ ہے۔ آزادی فکر و عمل، تحریر و تقریر کے ساتھ ساتھ آزادی معاش بھی لازمی ہے۔

بدین سبب اس نے دیگر دنیاوی نظاموں سے ایک منفرد اسلک اختیار کیا ہے۔ تاہم ہر انسان کے لیے ترقی کے میدان کھلے اور وسیع ہیں اور وہ اپنی دماغی کاوشوں سے بہت زیادہ فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ بشرطیکہ اُس کا قول و فعل جائز حصار کے اندر ہو۔ اور ملک و قوم کو اس کے طرز عمل سے کوئی زیان کاری کا خطرہ درپیش نہ ہو۔

اسلام ہر معاملہ میں انسان کو فطری حالت کے تر رکھنے کا داعی ہے۔ اور زندگی کے کسی پہلو میں بھی تصنع اور بناوٹ کو پسند نہیں کرتا۔ معیشت میں فطری حالت یہی ہے کہ قدرت نے انسان کے لیے زمین میں جو ذرائع فراہم کیے ہیں۔ ان سے جائز طریقے سے استفادہ کریں۔ نیز کسب معاش کے احسن طریقوں کو پسندیدہ قرار دیا ہے۔

قرآن مقدس کی معاشی اقدار، محسن انسانیت کی احادیث مبارکہ، صحابہ کرام کے اقوال اور دیگر اکابرین کے افکار کی روشنی میں اب اسلامی اقتصادی نظریات کا ایک بنیادی خاکہ کھینچا جاتا ہے گویا جسے اسلام کی معیشتی تعلیمات کی ایک تلخیص کہا جاسکتا ہے۔

رزق فراہم کرنے والی خدائے ذوالجلال والاکرام کی ذات اقدس (۱) رزق من اللہ ہے۔ اسی کی قدرت کاملہ سے انسان کو رزق فراہم ہوتا ہے اگر وہ روزی بند کر دے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے میسر نہیں کر سکتی۔ کیونکہ اسباب رزق کا خالق و مالک وہی ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد گرامی یوں ہے اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِّينِ (بے شک خداوند تعالیٰ ہی رزق دینے والا ہے۔ اور بڑی قوت والا ہے)۔

مزید براں ایک دوسرے مقام پر اس طرح فرمایا گیا ہے۔ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْاَرْضِ غَيْرَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (یعنی زمین پر چلنے والی کوئی ایسی مخلوق نہیں جس کی رزق میری اللہ تعالیٰ نے نہ مل ہو۔)

کتاب پاک میں ایک اور جگہ اسے یوں بیان کیا گیا ہے جس کو تم خدائے گرامی کے عطا کردہ پورے جوہر تمہاری روزی کے مالک نہیں ہیں۔ تم صرف اللہ کے ہاں رزق تلاش کرو۔ کیونکہ وہی رزق دینے والا ہے۔



اسی طرح سورۃ الجمعہ میں فرمان ہوا **وَاللّٰهُ خَيْرُ الرَّازِقِيْنَ**۔ اور رب تعالیٰ سب روزی دینے والوں میں سے بہتر روزی دینے والا ہے۔

سورۃ انعام میں ہے۔ اپنی اولاد کو روزی کے خوف سے قتل نہ کرو۔ روزی کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لیا ہے۔

سورۃ الذاریات میں اسے اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ **وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ**۔ رزق کا اللہ تعالیٰ نے تم سے وعدہ کیا ہے۔

اسی طرح سورۃ نمل میں ارشاد ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی سب کو زمین و آسمان میں روزی دیتا ہے اور وہی حقیقی معبود ہے۔

رسول مقبولؐ نے فرمایا جو اللہ تعالیٰ سے نہیں مانگتا رب تعالیٰ اس پر غصہ فرماتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رزق عطا کرنے والا رب کریم کی ذات بابرکات ہے۔

ارشاد ہوتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اسی کا ہے۔ اور اسی کی عبادت ہے (النمل ۵۲) یعنی سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی دینے والا ہے اور اسی سے رزق وافر کی توقع رکھنی چاہیے کیونکہ فرمایا گیا ہے۔ **لَا تَقْذَرُوا مِنَ الرَّحْمَةِ اللّٰهِ اللّٰهُ تَعَالٰی** کی رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہیے۔ سب کچھ اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔

(۲) **اِکْتِسَابِ مَالٍ مِّنْ جَانِبٍ اَوْ رِنَا جَانِبٍ كَافِرٍ** اسلام اپنے پیروکاروں کو دولت کمانے کا یونہی لالسنس نہیں دے دیتا بلکہ کمائی میں جائز طریقہ استعمال کرنے کی ہدایت کرتا ہے اور ناجائز ذرائع سے نہ صرف منع کرتا ہے بلکہ نرا بھی تجویز کی ہے۔ تاکہ برے کاموں کا قلع ٹمع ہو سکے۔ ایسے تمام رستے ناجائز ہیں جن میں ایک شخص کا فائدہ دوسرے کے نقصان پر ہو۔

سورۃ نسا ۳۵-۲۹ میں یوں ارشاد ہوتا ہے "اے ایمان والو! پس میں ایک دوسرے کے مال ناروا طریقوں سے نہ کھایا کرو۔ بجز اس کے کہ لین دین آپس کی رضامندی سے ہو۔ اور تم خود اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو اللہ تمہارے حال پر مہربان ہے اور جو کوئی اپنی حد سے تجاوز کرے ظلم کے ساتھ ایسا کرے گا اس کو ہم آگ میں جھونک دیں گے"

اس آیت میں لین دین کے جواز کی دو شرطیں بنائی گئیں۔ ایک یہ کہ باہمی رضامندی ہو۔ دوسرے یہ کہ ایک کا فائدہ اور دوسرے کا نقصان نہ ہو۔ علاوہ انہیں نہ خود کو ہلاکت میں ڈالو اور نہ ہی دوسرے



کو ہلاک کرو۔ سرمایہ داری اور اشتراکیت میں ان باتوں کو درخود اعتناء نہیں سمجھا جاتا۔ اسی طرح اور بہت سے ناجائز ذرائع ہیں جن سے روکا گیا ہے۔

سورۃ البقرہ میں ارشاد ہوتا ہے اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور اسے حاکموں تک نہ پہنچاؤ۔ کہ لوگوں کے مال میں سے کوئی حصہ ظلم سے کھا جاؤ۔ یعنی غصب، رشوت اور فراڈ سے کسی دوسرے کا مال نہیں کھانا چاہیئے۔ رسول کریم نے راشی اور مرتشی کو جہنمی قرار دیا ہے۔

خیانت اور بددیانتی سے بھی منع کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس سے بھی اجائز کمائی ہوتی ہے۔ یتیم کے مال میں بے جا تصرف سے روکا گیا ہے۔

سورۃ مائدہ میں قمار بازی، بت فردشی، ذال گری، قسمت بتانا کی کمائی کو حرام ٹھہرایا گیا ہے۔ اسے ایمان والو! شراب، جوا، بت اور پانسے گندے کام ہیں شیطان کے۔ ان سے بچتے رہو تاکہ نجات پاؤ۔ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ تم میں عداوت اور بغض ہو۔ کیونکہ شراب اور جوا نماز سے روکتے ہیں۔ (مائدہ ۹۰)۔

اسی طرح سود کی کمائی بھی حرام ہے۔

جو لوگ چاہتے ہیں کہ بدکاری کا جرم ہو۔ اسے ایمان والو! ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (النور ۱۹) اسی سورۃ میں تجسس گری اور زنا سے روکا گیا ہے کیونکہ یہ فحاشی ہیں۔ بلکہ زانی مرد اور عورت کے لیے رجم اور سو کوڑوں کی سزا مقرر کی گئی۔ نیز خچوروں کے لیے قطعید کی سزا رکھی گئی ہے۔ یہ تمام افعال شنیعہ ہیں اس لیے ان کی کمائی سے سختی سے منع کیا گیا ہے۔

رسول کریم نے فرمایا: کتے کی میت ناپاک ہے۔ زنا کار عورت کی خرچ حرام ہے اور سینگ کی کھینچنے والی کی اجرت ناپاک ہے۔ (مسلم)۔

کابن کی اجرت سے بھی منع کیا گیا ہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا جس بدن نے حرام مال سے پردیش پانی وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔ (بیہقی)

آپؐ نے فرمایا کہ پاک و حلال کمائی فرض ہے فرض کے بعد۔ (بیہقی)

نیز آپؐ کا ارشاد ہے حضرت عائشہ صدیقہ روایت کرتی ہیں۔ کہ جو چیز تم کھاتے ہو اس میں سب

سے بہتر وہ ہے جو تم اپنے ہاتھوں سے کما کر کھاؤ۔ اور تمہاری اولاد بھی تمہارے کسب میں سے ہے۔

(ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ ابوداؤد)۔

آپؐ نے یہ بھی فرمایا ایک زمانہ آئے گا کہ مال میں جو چیز ملے گی وہ اس کی پرداہ نہ کرے گا کہ

حلال ہے یا حرام (بخاری)۔



حضور اکرمؐ نے شراب کے متعلق دس آدمیوں پر لعنت کی ہے۔ (۱) پھلوں کو نچوڑنے والے پر  
(۲) نچوڑنے والے (۳) پینے والے پر (۴) اٹھانے والے پر (۵) اس شخص پر جس کے لیے اٹھا کر لائی  
گئی (۶) پلانے والے پر (۷) بچنے والے پر (۸) شراب کی قیمت کھانے والے پر (۹) خریدنے  
والے پر (۱۰) جس کے لیے خریدی گئی۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ)  
ایک شخص نے دریافت کیا کہ دوامیں شراب استعمال کر سکتے ہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ نہیں  
کیونکہ یہ خور بیماری ہے۔

اب کوئی ماڈرن مجلس نہیں جہاں شراب پیش نہ کی جاتی ہو اور اسی کے کثرت استعمال سے بے حیائی  
اور فحاشی بڑھ گئی ہے۔ مغربی دنیا بھی اس کے مضر اثرات سے بوکھلا اٹھی ہے مگر تجارت کے باعث  
اسے بند نہیں کر سکتے۔ حالانکہ ان کی اپنی جدید تحقیق کے مطابق یہ صحت کے لیے ضرر رساں ہے۔  
رسالت مآبؐ نے خون کی قیمت سے، کتے کی قیمت، بالکی کی قیمت، زانی عورت کی خمچی  
سے، سود کھانیوالے، دینے والے، جسم کو گودنے والے، گد دانے والے، اور تصویر کشی کرنے والے  
پر لعنت فرمائی ہے (بخاری)

حضرت جابرؓ کے مطابق خداوند تعالیٰ، اور اس کے رسولؐ نے شراب کا بیچنا، مردار کا بیچنا، اور  
تبوں کا بیچنا حرام قرار دیا ہے۔ (بخاری و مسلم)

سرکاری رقوم کا غبن، ساز و سامان کی غرور برد، رہنری اور ڈاکہ سازی کی آمدنی بھی ناجائز  
ہوتی ہے۔ اسلام میں نہ صرف خبیث طریقوں کی کمائی سے روکا گیا ہے بلکہ طیب اور حلال رستوں سے  
رزق حاصل کرنے کو ثواب قرار دیا گیا ہے اور تحن اقدامات سے اللہ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے

اور اس قسم کے رزق میں بڑی برکت ہوتی ہے۔ زیادہ حرام کی نسبت کم حلال بہتر اور پسندیدہ ہے  
اور اسی سے رضائے الہی حاصل ہو سکتی ہے۔ حرام کی کمائی سے انسان کا حرص و لالچ بڑھ جاتا ہے۔ اور  
اس کے انجام کار اثرات بُرے ہوتے ہیں۔ عاقبت خراب ہوتی ہے۔ بہت سے فسادات اٹھ کھڑے

ہوتے ہیں۔ جیسا کہ موجودہ دور میں دنیا مصائب کے غریق گرداب میں مبتلا ہے۔ اور پریشانیوں میں  
مقتدرہ اضافہ ہو گیا ہے۔ سٹربازی، چور بازاری، ہنگامگ اور ذخیرہ اندوزی جیسی مہلک برائیاں  
مشرعہ کو گھس کر مانند کھا رہی ہیں۔ اور یہ سب آمدنی کے ناجائز وسائل ہیں۔ ان سے اجتناب ضروری  
ہے۔ ملک و ملت کی بھلائی اسی میں ہے۔ کہ یہ ذرائع ممنوع قرار دیئے جائیں۔



### (3) اِنْفَاقٌ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ

اسلام ہر قوم یا دیگر اشیا کو جمع کرنے کی بجائے خرچ کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ مگر خرچ کرنے سے یہ مقصد نہیں ہے کہ انسان عیاشی کی زندگی گزارنا شروع کر دے اور اپنی دولت کو غیر اسلامی طور پر لقیوں پر بہانا شروع کر دے۔ اور شب و روز وادعیش و عشرت و تیار ہے اور اس کے ڈیرے پر رنڈیوں، بھانڈوں اور دیگر لغویات بکنے والوں کا میلہ لگا رہے۔ اور وہ اپنے دو پیہ کو یونہی ضائع کرتا رہے اس طرح انسان ہر ایک مستقیم سے بھٹک کر گناہ کی وادی میں داخل ہو جاتا ہے جہاں سے نکلنا نہایت دشوار ہو جاتا ہے۔ خدا نے بزرگ و بڑے خرچ کرنے کے راستے بتا دیئے ہیں کہ جماعت کی بھلائی اور مدد کے کاموں پر خرچ کریں۔

وَلَيْسَ لَكَ مَا ذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ (بقرہ 219)۔ ”اور وہ تم سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں۔ فرمادیں کہ جو ضرورت سے بچ رہے“  
مزید یوں فرمایا:

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالسَّائِلِينَ  
وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ وَابْنِ السَّبِيلِ  
وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ (نساء 36)۔ ”اور نیک سلوک کرو اپنے والدین کے ساتھ، اپنے  
رشتہ داروں، یتیموں، نادار مسکینوں، قرابت دار پڑوسیوں، اجنبی ہمسایوں، ملنے جٹنے والوں، دوستوں  
مسافروں اور لونڈیوں، غلاموں کے ساتھ“  
وَفِي أَمْوَالٍ لَّهُمْ حَقٌّ لِلْسَّائِلِينَ وَالْمَحْدُومِ (الذاریات 19)۔ ”اور ان  
کے مالوں میں سائل اور نادار کا حق ہے“

اگر تم رب الغزت کو اچھی طرح پر قرض دو تو وہ تم کو دونا کر دے۔ اور تمہیں بخش دے۔ اور اللہ تعالیٰ تحمل والا قدر دان ہے۔ وہ ظاہر و پوشیدہ کا جاننے والا اور زبردست حکمت والا ہے (الطلاق 18)۔

اسلام کا یہاں نقطہ نظر سرمایہ داری سے مختلف ہو جاتا ہے۔ کیونکہ سرمایہ دار کا خیال ہوتا ہے کہ خرچ کرنے سے مفلس ہو جاؤں گا اور مال اکٹھا کرنے سے امیر بن جاؤں گا۔ مگر اسلام کہتا ہے کہ خرچ کرنے سے برکت ہوگی۔ بلکہ تیری دولت کم ہونے کی بجائے زیادہ ہوگی۔ چنانچہ ارشاد رب الغزت ملاحظہ ہو:



الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُم بِالْفَحْشَاءِ وَاللَّهُ يَعِدُكُم مِّنْهُ مَغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا. (البقرة ۲۶۸) ”شیطان لعین تم کو غربت کا خوف دلاتا ہے (اور بخل جیسی) شرمناک بات کا حکم دیتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ تم سے بخشش اور مزید عطا کا وعدہ کرتا ہے۔ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُّؤْتِ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَظْلَمُونَ۔“ اور تم نیک کاموں میں جو کچھ خرچ کرو گے وہ تم کو پورا پورا ملے گا۔ اور تم پر ہرگز زیادتی نہ ہوگی۔ (البقرة ۲۷۲) اسی طرح ایک اور سورۃ میں یوں بشارت دی گئی ہے۔

”اور جن لوگوں نے ہمارے بختے ہوئے رزق میں سے کھلے اور چھپے طریقہ سے خرچ کیا وہ ایک ایسی تجارت کی امید رکھتے ہیں جس میں گھٹا ہرگز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے بدلے انہیں پورے پورے اجر دے گا بلکہ اپنے فضل سے کچھ زیادہ ہی عنایت کرے گا۔ (فاطر ۳۵ - ۲۹)“

قرآن مجید میں ہے کہ سو پر دینے سے اموال میں اضافہ نہیں ہوتا بلکہ صدقات و خیرات سے ہی اضافہ ہوتا ہے۔ اگرچہ ان باتوں کا ثواب آخرت سے تعلق ہے مگر اللہ نے واضح اعلان کیا ہے کہ اس دنیا میں بھی فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔ اصل میں خرچ کرنے کا مقصد گردش زر ہے تاکہ سمٹ کر مرکز نہ ہو جائے۔ ہر شخص کی قوت خرید میں اضافہ ہو اور اسے بھی ضروریات زندگی آسانی سے فراہم ہو سکیں۔ صنعت پر دس پائے تجارت کو فروغ ہو سکے۔ کھیتیاں سرسبز و شاداب ہوں۔ سب خوش حال ہوں اور غیر مساوی تقسیم دولت نہ ہو سکے۔

”جو شخص اپنے مال کو نمائش کے لیے خرچ کرتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چٹان پر مٹی پڑی تھی۔ اس نے مٹی پر بیج بویا مگر پانی کا ریلہ آیا مٹی کو بہا کر لے گیا۔ اور جو شخص اپنی نیت کو درست رکھ کر خداوند تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے خرچ کرتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے اُس نے عمدہ زمین میں باغ لگایا۔ اگر باران رحمت ہوئی تو دو گن پھل لایا۔ اگر بارش نہ ہوئی تو محض ہلکی سی ہوا اس کے لیے کافی ہے۔“ (البقرہ ۲۵۵ - ۲۶۴)۔

”إِنْ تَبَدُّوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهُهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ (البقرہ ۲۷۱)“ اگر صدقات اعلانیہ دو تو یہ بھی اچھا ہے لیکن اگر خفیہ دو اور غریب لوگوں تک پہنچاؤ تو یہ زیادہ بہتر ہے۔“

اگر سرمایہ دار نیک کاموں پر صرف کرتا ہے تو بادل خواستہ بدتر مال دیتا ہے۔ اسلام اس کے برعکس اچھا مال خرچ کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔“



(تم نے جو کچھ کمایا ہے اور جو کچھ ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالا ہے اس میں عمدہ مال راہِ حق میں لگاؤ۔ نہ یہ کہ بہتر مال چھانٹ کر اس میں سے دینے لگو۔) (البقرہ ۲۶۵)  
 ”اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ نیکی کرو کیوں کہ اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے (بقرہ ۱۹۵)

”آپ سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں۔ سنو والدین کے لیے، قرابت والوں کے لیے یتیموں محتاجوں اور مسافروں کے لیے ہے۔ اور جو کچھ خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے (بقرہ ۲۱۵)  
 لَا تَبْطُلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ۔ (بقرہ ۲۶۴)۔ ”اپنے صدقات کو احسان جتنا کرو اور اذیت دے کر ملیا میٹ نہ کرو“

اسی طرح مزید فرمایا:

”اور وہ اللہ کی محبت میں مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ کے لیے تمہیں کھلاتے ہیں۔ ہم تم سے جزا اور سکریمہ کے خواہش مند نہیں ہیں“ (البقرہ ۸-۹)۔  
 آیات قرآنی کے بعد اب رسول اکرمؐ کے ارشادِ اعلیٰ سے صدقات و خیرات کی فضیلت پر دقلم کی جاتی ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں آپؐ نے فرمایا۔ اگر میرے پاس احد کے برابر بھی سونا ہوتا تو تین راتیں اس کو اپنے پاس رکھنے سے خوش نہ ہوتا۔ اور سب تقسیم کر دیتا۔ سوائے بقدر ادائیگی قرض کے (امام بخاری)

آپؐ نے ارشاد فرمایا، ہر شخص کے پاس صبح کے وقت روزانہ دو فرشتے آتے ہیں۔ ان میں سے ایک کہتا ہے یا اللہ سخی کو نعم البدل عطا فرما۔ دوسرا کہتا ہے خدایا کنجوس کے مال کو تباہ کر دے۔ (بخاری و مسلم)

اسی طرح حضورؐ نے فرمایا: راہِ خدا میں صرف نہ کرو اور اس کا حساب نہ کرو ورنہ وہ بھی تم کو گن گن کر ڈے گا۔ (متفق علیہ)

نیز خداوندِ عالم فرماتا ہے میرے بندے تو خرچ کرے! میں بھی تم کو عطا کروں گا (بخاری و مسلم)  
 خاتم المرسلینؐ کا ارشاد ہے۔ انسان کا اندرستی اور زندگی کے زمانے میں ایک سو درہم خیرات کرے۔ (ابوداؤد)۔



✓ آپ نے فرمایا: مکار، فریبی، کنجوس اور فی سبیل اللہ دے کر بعد میں احسانات جتانے والا جنت میں نہ جاسکے گا۔ (ترمذی)۔

✓ آنحضرتؐ کا ارشاد گرامی ہے۔ صدقہ دینے سے کسی کا مال کم نہیں ہوتا اور جو آدمی کسی کی خطا سے کرتا ہے خدا اس کی عزت بڑھاتا ہے۔ اور جو شخص اللہ کے لیے کسی پر مہربانی کرتا ہے خداوند اس کے مراتب بلند کرتا ہے۔ (بخاری و مسلم)۔

✓ آپ نے فرمایا: ہر زن و شوہر پر صدقہ دینا واجب ہے۔ اور آپس میں عدل کرنا بھی صدقہ ہے اسی طرح کسی امداد کرنا، کسی کو اس کی سواری پر سوار کر دینا، کسی کا سامان لدوانا، خوش کن گفتگو کرنا، اور نماز کے لیے ہر قدم صدقہ ہے۔ راستے سے تکلیف دہ چیزوں کو ہٹا دینا بھی صدقہ ہے (بخاری و مسلم) نیز فرمایا ہر آدمی کے جسم میں 360 جوڑے ہوا کرتے ہیں لہذا جو آدمی اللہ اکبر، الحمد للہ اور لا الہ الا اللہ اتنی ہی بار پڑھے تو گویا اس نے دوزخ سے نجات پائی اور اللہ سے بخشش مانگے۔ راستے سے پھروں کانٹوں اور ہڈیوں کو ہٹائے، نیک امور کی ہدایت کرے۔ بد کاموں سے منع کرے۔ (مسلم)

✓ آپ کا ارشاد ہے۔ یقیناً صدقہ اللہ کے غصے کی آگ کو فرو کرتا ہے۔ اور آخرت کی بُرائی سے بچاتا ہے۔ (ترمذی)۔

حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ہر صدقہ نیک ہے اور اپنے مسلمان بھائی سے ہنسی خوشی ملنا، اپنے ساتھیوں کے برتن میں اپنے ڈول سے پانی ڈالنا بھی نیک عمل ہیں۔ (امام احمد امام ترمذی)

نیز آپ نے فرمایا: جو شخص کسی کو دودھ والا جانور مستعار دے یا چاندی قرض دے یا کسی کو رستہ بتائے تو ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ (امام ترمذی)۔

✓ آنحضورؐ نے ارشاد فرمایا: جو مسلمان اپنے اہل پر خرچ کرے ثواب کی امید کرے اُسے صدقے کا ثواب ملتا ہے۔ (متفق علیہ)۔

✓ رسول مقبولؐ نے فرمایا: مسکین کو خیرات دینے میں اگر اللہ قریبی کو دینے میں دوسرا۔ ایک صدقے کا اور دوسرا اقربا پروری کا۔ (ترمذی۔ احمد۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ دارمی)۔

✓ آپ کا فرمان ہے۔ کہ اگر بیوی بغیر اجازت شوہر دے۔ تو اسے آدھا ثواب ملتا ہے۔ (متفق علیہ)

✓ نیز ارشاد ہوا۔ اگر امین مسلمان خزانچی، نیک فیتی کے ساتھ حکم مالک کے مطابق مال صدقہ دے تو اس کو مالک کے برابر ثواب ملتا ہے۔ (متفق علیہ)۔

✓ دینا کا کوئی معاشی نظام اس قسم کے اخراجات کو پیش کرنے سے قاصر ہے اس سے قانون



صرف کی اہمیت، فضیلت اور ہمہ گیری کا واضح ثبوت ملتا ہے۔ اگر مسلمان ان امور پر عمل پیرا ہو جائیں تو انہیں وفات کا خود بخود قلع قمع ہو جائے۔ داد و دہش، فیاضی اور دیادلی کی اس سے بہتر کوئی مثال نہیں مل سکتی۔

(۶) **حلال و حرام کی حدود** | رب غفار نے حلت و حرمت کی واضح حدود مقرر کر دی ہیں اور جو لوگ ان حدود کو پھلانگ جاتے ہیں۔ تو وہ سخت

گنہگار ہوتے ہیں۔ اور ان کے لیے وعید آئی ہے۔ اسی طرح اپنی مرضی سے کسی شے کو حلال نہیں بنایا جاسکتا اور نہ ہی کسی چیز کو حرام کہا جاسکتا ہے۔ سورۃ مائدہ میں تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے۔

”تمہارے لیے جو پائے مولیٰ حلال ہوئے۔ سوائے ان کے جو تمہیں آگے سنائے جائیں گے۔ یعنی اونٹ، گائے، بھیڑ بکری، اور اسی جنس کے پالتو اور جنگلی جانور مثلاً ہرن، وغیرہ حلال ٹھہرے۔ حرام ہوا تم پر مردار جانور، خون، سور کا گوشت، ایسا جانور جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور نام پکارا جائے جو کھانے سے یا چوٹ سے گر کر یا سینک مارنے سے، اور جس کو درندے نے کھایا ہو۔ مگر جسے تم نے ذبح کیا۔ نیز جو کسی تھان پر ذبح ہوا۔ از لہام یعنی جوٹے کے تیروں سے تقسیم نہ کرو۔“

اسی طرح آگے یوں فرمایا: ”تجھ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے کیا حلال ہے؟ تو آپ فرمادیں کہ صاف ستھری چیزیں حلال ہیں۔ شکاری کتے کا جانور شکار کیا ہوا بھی حلال ہے۔ اہل کتاب کا کھانا بھی حلال ہے۔ تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے۔ پاکدامن خواتین حلال ہیں۔ نیز اہل کتاب عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں۔“

سورۃ العام میں ہے: ”آپ کہیں، تم اُنہیں سناؤ۔ جو حرام کیا ہے تم پر تمہارے رب نے۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو۔ کسی کو ناحق قتل نہ کرو۔ اولاد کو رذی کے ڈر سے نہ مارو۔“

یتیم کے مال میں بے جا تصرف کرنا بھی حرام ہے۔ البتہ بہتر و مشروع طریقے سے تصرف کر سکتا ہے۔ حالت احرام میں شکار کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔ تعمیل و تحریم کے قوانین میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی اس میں انسانی رضا و غبت کو کوئی دخل نہیں ہے۔

اسی سورۃ مائدہ میں ارشاد ہوا: ”اے ایمان والو! مت حرام ٹھہراؤ وہ لذیذ چیزیں جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال کر دیں۔ اور حد سے نہ بڑھو۔ بے شک رب تعالیٰ حد سے بڑھے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“ حلال و حرام کی تفصیل تب کہہ رہی حلال اور جائزہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔



۔ ول کریم نے فرمایا: حلال و حرام ظاہر ہیں۔ نیز فرمایا: خداوند تعالیٰ یہود کو تباہ کرے ان پر چڑیا  
م کی گئی تھیں۔ انہوں نے چربل کو گچھلا کر فروخت کیا۔ (بخاری و مسلم)۔

حدیث کی روش سے چیرھاڑ کرنے والے جانور (دندے) شیر، بلی، گیدڑ، کتا وغیرہ  
وغیرہ حرام ہیں۔ اسی طرح وہ پرندے جو پنجہ مار کر شکار کرتے ہیں مثلاً باز، شکر، چیل وغیرہ حرام ہیں۔  
حرام دو قسم کا ہے ایک وہ جو فی نفسہ (اپنی ذات کے سی نوے) حرام ہے۔ جیسے کتا، بلی وغیرہ۔  
دوسرا حرام وہ ہے جو اپنی ذات کے لحاظ سے حرام نہیں مگر کسی بیرونی عارضہ کی وجہ سے حرام ہے مثلاً چور کا  
رشوت اور سود وغیرہ کا مال حرام ہے۔ یہ مال فی نفسہ حلال تھا مگر چوری رشوت سود کے جرائم کی وجہ سے  
چور، رشوت خور اور سود خوار کے لیے حرام ہیں۔ اسلامی علم معاشیات میں دوسری قسم کے حرام سے بحث  
زیادہ ہوتی ہے کیونکہ اس حرام کا تعلق ناجائز کسب سے ہے۔

اسلام کا مقصد عظیم یہ ہے کہ دولت چند ہاتھوں میں مرکوز نہ ہو کر نہ رہ جائے کیوں  
(5) **زکوٰۃ** کہ اس سے بہت سی قباحتیں اور کتاہٹیں ختم لیتی ہیں۔ نیز اسلام اجارہ داریوں کی  
بھی طرف داری نہیں کرتا۔ اس سے بھی معاشی توازن قائم نہیں رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں زکوٰۃ کی  
ادائیگی فرض ہے۔ اور جو شخص اس فرض کی تکمیل نہیں کرتا۔ گنہگار ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ خلیفہ اول نے زکوٰۃ  
نہ دینے والوں کے خلاف اعلان جنگ کیا تھا اور فرمایا تھا: جب تک کسی شخص کے اونٹ کی رستی بھی زکوٰۃ  
کے طور پر رہ جائے جنگ جاری رہے گی۔ جیسا کہ فرمایا: نماز قائم کر۔ زکوٰۃ ادا کر۔ اور رکوع  
کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر۔

زکوٰۃ اسلام کا *Character Factor* یعنی نہایت فعال عامل ہے۔ اس کی صحیح ادائیگی  
سے نہ صرف گردش زر قائم رہتی ہے بلکہ غرباء کی ضروریات کی تکمیل بھی پوری ہوتی رہتی ہے۔ اپنا مال پاک  
وصاف ہو جاتا ہے اور رب غفار کی خوشنودی بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ اسی لیے اسے ارکان اسلام  
میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ گویا زکوٰۃ کو اسلام کے معاشی نظام میں جان کی سی اہمیت کا  
درجہ حاصل ہے۔ ایک طرف اسلام اخلاق کریمانہ کی ارفع و اعلیٰ عمارت تعمیر کرتا ہے اور اس ترغیب و ترہیب  
کے نہایت مؤثر طریقوں سے فیاضی و حقیقی امدادِ باہمی کی سپرٹ پیدا کرتا ہے۔ تاکہ لوگ خود میلان طبع اور  
صاف ذہن سے دولت کو جمع کرنا برا سمجھیں اور اسے نیک رستوں پر خرچ کریں۔ تو دوسری طرف وہ ایسا  
لاکھ عمل تیار کرتا ہے کہ جو لوگ اپنی سپرٹ دھرمی اور افتاد طبع کے باعث رقم جوڑنے اور مال بٹھانے کے  
خوگربن جائیں۔ تو ان کا آپریشن کرے۔ زر کو نکلوایا جائے اور حق لوگوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ اسی چیز کا  
نام زکوٰۃ ہے۔ اور یہ سالانہ  $2\frac{1}{2}\%$  شرح کے حساب سے لگتی ہے۔



خداوند کریم کی ذات گرامی مال کے لینے سے بے نیاز ہے۔ بلکہ یہ اپنی قوم کے تنگ دست اور  
 مفلوک الحال لوگوں کا ہی حق ہے۔ تاکہ وہ بھی مالدار کے وافر مال میں حصہ دار بن جائیں۔ اور اپنے اہل خانہ  
 کا پیٹ پال سکیں۔ یہ مغدوروں، بکیسوں، اپاہجوں، یتیموں، یتیموں اور ناداروں کا بہترین ذریعہ معاش  
 ہے۔ بلکہ ہنگامی ضرورت کو پورا کرنے کا اچھا وسیلہ ہے۔ سرمایہ داریت اور اشتراکیت میں ایسا کوئی  
 خاص ذریعہ نہیں ہے بلکہ ان کے نظریہ کے مطابق تو سود و وصول کیا جائے اس کے بغیر قرض کا حصول  
 تقریباً ناممکن ہے۔ مگر اسلام اول تو زور کے ارتکاز کو پسند نہیں کرتا اور اگر کسی کے پاس فاضل روپیہ  
 ہے تو اس کی زکوٰۃ لازماً ادا کرنی پڑے گی۔ تاکہ سرمایہ کا توازن مدہم و برہم نہ ہو جائے  
 اگر لوگ ادائیگی زکوٰۃ سے اجتناب کرنے لگیں تو اسلامی حکومت قانونی تو تسل سے اسے وصول  
 کر سکتی ہے اور ادائیگی نہ کرنے والوں کو سخت سزا دے سکتی ہے۔ زکوٰۃ کسی حیلہ بہانہ سے ساقط نہیں  
 ہو سکتی۔ یہ معاشرتی بہبود کی وسیع ترین سکیم ہے جو براہ راست ریاست کے انتظام میں رُو عمل آئی  
 چاہیے تاکہ اس کے دودرس نتائج سے معاشرہ کو فائدہ حاصل ہو سکے۔ مزید تفصیلات ایک الگ  
 باب میں دی گئی ہیں۔

## (۶) اموال مفتوحہ اور غنائم جنگ کی تقسیم

مسلمانوں کی دیگر اقوام کے ساتھ جنگیں ہوتی تھیں۔ اور  
 اس طرح بہت سا مال غنیمت ہاتھ لگ جاتا۔ اسی طرح جو علاقے فتح ہو جاتے وہاں سے بھی کافی ساز  
 و سامان وغیرہ مل جاتا۔ وہ مال یونہی نہیں تھہرایا جاتا تھا۔ بلکہ اسلام نے اس کی منصفانہ تقسیم کے  
 لیے قاعدہ مقرر کر دیا۔ چنانچہ حکم ہوا کہ اس کے پانچ حصے مقرر کیے جائیں۔ چار حصے افواج میں ان  
 کی حوصلہ افزائی کی خاطر تقسیم کر دیئے جائیں۔ پانچواں حصہ عام ملی مصالحوں پر خرچ کے لیے مختص کر دیا  
 جائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ملاحظہ ہو۔

وَأَعْلَاهُ مَا آتَاكُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَ  
 لِلَّذِينَ الْقُدْرَةُ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينُ وَابْنُ السَّبِيلِ (الأنفال ۴۱)

”جان لو کہ جو کچھ تمہیں مال غنیمت میں ملے اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسولؐ، اس  
 کے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔“  
 اللہ اور اس کے رسولؐ سے مراد ان اجتماعی اغراض کا حصہ ہے جس کی نگرانی حکم ربانی کے



مطابق حکومت اسلامی کے تحت ہو۔ پیغمبر کے اقرباء کا حصہ اس لیے رکھا گیا ہے کہ زکوٰۃ میں سے انہیں نہیں مل سکتا۔ اس کے بعد خمس میں تین طبقوں کا حصہ خصوصیت کے ساتھ رکھا گیا ہے۔ یتیم بچوں کی پرورش کے لیے ہے۔ مساکین میں غریب بیوہ عورتیں، اباہج، معذور، بیمار، نادار اور بیروزگار شامل ہیں جو زبانِ جویں تک کے لیے ترستے ہوں۔ اسلام نے اخلاقی تعلیم میں لوگوں میں مہمان کی تواضع اور مسافر نوازی کا میلان خاص طور پر پیدا کیا ہے۔ صدقات و زکوٰۃ میں ان کا شئیر (حصہ) رکھا ہے۔ اسی لیے اسلامی ممالک میں تجارت، سیاحت، تعلیم اور مشاہدہ آثار احوال کے لیے لوگوں کی نقل و حرکت میں آسانیاں رکھی ہیں۔

جنگ کے بغیر ہی جو اموال اور اراضی کافر دشمن قوم سے ہاتھ آئے اس کے لیے یہ حکم ہے۔ (جو کچھ مال و جائداد اللہ نے اپنے رسولؐ کو دلویا ہے۔ بستیوں کے باشندوں سے فتنے کی صورت میں۔ وہ اللہ، اس کے رسولؐ، اس کے اقرباء، یتامی، مساکین اور مسافروں کے لیے ہے۔ اس میں غریب مہاجرین کا بھی حصہ ہے) جو اپنے گھر بار، جائداد سے بے دخل کر دیئے گئے ہیں اور ان لوگوں کا بھی حصہ ہے جو ان سے پہلے مدینہ میں ایمان لے آئے تھے۔ اور بعد میں آنے والی نسلوں کا بھی حصہ ہے“ (الحشر ۱۰-۶)۔

صرف ایک جامع فقرہ تاکہ مال تمہارے مالداروں میں ہی نہ چکر لگتا رہے۔ اقتصادی نظام کے افضل ڈھانچہ کی طرف بہترین اشارہ ہے۔ اور دنیا ایسا سسٹم پیش کرنے سے کلیتہاً قاصر رہا۔ سورۃ انفال میں حکم غنیمت کے بارے میں ارشاد ہے۔ تو کہہ دیجیے کہ مال غنیمت اللہ اور اس کے نبیؐ کا ہے۔ سو اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح کرو۔ اور اگر ایمان رکھتے ہو تو رب تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کریم کا حکم مانو۔

نیز فرمایا: کہ جب اللہ کا نام آئے تو ان کے دل ڈر جائیں کلام اللہ پڑھا جانے پر ان کا ایمان زیادہ ہو جاتا ہے۔ وہ رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ وہ لوگ نماز پڑھتے ہیں اور ہماری روزی میں سے خرچ کرتے ہیں۔ وہی سچے ایمان دار ہیں۔ ان کے لیے ان کے رب کے پاس صبر ہیں نیز معافی اور عزت کی روزی ہے۔ (الانفال ۱-۴)۔

(۷) حکومت کی محدود مداخلت | اسلام اس امر کو قطعاً پسند نہیں کرتا کہ حکومت خود زمیندار، تاجر یا صنعت کار بنے اس کا اصل کام سرپرستی، رہنمائی، عدل و انصاف اور مکمل امن و امان کا قیام ہے۔ تاہم رعایا کو کھلی



چھٹی نہیں دی جاتی کہ وہ ملک میں لوٹ مار اور حقوق ملعی کا بازار گرم کر دے۔ وہ انہیں قواعد و ضوابط کا پابند بناتی ہے اور خلاف وندی کی صورت میں عبرت ناک سزا بھی دیتی ہے۔ وہ آجماٹی بھلائی اور مفاسد کی روک تھام کے لیے بھرپور کوشش کرتی ہے۔ جب ضرورت پیش آئے تو اسلام کا رد بار یا صنعت و حرفت پر سرکاری کنٹرول بھی نافذ کر دیتا ہے۔ مگر ایسی صورت میں جب نجی کاروبار سے پبلک کو زیاں کاری کا خطرہ ہو یا افراد کام چلانے سے معذوری کا اظہار کر دیں۔

اگر صحیح معنوں میں اسلامی حکومت قائم ہو تو وہ لوگوں کے مال، جان اور عزت کی محافظ ہوتی ہے۔ ہر فرد کو ذاتی کاروبار چلانے کا پورا اختیار ہوتا ہے۔ اور اسے کسی بیرونی یا اندرونی دباؤ کا احتمال نہیں ہوتا۔ اس لیے وہ پوری محنت اور تندی سے اپنے مشاغل میں مصروف کار ہوتا ہے۔ ملکی پیداوار میں اضافہ کرتا ہے۔ ملی استحکام اور ملکی سالمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے کسی کو نقصان نہیں پہنچاتا۔ اور اسے یقین ہوتا ہے کہ میں جو کام قوم کی فلاح اور ترقی کے لیے سرانجام دوں گا اس کا مجھے نہ صرف یہاں فائدہ ہو گا بلکہ عاقبت بھی سنور جائے گی۔ دور حاضر میں بد اعتدالیوں اور خرابیوں کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ لوگوں کے حقوق کی اچھی طرح نگہداشت نہیں ہوتی۔ اور وہ اپنے فرائض بھی پورے نہیں کرتے۔ لہذا حکومت کا یہی فرض بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ وہ لوگوں میں درست شعور اجاگر کر دے۔ اور کاروبار میں کم دخل اندازی کرے۔ البتہ قوانین سے انحراف کی صورت میں کڑی سزا دے اور کوئی رعایت نہ کرے۔

اپنی ضروریات پر خرچ کرنے، زکوٰۃ ادا کرنے اور سخاوت و جود کرنے کے بعد جو جائیداد یا دولت ایک جگہ مرکزم ہو جائے تو

## (۸) قانون میراث

اسے پھیلانے کی خاطر اسلام نے ایک اور جود میراث کی ہے وہ اس کا قانون وراثت ہے جو اس دنیا میں نہایت عظیم النظیر ہے۔ اس قانون کا منشا یہ ہے کہ متوفی جو مال چھوڑ جاتا ہے خواہ زیادہ ہو یا کم ہو، زمین ہو، کارخانہ ہو، نقدی کی صورت میں ہو، یا دکان وغیرہ کی شکل میں ہو، اسے نزدیک و بےقید کے رشتہ داروں میں حسب حصہ منقسم کر دیا جائے۔ اور کسی کا کوئی قریبی یا دور کا عزیز نہ ہو تو اسے مسلمانوں کے بیت المال کی تحویل میں دے دیا جائے تاکہ اس سے پوری قوم استفادہ کر سکے۔ دیگر کوئی نظام اس قسم کا وراثتی سسٹم پیش کرنے سے عاجز ہے۔ کیونکہ ان میں سقیم پائے جاتے ہیں۔ یہ مکمل اور اٹل قانون ہے۔ جو حصص خداوند تعالیٰ اور اس کے محبوب نے مقرر کر دیے ہیں۔ وقتی مصلحت کے باوجود ان میں تبدیلی یا ترمیم نہیں ہو سکتی۔ دیگر نظاموں میں دولت کو اس طریقے سے پھیلانے کا کوئی قطعی بندوبست نہیں ہے۔ کیونکہ وہ انسانی ذہن ناری کی تخلیق ہیں۔ اور وہ بدلتے ہوئے تقاضوں کا پوری



طرح ساتھ دینے سے قاصر ہیں۔ اس کی دیکھا دیکھی اب غیر مسلم اقوام بھی اس قسم کے قوانین و قوانین نافذ کرتی رہتی ہیں۔ تاہم وہ اس کا نعم البدل ثابت نہیں ہو سکتے۔ اس قانون کے لیے ایک علیحدہ باب مختص کر دیا گیا ہے۔

(۹) **حُرْمَتِ سُود** اسلام میں سود لینا اور دینا حرام ہے۔ اور اس قسم کے مذہب کا روبرو کرنے والوں کو سختی سے روکا گیا ہے۔ مزید برآں اسلامی نظریہ کے

مطابق اس سے نفع کی بجائے نقصان ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔  
 ”اور جو تم سود دیتے ہو۔ تاکہ لوگوں کے اموال میں اضافہ ہو تو اللہ کے نزدیک وہ ہرگز نہیں بڑھتا۔ بڑھوتری تو ان اموال کو نصیب ہوتی ہے جو تم اللہ کے رستے میں بطور زکوٰۃ دیتے ہو“ (الروم ۳۹)  
 ان آیات قرآنی سے عیاں ہے کہ سود بڑھنے کی بجائے گھٹتا ہے۔ علاوہ ازیں فرمایا گیا۔  
 ”يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُزِيلُ الصَّدَقَاتِ“ (بقرہ ۲۷۶) اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو نشوونما دیتا ہے۔

رسول اکرمؐ کا ارشاد مبارکؐ ہے۔ ”ان الربوا وان کثیر فان عاقبتہ تصیر الی قل“ سود اگرچہ کتنا ہی زیادہ ہو مگر انجام کار وہ کمی کی طرف پلٹتا ہے۔  
 اور بورژوا طبقہ کے خیال کے مطابق اس کے بغیر کاروبار چل ہی نہیں سکتا۔ اس کی جڑیں اتنی گہری اور مضبوط ہو چکی ہیں کہ اس کے بغیر تجارت وغیرہ ترقی نہیں کر سکتی۔ دراصل وہ بھول کا شکار ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ سود کی حرمت ایک جذباتی چیز ہے۔ اور بغیر سود کسی کو قرضہ دینا محض ایک اخلاقی رعایت ہے۔ وہ منطقی اور اقتصادی لحاظ سے اسے معقول گردانتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ نہیں ہے۔ اسلام اور دیگر نظاموں میں سب سے بڑا فرق یہی ہے کہ اسلام نے اسے سرے سے ہی محروم قرار دیا ہے۔ افسوس ہے کہ مسلمان بھی اس بیماری کا شکار ہو چکے ہیں۔ تاہم کوشش کرنی چاہیے کہ اس سے نجات حاصل کی جائے اور اس کے بغیر ہی ننگ سٹم چلایا جائے۔

(۱۰) **درجات میں تفاوت** اگرچہ حق معیشت میں سب برابر ہیں مگر درجات میں فرق ہے اور یہ تفاوت کسی حد تک فطری ہے

مگر یہ فرق ایسے اعتدال پر قائم رہے کہ وجہ نزاع نہ بن سکے۔ اور ایک فریق دوسرے فریق پر مظالم ڈھانے شروع نہ کر دے۔ یا اس کی لوٹ کھسوٹ کا بازار نہ گرم ہو جائے۔ قرآن میں یہ فرق اس طرح بیان ہوا ہے۔



نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا  
بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ ط (زخرف) "وینیوی زندگی میں ہم نے لوگوں کی معیشت  
ان کے درمیان بانٹ دی ہے۔ اور اس طرح کر دیا کہ بعض کو بعض پر درجہ معاش میں بلندی حاصل  
ہے۔"

اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ط اللہ جس کے لیے چاہتا ہے تنگی ڈالتا ہے۔  
میں فراخی عطا کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگی ڈالتا ہے۔

سورۃ النعام میں اس مضمون کو یوں بیان کیا گیا: "اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں ایک  
دوسرے کا جانشین بنایا اور بعض کو بعض پر مرتبے دیئے۔ تاکہ جو کچھ تمہیں دیا ہے اس میں تمہاری آزمائش  
کرے۔"

اسی طرح سورۃ نحل میں ارشاد ہوا: "خدا نے تم میں بعض کو بعض پر رزق میں برتری دی پھر  
ایسا نہیں ہوتا کہ جس کسی کو زیادہ روزی دی ہے وہ اپنی روزی کو اپنے زیر دستوں پر لوٹا دیں کہ  
اس روزی میں سب برابر ہو جائیں۔ پھر کیا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے صریح منکر نہیں ہو رہے؟"  
(روح المعانی)

یہ فرق ایک قسم کی سخت آزمائش ہے۔ ایک طرف غنی سے اسلام مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنی  
دولت پر سانپ بن کر نہ بیٹھ جائے بلکہ یہ یقین رکھے کہ جس قدر زیادہ کمانے کا اسی قدر اجتماعی حقوق  
زیادہ ہوتے جائیں گے۔ کیونکہ جماعت کے دوسرے لوگوں کا بھی حق ہے، دوسری طرف غیر متمول  
سے توقع ہے کہ مالدار افراد کے متول کو دیکھ کر خدا کے ساتھ کفران اور ناشکر گزاری اختیار نہ کرے۔  
نہ ہی حسد و بغض کے جذبات پیدا کرے اور نہ ناجائز ذرائع سے اس دولت کو لوٹنے کی کوشش کرے  
بلکہ اپنی فارغ البال اور خوش حالی پر اطمینان قلب سے شاکر و قانع رہے۔ ساتھ ہی اہل میدان میں اپنی  
کوشش کو تیز کر دے۔ اور اپنی استعداد و صلاحیت اسباب معیشت سے پوری طرح فائدہ اٹھائے  
اور دائرۃ قانون میں رہ کر روزی کمانے کی تگ و دو میں مصروف رہے۔

(۱۱) **تہیہ** قومی نلاج و بہبود کے لیے کسی کو مال دنیا ایک مفید طریق کار ہے۔ بشرطیکہ واجب  
نیک اور ارفع مقصد رکھتا ہو۔ کسی کی حق تلفی کا شائبہ نہ پایا جاتا ہو۔ اس قانون  
میں اگرچہ فقیر یا غریب کی شرط نہیں ہے بلکہ غنی اور مالدار کے نام بھی یہیہ کیا جاسکتا ہے۔ تاہم بہتر  
یہ ہے کہ ہبہ غریب اور مساکین کے لیے کیا جائے۔ کیونکہ متمول اس کی ضرورت سے بے نیاز ہوتا



ہے۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے۔

تہادو۱۱ انتخابو۱۔ آپس میں ہدیہ لیا دیا کرو اس طرح باہمی محبت کی طرح ڈالو۔  
فقہ اسلامی میں مہتہ کی تعریف یوں کی گئی ہے:-

”کسی شے کو دوسرے کی ملکیت میں بغیر عوض کے دیدینا“ اور حدیث صحیح میں اس کی حکمت  
”معاشی وسائل“ میں اضافہ بتائی گئی ہے۔

اگر سوال اور انتظار کے بغیر ایک شخص اپنے مسلم برادر کے ساتھ بھلائی کرتا ہے تو اسے قبول کرنا  
چاہیے۔ اور رد نہ کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ یہ رزق ہے جو رب تعالیٰ نے اس بہانہ سے اس کے لیے  
مقرر کیا ہے۔ (بغیرات حصہ دوم)۔

اقتصادی نظام کے اخلاقی شعبہ میں عاریت بھی خاص کردار ادا کرتی  
(۱۲) عاریت ہے کسی شخص کا اپنی ملکیت کے منافع کو بغیر معاوضہ کے دوسرے

کی ملک بنادینا ”عاریت“ کہلاتا ہے اس کا جواز یوں بیان کیا گیا ہے:  
”امت کا اس پر اجماع ہے کہ عاریت نہ صرف جائز ہے بلکہ مستحسن اور مستحب ہے۔ اس لیے  
کہ اس میں حاجت روائی مضطر اور اعانت نادر ہے۔ اس امر سے کون ناواقف ہے کہ ہر فرد کے  
پاس ضرورت کی اشیاء موجود نہیں ہوتیں اور وہ بھی انسان میں جو قوت خرید نہیں رکھتے۔ اور بصد  
مشکل بسر اوقات کرتے ہیں۔ اس لیے مدد کا یہ طریقہ جو عاریت کی شکل میں سامنے آتا ہے معاشی نظام  
کا حصہ نہ بنے اور اس کے رائج کرنے کے لیے اقدام نہ کیا جائے۔ تو باہمی معاشی تعاون کا ایک ضروری  
حصہ معدوم ہو جائے گا۔ قرآن کریم میں ان اشخاص کی سخت مذمت کی گئی ہے جو بے بس اور نادار  
کی مدد سے باز رہتے ہیں۔ اور اپنی چیز کو عاریت دینے سے گریز کرتے ہیں  
وَلَيَمْنَعَنَّ الْمَاعُونَ (المعون) اور ان سے لیے بھی ہلاکت ہے جو بھینے کی

چیزوں تک کو عاریت پر نہ دیں۔

آگ، پانی اور اس قسم کی دیگر اشیاء اگر غریب کو عاریت دے جائیں تو ان کی مدد ہو سکتی ہے۔  
یہ اخلاق کی بلندی اور ایثار کا ثبوت ہے۔ عاریت پر لینے والے کو بھی سخت تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ اپنی  
چیز کو اپنی ملک نہ بنالے۔ اور ضرورت پوری ہو جانے کے بعد اصل مالک کو واپس کر دے۔ اسی لیے  
آپ نے فرمایا:



العاریۃ موداتہ - عاریت کی واپسی لینے والے کے ذمہ ہے۔ (ترمذی - ابو داؤد)۔

### (۱۳) امانت و صداقت

اگرچہ ظاہر میں لگا ہوں میں ان کا براہ راست معاشی نظام سے تعلق نظر نہیں آتا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ بھی بعض

حالات میں اہم اقتصادی ضروریات پورا کرنے کی کفیل ہیں۔ اگر ایک شخص نقدی یا مال کسی دوسرے کے پاس بطور امانت رکھتا ہے اور امین کو ضرورت کے وقت امانت میں تصرف کرنے کی اجازت دے دیتا ہے تو کیا اس سے انکار کیا جاسکتا ہے کہ اس طرح کس انداز میں حاجات کی ضروریات کو پورا کیا جاسکتا ہے؟ اس لیے ضروری ہے کہ اس مال میں خیانت نہ کی جائے۔ اس طرح اعتماد اٹھ جاتا ہے۔ قرآن مقدس میں اس کا ذکر کچھ اس طرح آتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تُوَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰى اَهْلِهَا (نساء) اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ جس شے کے تم امین بنائے گئے ہو اس کو مالک شے کے پاس امانت کے ساتھ واپس کر دو۔ اسی طرح رسول مقبول کا ارشاد گرامی ہے۔

”امانت کو امین کے پاس رکھو اور کسی شخص نے تمہارے ساتھ خیانت کی ہے تب بھی تم اس کے ساتھ خیانت نہ کرو“ (ترمذی - ابو داؤد)

مزید فرمایا: جس میں امانت کا مادہ نہیں اسے ایمان سے بھی حصہ نہیں ملا۔ (بیہقی)

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِيْنَ - (انفال) اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

اسی طرح آپ کا فرمان ہے کہ: منافق میں تین علامات ہیں، امانت میں خیانت کرتا ہے۔ پورا عہد پورا نہیں کرتا۔ اور جھوٹ بولتا ہے۔

معاملہ کرنے میں بے لاگ صداقت اور امانت ضروری ہے۔ آپ امین اور صادق کہلاتے تھے۔ اور انہیں آپ پر کامل بھروسہ تھا۔ گاہک کو دھوکا دینا، اس سے اپنی چیز کا عیب چھپانا بھاری گناہ ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّيْ - جس نے دھوکا دیا وہ میرے لوگوں میں سے نہیں کسی کے پاس اپنا مال امانت رکھنے والا شخص، امین کو بوقت ضرورت امانت سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دے اور اس اجازت کی بنیاد پر امین نے فائدہ اٹھایا یا امانت رکھنے والے کی اجازت کے بغیر اس طرح فائدہ اٹھایا کہ امانت رکھنے والے کا نقصان بھی نہ ہوتا ہو تو ہر دو صورتوں میں امانت، عاریت میں بدل جائے



گی۔ اپنی بکری بڑھانے کی خاطر اپنی چیز کی حد سے بڑھ کر تعریف کرنا اور جھوٹی قسمیں کھانا بڑی معصیت کی بات ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایسا شخص قیامت کے دن اللہ کی نظرِ کرم سے محروم رہے گا۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے۔

لَعْنَتُ اللّٰهُ عَلٰی الْكَافِرِینَ۔ یعنی اللہ جھوٹوں پر لعنت فرماتے ہیں۔

صداقت و دیانت اچھے اخلاق کی اعلیٰ خصوصیات ہیں۔ سچ بولنے سے انسان کی عزت اور اعتبار میں اضافہ ہوتا ہے۔ بغرض امانت اور صداقت اجتماعی معاشی نظام میں ایک خاص مقام رکھتی ہیں۔ اگر مسئول اپنی فاضل دولت کو کسی کے پاس امانت رکھتا ہے اور ساتھ ہی استفادہ کرنے کی اجازت دے دیتا ہے تو وہ شخص اپنی ضرورت پوری کر سکتا ہے۔ موجودہ دور میں ان کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی ہے۔ بینک میں لوگوں کی امانتوں *Deposits* کے امین ہوتے ہیں۔ البتہ سودی عنصر مُضر ہے۔ اسلامی نقطہ نظر کے مطابق امانت سے استفادہ مذموم طریقہ کا انسداد کر کے صاحبِ دولت کو بھی ہلاکت سے بچاتا ہے اور ضرورت مندوں کی تکمیل حاجات، مثلاً تجارت، صنعت، زراعت وغیرہ یا وقتی حصولِ معیشت کے لیے ممد و معاون ثابت ہوتا ہے۔ اس لیے اس کے صرف مفید پلو کو لیا گیا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں یوں ہے:

الامانة غنی۔ "امانت مالی رفاہیت ہے" محدث ابن اثیر نے اس کی تشریح کی ہے "حدیث کے جملہ کی مراد یہ ہے کہ امانت، امین کی رفاہیت *Refuge* کا باعث بنتی ہے اس لیے جب اس کی امانت داری کی شہرت ہوگی تو لوگ کثرت سے اپنے فاضل مال کو اس کی امانت میں رکھنے کا اقدام کریں گے اور اس طرح یہ معاملات کی رفاہیت کے باعث ہوں گے۔"

(۱۴) **قرض کی ترغیب** دنیا میں ضروریاتِ زندگی فراہمی کے لیے نقدی کی احتیاج ہوتی ہے۔ اس طرح کاروبار بھی سرمایہ کے بغیر نہیں چلایا

جاسکتا۔ موجودہ دور میں چونکہ بے راہ روی، دھاندلی اور بے مروتی کا چرچا عام ہو چکا ہے اور گمراہی عام صارفین کی کمزور رہی ہے۔ اور افزائشِ آبادی کا ساتھ ملکی وسائل نہیں دے سکتے۔ اس لیے بیشتر افراد قرض لینے پر مجبور ہوتے ہیں۔ جہالت کی تاریکی میں اکثر لوگ اپنی آمدنی سے اخراجات کو بڑھا دیتے ہیں بڑے رسم و رواج کے باعث بھی لوگ گلچمرے اڑانے کی کوشش کرتے ہیں۔ تو انہیں قرض کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ غریب طبقہ اس جنگل سے نجات حاصل کرنے میں بُری طرح ناکام رہتا ہے۔ اور ایک بار لیا ہوا قرض لپٹوں تک چلا جاتا ہے۔ گویا مرحوم اپنی اولاد کو دیگر مال کے ساتھ قرض بھی ورثہ میں دے جاتا ہے



جو لوگ معاشی لحاظ سے کمزور ہوتے ہیں وہ عموماً اس مرض کا شکار ہو جاتے ہیں۔ سود کی لعنت سے قرضہ کا اتارنا اور بھی دشوار ہو جاتا ہے۔ اس لیے اس کی اہمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسلام نے اس پر روشنی ڈالی ہے۔ موجودہ زمانے میں ترقی پذیر ممالک قرضوں کی سہولیات کے بغیر ترقیاتی کاروبار نہیں چلا سکتے۔ مگر میر تو میں ان کی کمزوری سے ناجائز فوائد حاصل کرتی ہیں۔ قرض پر سود کا بار گراں اور زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ اور اس قرض کی واپسی بہت مشکل ہو جاتی ہے:

وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ط وَ أَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ  
لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ..... تا ..... وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ط (البقرة - 282 - 285)

”اور اگر مقرض تنگ دست ہو تو کشائش تک مہلت دینی چاہیے۔ اور بخش دو تو بہتر ہے تمہارے لیے اگر تمہیں سمجھ ہو۔۔۔۔۔۔ اور اس دن سے ڈرتے رہو جس دن اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹانے جاؤ گے۔ ہر شخص کو جو کچھ اس نے کمایا پورا پورا اجر ملے گا۔ اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔ اے ایمان والو! جب تم آپس میں معاملہ کرو۔ یعنی ادھار کا تو کسی مقرر وقت تک مکھ لیا کرو اور کوئی انصاف سے لکھنے والا لکھ دے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے سکھایا۔ اس شخص کو جس پر قرض ہے بتلا جائے۔ اور اللہ سے جو اس کا رب ہے ڈرے۔ اور اس میں سے کچھ کم نہ کرے۔ اگر مقرض بے عقل یا ضعیف ہے یا خود نہیں تبا سکتا۔ تو کار گزار انصاف سے تبادے۔ اور اپنے میں سے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں، جو تمہیں پسند ہوں گواہ کر لو۔ تاکہ اگر ایک عورت بھول جائے تو دوسری یا دوسری اور گواہ جس وقت بلائے جائیں تو انکار نہ کریں۔ اگرچہ معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ اس کی میعاد تک لکھنے کی کاہلی نہ کرو۔ اس میں رب کے ہاں پورا انصاف ہے۔ اور بہت دوست رکھنے والا ہے گواہی کو۔ اور نزدیک ہے کہ شبہ میں نہ پڑ جاؤ۔ مگر یہ کہ سود اوست بدست ہو۔ اس پر کوئی گناہ نہیں۔ کہ نہ لکھو۔ تاہم سود کرتے وقت گواہ کر لیا کرو۔ نیز تحریر کیلئے اور شاہ نقصان نہ کریں۔ اور اگر ایسا کرو تو گناہ ہے۔ اللہ سے ڈرتے رہو۔ اور وہ سکھاتا ہے۔ اور ہر ایک چیز کو جانتا ہے۔“

سبحان اللہ! ذات کبریا نے کس انداز سے چند اہم نکات ذہن نشین کرائے ہیں۔ اگر قرض کچھ مدت کے لیے لیا جا رہا ہے تو بھول چوک اور نزاع کو مٹانے کی خاطر اس کے تعین اور اہتمام کی تاکید فرمائی۔ معاملہ کی تفصیل درج کرو جانے۔ کاتب کو چاہیے کہ شریعت کے مطابق تحریر کرے اور دو گواہ بھی بنالئے جائیں۔ اور بوقت ضرورت ان کی شہادت لی جائے۔ اگر سفر میں قرض کا معاملہ کیا جائے اور دتا دینے کے



لیے میسر نہ ہو تو ادھار کے عوض کوئی چیز مدیون کو رکھ دینی چاہیے۔

حضرت ابو قتادہؓ کے مطابق آپؐ نے فرمایا: جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ خدا تعالیٰ قیامت کی سختیوں سے اسے بچائے تو وہ تنگ دست کو مہلت دے۔ یا اپنا قرض معاف کر دے۔ (مسلم)۔  
 نیز فرمایا: جو شخص اپنا قرض وصول کرنے میں مفلس کو مہلت دے گا یا قرض معاف کرے گا۔ اللہ قیامت کی سختیوں سے بچائے گا۔ اور اسے اپنے سایہ میں جگہ دے گا۔ (مسلم)۔

آپؐ نے فرمایا: شہید کے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے مگر قرض معاف نہیں ہوگا۔ (مسلم)۔  
 حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا: آنحضرتؐ نے فرمایا: مومن کی روح قرض کے سبب معلق رہتی ہے جب تک قرض ادا نہ ہو جائے۔ (شافعی۔ احمد۔ ترمذی۔ ابن ماجہ۔ دارمی)۔

حضرت ثوبانؓ کے مطابق آپؐ نے فرمایا: جو وفات پائے غرور و فخر، خیانت اور قرض سے پاک ہو۔ خدا اس کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ۔ دارمی)۔  
 حضرت عمران بن حصینؓ کہتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: جس شخص کا کسی پر قرض ہو اور وہ اس کے وصول کرنے میں جلدی نہ کرے۔ تو مہلت کا ہرون صدقہ ہوگا۔ (احمد)  
 نیز حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ آپؐ صلعم پر میرا کچھ قرض تھا۔ آپؐ نے میرا قرض ادا کیا۔ اور کچھ زیادہ دیا۔ (ابوداؤد)۔

آیات اور احادیث کی رو سے مقروض کو سہولت دینے اور قرض معاف کر دینے سے بہت بڑا ثواب ملتا ہے۔ اس لیے امیر لوگوں کو استفادہ کرنا چاہیے اور ناداروں کا ہاتھ بٹانا چاہیے۔

اسلام میں معاشی نقطہ نگاہ سے وصیت سے مراد یہ ہے کہ کوئی مسلم شخص اپنے مال و جائیداد عاقل بالغ ہونے کی صورت میں اپنی زندگی میں یہ کہے کہ میری موت کے بعد اسے فلاں کو دیدیا جائے یا فلاں کام پر اسے لگایا جائے۔

وصیت لیے وارث کے حق میں کرنا درست نہیں جسے وصیت کرنے والے کی جائداد سے شرعی طور پر حصہ بھی ملتا ہو۔ ہاں اگر باقی ورثہ ایسی وصیت کے اجرا پر راضی ہوں تو عمل کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح وصیت زیادہ سے زیادہ ایک تہائی مال تک کی ہوتی ہے۔ اس سے زیادہ کی وصیت پر عمل ورثہ کی رضامندی پر موقوف ہے۔ اگر وصیت ناجائز کام کے لیے کی گئی ہو تو اس پر عمل نہیں کیا جائے گا۔ اگر وصیت کرنے والا مقروض تھا اور قرضہ وغیرہ کی ادائیگی کے بعد مال بچتا نہیں یا اتنا ہی مال چھوڑا ہے تجھیز و تکفین کے لیے مشکل پورا ہوتا ہے تو تجھیز و تکفین اور قرضہ کی ادائیگی مقدم ہوگی۔ وصیت کا اجرا نہ ہوگا۔



شروع میں جب وراثہ کے شرعی حصے اللہ تعالیٰ نے مقرر نہیں کیے تھے تو مالدار شخص کے ذمہ ضروری قرار دیا گیا تھا کہ وہ اپنے والدین اور دیگر اقرباء کے لیے وصیت کرے۔ جب حصے اللہ تعالیٰ نے متعین فرمادیے تو حکم بتی نہ رہا۔ اس لیے سورۃ بقرہ میں وصیت کی یہ آیات :-  
 کُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا أَحْضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ أَنْ تَرِکَ خَيْرَ الْوَصِيَّةِ  
 .... منسوخ الحکم ہے۔ گو آیت کی تلاوت اب بھی باقی ہے اور یہ آیت قرآن کریم کا حصہ ہے۔  
 رفاہ عامہ کے کاموں کے لیے وصیت یا کسی خاص غیر وارث رشتہ دار یا اجنبی کے لیے وصیت لوگوں سے ہمدردی و محبت کا مظہر ہے اور گردشِ زر کا یہ بھی ایک ذریعہ ہے۔  
 قرآن کریم میں ارشاد ہے:

”اے ایماندارو! جب تم میں سے کسی کو موت پہنچے تو وصیت کے وقت گواہ کر لو جو دو مقبرہ شخص ہونے چاہیں۔ دو شاہد تمہارے علاوہ ہوں۔ اگر تم نے سفر کیا ہو ملک میں پھر تمہیں موت کی مصیبت پہنچے تو ان دونوں کو نماز کے بعد کھڑا کرو اگر شبہ پڑے تو قیام اٹھائیں۔ کریم قسم کے بدلے مال نہیں لیتے اگرچہ کسی کو ہم سے قرابت بھی ہو اور ہم اللہ کی گواہی نہیں چھپاتے۔ وگرنہ ہم بلاشبہ گنہگار ہیں“ (المائدہ ۱۵۶)

یہاں وصیت کا بہترین طریقہ بتلایا گیا ہے۔ یعنی مسلمان مرتے وقت اگر کسی کو اپنا مال وغیرہ حوالے کرے تو دو قابل اعتبار مسلمانوں کو گواہ بنایا جائے۔ اگر بغرضِ محال سفر میں مسلمان نہ مل سکیں۔ تو دو کافروں کو وصی بنایا جائے۔ پھر اگر وراثہ کا شک گزرے کہ انہوں نے کچھ مال چھپایا ہے اور دعویٰ کر دیں مگر گواہ نہ ہوں تو وہ دونوں فروقیں کھائیں۔ کہ ہم طمع یا رشتہ داری کی وجہ سے جھوٹ نہیں بول رہے۔ اس طرح اسے نپٹایا جائے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے مطابق تاجدارِ مدینہ نے فرمایا: جس مسلمان کے معاملات یا تعلقات میں

کوئی بات وصیت کے قابل ہو اسے چاہیے کہ وہ دو راتوں کے گزرنے سے پہلے انہیں لکھ لے۔  
 (بخاری و مسلم)۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں آنحضرت نے فرمایا: جو شخص وصیت کر کے مرے وہ راہِ مستقیم پر مرا اور طریقہ سنت پر مرا۔ اور تقویٰ و شہادت پر مرا۔ اور حال میں مرا کہ اس کے لیے بخشش کی گئی۔  
 (ابن ماجہ)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا آپ نے فرمایا: جو شخص اپنے وارث کی میراث کاٹے گا قیامت کے روز



خداوند تعالیٰ جنت میں اس کی میراث کاٹ لیں گے۔ (ابن ماجہ بیہقی)۔

حضرت سعد بن وقاص روایت کرتے ہیں میری بیماری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میری عیادت فرمائی۔ آپ نے مجھ سے دریافت کیا کہ کچھ وصیت کا ارادہ ہے میں نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا کتنے مال کی؟ میں نے عرض کیا خدا کی راہ میں سارے مال کی وصیت۔ فرمایا اپنی اولاد کے لیے تو نے کیا چھوڑا؟ میں نے عرض کیا وہ مال دار اور خوش حال ہیں۔ فرمایا دسویں حصہ کی وصیت کر۔ میں زیادہ پر اصرار کرتا رہا۔ یہاں تک کہ آپ نے فرمایا: تہائی کی وصیت کر دے۔ اور تہائی بھی بہت ہے۔ (ترمذی)۔

آیات قرآنی اور احادیث مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وصیت کی کتنی اہمیت ہے۔ اسلامی اقتصادیات میں اسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ وصیت چاہے زبانی ہو چاہے تحریری ہو ہر دو صورت میں قابل اعتماد گواہوں کا ہونا نہایت مناسب ہے۔ ورنہ ٹھوس شہادت کے بغیر وصیت پر عمل در آمد مشکل ہو جائے گا۔ بلکہ اس کے غلط ہونے کا خدشہ ہو گا۔

اسلام دوسری تمام ملکیتوں کی طرح زمین کی ملکیت کا بھی قائل ہے۔ اور اس کے جائز تسلط کو قانونی محافظت ہوتی ہے۔

## (۱۶) زمین کی ملکیت

زمین کی نجی ملکیت کے لیے کوئی زیادہ یا کم حد مقرر نہیں ہے۔ اور نہ ہی شخصی ملکیت پر کوئی قدغن لگائی جاتی ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی جائیداد کو کسی سے چاہے ہزاروں ایکڑ اراضی خریدے اس پر کوئی پابندی عائد نہیں کی جاتی۔ البتہ اگر کوئی شخص فراڈ، بددیانتی اور حرام طریقوں سے کسی دوسرے شخص یا خاندان کی زمین ہتھیالیتا ہے۔ تو اسلام اس کے قبضے کو ساقط کر دیتا ہے۔ اور ناجائز تصور کیا جائے گا۔ کیونکہ زمین کے حاصل کرنے کا طریقہ اچھا اور معقول نہیں تھا۔ اسی طرح اسلام دکان، مکان اور کارخانوں کی شخصی ملک کو بھی تسلیم کرتا ہے اور ایک شخص ذاتی محنت اور سرمایہ سے جو جائیداد سکنی یا زرعی بناتا ہے اسلام اسے صحیح مانتا ہے۔ اور اسے قانونی و آئینی تحفظ بھی مہیا کرتا ہے۔ تاکہ کوئی زبردست اور سرپرہ آدمی اسے تنگ و دق نہ کرے اور حقوق پر ڈاکہ نہ ڈال سکے۔ زراعت ایک اچھا پیشہ ہے زمین کو خود بھی کاشت کیا جاسکتا ہے اور جائز صورتوں میں زراعت پا پٹہ پر بھی دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

آپ نے ارشاد فرمایا: جو آدمی غیر آباد اور خشک زمین کو آباد کرے گا اسے ثواب ملیگا۔ اور اس کیفیت میں سے اگر جانور کھائیں گے تو اس کو صدقے کا ثواب ملتا ہے۔ (دارمی)۔

آنحضرت نے فرمایا: جو شخص باشت بھر زمین ظلم سے حاصل کرے گا اس زمین گٹے بھرے کے



ساتوں بقیہ قیامت کے دن اس کی گردن میں طوق کے طور پر پہنائے جائیں گے۔ (بخاری و مسلم)  
 مزید فرمایا: جو بخیر زمین کو کاشت کے قابل بنائے۔ وہ اسی کی ہے۔ اور ظالم کی اولاد کا کوئی  
 حق نہیں ہے۔ (احمد۔ ترمذی۔ ابوداؤد)۔

اسی طرح ارشاد ہوا: جو کسی کی زمین پر قبضہ کرے۔ قیامت کے دن اس کو حکم دیا جائے گا کہ  
 اس زمین کی مٹی سر پہ اٹھائے۔ (احمد)۔

بلا کر ایہ کوئی شخص کسی کو زمین دے یا بغیر ٹہائی لینے ہوئے تو یہ صدقہ ہے۔ دیگر تفصیل علیحدہ باب  
 میں درج کی گئی ہیں تاکہ موجودہ دور کے بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر ان سے استفادہ کیا جاسکے۔  
 دھاندلیوں کو روکنے کے لیے اسلامی حکومت کو مداخلت کا حق حاصل ہے اور منگامی ضرورت کے تحت  
 زمین سرکاری ملکیت میں بھی رکھی جاسکتی ہے۔ جیسا کہ حضرت عمر فاروقؓ نے مفتوحہ زمین کو رکھا تھا۔  
 مگر عام حالات میں بے جا تصرف کی چنداں ضرورت نہیں۔ تاہم حکومت اصلاحات نافذ کر سکتی ہے  
 اور وہ بھی شرعی حدود کے اندر ہوں۔

## (۱۶) احتکار و اکتنار کی ممانعت

(Hoarding And Accumulations)

آج کل کا معاشرہ انہی برائیوں میں گرفتار ہے۔ چند لوگ اکثریت کا استحصال کر کے دولت  
 سمیٹ لیتے ہیں۔ اور پھر گردن زد رک جانے سے موسمیاتی کو مختلف دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے  
 یہی سرمایہ داری کی اساس ہے اور اسلام نے اسے حرام قرار دیا ہے۔ اس کے وجود سے ہی دھاندلیوں  
 اور بے قاعدگیوں کا دور دورہ شروع ہوتا ہے اسی طرح مخصوص طبقے وجود میں آکر پردان چڑھتے ہیں  
 قرآن میں اس کا سد باب یوں بیان کیا گیا ہے۔

”اور جو لوگ سونے اور چاندی کو خزانہ بنا کر رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے  
 سوان کو دردناک نذاب کی خوشخبری دے دو جس روز اس مال پر جہنم کی آگ دھکاں جانے لگی پھر اس  
 ان کی پشیمانیوں، مچھ، پہلو داغے جائیں گے۔ یہ وہ خزانہ ہے جو تم نے اپنے واسطے گاڑ رکھا تھا اور  
 اپنے گاڑنے کا مزہ کچھو“ (توبہ)  
 اسی طرح سورۃ بقرہ میں یوں کہا گیا ہے۔



”اور جو ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے موت کے آمو جو دہونے سے پیشتر خرچ کر ڈالو۔ اور اللہ کی راہ میں صرف کرو اور اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ یعنی رب کے رستے میں خرچ کرنے سے گریز کرنا بربادی کو دعوت دینا ہے۔ ان آیات میں ادا زکوٰۃ، صدقات وغیرہ کا حکم دیا گیا ہے۔ قرآن حکیم میں ایک بہت بڑا ذخیرہ انہی احکام کی ترغیب و ترہیب پر مبنی ہے۔ دراصل اللہ کی رضا یہ ہے کہ مال ایک جگہ جمع ہو کر نہ رہ جائے۔ بلکہ زکوٰۃ، صدقات اور خیرات کے ذریعے پھیلتا رہے۔ اور وہ انفرادی تعیش کی بجائے اجتماعی رفاہیت پر صرف کیا جائے اگرچہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد مال پاک و صاف ہو جاتا ہے اور وہ بچا یا بھی جاسکتا ہے تاہم جا بجا خرچ کرنے کا حکم دیا جاتا ہے یہ اس لیے ہے کہ ملک سے غربت و افلاس کا قلع قمع ہو جائے۔

اسلام میں مال کو ہنگام کرنے کے لیے ذخیرہ اندوزی (احتکار کرنا) اور اس طرح اس کی رسد میں مصنوعی طور پر کمی کر کے اضافہ کرنا ممنوع ہے۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا: جو مسلمانوں کے لیے نرخ گراں کرنے کی خاطر ذخیرہ اندوزی کرے وہ غلط کار ہے۔ (حاکم مستدرک)

اسی طرح دوسرے ذرائع سے اشیائے تجارت کی گرانی کے لیے کوشش کرنا مذموم فعل ہے۔ معقل ابن یسار نے کہا ہے کہ میں نے رسول اللہ کو فرماتے سنا ہے کہ جو شخص مسلمانوں کے بازار کے نرخ میں اس لیے دخل دے کہ اسے گراں کرے تو رب تعالیٰ کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ قیامت کے دن اسے زبردست آگ میں جھونک دے۔ (ابوداؤد)

ایک روایت میں ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ جس نے چالیس دن غلہ روک رکھا وہ اللہ سے الگ ہو گیا اور جس نے کوئی شخص فاقہ سے رات گزارنے پر مجبور ہوا اس کی سلائی سے اللہ بڑی ہے (حاکم مستدرک)۔

آپؐ نے فرمایا تاجر کو رزق ملتا ہے اور غلہ روکنے والا ملعون ہے (دارمی)۔

آنحضرتؐ نے فرمایا جس نے چالیس دن غلہ روک رکھا پھر خیرات کر دیا تو اسے کچھ ثواب نہ ملے گا۔ (زیرین)۔

حضرت معاذؓ کے مطابق آنحضرتؐ نے فرمایا وہ شخص بُرا ہے جو غلہ روک رکھے اور ازانی سے ناخوش ہو۔



حضرت عمرؓ کے حوالے سے آپؐ نے فرمایا جو فروغ و غلہ روک کر مسلمانوں کے ہاتھوں گراں قیمت پر فروخت کرے خدا تعالیٰ (اسے چاہے تو کبھی دوسروں کو عبرت دلانے کے لیے) جہنم اور افلاس میں مبتلا کر دیتا ہے۔ (ابن ماجہ - بیہقی وغیرہ)

ایک اور حدیث حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ جس شخص نے گرائی کے خیال سے غلہ کو چالیس دن بند رکھا اس نے عہد کو توڑ ڈالا اور خدا بھی اس سے بیزار ہو گیا۔ (زرین)

حضرت عمرؓ روایت کرتے ہیں آپؐ نے فرمایا جس شخص نے گرائی کے خیال سے غلہ روکا وہ گنہگار ہے۔ (مسلم)

زمانہ حاضر میں ذخیرہ اندوزی (hoarding) ایک معمول بن چکا ہے۔ اور اسے برائی نہیں سمجھا جاتا۔ یہی وجہ ہے۔ قیمتیں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں۔ اور رسد طلب کے مقابلے میں بہت کم ہو جاتی ہے۔ اگر اسلامی تعلیمات پر عمل شروع کر دیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ ایسی معاشرہ سوز برائیوں کا قلع قمع نہ ہو جائے۔ اور سوسائٹی آسودہ حال ہو جائے۔

## (۱۸) درست ناپ تول = (Right Measurement)

اشیا کی خرید و فروخت کے وقت صحیح باٹوں کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ تاکہ لین دین کا وزن پورا کیا جاسکے۔ اگر باٹ درست نہ ہوں تو ایک فریق کو زیال کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس لیے اسلام میں توازن کو قائم رکھنے کی خاطر درست ماپ کی تاکید کی گئی ہے۔ اور انحراف کی صورت میں گنہگار ہونے کا امکان پیدا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ایک شخص کے فائدے اور دوسرے کے نقصان کا اسلام قائل نہیں ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ سودا بازی میں فراڈ اور مہر پھیر کا غلیظ عناصر داخل نہ ہونے پائے۔ آج کل کئی دکاندار اپنے ترازو کی ڈنڈی صحیح نہیں رکھتے اور اس طرح اپنے گاہکوں کو کم تول کر چیزیں بیچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور قیمت پوری وصول کر لیتے ہیں۔ یہ صریح بددیانتی ہے اور مذہب اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتا۔ بلکہ ایسی کمائی حلال کے زمرے سے خارج ہو جاتی ہے۔ چنانچہ الہامی کتاب میں اس ضمنوں کو تول بیان کیا گیا ہے۔

وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ - (الانعام ۱۵۲)

”اور ماپ تول کو انصاف سے پورا کرو“ رب الکریم نے کیے لطیف انداز میں ماپ تول کی تاکید فرمائی ہے۔ انصاف صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب وزن پورا تول کر دیا جائے۔ کمی بیشی میں انصاف کا تقاضا پورا نہیں ہو سکتا۔



وَلَا تَقْصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ إِنِّي أَرِيكُمْ بِخَيْرٍ وَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُحِيطٍ - (ہود ۸۵-۸۶)

”اور ماپ تول کو نہ گھٹاؤ۔ میں تم کو دیکھتا ہوں اسودہ حال اور تم پر گھیر لینے والے عذاب کے دن سے ڈرتا ہوں۔ اور اے قوم! ماپ تول کو انصاف سے پورا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں نہ گھٹا کر دو اور زمین میں فساد مچاؤ۔“

صرف ماپ تول میں بھی نہیں کسی چیز میں بھی لوگوں کے حقوق تلف نہ کرو۔

وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا كُلْتُمْ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا - (بنی اسرائیل ۳۵-۳۴)

”اور جب ماپ کرنے لگو تو ماپ پورا بھر کر دو۔ اور سیدھی ترازو سے تولو۔ یہ بہتر ہے اور اس کا انجام بھی بہتر ہے۔“ یعنی جب دغا بازی ظاہر ہو جاتی ہے تو اس شخص کا اعتبار ساقط ہو جاتا ہے۔ اور اس کی تجارت کو دھکا لگتا ہے۔ پورا حق دینے والا سب کو بھلا لگتا ہے۔ لوگ اس سے معاملات طے کرنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔ اسی مضمون کو ایک اور مقام پر یوں فرمایا گیا ہے۔

أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْبَثُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ (الشعراء ۱۸۱-۱۸۳)

ترجمہ: ماپ پورا بھر کر دو۔ اور نقصان دینے والے مت بنو۔ اور سیدھے ترازو سے تولو۔ اور لوگوں کو ان کی چیزیں مت گھٹا کر دو اور ملک میں خرابی کرتے ہوئے مت دوڑو۔ یعنی ڈاکے مت ڈالو اور لوگوں کے حقوق سلب نہ کرو۔ معاملات میں بے انصافی کرنے سے اجتناب کرو جس طرح لینے کے وقت پورا لیتے ہو اسی طرح دیتے وقت بھی پورا ناپ کر دینا چاہیے۔

”آسمان کو اونچا کیا اور ترازو رکھی۔ کہ ترازو میں زیادتی نہ کرو۔ اور انصاف سے سیدھی ترازو تولو

اور تول کر مت گھٹاؤ۔“ (الرحمن ۶-۹)

میزان کے ساتھ بہت سے معاملات اور حقوق کی حفاظت وابستہ ہے اس لیے ہدایت فرمائی گئی کہ وضع میزان کی یہ غرض جب ہی حاصل ہو سکتی ہے کہ لینے اور دینے کے وقت کسی قسم کی کمی بیشی نہ ہونے پائے۔ ترازو کے دونوں پلے اور ہاٹ ٹی میں سقم اور عیب نہ ہو۔ بلکہ دیانتداری کے



ساتھ بالکل ٹھیک ٹھیک تو لا جائے اس سے مراد عدل بھی لیا جاسکتا ہے یعنی خدائے ذوالجلال والاکرام نے ہر شے کو حق و عدل کی بنیاد پر اعلیٰ درجہ کے توازن و تناسب سے قائم کیا ہے۔ اگر انصاف اور میزان قائم نہ رہے تو کائنات کا سارا نظام درہم و برہم ہو جاتا ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ لوگ بھی عدل و حق کے جادہ پہ گامزن رہیں اور انصاف کے ترازو کو اٹھنے یا بھکنے نہ دیں نہ کسی پر زیادتی کریں اور نہ ہی کسی کا حق دبا لیں۔ حدیث شریف میں ہے:

”عدل سے ہی زمین و آسمان قائم ہیں“

آنحضرتؐ نے فرمایا۔ پیمانے مدینہ کے معتبر ہیں اور وزن مکہ کے (ابوداؤد نسائی)۔  
آپؐ نے تو لے والوں سے کہا۔ تمہارے ہاتھ میں دو ایسے کام ہیں جن کے سبب سے تم سے پہلی قومیں ہلاک ہوئیں۔ (ترمذی)۔

آیات اور احادیث کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے۔ کہ ناپ تول اور پیمائش کی بڑی اہمیت ہے۔ اس میں خرابی ہونے سے معاشرہ بد اعتدالی اور عدم توازن کا ہدف بن جاتا ہے۔ اس لیے اُن کی پابندی نہایت ضروری ہے۔ تاکہ لوگوں کو تجارت اور باہمی لین دین میں خسارہ نہ برداشت کرنا پڑے۔

(۱۹) **بیت المال کا قیام** | اسلام کے معاشی نظام کو کامیابی سے بروئے کار لانے کے لیے حکومت ربانی کی خاطر سرکاری خزانہ کا وجود ضروری ہے۔ اور اس خزانہ عامرہ کے محفوظ مقام کو ”بیت المال“ یا جدید دور میں مرکزی یا سیٹ بینک کا نام دیا جاتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ اختیارات کا مالک ہوتا ہے۔ عموماً اس کا اطلاق وسعت کے ساتھ پورے مالی اور زرعی نظام پر حاوی ہوتا ہے۔ مرکزی بیت المال کی صوبہ دار اور ضلع وار شاخیں بھی ہوتی ہیں اور ان سے مقامی ضروریات کی تکمیل مرکز کے احکام کے مطابق سر ہوتی ہے۔ بیت المال، قلم و خلافت کی ان تمام آمدنیوں کا حامل ہوتا ہے۔ جو اسلامی حکام کے مطابق سرکاری خزانہ میں داخل ہونی چاہئیں اور اسی طرح وہ ان تمام مصارف کا بھی کفیل ہے جو حاجات انفرادی و اجتماعی کے پورا کرنے کے لیے ضروری قرار دیئے جائیں۔ اسی خاطر بیت المال کی آمدنی، اور مصارف، کے اصولوں کو اسلامی نظام حکومت میں واضح طور پر متعین کر دیا گیا ہے۔ البتہ ان کی تفصیلات اور اصول کے ماتحت جزئیات کے انطباق خلیفہ (سربراہ) اور اس کی مجلس شوریٰ (کابینہ) کے ہاتھ میں ہے۔ تاہم وہ ان میں غیر معمولی تبدیلی نہیں کر سکتے۔ مزید



براں بلا مقصد بے دریغ روپیہ بہانا بھی جائز نہیں ہے جس سے مالی لحاظ سے خزانہ پر بار گراں پڑتا ہو۔ یہ تمام مالیات قوم کی امانت ہیں جو کہ اسلامی حکومت کی تحویل میں ہوتی ہیں اس لیے ان کا خرچ احتیاط کا پہلو اپنے وسیع و عریض دامن میں لیے ہوتا ہے۔ بیت المال کے محاصل کو اہل مصرف پر خرچ کرنے کے لحاظ سے ”اول الامر“ کے اختیارات اس طرح منقسم ہیں کہ زکوٰۃ اور شرفیت، فتنے جیسے محاصل کے لیے وہ صرف محافظ ہے۔ اور منصوص اہل مصرف پر ہی خرچ کر سکتا ہے۔ اور خراج یا دیگر ذرائع سے حاصل شدہ انکم میں وہ اپنی رائے اور مجلس شوریٰ کے مشورہ سے مصالح عباد اور مستحقین کی ضروریات کے پیش نظر خرچ کرنے کے اختیارات رکھتا ہے۔

## (۲۰) اقتصادی کاوش (Economic Activity)

جس فرد نے اسلامی تعلیمات کا بنیظ غائر مطالعہ کیا ہے اس امر سے بخوبی واقف ہے کہ اُسے اپنی آخرت کے لیے ہی جنیا اور مرنا ہے۔ تاہم اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ گوشہ نشینی اختیار کرے۔ اس پر اسلامی رُو سے بہت سی ذمہ داریاں سونپی گئی ہیں۔ اور ان فرائض کا کما حقہ پورا کرنا ہی صحیح زندگی گزارنا ہے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کا پورا کرنا نہایت ضروری ہے۔ اور کامل انسان وہی کہلانے کا حقدار ہے جو انہیں پوری طرح سرانجام دیتا ہے۔ اسلام نے مادی ضرورتوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔ مومن اور مسلم صرف رُوح کا نام نہیں ہے۔ بلکہ جسم اور روح دونوں کے مجموعے کا نام ہے اور ایک مسلمان کو اس دنیا میں اپنا فرض بجالانے، اپنا شش پورا کرنے اور اپنے پروردگار کی رضا حاصل کرنے کی خاطر جو کچھ کرنا ہے اس کے لیے بدنی اور جسمانی قوتیں بھی درکار ہیں۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ مسلمان عبادت کے ساتھ ساتھ روزی حاصل کرنے کی کوشش بھی جاری رکھے۔ بلکہ حلال کمائی کی جدوجہد بھی عبادت کے زمرے میں داخل ہے۔ یہی وجہ ہے قرآن مجید میں یوں فرمایا گیا:

نیز فرمایا گیا: جو کچھ زمین میں ہے اس میں سے حلال اور طیب کھاؤ اور شیطاں کی پیروی نہ کرو کیونکہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ (البقرہ)۔ اس سے بھی روزی کمانے کی ترغیب ملتی ہے۔

نیز کہا: اور کتنے لوگ ہیں جو رزق و فضل کی تلاش میں زمین پر پھرتے ہیں (مزل)

سورۃ الجمعہ میں اس مضمون کو یوں بیان کیا گیا ہے:

”اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کی اذان ہو تو خرید و فروخت روکو اور اللہ کی یاد کی طرف دوڑو۔ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ اگر تمہیں عقل ہو۔ اور جب نماز ختم ہو چکے تو زمین پر پھیل جاؤ



اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔ اور اللہ کو یاد کرو بہت۔ تاکہ تمہارا بھلا ہو۔

اسی طرح رہبانیت کو اسلام میں حرام قرار دیا گیا ہے۔

آپؐ نے فرمایا: حلال معیشت کا طلب کرنا افضل ترین عبادت ہے۔

مزید کہا: طلب کسب الحلال فرلضیہ بعد الفرلضیۃ (بیہقی)۔ فرض

عبادات کے بعد حلال روزی کا کمانا بھی فرض ہے۔

اپنے بال بچوں کی پرورش اور پیٹ پالنے کے لیے مساعی کرنا اچھی بات ہے۔ اور پسندیدہ فعل

ہے۔ ویسے بھی وقت کو فضول گپوں میں ضائع کرنا زیادتی ہے۔ معاشی جدوجہد سے ہی دنیا ترقی کے

زینے پر فائز ہو سکتی ہے۔ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ رہنے سے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا اخلاقی حدود کے

اندر رہ کر روزی کمانا ایک اچھا فعل ہے۔

ہم نے مشاہدہ کیا ہے کہ جو قومیں معاشی جدوجہد میں زیادہ سرگرم عمل ہیں وہی کامیاب ہیں اور

جو سستی و کاہلی سے کام لیتی ہیں وہ کاروان نہیں ہو سکتیں۔ بھیک مانگ کر روزی کمانا سخت معیوب

ہے۔ اپنا رزق خود اپنا پسینہ بہا کر حاصل کرنا چاہیے۔ دوسروں پر بار نہیں بننا چاہیے بلکہ خود کما کر

دوسروں کو کھلانا بہتر ہے۔ اللہ فرماتا ہے: دن ہم نے کمانے کے لیے بنایا ہے۔ اسلام کا مقصد عظیم

زیادہ سے زیادہ انسانی فلاح و بہبود ہے۔ اسی لیے زکوٰۃ، صدقات اور خیرات وغیرہ کا حکم دیا ہے

کہ دولت مندوں کو غریبوں کی استعانت کرنی چاہیے۔

آپؐ کا فرمان ہے: ”بہترین کمانی ہاتھ کی ہے“

ایک موقع پر آپؐ نے فرمایا: میں اتنا دانا اور غربت سے پناہ مانگتا ہوں اس پر ایک شخص نے

وریافت کیا۔ کہ کیا دونوں ایک جیسے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں۔

قرآن مقدس میں ہے: اگر آپؐ ناداری سے خوف کھاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنی نعمت سے محفوظ

فرمانے کا اگر وہ چاہتا ہے۔ نیک انسان کے لیے اچھی دولت نیکی ہے۔

قرآن کریم میں ہے ہم نے تمہیں زمین میں طاقت دی ہے۔ اور اس میں تمہارے لیے روزی مقرر

کر دی ہے۔ (۷۱: ۱۵)۔

آپؐ نے فرمایا: ”جائز طریقہ سے کمانی ہوئی دولت نیک انسان کے لیے اچھی چیز ہے“

نیک عمل معاشی کوشش کا سب سے بڑا مقصد ملی فلاح و بہبود ہے۔ مگر انسان دنیا میں اس طرح

بچھٹ نہ ہو جائے کہ غایت کو فراموش کر دے اسی لیے اللہ کا فرمان ہے:



”اور وہ جو ایمان نہیں رکھتے دنیاوی رنگ میں مشغول ہو جاتے ہیں اور جانوروں کی طرح کھاتے ہیں۔ ان کا ٹھکانہ آگ (دوزخ ہے)۔ (XIV : 12)“

اسی طرح رسول مقبول نے فرمایا: ”دنیا کی خواہش تمام برائیوں کا ذریعہ ہے (نیز یہ ہے کہ) مال اور اولاد تمہیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دے۔“

اس لیے ضروری ہے کہ راہ اعتدال اختیار کیا جائے۔ روزی کمانے کی جدوجہد کے ساتھ ساتھ یادِ الہی بھی شامل حال رہے۔ اور یہی صحیح مومن کا طریقہ ہے۔

اسلام نے اعتدال کی راہ اختیار کی ہے۔ دولت کو تمام افراد ملت میں تقسیم کرنے اور مالداروں کے مال میں ناداروں (کو)

## (21) میانہ روی

حصہ دار بنانے کا اچھا انتظام کیا ہے۔ ہر شخص کو کفایت شعاری کا درس دیا ہے۔ تاکہ لوگ افراط و تفریط کی روش اختیار کر کے معاشی توازن کو نہ بگاڑ دیں۔ قرآن مجید کی جامع تعلیم ملاحظہ ہو:

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا۔ (بنی اسرائیل)

”نہ اپنے ہاتھوں کو گردن سے باندھے نہ کہھ اور نہ ہی اس کو بالکل ہی کھول دے کہ بعد میں حسرت زدہ بن کر بیٹھا رہے۔“

وَالَّذِينَ إِذَا أَفْقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا۔

”اللہ کے نیک بندے وہ ہیں کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل کرتے ہیں۔ بلکہ ان دونوں کے مابین معتدل رہتے ہیں۔“

اس تعلیم کا منشا یہ ہے کہ اپنے اقتصادی وسائل کی حدود میں رہ کر خرچ کیا جائے۔ یعنی اپنی

آمدنی سے زیادہ خرچ کسی صورت میں نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب عیاشی اور فضول خرچی سے اجتناب کیا جائے اور بے دریغ دولت کو پانی کی مانند نہ بہایا جائے۔ سورہ بنی اسرائیل میں ہے:

”اور اپنے رشتہ دار کو اس کا حق دے اور مسکین اور مسافر کو۔ فضول خرچی نہ کرو۔ فضول خرچ شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکر ہے۔“



کہا جاتا ہے کہ اقتصادِ غریب کا خزانہ ہے۔ اسلام میں صرف جائز ضروریاتِ زندگی پر خرچ کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اسلام نے فضولِ خرچی کو اخلاقی تعلیم کے علاوہ قوانین بھی مقرر کر رکھے ہیں۔ شراب، زنا اور جھوٹے وغیرہ سے نہ صرف منع کرتا ہے۔ بلکہ ارتکاب کرنے والوں کو کڑی سزا بھی دیتا ہے۔ لہو و لعب اور دیگر مسرفانہ مشاغل پر پابندی لگاتا ہے۔ قیمتی ملبوسات، زرد و جواہر سونے چاندی کے ظروف اور جاندار چیزوں کے ٹیموں سے منع کرتا ہے۔ مگر جائز حد تک تزیین و آرائش کی اجازت ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے:

”وہ محتاج نہ ہوا جس نے میانہ روی اختیار کی“ (مسند احمد)

”مسلمان مردوں اور عورتوں کو جائز نہیں کہ سونے چاندی کے برتن استعمال کریں“ (بخاری)

”چاندی کے برتن میں جو کھانا پیتا ہے، جہنم کی آگ میں وہ اس کے پیٹ میں کھولیکا“ (بخاری)

اسلام میں سادہ زندگی گزارنے کی تلقین کی گئی ہے۔ زیادہ نمود و نمائش اور ظاہری ٹھاٹ باٹھ سے پرہیز بہتر ہے۔

وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ (الانعام ۱۴۱)

”اور بے جا خرچ نہ کرو۔ اسے بے جا خرچ کرنے والے پسند نہیں آتے“

”اے اولادِ آدم نماز کے وقت آرائش لے لو۔ کھاؤ پیو فضول خرچ نہ کرو۔ اس کو بے جا خرچ کرنے والے خوش نہیں آتے۔ (الاعراف ۳۱)

اسلام افراد کے اس حق کو تسلیم کرتا ہے کہ آمدنیوں کا جو حصہ

(۲۲) مال کا ذاتی ضروریات کے لیے جمع کرنا

ان کی ضروریات سے فاضل ہو وہ اسے جمع کر لیں، دوسروں کو قرض دیں، یا خود کسی کاروبار میں لگا دیں۔ جیسے کسی صنعت، تجارت میں سرمایہ لگا دیں اور اس سے نفع کمائیں۔ گویا بچت اور سرمایہ کاری کی اجازت دی گئی ہے۔ اس کا مقصد بھی یہی ہے کہ سرمایہ ایک ہی جگہ جمع نہ رہے۔ بلکہ گردش کرتا رہے۔ اور اس سے قوم و ملک متمتع ہو سکیں۔ انہیں چند قواعد اور ضوابط کی پابندی کرنی ضروری ہے۔

I۔ مال جمع ہونے کی صورت میں  $\frac{1}{2}$  سالانہ شرح سے باقاعدہ زکوٰۃ ادا ہوتی رہے تاکہ مال پاک ہو جائے۔

II۔ قرض دینے کی صورت میں صرف اصل سرمایہ واپس لے سکتے ہیں۔ کوئی سود نہ لیں۔



iii اسی طرح جائز اشیا کی تجارت و صنعت قائم کرنے کی اجازت ہوگی۔

iv نفع و نقصان کی صورت میں شرکت لازمی ہوگی۔

v مضر صحت اور مضر اخلاق قسم کے کاروبار ممنوع ہوں گے۔

vi ذخیرہ اندوزی، چور بازاری کی قطعاً اجازت نہیں ہوگی۔

vii اشیاء کی قلت اور ضرورت سے زیادہ نفع اندوزی کی قطعاً گنجائش نہیں ہوگی۔

دنیا کے دیگر نظاموں میں اس قسم کی پابندیاں عموماً ناپید ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ وقت کے تقاضوں کا ساتھ دینے سے قاصر ہیں۔

(23) صحیح منصوبہ بندی = Right Planning

اسلام کوئی کام شروع کرنے سے پیشتر اس کی پیش بندی کرتا ہے۔ اس کی خوبیاں اور خامیوں کا پوری طرح جائزہ لیتا ہے۔ اور ان کا سد باب بھی کر لیتا ہے۔ اس کے بعد اس کا حکم دیتا ہے۔ اگرچہ آج کل کی طرح زمانہ سلف میں پنج سالہ اور شش سالہ یا سالانہ منصوبوں کا رواج عام نہیں تھا۔ تاہم ہم دیکھتے ہیں کہ خلفائے راشدین کے زیر عہد میں سرکاری امور پوری منصوبہ بندی سے سرانجام پاتے تھے۔ خراج عشر اور زکوٰۃ وغیرہ کی دھولی سوچی سمجھی سکیم کے تحت ہوتی تھی۔ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں بچوں کے وظائف اور دیگر لوگوں کے روزینے مقرر تھے۔ عہدِ عثمانی اور دیگر حکام کی بھاری تنخواہیں بیت المال سے ادا کی جاتی تھیں۔ اعدا و شمار کا باقاعدہ انتظام تھا۔ رعایا کی بہبود اور بھلائی کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اسلام مالیاتی اور زرری پالیسی کے علاوہ عباداتی اور معاملاتی امور میں بھی منصوبہ بندی کرنے کا قائل ہے۔ روزانہ پانچ وقت کی نماز، ہر سال زکوٰۃ کی ادائیگی، ذوالحجہ میں فریضہ حج کی تکمیل، رمضان شریف میں روزوں کا رکھنا منصوبہ بندی کی روشن مثالیں ہیں۔

(24) پیشہ کا انتخاب = Selection of Profession

انسان اپنی روزی کمانے کے لیے ہر وہ کام کر سکتا ہے جس سے حلال کی روزی حاصل ہوتی ہے۔ اس طرح اسلام نے پیشہ کے انتخاب میں کوئی خاص قدغن نہیں لگائی۔ مختلف انبیاءؑ نے مختلف پیشے اختیار کیے تھے۔ آقائے نامدار نے بحریاں بھی چرائی تھیں۔ اور اپنے اسلاف کی مانند تجارت



بھی کرتے تھے۔ اسی سے آپ کی شہرت کو مزید چار چاند لگے اور حضرت خدیجہؓ نے دعوت عقد دی تھی جسے شرف قبولیت بخشا گیا۔ آپ کی دیانتداری اور استبازی سے مال و اسباب میں کمی گنا اضافہ ہوا۔ صرف ایسے کاموں سے منع کیا گیا ہے جن سے حرام کی روزی حاصل ہوتی ہو۔ مثلاً، شراب، جو، اور قحبہ گری کی آمدنی ناجائز ہے۔

## (25) قانون شفعہ

اسلام نے شفعہ کا حق بھی رکھ دیا ہے۔ اور یہ ایک قسم کا جائداد کا تحفظ ہے۔ کہ کوئی حصہ دار نہ بن جائے۔ یہ عام طور پر غیر منقولہ جائداد یعنی مکان، دکان، اور زمین پر لاگو ہوتا ہے۔ اگر ان میں سے کسی ایک میں دو یا زیادہ اشخاص کی شرکت ہو۔ چاہے وہ رشتہ دار ہوں یا ہم سایہ ہوں۔ اگر ایک فریق اپنا حصہ کسی اور غیر متعلقہ فرد کے ہاتھ فروخت کر دے۔ تو دوسرے فریق کو شفعہ کرنے کا حق پہنچتا ہے۔ اس طرح اسلامی حکومت کی رعایا کو دکانوں، کھیتوں، باغوں اور دکانوں وغیرہ سے متعلق بہت سی آسانیاں پہنچ سکتی ہیں۔ رسول اکرمؐ نے حضرت جابرؓ کے حوالے سے فرمایا ہے۔ ہر چیز میں جو شریکوں کے درمیان تقسیم نہ کی گئی ہو شفعہ کا حکم دیا ہے۔ لیکن جب حدود مقرر ہو جائیں اور ہر ایک حصہ کا راستہ جدا ہو جائے پھر شفعہ باقی نہیں رہتا (بخاری)۔

حضرت ابو رافعؓ کے مطابق آنحضرتؐ نے فرمایا: ہم سایہ قریب ہونے کے سبب شفعہ کا زیادہ حق رکھتا ہے۔ (بخاری)۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں آپؐ نے فرمایا کوئی شخص اپنے ہم سایہ کو دیوار پر کھونٹی کاڑنے سے منع نہ کرے۔ (بخاری و مسلم)۔

حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں آنحضرتؐ اکرمؐ نے فرمایا۔ شریک اس زمین میں جو بھی جائے شفعہ کا مستحق ہے۔

غرضیکہ ان احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ پڑوسی کا حق دوسرے لوگوں پر فائق ہے۔ اور بیع شدہ پر وہ شفعہ کرنے کا مجاز ہے۔ وہ اسے اسی قیمت پر حاصل کر سکتا ہے جس پر فروخت کر دی گئی تھی۔

## (26) قدر محنت

اقتصادی دنیا میں اسے دوسرا عامل پیدائش شمار کیا جاتا ہے۔ اور اس کائنات ارضی میں محنت کے بغیر کوئی کام یا کاروبار سرانجام نہیں دیا جاسکتا۔ اس کے معاوضہ کا نام اجرت یا مزدوری کہلاتا ہے۔ محنت کی اسلامی معاشی



نظام میں خاصی اہمیت ہے۔ ایک جانب اس کی مدد سے اقتصادی اشیاء معرض وجود میں آتی ہیں اور دوسری طرف محنت کنندہ کے معاشی حالات بہتر ہوتے ہیں۔ جس طرح اسلام نے ترک دنیا کو ممنوع ٹھہرایا ہے۔ اسی طرح گداگری سے بھی منع کیا گیا ہے۔ رسول مقبول ہدایت فرماتے تھے۔ ”کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہ بات کہ کوئی شخص تم سے رتی لیکر جنگل میں جائے لکڑی کاٹے اور اسے اپنی پٹھ پر لا کر بیچے اس کے لیے بہتر ہے کہ کسی شخص کے پاس جائے اور اس سے سوال کرے اور یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ اسے کچھ دے یا نہ دے۔“ (ابوداؤد،

ترمذی، ابن ماجہ وغیرہ)

غرض اسلام کی تعلیمات کی رو سے مسلمانوں پر معاشی جدوجہد فرض ہے۔ چونکہ زمین اللہ کی ملک ہے اس لیے بلا شرط کوئی شخص زمین کے کسی حصہ کو اپنے قبضے میں رکھے تو یہ ملکیت دست نہ ہوگی۔ گویا اسلام کے نزدیک غیر مشروط عارضی ملکیت زمین بھی صحیح نہیں اور استفادہ کی شرط کے ساتھ عارضی ملکیت کا قائل ہے۔ روزگار کی تلاش ہر ایک مسلمان پر فرض ہے (مبسوط السخسی) رسول اکرمؐ نے عملی طور پر معاش حاصل کرنے کی تعلیم دی کہ اگر حقیر سے حقیر پیشہ بھی اختیار کرنا پڑے تو اس سے اجتناب نہ کیا جائے۔ اور ایمانداری سے کیا جائے۔

بیزیرہ ہدایت ہے کہ صرف صاف اور ستھرے پیشے اختیار کیے جائیں جن کی آمدنی حلال ہو اور صراحت سے پرہیز بہتر ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، شراب، جوا، بت فال کے تیر (پانے) تو گندے شیطانی

کام ہیں ان سے پرہیز کرو“ (المائدہ: ۹۵)

اسلام نے حصول رزق کی خاطر حلال اور جائز کاموں میں محنت کرنے کی تاکید کی ہے اور حرام کاموں سے منع کیا ہے۔ محنت جسمانی بھی ہو سکتی ہے یعنی کوئی شخص ہاتھ سے کام کرتا ہے، بوجھ اٹھاتا ہے اور ذہنی بھی ہو سکتی ہے۔ اسلام نے اجرت کو تسلیم کیا ہے۔ اور محنت کرنے والوں کو اللہ نے اپنا دوست بتایا۔ اجرت کا مسئلہ آپ کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ اگرچہ رزق اللہ کے قبضہ میں ہے تاہم محنت کرنا ضروری ہے۔ قرآن میں ہے:

”اور نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھو دنیوی زندگی کی اس شان و شوکت کو جو ہم نے ان میں سے مختلف لوگوں کو دے رکھی ہے۔ وہ تو ہم نے انہیں آزمائش میں ڈالنے کے لیے دی ہے۔

اور تیرے رب کا دیا ہوا رزق حلال ہی بہتر اور پائندہ ہے۔ (طہ: ۱۳۱)



اسلام میں اجرت کا تعین طلب و رسد کے تحت ہوتا ہے۔ خواہ انفرادی طور پر ہو یا اجتماعی جو آجر اور اجیر باہمی رضامندی سے طے کرتے ہیں۔ ایک طرف آجر اپنے تمام وسائل پیش نفع و نقصان کو مد نظر رکھتا ہے دوسری طرف مزدور اپنے تمام مسائل جہانی صحت، ضروریات زندگی، تسکین حاجات، اشیائے صرف کی بازاری قیمت، اوقات کار، پیش آمدہ حادثات و مشکلات، طبی سہولیات وغیرہ سامنے رکھ کر اجرت طلب کرتا ہے۔ اس میں یقیناً آجروں اور مزدوروں کے مابین مقابلہ ہوتا ہے۔ اس تقابل میں فریقین ہر معاملہ پر خوب غور کرتے ہیں۔ یہ فرض کیا جاتا ہے کہ دونوں دیانت داری سے معاملہ طے کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو دھوکا یا فریب نہیں دیتے کیونکہ اسلام کی نظر میں دونوں بھائی بھائی ہیں۔ اور قطع نظر اجرت کے باہمی لین دین میں ایک دوسرے کے مددگار اور ممدرد ہیں اور ایک دوسرے کا بھلا چاہتے ہیں۔ اگر دونوں میں سے کوئی بھی حلیہ، سازش اور دھوکہ کا مظاہرہ کرتا ہے تو وہ اسلام کے اصولوں سے انحراف کر رہا ہے۔ پس ایسے حالات میں مناسب اجرت کا تقرر ضروری ہے۔ قرآن حکیم نے حضرت شعیبؑ کا ایک مقولہ نقل کیا ہے۔ یاد رہے کہ حضرت شعیبؑ حضرت موسیٰؑ کے آجر تھے۔ اور انہوں نے فرمایا:

”اور میں تم پر بغیر ضروری مشقت نہیں ڈالنا چاہتا۔ خدا نے چاہا تو تم مجھے سیکو کار پاؤ گے۔“ (القصص)۔ اس سے ظاہر ہے کہ مزدور پر بغیر ضروری بوجھ ڈالنا منع ہے۔ رسول اکرمؐ نے اس کی مزید وضاحت کر دی۔

”تمہارے بھائی تمہارے خادم ہیں جنہیں اللہ نے تمہارے زید و دست کیا ہے لہذا جس شخص کا بھائی اس کے ماتحت ہوا ہے چاہیے کہ وہ جو خود کھائے اسی میں سے اس کو کھلائے اور جو خود پہنے اسی میں سے اسے پہنائے اور ان پر کسی ایسے کام کا بوجھ نہ ڈالو جو ان کی طاقت سے زیادہ ہو اور اگر کسی ایسے کام کا بوجھ ڈالو تو خود ان کی مدد کرو۔“ (بخاری)۔ ایک اور مقام پر آپؐ نے فرمایا:

”مزدور کی اجرت اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔“ (ابن ماجہ۔ طبرانی)۔

یہ بھی آپؐ کا ارشاد ہے کہ: ”تین ایسے شخص ہیں جن کا میں قیامت کے دن دشمن ہوں گا ان میں سے ایک وہ شخص جو کسی مزدور کو اجرت پر لے پھر اس سے کام کرانے اور اسے اجرت نہ دے۔“ (بخاری)۔

آپؐ کو مزدوروں کا کتنا احساس تھا۔ حضرت علیؑ کی اس روایت سے صاف ظاہر ہے۔

وصال سے قبل آپؐ کے آخری الفاظ یہ تھے:



”نماز کا خیال رکھو اور ان لوگوں (کے حقوق) کا جو تمہارے زیر دست ہیں“ (بخاری)۔  
ان ہدایات کے نتیجے میں مزدور کا اسلامی معاشرے میں جو وقار اور بابرانہ مقام حاصل ہے  
اس کی بے شمار مثالیں قرونِ اولیٰ میں ملتی ہیں۔ اور دنیا کا کوئی نظام ایسی خوشنہ روایات پیش  
کرنے سے عاجز ہے۔

دوسری طرف اسلام مزدور کو بھی کچھ احکام کا پابند بناتا ہے۔ تاکہ اجرت سے تعلقات مزید خوش  
گوار ہو جائیں۔ مزدور ایک ایسا معاہدہ کرتا ہے جس کی پابندی اسے صرف اپنا پیٹ بھرنے کے لیے نہیں  
کرنی ہے بلکہ اس کی اصل منزل مقصود آخرت کی بہتری ہے۔ قرآن مقدس میں ہے:  
(اے ایمان والو! معاہدوں کو پورا کرو) دوسری جگہ ارشاد ہے:

”بہترین اجیر وہ ہے جو طاقور بھی ہو اور امانت دار بھی ہو“ آپ نے حکم دیا ہے: خادم جو کچھ  
پکائے اس میں اسے بھی دو۔

”حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں: جب تم میں سے کسی کے پاس خادم کھانا لائے اگر ساتھ نہ بٹھائے  
تو ایک نوالہ یا دو نوالے، ایک لقمہ یا دو لقمے دے ڈالے کیونکہ اس نے محنت کی ہے“ (بخاری)۔ کیونکہ  
اس نے گرمی، سردی کی شدت برداشت کی۔ اور عمدہ کھانا پکانے کی کوشش کی۔ (بخاری)  
”کام کرنے والے کو اس کے کام میں سے کچھ حصہ دو کیونکہ خدا کا عامل نامراد نہیں کیا جاتا۔“  
ان احادیث سے ظاہر ہے کہ مزدور منافع میں بھی شریک ہونا چاہیے۔

## (27) سرمایہ کا استعمال = Use of Capital

سرمایہ کی اسلام میں بھی بڑی اہمیت ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر کوئی قوم یا ملک ترقی کے زینے  
پر فائز نہیں ہو سکتا۔ مگر اسلامی نقطہ نظر دوسری اقوام سے مختلف ہے۔  
محض بخل کی وجہ سے سرمایہ جمع کرنا منع اور مذموم فعل ہے۔ اس لیے بابر خرچ کرنے کی تلقین  
کی گئی ہے۔ تاکہ چند ہاتھوں میں مرکوز ہو کر نہ رہ جائے۔ خرچ دو طرح کا ہو سکتا ہے ایک وہ جو  
اشیائے صرف پر کیا جائے۔ ایک وہ جس کے ذریعے اشیاء خواہ صرف ہوں یا اشیاء سرمایہ  
(پیدائش) کے لیے کیا جائے۔ یا تجارت کے لین دین یا دوسروں کی اعانت کی خاطر کیا جائے  
جس طرح مالک کو اپنے مال کی حفاظت کا اختیار حاصل ہے اسی طرح اپنے مال کو جمع کرنے کا اختیار  
بھی حاصل ہے۔ اسلام میں نقد سرمایہ کی بڑی مقداریں بلا مقصد جمع رکھنا ناپسندیدہ فعل ہے۔ البتہ



اپنے متعلقین کی آئندہ ضروریات کے لیے، دوسرے اچھے مقصد کی خاطر اور اپنے ورثاء کے لیے ترکہ چھوڑ جانے کی غرض سے مال جمع کرنے میں کوئی ہرج نہیں خواہ وہ منقولہ یا غیر منقولہ جائداد کی صورت میں ہو۔ اور ساتھ ہی ساتھ باقاعدگی سے اس پر زکوٰۃ ادا کر دی جائے۔ کیونکہ اس سے مال حلال اور پاک ہو جاتا ہے۔

امام بخاریؒ کی روایت کردہ حدیث کے مطابق نبی کریمؐ نے اس اصول کا اعلان کیا ہے کہ اپنے اہل و عیال کے لیے مال چھوڑ کر مرنے سے بہتر ہے کہ آدمی انہیں مفلس اور بے سہارا چھوڑ کر مرے اس نئے ظاہر ہے کہ ورثے میں ترکہ چھوڑ جانا بہتر ہے۔ اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جبکہ مال جمع کیا ہو۔ حضرت جابرؓ سے روای ہے رسول کریمؐ نے فرمایا اپنے مال اپنے پاس رکھو ان کو برباد نہ کرو آگاہ رہو کہ جس نے امت کو یہ چیز اس کی ملکیت ہو گئی۔ جسے وہ اس طور پر دی گئی ہے زندگی میں بھی اور وہ اس کے ورثاء کا حق ہو جائے۔ (مسلم)۔

حضرت کعبؓ کہتے ہیں جب میں نے کل مال صدقہ کر دینے کا ارادہ کیا تو آپؐ سے دریافت کیا آپؐ نے فرمایا اپنے مال سے کچھ بچا لو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ تب میں نے عرض کیا کہ خیر کی ارادگی میں جو میرا حصہ ہے۔ میں نے بچا لیا ہے۔ اسی طرح ایک مالدار شخص کے سوال پر کہ میں اپنا سارا مال راہِ خدا میں بذریعہ وصیت دے ڈالوں تو آپؐ نے ارشاد فرمایا:

”کہ اپنے ورثاء کو صاحب مال چھوڑنا بہتر ہے کہ وہ محتاج نہ رہ جائیں۔ اور جب تک مانگتے پھریں“ اسی لیے تہائی مال میں وصیت کرنا جائز ہے۔ اسلام کا منشاء ہے کہ لوگ حلال ذرائع سے مال جمع کریں اور اس کے ذریعے مصنوعات بنائیں۔ اشیاء پیدا کریں تجارت و حرفت میں لگائیں۔ زراعت کو ترقی دیں۔ اس سے جہاں اشیاء کی بہتات ہوگی لوگوں کی روزی کے مواقع بھی زیادہ ہونگے۔ از نکاز زر یعنی بے مقصد یا نام و نمود کی خاطر مال اکٹھا کرنا اچھا نہیں ہے۔ نبی کریمؐ کے قریبی رفقاء کے طرز عمل سے بھی ظاہر ہے کہ ان میں سے جو مالدار تھے وہ تجارت بھی کرتے تھے اور فاضل مال جمع بھی کرتے تھے

نیک کاموں پر بھی خرچ کرتے تھے۔ سخاوت بھی کرتے تھے۔ پیدائش اشیاء میں بھی حصہ لیتے تھے۔ حضرت عثمان غنیؓ نے مختلف مواقع پر ضرورت مندوں کی امداد فی سبیل اللہ کی۔ قحط میں بھی عام امداد کے لیے بہت زیادہ مال دیا۔ اسی لیے امت انہیں غنی یعنی مالدار کہتی ہے۔ مگر اپنی وفات پر بھی بہت زیادہ مال چھوڑا تھا۔ جو بغیر جمع کیے ممکن نہ تھا۔ (ابن کثیر۔ البدایہ والنہایہ)۔

سرکارِ دو عالمؐ نے ایک روز خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: آگاہ ہو جاؤ کہ تم میں جو کوئی تمیم



کامتولی ہو اور اس کے پاس مال و دولت ہو تو اس سے تجارت کرو اور یونہی نہ ڈالے رکھو ایسا نہ ہو کہ زکوٰۃ اسے ختم کر ڈالے (ترمذی)۔

اسی ارشاد کی تفسیل میں امام مالک بیان فرماتے ہیں کہ امام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ فاطمہ کا مال تجارت کے لیے دیا کرتی تھیں۔ (موطا امام مالک)۔

اسی طرح حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ بھی اپنی خلافت کے زمانے میں یتامی کا مال تجارتی اغراض کے لیے کاروبار میں لگائے تھے۔ (مبسوط الشری - نیز کتاب الاموال)۔  
غرضیکہ جائز وسائل سے حاصل شدہ دولت اگر جمع کر لی جائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔ البتہ یہ بہتر ہے کہ اگر گردش زر ضرور ہونی چاہیے۔ وگرنہ معاشرہ عدم توازن کا شکار ہو جاتا ہے۔ سرمایہ کا معاوضہ سود اسلام میں قطعی حرام ہے۔ اور موجودہ دور میں اس کے رواج سے دنیا متعدد مسائل کے گرداب میں گھری ہوئی ہے اگر اسے بند کر دیا جائے تو بہت سی بیماریاں دور ہو سکتی ہیں۔

## (28) منافع = Profit

تنظیم کے صلے کا نام منافع ہے۔ آج جو گجرا عالمین پیدائش زمین محنت اور سرمایہ کے ارتباط سے کسی کاروبار کا آغاز کرتا ہے۔ ایک خاص عرصہ تک پیدائش کا عمل جاری رہتا ہے۔ اور بعد ازیں آج اپنے مال کو فروخت کرنے کے لیے بازار میں لے آتا ہے۔ اس قیمت فروخت سے جو رقم حاصل ہوتی ہے وہ اصل سرمایہ سے زیادہ ہوتی ہے جو اس کی تیاری میں صرف کیا گیا ہے یعنی آمدنی اور لاگت کا فرق منافع کہلاتا ہے اگر حاصل لاگت سے کم ہو تو آج کو خسارہ برداشت کرنا پڑتا ہے۔

کاروبار کو شروع کرنے سے پیشتر چند بنیادی مسائل کا حل سوچنا پڑتا ہے۔ یعنی آج اپنا سرمایہ کس صنعت میں لگائے۔ صنعت یا فرم کہاں قائم کی جائے؟ کس بازار میں کب مال فروخت کرے۔ خام مواد اور شینری وغیرہ کی دستیابی کیسے کی جائے۔

جب مال تیار ہو کر بازار میں آتا ہے تو قیمت کا تعین طلب و رسد کے ماتحت ہوتا ہے، صارفین کا ذوق، فیشن اشیاء کے تبادل استعمالات، قیمت فروخت، صارفین اور آجین کی باہمی مسابقت وغیرہ بھی قیمت پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اسلام میں ہر مالک کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی املاک کو مزید نفع کمانے اور اس طرح انہیں اپنی ملکیت میں اضافہ کرنے کے لیے استعمال کرے اس مقصد کے تحت اپنی ملکیت کے ذریعہ خود پیداوار کاروبار کر سکتا ہے۔ اور کسی دوسرے کاروباری واسطہ سے بھی اپنا ہتھ پورا



کر سکتا ہے۔ اسلام نے ایسا کرنے کی ترغیب دی ہے۔ سرمایہ دار اپنے مال کو تجارتی، صنعتی، زراعتی کاروبار میں لگانے کے علاوہ اپنی منقولہ (Movable) یا غیر منقولہ جائداد کو کرایہ پر دے کر منافع حاصل کر سکتا ہے۔ البتہ منافع کا تعین نہیں کیا گیا کہ کتنا منافع حاصل کیا جائے۔ تاہم حد سے زیادہ منافع حاصل کرنا درست نہیں ہے۔ بنی نوع انسان کی مجبوری کو مد نظر رکھا گیا ہے۔ آجکل کی طرح راتوں رات لاکھ پتی ہونے کے خواب دیکھنا اور لوگوں کی جیب پہ ڈاکہ ڈالنا کسی صورت میں جائز نہیں! اسلام کے تقسیم دولت کے تحت آجر اور سرمایہ میں کوئی تفریق نہیں۔ اسلام عالمین پیدائش کے کرایہ (لگان) اجرت، منافع کے نظریات کا قائل ہے۔ سرمایہ کا معاوضہ سود حرام ہے۔ نقصان کا خطرہ مول لینے کی صفت خود سرمایہ میں موجود ہونی چاہیے۔ اس خطرے کا بار کسی اور کے اوپر نہیں ڈالا جاسکتا۔ جو فرد کسی کاروبار میں اپنا سرمایہ لگانا چاہتا ہے اسے یہ خطرہ مول لینا پڑے گا۔ اس لیے جو سرمایہ دار ہے وہی خطرہ مول لینے کی خاطر آجر بھی ہے۔ اور جو شخص آجر ہے وہی سرمایہ دار بھی ہے۔

## اسلام میں نظام تقسیم دولت

(مفتی محمد شفیع)

سرمایہ کے کاروبار میں لگنے کی تین صورتیں ہوتی ہیں:-

۹۔ انفرادی کاروبار۔ سرمایہ لگانے والا بلا شرکت غیر خود ہی کاروبار چلائے۔ اس صورت میں اسے جو حصہ ملے گا وہ قانونی لحاظ سے منافع کہلائے لیکن معاشی اصطلاح کے مطابق وہ ملے دو چیزوں کا مجموعہ ہوگا۔ سرمایہ لگانے کی وجہ سے منافع کا، اور کاروبار چلانے کی محنت کے لحاظ سے اجرت کا۔

ب۔ شرکت۔ چند افراد مل کر کاروبار چلانے میں شریک ہوں اور نفع و نقصان میں بھی۔ اسے فقہی اصطلاح میں "شرکت القعود" کہا جاتا ہے۔ تمام شرکا سرمایہ لگانے کی حیثیت سے منافع کے

حقدار ہوں گے۔ اور کاروبار چلانے کی صورت میں اجرت کے بھی۔ بنی کریم سے قبل تجارت کا یہ طریقہ رائج تھا۔ آپ نے لوگوں کو اس پر برقرار رکھا۔ اور اس کے جواز پر اجماع منعقد ہو گیا۔

(البسوط اللخسی)۔ اس سے سرمایہ دار کمپنیوں اور مشترکہ انجمنوں کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

آپ نے شرکت بھی ذریعے بیرون کار مہاجرین کو کاروبار میں لگایا تھا۔ چنانچہ انصار نے آپ سے عرض کیا کہ آپ ہمارے اور بھائیوں کے درمیان باغ تقسیم فرما دیجیے۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ انصا



نے مہاجرین سے کہا تم محنت اپنے ذمہ لے لو اور ہم سیوے میں شرکت کر لیں۔ انہوں نے مان لیا۔ (بخاری) اگر شرکت زراعت سے متعلق ہو تو اسے "مزارعتہ" اور درختوں یا گلاب کی کیاریوں سے ہو تو اسے "مسافات" کہتے ہیں۔

ج۔ مضاربہ۔ ایک شخص سرمایہ فراہم کرتا ہے اور دوسرا صرف محنت۔ مگر منافع میں دونوں شریک ہوتے ہیں قراض میں ایک شخص دوسرے کو تجارت کرنے کے لیے ایک مقرر کردہ معاوضے پر اپنا مال دیتا ہے اور کارکن مال کے نفع میں چوتھائی، تہائی، نصف یا جو بھی طے ہو جائے، شریک ہوتا ہے۔ اجرت اور قراض میں یہ فرق ہے کہ اجرت کی ادائیگی سرمایہ دار کے ذمہ ہوتی ہے خواہ مال میں نفع ہو یا نقصان اور قراض میں اگر نفع ہوتا ہے تو کارکن (عامل) کو حصہ ملتا ہے۔ ورنہ کچھ نہیں۔ (ہدایۃ المجتہد) فتح خیبر کے بعد رسول اکرمؐ نے وہاں کی زمین نصف بٹائی پر یہودیوں کو دی تھیں۔ (بخاری) صحابہ کرامؓ بھی قراض کے ذریعے کاروبار کرتے تھے۔ یعقوب المدینی کا بیان ہے کہ انہیں حضرت عثمانؓ نے قراض کے طور پر مال دیا تھا کہ وہ اس پر محنت کریں اور منافع میں دونوں شریک ہوں گے۔

اسلام میں کمیشن لے کر کاروبار کرنے کی بھی اجازت ہے۔

حضرت عباسؓ کے مطابق اس میں کچھ ہرج نہیں اگر کسی سمسار (کمیشن ایجنٹ) سے کہے کہ یہ کپڑا یا کوئی اور چیز فروخت کر دو اور میری مقرر شدہ قیمت سے جتنا زیادہ ملے وہ تمہارا ہے۔ (بخاری)

مضاربہ کی صورت میں اگر رب المال (سرمایہ دار) کا سرمایہ ضائع ہو جائے تو مضاربہ کی محنت رائیگان گئی۔ خود رسول اکرمؐ نے حضرت خدیجہؓ کے ساتھ نکاح کرنے سے قبل یہی معاملہ طے کیا تھا۔ اسلامی نظام معیشت میں سرمایہ اور اصطلاحی آجر ایک ہی چیز ہو جاتے ہیں اور تقسیم دولت میں ان کا حصہ منافع ہے نہ کہ سود۔ اور اگر آجر کی بنیادی خصوصیت یہ سمجھی جائے کہ وہ تنظیم کرتا ہے۔ نیز منصوبہ بندی کا بند و بست کرتا ہے جیسا کہ بعض معاشین کا خیال ہے۔ تو پھر یہ کام "محنت" میں داخل ہے اور اسے عامل پیداوار سمجھنا طول لا طائل اور نامعقول ہے۔ (مفتی محمد شفیع۔ اسلام کا تقسیم دولت)

(۲۹) انسداد گرانی = Price Control

موجودہ دور میں ساری دنیا گرانی کی لپیٹ میں گھری ہوئی ہے۔ اور نہ صرف ترقی پذیر ممالک



بلکہ ترقی یافتہ ممالک بھی افراط زر کے چنگل سے نجات حاصل کرنے کے لیے سراپاؤں مار رہے ہیں۔  
یہ ایک عالم گیر مسئلہ بن چکا ہے اور سنگین صورت اختیار کر گیا ہے۔ اسلام نے اس کی روک تھام کے لیے قابل  
عمل ہدایت دے رکھی ہیں۔ اگرچہ عام حالات میں شریعت محمدیؐ اس کی اجازت نہیں دیتی کیونکہ ایسا کرنا  
پیدا کنندگان اور تاجروں کی آزادی سلب کرنے اور بعض حالات میں ان پر صریح ظلم کے مترادف ہے۔ اس  
سے خود مفاد عامہ بھی مجروح ہوتا ہے۔ اور اکثر حالات قیمتوں پر کنٹرول کرنے سے مارکیٹ سے اشیاء غائب  
ہو جاتی ہیں جس سے عوام کی دشواریوں میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے آکر یہ کہا کہ اے اللہ کے پیغمبرؐ اشیاء کے نرخ  
مقرر کر دیجیے۔ آپؐ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ میں دعا کروں گا کہ نرخ ارزاں ہو جائیں۔ پھر ایک دوسرا شخص آیا اور  
اس نے بھی یہی کہا کہ اے رسولؐ خدا نرخ مقرر کر دیں۔ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ اللہ ہی نرخ کرتا اور چڑھاتا ہے  
اور میں چاہتا ہوں کہ خدا کے حضور اس حال میں حاضر ہوں کہ میرے اوپر کسی ظلم کرنے کا بار نہ ہو (ابوداؤد)۔  
اسی طرح حضرت معاذؓ روایت کرتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا غلہ کو روکنا بُرا ہے اگر خداوند تعالیٰ  
غلہ کو ستا کر دے تو رنجیدہ ہوتا ہے اور اگر گراں کر دے تو خوش ہوتا ہے۔ (بیہقی رزین)

حضرت انسؓ سے روایت ہے لوگوں نے کہا کہ اے رسولؐ خدا نرخ گراں ہو گئے ہیں لہذا آپؐ  
ہمارے لیے بھاؤ مقرر کر دیجیے۔ تو رسولؐ اللہؐ نے فرمایا کہ اللہ ہی نرخ مقرر کرنے والا ہے اور میں  
چاہتا ہوں کہ خدا کے حضور اس حال میں حاضر ہوں کہ تم میں سے کوئی مجھ سے کسی ظلم کا بدلہ طلب کرنے والا  
نہ ہو۔ جو جان یا مال کے سلسلے میں کیا ہو۔ (ابو یوسف کتاب الخراج)۔

مندرجہ بالا احادیث کی روشنی میں بات سامنے آتی ہے کہ طلب اور صرف کو پورا کرنے کے لیے  
آجر اور رسد کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ کیونکہ اگر رسد کی وجہ سے منسارف پیدا نہ ہو تو ایک آجر  
پیدا کرنے کے عمل میں حصہ نہ لے گا اور رسد بری طرح متاثر ہوگی۔ طلب پوری نہ ہوگی اور قیمتیں اوپر اٹھ

جائیں گی۔ حضور اکرمؐ اور خلفائے راشدین کے عہد میں اشیاء پر زیادہ محصولات عائد نہیں تھے۔ موجودہ  
دور میں ریٹ منگے ہونے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ٹیکس کی بہتات ہے۔ اگر اشیاء پر سے محصول ہٹا  
لیے جائیں یا کم تر کر دیئے جائیں اور تجارت مناسب حاصل کریں تو اشیاء سستی ہو سکتی ہیں۔ جہاں تک  
محصول سے حاصل ہونے والی آمدنی کا تعلق ہے اس کے لیے اسلام میں دیگر محصولات کے لیے گنجائش  
ہے۔ تاہم سب سے بڑا ذریعہ جو ایک عبادت بھی ہے یعنی زکوٰۃ موجود ہے۔ اگر یہ اور خمس و عشر وغیرہ



نہ کافی ہوں تو دوسرے محصولات کے بارے میں سوچا جاسکتا ہے۔ اموی خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے تمام محصول ختم کر دیئے تھے اس سے نہ صرف رعایا کا بار ہلکا ہو گیا بلکہ خوش حال ہو گئے۔ بیت المال کی آمدنی میں کئی گنا اضافہ ہو گیا اور زکوٰۃ لینے والا ڈھونڈنے سے نہیں ملتا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ زکوٰۃ لینے والے بھی صاحب مال بن گئے۔ اور اس لیے وہ بیت المال میں جمع ہونے لگی۔

(30) اعداد و شمار کی اہمیت

اقتصادی مسائل میں اعداد و شمار کو اہم مقام حاصل ہے کیونکہ جب تک کسی ملک کی صحیح مردم شمارہ نہ کی جائے اور پھر سبک کی زندگی کے درجات یعنی روزگار، بیروزگار، تاجر، صناع، خواندہ، ناخواندہ، مرد، عورت، نیز معذور، فقیر، امیر، دالم المرضی، ضرورمند، شہری آبادی، درالح پیدائش، افرادی قوت کل قومی پیداوار وغیرہ، افراد کے صحیح اعداد و شمار مرتب نہ ہوں اور زمین، صنعت، معدنیات، محال مصارف کی تعین و تشخیص میں بھی اعداد و شمار کا لحاظ نہ رکھا جائے تو پھر کوئی حکومت نہ اس مقصد کی تکمیل کر سکتی ہے کہ حدود سلطنت میں کوئی شخص بھی روزی سے محروم نہ رہے اور نہ وہ معاشی عدل و انصاف کا حقیقی توازن قائم رکھ سکتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب فاروق اعظمؓ کے عہد میں فتوحات کا سلسلہ کافی وسیع ہو گیا تو دیگر ضروری امور کے علاوہ اعداد و شمار کی جانب بھی خاصی توجہ مبذول کی گئی۔ تو آپ نے صحابہ کرامؓ کے مشورہ سے عطایا اور وظائف کے لیے رجسٹر قبائل اور منازل کے لحاظ سے تیار کرائے۔

حضرت عثمان غنیؓ نے تو اس کی اہمیت یوں بیان فرمائی:

[ میں دیکھ رہا ہوں کہ اب مال اس قدر بہتات کے ساتھ حاصل ہو رہا ہے کہ لوگوں کے لیے وسعت کے ساتھ کفایت کر سکتا ہے سو اگر لوگوں کو شمار کر کے ان کی تعداد کا احاطہ نہ کیا گیا۔ تاکہ پانے والے اور نہ پانے والے کا درست حال معلوم ہو سکے تو مجھے خوف ہے کہ اس معاملہ میں انتشار نہ پیدا ہو جائے ] (طبری)۔

حضرت عمرؓ نے اس رائے کو صحیح سمجھ کر لوگوں کی قبائل وارفہرست بنائی اور روزیہ مقرر کیے۔ خراہم کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کو اس حالت میں دیکھا ہے کہ وہ بنی خزاعہ کا رجسٹر ہاتھ میں لیے ہوئے ہیں اور قدید میں اپنے ہاتھ سے عطایا تقسیم کر رہے ہیں حتیٰ کہ ایک کنواری اور بیوہ عورت ان کے شمار سے باہر نہیں تھی اور اپنا حق حاصل کر رہی تھی۔ اسی طرح عسفان میں جا کر انہوں نے یہاں



طریقہ اختیار کیا اور وفات تک ہر سال یہی کرتے رہے۔

ابتداء میں اعداد و شمار کے رجسٹروں کی ترتیب کا سبب یہ پیش آیا کہ بحرن کے گورنر کے پاس پانچ لاکھ درہم موصول ہوئے حضرت عمرؓ اسے بڑی تعداد گردانتے ہوئے مسجد میں اس پر محافظ مقرر کر دیئے اور صحابہؓ سے مشورہ کیا اور بعض صحابہؓ نے جو فارس و شام کے حالات سے واقف تھے مشورہ دیا کہ رجسٹروں کی ترتیب دی جائے جن میں لوگوں کے نام اور ان سے متعلق روزینے کا تذکرہ ہو اور روزینے کا معاملہ ماہوار ہو جائے۔

حضرت بلالؓ جب بحرن سے مال کثرت لے کر آئے تو حضرت عمرؓ فاروقؓ نے مجلس مشاورت طلب کی اور فرمایا:

”لوگو! یہ مال کثیر آیا ہوا ہے پس اگر چاہو تو پیمانہ سے ناپ کر تقسیم کر دوں اور اگر تمہاری خواہش ہو تو گن کر دوں۔ اور اگر یہ مرضی ہو کہ وزن کر کے دوں تو اس طرح تول کر دوں۔ قوم میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا امیر المؤمنین لوگوں کے شمار کے لیے رجسٹر مرتب کرائیے تاکہ ان کے مطابق وظائف دیئے جایا کریں حضرت عمرؓ نے اسے بہت پسند فرمایا“ (کتاب الخراج)۔

بلال! اگر سچ ہے کہ روپیہ کی مقدار وہ ہے جو بتا رہے ہو تو پھر مین کے رہنے والے چرواہے تک کا اس مال میں حصہ ہے بایں حالت کہ سفر کی وجہ سے اس کا چہرہ ممتہایا ہوا ہو۔ (کتاب الخراج)۔

اعداد و شمار کا سلسلہ ہر حکومت میں ہوتا ہے پھر ان کی اتنی اہمیت کیوں ہے؟ سادہ جواب یہ ہے کہ سرمایہ دارانہ سسٹم میں یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ سرمایہ کی ترقی کی کیا صورت ہو؟ اور کس طرح غریب و مزدور کو الٹا کار بنایا جاسکتا ہے۔ سوشلسٹ ممالک میں سرکاری خزانہ پر کرنے کے لیے سکیمیں تیار کی جاتی ہیں اگرچہ بعد ازیں اسے عوام پر صرف کر دیا جاتا ہے تاہم شخصی آزادی کچل دی جاتی ہے۔ اس کے برعکس ایسے ممالک جن میں خالص خدائی نظام لاگو ہوتا ہے وہاں خلق رحمان کی فلاح و بہبود پر سرمایہ خرچ ہوتا ہے اور نادار طبقہ کی حق رسی کی جاتی ہے۔ چنانچہ اسلام کے صالح معاشی نظام میں اعداد و شمار کی اہمیت ان ہر سہ نظریوں میں سے آخری کے تابع ہے۔ ہر سبب نہایت ضروری ہے کہ اولی الامر اپنے قلم و ہنر میں مردم شماری (Census) کا نظام قائم کریں۔ مسلم و غیر مسلم، ذمی و متامن کی تفصیلات کو الگ رجسٹروں میں درج کیا جائے۔ برسر روزگار، محتاج، مریض، غریب اور بچوں کے اعداد و شمار رکھے جائیں۔ نیز آمدنی و اخراجات کے لیے جدا رجسٹروں۔ ایک الگ اور مستقل محکمہ مرکزی حکومت کے تحت ہو اس کی صوبہ دار شاخیں ہوں۔ وقتاً فوقتاً ان میں رد و بدل ہوتا رہے اور ہر تین سال کے بعد ان رجسٹروں کی تدوین نو کی جاتی رہے۔ تاکہ مستحق لوگ اپنے حق سے محروم نہ رہ جائیں۔



# اسلام بمقابلہ سرمایہ داری نظام

## اسلام

۱۔ اسلام میں مقصود آخرت کی زندگی ہے اور دنیوی زندگی کو آخرت کی کھیتی سمجھا گیا ہے مگر طرز زندگی ایسا دیا گیا ہے جس میں آخرت کی بہتری کے ساتھ دنیوی زندگی کی بہتری خود بخود حاصل ہو جاتی ہے۔

۲۔ اسلام میں روح اور مادہ دونوں کے حقوق ادا کئے گئے ہیں اور دونوں کے حقوق میں توازن رکھا گیا ہے۔

۳۔ اسلام میں اکتساب مال کی آزادی ہے۔ مگر پابندیوں کے ساتھ۔

۴۔ اسلام نے فرد کو انفرادی آزادی دی ہے مگر حدود و قیوم کے ساتھ۔

۵۔ اسلام میں جہاں بھی انفرادی آزادی معاشرے کے لئے نقصان دہ ثابت ہونے لگے، تو حکومت دخل دینے کی مجاز ہے۔

۶۔ اسلام مال جمع کرنے کی ممانعت کرتا ہے اور خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے کیونکہ اس سے برکت ہوتی ہے۔ دولت کی گردش بڑھتی ہے

## سرمایہ داری

۱۔ اس میں آخرت کی کوئی جگہ نہیں۔ اس میں دنیوی زندگی کی بہتری ہی مقصود ہوتی ہے۔ حالانکہ دنیوی زندگی کے ساتھ آخرت ایک لازمی چیز ہے جس نے اگر رہنا ہے اور یورپ کے سرمایہ دار برائے نام جس مذہب کو مانتے ہیں اس میں عقیدہ آخرت موجود ہے۔

۲۔ سرمایہ داری نظام میں مادی مفاد پر پورا زور دیا گیا ہے۔ اس کے مقابلے میں روح کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ حالانکہ نظری حد تک وہ بھی مانتے ہیں کہ انسان کے ساتھ روح لگی ہوئی ہے۔

۳۔ سرمایہ داری نظام میں اکتساب مال پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں۔

۴۔ اس میں بے لگام آزادی دی گئی ہے۔

۵۔ اس کے برعکس سرمایہ دارانہ نظام میں فرد معاشرے کو تباہ کرنے کے جو بھی طریقے اختیار کرے حکومت دخل نہیں دے گی۔ اس کی حیثیت منصف یا پولیس کی سی ہوتی ہے۔

۶۔ بجٹ کو جمع کرنا اور جمع شدہ دولت کو مزید دولت پیدا کرنے میں لگانا دراصل سرمایہ داری کی جڑ ہے۔



۷۔ اسلام میں سود حرام ہے اس کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے۔

۸۔ اسلام میں امدادِ باہمی کا تصور یہ ہے کہ جو لوگ دولت مند ہوں وہ غریبوں کو نہ صرف قرض دیں بلکہ قرض ادا کرنے میں بھی مدد دیں اور تنگ حال کا قرض معاف کر دیں۔

۹۔ اسلام یہ حکم دیتا ہے کہ روپیہ اول تو جمع ہی نہ ہو اگر جمع ہو بھی تو اس تالاب میں سے زکوٰۃ کی نہری نکال دی جائیں تاکہ جو کھیت سوکھے ہیں ان کو پانی پہنچے اور آس پاس کی زمین بھی شاداب ہو جائے۔

## اسلام

۱۔ اسلام کی بنیاد خدا پرستی پر ہے۔

۲۔ اسلام الہامی تعلیمات پر مبنی ہے۔ شریعت قوانین کا مجموعہ جس کی بنیاد الہامی ہو، اسلامی نظام زندگی ہے۔

۳۔ اسلام میں نجی ملکیت کا پورا حق موجود ہے۔ انسان کی ذاتی کوششوں سے حاصل کردہ دولت کو مقتدر کس سمجھا گیا ہے۔

۴۔ اسلام میں طبقات کے درمیان محبت پیدا کرنے کا انتظام کیا گیا ہے۔

۵۔ اسلام میں معاشرے اور فرد کے حقوق و فرائض میں اعتدال۔

۶۔ مساوات کا اسلام میں فطری تصور ہے۔ یعنی پڑھے لکھے اور جاہل کو زبردستی ایک سطح

۷۔ سرمایہ داری نظام کا دارد مدار ہی سود پر ہے۔

۸۔ سرمایہ داری میں امدادِ باہمی کے معنی یہ ہیں کہ انجمن امدادِ باہمی کو پیسے روپیہ دے کر اس کا رکن بنے، پھر اگر ضرورت پیش آئے گی تو انجمن کم شرح سود پر قرض دے گی۔ اگر روپیہ کسی کے پاس نہیں ہے تو انجمن امدادِ باہمی سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

۹۔ سرمایہ داری نظام میں روپیہ جمع کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے اس کو بڑھانے کے لئے سود لیا جاتا ہے تاکہ ان نالیوں کے ذریعے سے آس پاس کے لوگوں کا روپیہ بھی سمٹ کر اس جھیل میں جمع ہو جائے۔

## سوشلزم

۱۔ اس کے برعکس سوشلزم خدا کے انکار پر مبنی ہے۔

۲۔ سوشلزم کا مجموعہ قوانین انسانی دماغ کا اختراع ہے۔

۳۔ سوشلزم میں انفرادی ملکیت کا انکار ہے۔

۴۔ سوشلزم میں مختلف طبقات میں نفرت کی آگ بھڑکاؤ جاتی ہے۔

۵۔ سوشلزم میں معاشرے کے اتنے زیادہ حقوق ہیں کہ انفرادیت ختم ہو کر رہ گئی ہے۔

۶۔ سوشلزم کی مساوات غیر فطری ہے۔ انسانی فطرت اس کے خلاف ہے۔



پر لایا جائے ممکن نہیں رکھا گیا۔

۷۔ اسلامی معاشرے میں آزادی رائے، حق تنقید اور حق فریاد حاصل ہوتا ہے۔

۷۔ سوشلسٹ معاشرے میں سخت قسم کی زبان بندی ہے۔ ہڑتال، تنظیمیں بنانے کا حق اور آزادانہ تنقید کا حق نہیں ہے۔

۸۔ اسلامی معاشرے کا ہر فرد اور ہر مزدور آزادانہ رغبتی کام کر سکتا ہے۔

۸۔ سوشلسٹ معاشرے میں مزدور آزادانہ اپنی معاش پیدا کرنے کا حق دار نہیں۔

۹۔ اسلام میں اخلاقی اقدار کی بہت اہمیت ہے والدین کے حقوق میں ہمسائے کے حقوق ہیں۔

۹۔ اس میں سرے سے اخلاق موجود نہیں۔ بچوں پر پہلا حق حکومت کا ہے۔ والدین ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔ باقی چال چلن کی پاکیزگی کا سرے سے وجود نہیں۔

۱۰۔ اسلام میں عورت کا مالی بوجھ رشتے دار مرد کے کندھے پر رکھا گیا ہے۔

۱۰۔ اس معاشرے میں ہر فرد اپنا بوجھ اٹھاتا ہے اور عورت بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔

۱۱۔ اسلام میں معاشی اقدار اور اخلاقی اقدار ہم آہنگ ہیں۔

۱۱۔ سوشلسٹ معاشرے میں اخلاقی اقدار کو معاشی اقدار کے ماتحت رکھا گیا ہے۔ جب کہ اس معاشرے کا اصل مقصد معاش ہے۔

۱۲۔ اسلام میں حکومت کو مطلق العنان اختیار حاصل نہیں ہوتے اس پر کچھ پابندیاں عائد ہوتی ہیں۔

۱۲۔ سوشلزم میں حکومت کو محدود اختیار حاصل ہوتے ہیں۔ اس پر پابندی نہیں ہے۔



# باب (۱۵)

## اسلامی حکومت کے ذرائع آمدنی

نظام حکومت کو مضبوطی سے چلانے اور رعایا کی خوشحالی کے لیے ترقیاتی امور کا سرانجام دینا بغیر کثیر آمدنی کے ممکن نہیں۔ اگرچہ اس زمانہ میں آمدنی کے بہت ذرائع ہیں مگر جب ہم اسلامی حکومت کے وسائل پر نظر دوڑاتے ہیں تو ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ذرائع بھی ایک مثالی حکومت کے لیے کافی ہیں۔

مولانا محمد حفظ الرحمن نے اپنی کتاب ”اسلام کا اقتصادی نظام“ میں ان ذرائع کی خوب وضاحت کی ہے۔

مسلمانوں کی مملوکہ اراضی کے ایک بڑے حصہ کی سالانہ مال گزاری عشر کہلاتا ہے۔ ذمیوں کی سالانہ مال گزاری کا نام خراج ہے۔ اسی طرح سرکاری اراضی کی آمدنی کراء الارض (لگان) کے نام سے موسوم ہے اور مسلمانوں کے اموال نقد، تجارت اور بہائم کے ریوڑ پر عائد شدہ سالانہ مقررہ ٹیکس کو زکوٰۃ (صدقہ واجبہ) اور غیر مقررہ (نفلی) کو صدقات کہتے ہیں اور ذمیوں پر سالانہ ٹیکس کو جزئیہ کہا جاتا ہے۔ بغیر جنگ کے حاصل شدہ مال فتنے کہا جاتا ہے۔ اور جنگ کے ذریعہ حاصل شدہ مال غنیمت کہلاتا ہے۔ معدنیات اور پوشیدہ خزانہ (ریکانز) کی مقررہ رقم خمس کہلاتی ہے۔ بستان حربی یا ذمی یا مسلمانوں کے مال تجارت کی درآمد برآمد کے محصول (ڈیوٹی) کو عشر کہا جاتا ہے۔ رفاہ عامہ اور وقتی ضروریات کے لیے عائد شدہ ٹیکسوں کا نام ضرائب ہے۔ سرکاری معدنیات اور تفرق آمدنی کو اموال فاضلہ کہا جاتا ہے اور مذہبی اوقاف کی آمدنی اموال وقف سے موسوم ہے۔

اب تذکرہ بالاتمام مات (Matters) کی تشریح کی جاتی ہے۔

(۱) عشر اگر کوئی حلقہ اسلام میں داخل ہو جائے تو ان کی زرعی زمین، عرب کی زمین مجاہدین اور غنائین کے حصہ میں آتی ہوئی زمین، وہ افتادہ زمین جو کسی مسلمان نے آباد کی ہو۔ اور لاوارث ذمی کی موت پر مسلمان کے قبضہ میں آتی ہو عشری زمین کہلاتی ہے۔ عشر اس حصہ مقرر کا نام ہے، جو زکوٰۃ کی طرح زمین کی پیداوار پر واجب ہوتا ہے اور پیداوار ہی سے لیا جاتا



ہے۔ پس اگر غشری زمین ندی، تالاب یا دریا سے سیراب شدہ ہے یا بارانی ہے یعنی صرف بارش کے پانی سے سیراب ہوتی ہے۔ تو اس زمین کی پیداوار سے دسواں حصہ لیا جاتا ہے۔ اور اگر چاہی ہو یعنی کنوئیں کھود کر پانی دیا گیا ہو تو بیسواں حصہ وصول کیا جاتا ہے۔

عشر کے وجوب کے لیے قرآن عزیز میں نص وارد ہے:

وَاتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ ۝ اور تم ادا کرو (پیداوار زمین کا حق) اس کے کاٹے جانے کے وقت۔

اور حدیث میں تفصیل یوں ہے:

نبی کریمؐ نے فرمایا جس زمین کی آبپاشی بارش، چشموں یا ندیوں سے ہو اس کی پیداوار کا دسواں حصہ لیا جائے گا۔ اور جس کو پانی کھینچ کر دیا جائے اس سے بیسواں حصہ لیا جائے گا۔ اگر زائد محنت و اجرت کا دخل ہو تو نصف ہو گا۔ جیسا کہ کنوئیں، نہریں، ٹیوب ویل وغیرہ۔ کیونکہ زائد اخراجات آتے ہیں۔

## (2) خراج = Land Tax

جن ممالک یا علاقوں پر اسلام کا غلبہ ہو جائے اور خلیفہ یا سربراہ مملکت وہاں کی اراضی مفتوحہ کے قبضہ میں رہنے دے اور جن غیر مسلموں سے صلح ہو گئی ہو اور وہ اسلامی حکومت کے ذمہ اور عہد میں داخل ہو کر ذمی بن گئے ہوں ان کی زمین خراجی کہلاتی ہے۔ اور اس پر جو محصول لگایا جاتا ہے اسے خراج کہتے ہیں۔ امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ خراج اور فتنہ دراصل ایک ہی قسم ہے۔ اس سے بھی اسلامی حکومت کو کافی آمدنی ہوتی تھی۔ اگرچہ آج کل وہ حالات نہیں رہے۔ اور ایسی آمدنی شاید ہی کسی حکومت کو حاصل ہو۔

اہل کتاب اور مشرکین عجم مغلوب و مقہور ہو کر اسلامی اقتدار کو تسلیم کر لیں اور

(3) جزیہ سالانہ تھوڑا سا ٹیکس ادا کر کے اس شرط پر زیر اقتدار آجائیں کہ حکومت ان کے جان و مال اور آبرو کی محافظ رہے تو ایسے محصول کو جزیہ کہا جاتا ہے۔ قانونی دفعہ یوں بیان ہوئی ہے:

”ان لوگوں سے جنگ کرو جو ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور نہ آخرت کے دن پر اور نہ حرام جانتے ہیں اس کو جسے اللہ نے حرام کیا۔ اللہ نے اور اس کے رسولؐ نے۔ اور نہ قبول کرتے ہیں دین حق کو“



اسی طرح مزید فرمایا گیا :

”ان لوگوں میں سے جو اہل کتاب ہیں یہاں تک کہ وہ جزیرہ اپنے ہاتھ سے ذلیل ہو کر دیں۔“

زکوٰۃ کی وصولی بھی سالانہ ہے۔ اسلامی حکومت کی آمدنی کا نہایت اہم اور ضروری

وسیلہ زکوٰۃ کی وصولی ہے۔ ہر صاحب نصاب پر زکوٰۃ فرض ہے۔ اس کا ریٹ

(4) زکوٰۃ

۱/۲٪ مقرر ہے۔

سورۃ اعراف میں یوں حکم آیا ہے : ”اور میری رحمت ہر شے پر حاوی ہے۔ تو میں (اس کو)

ان لوگوں کے لیے لکھ لوں گا جو خدا سے ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور ہماری آیات پر ایمان رکھتے

ہیں۔“

اسی طرح سورۃ روم میں فرمایا گیا ہے : ”اور جو زکوٰۃ تم اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے

دیتے ہو تو ایسے ہی لوگ اپنے مال کو (آخرت میں) دوگنا کرنے والے ہیں۔“ چوپایوں، زیورات

پر بھی زکوٰۃ لگتی ہے۔

زکوٰۃ کے علاوہ بھی کچھ اجتماعی حقوق ہیں۔ اسلام اس

(5) صدقات و خیرات سلسلے میں مالی امداد دینے کی ترغیب دیتا ہے۔ بعض

حالات میں مستحب اور مستحسن بتلاتا ہے۔ اسے نفلی صدقہ کہا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں جا بجا اس کا ذکر آیا ہے۔ چنانچہ ارشاد رب العزت ہے :

[اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو] (بقرہ : ۱۹۱)

اسی طرح ایک اور مقام پر حکم آیا ہے :

”اور ان کے مالوں میں مانگنے والوں اور تنگ دستوں کا حق ہے“ (الذاریات : ۱۹)

”مسلمانوں ! جو مال ہم نے تم کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرو“ (بقرہ : ۲۵۵)

اسی طرح ”مسلمانو ! ان پاک چیزوں میں سے جو تم نے کمائی ہیں خرچ کرو۔“ (بقرہ : ۱۶۸)

انفرادی و اجتماعی طور پر یہ خیرات دی جاسکتی ہے۔ اگر لوگوں کا ایمانی جذبہ اجاگر ہو جائے

تو کوئی بھوکا، تنگ اور بیکار نہیں رہ سکتا۔

اگر مسلمانوں کے لشکر سے کفار مغلوب و مرعوب ہو کر جنگ کیے بغیر مال چھوڑ

(6) فتنے

کر ہجاک جائیں یا جنگ کے بعد ان کی زمینوں کو مقررہ ٹیکس پر ان کے

قبضہ میں رہنے دیا جائے یا خراج اور جزیرہ مقرر کیا جائے تو ان سب صورتوں میں حاصل شدہ مال



کوفے کہا جاتا ہے۔

”اور جو (مال) اللہ نے ان سے اپنے رسولؐ کے ہاتھ لگوا دیا تو تم نے اس پر نہ گھوڑے دوڑائے نہ اونٹ مگر اللہ جس پر چاہتا ہے اپنے رسولوں کو غالب کر دیتا ہے اور اللہ ہر شے پر قادر ہے۔“

(۶) خمس | مال غنیمت کی تقسیم اور رکاز، دینہ اور کانوں سے نکلے ہوئے سونے اور چاندی وغیرہ سے نفع حاصل کرنے سے پہلے ان میں سے پانچواں حصہ نکالنا ضروری ہے

اور یہ حکومت کے بیت المال (سرکاری خزانہ) کا حق ہے۔ قرآن مقدس میں ارشاد ہے: ”اور معلوم رہے کہ تم کو کسی چیز سے بھی جو کچھ مال غنیمت ملے سو اس میں سے پانچواں حصہ اللہ کے واسطے ہے اور رسولؐ کے لیے اور اس کے قرابت والوں کے واسطے اور یتیموں اور محتاجوں کے لیے ہے۔“

بخاری شریف میں ایک حدیث ہے: وفي الرکاز الخمس، آپؐ نے فرمایا رکاز میں خمس واجب ہے۔

آنحضرتؐ سے دریافت کیا گیا کہ یا رسول اللہ ”رکاز“ کیا شے ہے؟ آپؐ نے فرمایا وہ سونا چاندی جو اللہ نے خلقی طور پر زمین کے اندر ودیعت کر دیا ہے۔

## نوائب و ضرائب = Extra Shait Taxes

زمانہ جنگ، قحط سالی، طغیانی، دیگر آفات ارضی و سماوی، رفاہ عامہ اور عوام الناس کی سیر و زنگاری دادر کرنے کے لیے زکوٰۃ و صدقات کے علاوہ جو ٹیکس (مالی امداد) اغنیاء اور اہل ثروت پر حکومت کی جانب سے عائد کیے جاتے ہیں۔ ان کا نام نوائب و ضرائب ہے۔ محاصل کا وہ مجموعہ جو موجودہ زمانہ کے طریقہ حکومت میں رائج ہے۔ اسلامی حکومت میں ناپید ہے۔ اس لیے کہ آجکل جو ٹیکس پبلک پر لگائے جاتے ہیں۔ وہ مومو ماعدل و انصاف کے خلاف اور حکومت اور رکارڈ حکومت کے ان مفادات کی خاطر لگائے جاتے ہیں جن کا مفاد پبلک سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ اسلام کے دستوری نظام میں خراج، جزیہ، عسور، زکوٰۃ، فتنے، خمس، وقف اور اس قسم کے محاصل اسی غرض سے لگائے جاتے ہیں کہ وہ عوام کی انفرادی اور اجتماعی ضروریات کے کام آئیں



اس لیے عموماً منڈیکس عائد کرنے کو جائز سمجھا۔ البتہ اگر بیت المال کے یہ مذکورہ بالا ٹیکس ان ضروریات کے لئے کافی نہ ہوں۔ یا ہنگامی اہم اجتماعی ضروریات ان محاصل سے فاضل آمدنی کے بغیر پوری نہ ہو سکیں تو وقتی محاصل (Emergency Tax) اغنیاء اور مالدار طبقہ پر نافذ کیے جاسکتے ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن خزم نے اپنی کتاب ”محلی“ میں فقرہ کی اعانت پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

اگر بیت المال کا خزانہ اور مال فقیروں اور اہل حاجت کی معاشی ضروریات کو پورا کر سکتا ہے ویجی ہم السلطان علی ذلک۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اپنی اہمیت کے ساتھ اس ٹیکس کی دلیل بن سکتی ہے:

وات ذ القربى حقہ والمساکین وابن السبیل۔ (المحلی) اور قربت والوں مسکین اور مسافر کے جو حق تم پر ہیں وہ ادا کرو۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ تیرے مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی (جماعتی) حقوق ہیں۔ حضرت علیؓ کہتے ہیں بلاشبہ اللہ نے دولت مندوں کے مال میں اس قدر حق فرض کر دیا ہے جس قدر کہ ان کے فقراء کو کفایت کرتے ہوں۔ پس اگر فقراء بھوکے ننگے اور خستہ حال ہیں تو اس کا سبب یہی ہوتا ہے کہ اغنیاء اس فرض کی ادا میں کوتاہ ہیں۔ پس جس طرح غرباء کی ضرورت پورا کرنے کے لیے خصوصی ٹیکس عائد ہو سکتا ہے۔ اسی طرح جہاد اور دوسری ضروریات کے لیے بھی عائد ہو سکتا ہے چنانچہ نبی اکرمؐ نے غزوہ تبوک میں اس قسم کی اعانت کی ترغیب دی تھی جس پر پرجوش طریقے سے لبیک کہا گیا۔ فقہاء نے دو قسم بتائی ہیں:

(۱) ایسے محاصل جو جائز طور پر نافذ کیے جائیں۔

(ب) ایسے ٹیکس جو ظالم حکمرانوں نے زبردستی عائد کیے ہوں۔

دوسرے قسم کے محاصل کی امام علیؓ زہری کے نزدیک ادائیگی کرنی چاہیے۔ لیکن امام خزی کے نزدیک نہیں کرنی چاہیے۔ (ابن ہمام۔ فتح القدیر شرح ہدایہ)

(۹) **کراء الارض** | امام یا خلیفہ جن زمینوں کو سالانہ اجرت (لگان) مقرر کر کے کاشت کے لیے دے دیتا ہے۔ ان سے حاصل شدہ محاصل کا نام کراء الارض ہے

اسلامی اصطلاح میں ایسی سرکاری زمینوں کو جن سے نہ عشر لیا جاتا ہو اور نہ خراج بلکہ ان کو اجرت پر کاشت کے لیے دیا جاتا ہے۔ ارض المملکت یا ارض الخورہ کہتے ہیں اور یہ زمین یا تو ایسی ہوتی ہے جو لاوارث ہو کر



بیت المال کی جانب منتقل ہو جائے اور یا لشکر کشی کے بعد وقف للمسلمین بن کر اجیروں کو اجرت مقررہ پر دی جائے۔

(۱۵) **عشور** ایران و روم کی سلطنتوں کا دستور تھا کہ جب کوئی مسلمان تاجر، ان کی سرحدیں مال تجارت لے کر داخل ہوتا تو وہ اس سے مقرر محصول (کسٹم ڈیوٹی) لیا کرتے تھے اگر وہ سال میں متعدد مرتبہ آمد و رفت رکھتا تو ہر دفعہ اسی قدر ٹیکس ادا کرنا پڑتا تھا۔ مگر جب غیر مسلم اسباب تجارت لے کر اسلامی ممالک میں آتے تو وہ ایسے محصول سے بری رہتے۔ اس طرح گویا مسلمانوں کو تجارتی خسارہ تھا اور غیر مسلم اس نقصان سے محفوظ تھے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں یہ مسئلہ پیش ہوا۔ آپ نے مفصل روئدار سن کر صوبوں کے عاملوں کو تحریر فرمایا کہ تم بھی اموال تجارت پر اسی قسم کا ٹیکس لیا کرو۔ اور نہ صرف غیر مسلموں سے بلکہ جو مسلمان یا ذمی بھی دار الحرب اور دارالاسلام کے درمیان تجارتی کاروبار کو جاری رکھتے ہیں ان سے بھی یہ محصول لیا جائے۔ مگر اندرون سال ایک فرد سے صرف ایک بار وصول کیا جائے۔ چاہے وہ کئی بار گزرے۔ نیز مسلمان، ذمی، کافر، عربی، کے درمیان محصول کی مقدار میں تفاوت موجود رہے۔ مزید برآں یہ مال دوسو درہم یا بیس مثقال قیمت سے کم نہ ہو۔ ورنہ محصول معاف ہوگا۔ یہ مسلمانوں کے مال تجارت میں سے چالیسواں اور ذمی وغیرہ کے اسباب تجارت میں سے بیسواں اور عربی کے مال سے دسواں حصہ لیا جاتا تھا۔

(۱۱) **اموال فاضلہ** دیگر تمام اقسام کی آمدنیوں کے علاوہ جو بھی متفرق وصولیوں بیت المال کی ملک قرار دی جائیں ان سب کو اموال فاضلہ

کہا جاتا ہے۔ مثلاً اگر کسی مسلمان یا ذمی کا انتقال ہو جائے اور وہ لاوارث ہو تو اس کا مال بیت المال میں چلا جاتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی ذمی بغاوت کرے یا کوئی مسلمان الیاذ باللہ مرتد ہو کر دار الحرب کو فرار ہو جائے تو ان کا سارا مال ضبط ہو جاتا ہے۔ (بدائع الصنائع)۔

(۱۲) **اوقاف** یہ وقف کی جمع ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے رستے میں خرچ کرنے کا ایک بہترین وسیلہ ہے۔ اسی لیے اسلام نے اس کی زبردست تعظیم

دی ہے۔ صحابہ کرام نے اس کا اجرا کر کے علی مظاہرہ کرتے ہوئے اسے زیادہ مستحکم اور مضبوط بنا دیا ہے۔ ارباب دولت کی شب و زحیات کا واضح نقشہ ہمارے سامنے ہے کہ ایک شخص اپنی پیدا کردہ یا دیگر جائزہ ذرائع سے حاصل کردہ ثروت کو اگرچہ اپنی ضروریات سے فاضل سمجھتا ہے پھر بھی اس کی محبت اور سرمایہ کی فراہمی کی ہوس اکثر و بیشتر اس کو حاجتمندوں کی امانت کی



طرف رجوع نہیں کرنے دیتی۔

اسلام الٰہی شریعت کے اجتماعی حقوق سے تغافل کو دور کرنے، اخلاقِ حسنہ کی رُوح پیدا کرنے کے لیے بار بار توجہ دلاتا ہے کہ ان کی زائد از ضرورت دولت کو کارِ خیر میں صرف کرنے اور اجتماعی زندگی کو فروغ دینے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ انسان آفتوشِ موت میں آنے سے قبل بحالتِ صحت و تندرستی اور ہوش و حواس اپنی اس پونجی کا ایک حصہ صدقہ جاریہ موسوم ”وقف“ کر دے۔

چنانچہ قرآنِ عزیز میں یوں بیان کیا گیا ہے:-

”تم ہرگز خیر اور بھلائی کو نہیں پہنچ سکتے جب تک (خدا کی راہ میں) اس چیز کو خرچ نہ کر دو

جو تمہارے لیے سب سے پیاری اور محبوب ہے۔ (العمران)

نبی کریمؐ نے اس کی وضاحت یوں فرمائی ہے:

حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں آپؐ نے فرمایا جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے تمام اعمال ختم ہو جاتے ہیں مگر تین مستثنیٰ ہیں۔ ایک صدقہ جاریہ۔ دوسرا علم۔ اور تیسرا نیک اولاد جو اس کے لیے ہر وقت دعا گو رہے۔ (مسلم)

جب آیت مذکورہ نازل ہوئی تو حضرت ابو طلحہؓ نے کھجوروں کا باغ وقف کر دیا۔ آپؐ نے انہی کے اقارب میں اس کی آمدنی کو وقف کر دیا۔ اسی طرح حضرت عمرؓ نے غنہ خیر کی جاگیر جو ان کے حصہ میں آئی تھی، اللہ کے نام پر وقف کر دی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اس شرط کے ساتھ صدقہ کر دیا کہ اس زمین کی خرید و فروخت نہ کی جائے نہ دراشت میں دی جائے نہ مہبہ کیا جائے۔ بلکہ فقراء، اقرباء، غلاموں کی آزادی، کارہائے خیر، مسافروں اور مہمانوں کے لیے وقف کر دیا۔ یہ بھی تصریح کر دی کہ اس کا متولی مناسب روزینہ لے سکتا ہے اور ذخیرہ کے بغیر اپنے دوست کو بھی کھلا سکتا ہے۔ (بخاری مسلم ترمذی)۔

وقف اگر جائیدادِ اراضی کی صورت میں ہو تو وہ خلیفہ اور حاکم کے ان تصرفات اور مداخلت سے آزاد رہتا ہے جو مصالح وقف کے خلاف ہوں۔ وقف کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وقفِ اہلی۔ (علی الاولاد) اور وقفِ خیری (علی الخیر)۔ اہلی۔ اولاد و اقرباء کے نام بھی ہوتا ہے اور امورِ خیرہ کے لیے بھی۔ مگر وقفِ خیری میں صرف امورِ خیرہ کے لیے کیا جاتا ہے۔ تاہم تابید شرط ہے۔ قانون وقف میں سب اقسام بحیثیت وقف ایک ہی حکم رکھتی ہیں۔ البتہ وقف علی الاولاد



میں آمدنی وقف جب افراد اہل میں تقسیم ہو جائے۔ تو اس ٹپکیں اور مزید محصولات کی وہ تمام قیود اور پابندیاں غائد کی جاسکتی ہیں جو ذاتی املاک رکھنے والوں پر ہوتی ہیں۔

اگر آج بھی مسلمان اپنی اس روش کو دوبارہ زندہ کر لیں تو بہت سے فلاحی کام سرانجام دے سکتے ہیں۔ جیسا کہ ٹرسٹ ہسپتال اور سکول وغیرہ، اقتصادی ترقی میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔ تاہم وقف کا انتظام و انصرام کرنے والوں کا دیانتدار اور امانتدار ہونا بہت ضروری ہے تاکہ اس کی آمدنی کا مصروف صحیح اور درست ہو اور وہ عوام کی ترقی و تعمیر پر لگائی جائے۔ اسلامی حکومت کی آمدنی کا اہم ذریعہ ہے۔

حضرت عمرؓ کے عہد تک اسلامی حکومت کی آبادی، رقبہ اور مالیات کا ایک مختصر سا خاکہ صرف اس لیے پیش کیا جا رہا ہے تاکہ آج کی ترقی یافتہ و ترقی پذیر اقوام موازنہ کر سکیں۔ اور پھر خود ہی فیصلہ صادر کریں کہ تقریباً چودہ سو سال قبل کی خلافتِ ربانی آج کی نام نہاد جمہوریت میں سے کس نے اپنے باشندوں کے حقوق بدرجہ اتم پورے کیے۔ <sup>23</sup> شہرہ تک خلافتِ اسلامیہ کی قلمرو میں بیس لاکھ مربع میل رقبہ تھا۔ اور اس وقت تک مکہ، مدینہ، شام، فلسطین، حمص، اردن، جزیرہ یمن، بصرہ، کوفہ، قاہرہ، خراسان، فارس، آذربائیجان، سیستان، کرمان، ہرات، بلخ، بحرین وغیرہ کے صوبے اس سلطنت میں شامل تھے۔ خراج، جزیرہ، زکوٰۃ، عشر، صدقاتِ نافلہ، اوقاف، عشور، ضبطی جائداد، لگان وغیرہ کی مدات سے علاقہ وار اس طرح مستقل آمدنی بیت المال میں جمع ہوتی تھی۔ آبادی آج سے کمتر تھی۔ اور حالات بھی مختلف تھے۔ مگر آمدنی اچھی خاصی تھی۔

مصر - 6 کروڑ چھیاسٹھ لاکھ ستر ہزار - کویت - بانیس لاکھ

حلوان - چھ کروڑ 66 لاکھ 70 ہزار - ابواز - 89 لاکھ

موصل - 1 کروڑ - آذربائیجان 6 کروڑ 86 لاکھ 70 ہزار

حمص - دس لاکھ پندرہ ہزار - فلسطین - 1 کروڑ 80 لاکھ

یمن - 50 لاکھ - دمشق - 1 کروڑ 80 لاکھ

الحزیرہ - 1 کروڑ 22 لاکھ - اردن - 80 ہزار

یامہ بحرین - چونتیس لاکھ - ہاوند - 89 لاکھ

فارس - 1 کروڑ 56 لاکھ - قیزین - 1 کروڑ 80 لاکھ

عراق - 14 کروڑ 57 لاکھ - رے - چھ کروڑ 66 لاکھ 70 ہزار

کل میزان = 52 کروڑ 87 لاکھ 35 ہزار



اس وقت سونے کا بھاؤ آٹھ روپیہ فی تولہ تھا۔ (تحقیق از مولانا ثنا، اللہ امرتسری)  
اسی طرح خراج کی تفصیل یہ ہے۔

مصر۔ اکروڑ ۲۰ لاکھ دینار (۵ کروڑ چھ لاکھ سالانہ)۔ لگان فی جریب ۱ دینار ۳ اروب  
غلامقرر تھا۔

شام۔ اکروڑ ۴۰ لاکھ۔

عراق۔ ۸ کروڑ ۶۰ لاکھ درہم۔ رقبہ ۳۵ ہزار سیکر میل ۳۶۵ لبائی ۲۲۰ چوڑائی۔ ۳ کروڑ  
۶۰ لاکھ جریب زرعی اراضی۔ آتش کدوں کے اوقاف، شاہی جاگیر، لاوارث، مغرور  
باغیوں کی جائداد کی آمدنی ۶۰ لاکھ روپیہ سالانہ۔

جزیرہ۔ اعلیٰ درجے کے امراء، تجار، صنعتکاروں اور کاشتکاروں سے ۴۸ درہم سالانہ  
فی کس لیا جاتا تھا۔ اوسط درجہ کے لوگوں سے فی کس ۶ روپیہ (۲۴ درہم) اور غریبوں پر  
فی کس ۳ R. (۱۲ درہم) نافذ تھا۔

قابل معافی افراد کی لسٹ ہر چھ ماہ بعد باقاعدہ مرتب کی جاتی تھی۔ حضرت علیؑ کے عہد حکومت  
تک جزیرہ کی عام طور پر شرح یکساں تھی۔

## ریاست اور انفرادی ملکیت

انفرادی ملکیت میں ریاست کی مداخلت اور اس کے حدود کا مطالعہ ہم مندرجہ ذیل عنوانات  
کے تحت کریں گے۔

حجر : یعنی مالکانہ تصرفات پر پابندی۔

غلام اور مقروض ہونے کی حالت میں فرد کے مالکانہ تصرفات پر پابندی عائد کی گئی ہے۔  
میاں صرف ان پابندیوں کا ذکر مقصود ہے جو تبریز و اسراف یا مال کو غیر مفید مصارف میں ضائع کرنے  
کی بنا پر عائد کی جاسکتی ہے۔

مالک اگر اپنے مال میں ایسے تصرفات کرے جو تبریز و اسراف کے تحت آتے ہیں یا مال کو ضائع  
کرنے کے مترادف ہوں تو ریاست اس کے مالکانہ تصرفات پر پابندی عائد کر سکتی ہے۔ انسان کو  
مال اور مالکانہ حقوق ضروریات زندگی کی تکمیل اور اعلیٰ مقاصد حیات کے حصول کے لئے ذریعہ کے طور پر



دیئے گئے ہیں۔ تبدیز و اسراف اور اضعاف مال سے فرد کے اپنے مصالح بھی مجروح ہوتے ہیں، اور اجتماع کا بھی نقصان ہوتا ہے۔ اپنے مال میں اس طرح کے غلط اور مفید تصرفات کرنے والا فقہ اسلامی کی نظر میں اور مفسد قرار پاتا ہے۔ اس کے خرید و فروخت اور انتقال ملکیت کے حقوق پر پابندی عائد کر دی جاتی ہے۔ اس اصول پر فقہ اسلامی کے چاروں مکتب حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی کا اتفاق ہے۔ حنفی مکتب فقہ میں اگرچہ مختار قول یہ بھی ہے لیکن امام ابو حنیفہ کے نزدیک کسی عاقل و بالغ آزاد مالک پر تبدیز و اسراف یا اضعاف مال کی بنا پر حجر کرنا درست نہیں بلکہ جمہور فقہاء اسلام تبدیز و اسراف اور ضائع کرنے کی بنا پر حجر کے قائل ہیں۔

لغت میں حجر کے معنی ہیں روکنا اور تنگی کرنا اور شریعت میں اس کے معنی انسان کو اپنے مال میں تصرف کرنے سے روک دینا ہے۔

اور اشد مال میں حسن تصرف کا نام ہے۔ فاسق آدمی اگر اپنا مال گناہ کے کاموں میں صرف کرتا ہو مثلاً شراب یا آلات ہو خریدنے میں یا اس مال کو فساد پیدا کرنے کا ذریعہ بناتا ہے تو وہ رشید نہیں ہے کیونکہ وہ اپنے مال میں تبدیز اور اس کے بغیر کسی فائدہ کے ضائع کرنے کا مرتکب ہوتا ہے۔

اور رشد کے معنی یہ ہیں کہ مالک اپنے مال کو بے فائدہ کاموں میں صرف ہونے سے بچائے مثلاً زنا، قمار، حرام اشیاء اور آلات ہو کے خریدنے سے اور شراب خریدنے سے اور اس مال کو فساد کا ذریعہ بنائے۔ ایسے کام کرنے والا صاحب رشد قرار نہ پائے گا کیونکہ یہ اپنے مال کو تبدیز اور اسے غیر مفید کاموں میں ضائع کرتا ہے۔

جب کوئی مالک مسلسل ایسے تصرفات کرے جو ممنوع ہوں خود مالک کے ذاتی مفاد کو مجروح کر رہے ہوں اور سماجی زندگی میں توازن کے لئے خطرہ بن گئے ہوں تو ریاست کو اس کے مالکانہ تصرفات پر پابندی عائد کرنے کا اختیار حاصل ہوگا۔ اس اختیار کے استعمال کی عملی شکلیں حالات و ظروف کی مناسبت سے متعین کی جاسکتی ہیں اس بات کی پوری گنجائش ہے کہ ایسے افراد کو بعض مدت میں اپنا مال صرف کرنے سے بالکل روک دیا جائے یا بعض مصارف پر مال صرف کرنے سے پہلے ان کے لئے ریاست کا اجازت حاصل کرنا ضروری قرار دیا جائے، یا انتقال ملکیت سے متعلق جمہور میں ان کو ریاست کی اجازت کا پابند بنایا جائے و درجہ جدید کی زندگی میں تبدیز و اسراف اضعاف مال اور عیش کو منشی کے مظاہر کی یقین دہانی از سر نو کرنی ہوگی۔ کوئی وجہ نہیں کہ آج ایک فرد کو اپنے ذاتی استعمال کے لئے متعدد قیمتی کاریں رکھنے یا بہت زیادہ دولت صرف کر کے عالیشان محلات تعمیر کرنے یا تقریبات میں آتش بازی وغیرہ پر مال ضائع کرنے سے



نہ رد کا جائے۔

اس طرح کی پابندیوں کی مثال خلاف راشدہ کے زمانے میں بھی ملتی ہے۔ جب کوفہ کا شہر لہسایا گیا تو پہلے بانس اور کے مکان بنائے گئے پھر آگ لگ جانے سے بہت سے مکان برباد ہو گئے تو حضرت سعد نے حضرت عمرؓ سے ایٹھوں کے مکانات تعمیر کرنے کی اجازت طلب کی۔ حضرت عمرؓ نے اجازت تو دے دی لیکن یہ بھی حکم دیا کہ ایک آدمی تین سے زیادہ مکانات تعمیر نہ کرے اور بیت ادنچی ادنچی عمارتیں نہ بنائی جائیں بلکہ اس بارے میں اعتدال کی رو اختیار کی جائے۔ ظاہر ہے کہ وسائل معاش کی فراوانی اور پہلے کے مقابلہ میں معیار زندگی میں تبدیلی کے سبب فنی ترقی کے اس دور میں تعمیر کے سلسلہ میں اعتدال کی روش کی تعین چودہ سو برس پہلے کے پیمانوں پر نہیں کی جاسکتی۔ لیکن حضرت عمرؓ کی مثال سے یہ سبق ضرور حاصل کیا جانا چاہیے کہ ہر دور میں تعمیر اور دوسرے مصارف زندگی کے بارے میں اعتدال کی روش اختیار کرنی چاہیے اور اگر افراد معاشرہ میں حد اعتدال سے تجاوز کا عام رجحان پایا جائے تو ان پر پابندی عائد کی جاسکتی ہے۔

### ۱۲۱ احتساب

اسلامی ریاست کا ایک اہم فریضہ یہ ہے کہ وہ معروف کا حکم دے اور مکروہ سے روکے معروف وہ ہے جو شریعت کی نگاہ میں اچھا ہو اور منکروہ ہے جو شریعت کی نگاہ میں برا ہو۔ یہ ایک جامع فریضہ ہے جس کا تعلق زندگی کے ہر پہلو سے ہے۔ اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے اسلامی حکومتیں خصوصی اہتمام کرتی ہیں اور تاریخ یہ بتاتی ہے کہ ابتدائی دور میں ہی اسلامی حکومتوں نے ایک علیحدہ شعبہ قائم کر دیا تھا۔ جس کا نام جبر رکھا گیا تھا۔ اس شعبہ کا کام یہ تھا کہ اگر معروف کو عملاً ترک کیا جا رہا ہو یا کسی منکر کا ارتکاب کیا جا رہا ہو اور یہ خرابیاں علانیہ نمودار ہو جائیں تو ان کو دور کیا جائے اور ان کا سد باب کیا جائے۔ یہ شعبہ جہاں زندگی کے دوسرے پہلوؤں عبادات، آداب، معاشرت اور اخلاق عامہ کی طرف توجہ کرتا تھا۔ وہاں مالکانہ حقوق کے استعمال تجارت اور صنعتی کاروبار کی بھی نگرانی کرتا تھا۔ اس سلسلہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ کے حالات اور معاشرہ کی ضروریات کے پیش نظر بعض کاروباری سرگرمیوں پر پابندیاں عائد کی تھیں اور کاروباری معاملات کو چند آداب کا پابند بنایا تھا۔ ان قوانین کا مطالعہ کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان کا دائرہ صرف دھوکہ فریب اور بدعہدی کے سد باب تک محدود نہ تھا بلکہ ایسے اقدامات جس کا منشا مفاد عامہ کے تحفظ اور مصالح کی ترویج تھا قطع نظر اس کے کہ جن سرگرمیوں پر پابندی عائد کی گئی تھی ان کو اخلاقی طور پر کھلی ہوئی خرابیاں قرار دیا جاسکتا تھا کہ نہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کاروباری سرگرمیوں کی نگرانی اور کاروباری افراد کو اسلامی حدود کا پابند



رکھنے کے لئے ایک خصوصی انسٹر مقرر کیا تھا۔ حضرت عمرؓ اس کام کو بہ نفس نفیس بھی کرتے تھے اور آپ نے بازار کی ٹکرانی کے لئے عبداللہ بن عتبہ کو خاص طور پر مامور بھی کیا تھا۔ ایک بار آپ نے پانی ملے ہوئے دودھ کو زمین میں بہا دیا تھا تاکہ ملاوٹ کرنے والوں کو عبرت ہو اور وہ اس سماج دشمن اور خلاف اسلام حرکت سے باز آجائیں۔

## تسعیر:

عام حالات میں تاجروں اور پیدا کنندگان کو اس بات کی پوری آزادی حاصل ہے کہ اشیاء تجارت اور پیداوار کو جس نرخ پر چاہیں فروخت کریں۔ اشیاء کے نرخ طلب و رسد کے باہمی تعامل سے متعین ہوں گے اور ریاست اس سلسلہ میں کوئی مداخلت نہ کرے گی۔ لیکن اسلامی ریاست پر مفاد عامہ کے تحفظ اور ضرر رسانی کے سبب باب کی جو ذمہ داری ہے اس کا تقاضا ہے کہ بعض مخصوص حالات میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اشیاء کے نرخ مقرر کر دے اور اس آزادی کو ایک حد تک سلب کرے جو عام حالات میں فروخت کنندگان کو دی گئی ہے۔ اس بات کو ایک مثال سے باآسانی سمجھا جاسکتا ہے۔ غذائی قلت کے زمانہ میں غذائی اجناس کے نرخ رسد کی کمی کے سبب بڑھ جاتے ہیں لیکن بڑھتی ہوئی قیمتوں کو اور زیادہ بڑھانے اور قلت سے پیدا ہونے والی صورت سے فائدہ اٹھا کر زیادہ سے زیادہ نفع کمانے کے لئے تاجران اجناس کا احتکار کر کے رسد میں مصنوعی طور کی پیدا کر دیتے ہیں جس سے نرخ اور گراں ہو جاتے ہیں۔ احتکار شرعاً ممنوع اور قابل تعزیر جرم ہے۔ حکومت احتکار کرنے والوں کو اپنے مال بازار لانے پر بھی مجبور کر سکتی ہے۔ لیکن اس صورت حال کی اصلاح کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اگر چہ بازار میں کانسداد ممکن ہو تو ان اشیاء کے نرخ مقرر کر دیئے جائیں۔ یہ طریقہ اس صورت میں اختیار کیا جاسکتا ہے۔ جب کاروباریوں کے ذخیروں کی دریافت اور ان کے بازار میں لانے کے لئے راست اقدام دشوار ہو۔

اشیاء کے نرخ کے تعین اور راست اقدام کے ذریعے ذخیروں کو بازار میں لانے کے طریقے ساتھ ساتھ بھی اختیار کئے جاسکتے ہیں اور یہی اصلاح حال کی موثر ترین شکل ہے۔

دوسری مثال اجارہ داری کی ہے۔ یہ افراد اپنی اجارہ دارانہ حیثیت سے فائدہ اٹھا کر عوام سے من مانی قیمتیں وصول کر سکتے ہیں۔ اس ضرر کا ازالہ بھی اسی طرح ممکن ہے کہ ان افراد کو مجبور کیا جائے کہ وہ اپنی لاگت پر ایک معقول اور اطمینان بخش شرح نفع سے زیادہ وصول نہ کریں اور اسی حساب سے ان کی قیمتیں مقرر کی جائیں۔

عام حالات میں شریعت تسعیر کی اجازت نہیں دیتی کیونکہ الیا کرنا پیدا کنندگان اور تاجروں



کی آزادی سلب کرنے اور بعض حالات میں ان پر صریح ظلم کے مترادف ہے اس سے بسا اوقات مفاد عام بھی مجروح ہوتا ہے۔

ذیل کی حدیث میں یہ بات سامنے آتی ہے۔

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے آکر یہ کہا کہ اے رسول اللہؐ! اشیاء کے نرخ مقرر کر دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا نہیں بلکہ میں دعا کروں گا کہ نرخ ارزاں ہو جائیں (پھر ایک دوسرا آدمی آیا اس نے بھی یہی کہا، اے رسول اللہؐ نرخ مقرر کر دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا نہیں بلکہ اللہ ہی نرخ گراتا اور چڑھاتا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ خدا کے حضور اس حال میں حاضر ہوں کہ میرے اوپر کسی نے ظلم نہ کیا بار نہ ہو۔ انس سے روایت ہے کہ لوگوں نے یہ کہا کہ اے اللہ کے رسولؐ نرخ گراں ہو گئے ہیں۔ لہذا آپؐ نرخ مقرر کر دیجئے تو رسولؐ نے فرمایا کہ اللہ ہی نرخ مقرر کرنے والا ہے پیداکرنے والا خرابی پیدا کرنے والا اور رزق عطا کرنے والا ہے۔

ان احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ پیداوار کی کمی اور زیادتی اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے اور اشیاء ضرورت کی ارزانی یا گرانی اس پر منحصر ہونے کے سبب امر الہی کے تابع ہے۔ قدرتی عوامل کے نتیجے میں اشیاء گراں ہو جائیں تو ان کے نرخ متعین کرنا ان کے پیدا کرنے والوں اور فروخت کرنے والوں پر ظلم کرنے کے ہم معنی ہیں۔

ان احادیث کی روشنی میں بعض مکاتب فقہ کے نزدیک تفسیر مطلقاً ناجائز ہے۔ چنانچہ حنفی فقہ امام شمس الدین ابوالفرج عبدالرحمن بن ابوعمر محمد بن ابوعمر محمد بن احمد ابن تدار لکھتے ہیں:

”امام کو یہ اختیار نہیں کہ لوگوں کے لئے اشیاء کے نرخ مقرر کرے بلکہ لوگ اپنے مال جس طرح چاہیں فروخت کر سکیں گے یہ ہی امام شافعی کا مسلک ہے۔“

### مزید محاصل:

مزید محاصل عائد کرنے کی ضرورت تین مختلف طریقوں سے پیدا ہو سکتی ہے۔ اولاً یہ کہ شرعی محاصل سے حاصل ہونے والی ریاست کے بنیادی فرائض۔ دفاع اور جہاد فی سبیل اللہ، تعلیم و تربیت، دعوت اسلام، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر قیام عدل اور کفالت عامہ کے لئے نا کافی ہو۔ دوسرے اس طور پر کہ اسلامی ریاست کو ملک کے معاشی تعمیر و ترقی اور خود اپنے مصارف حکمرانی پورے کرنے کے لئے مزید مال کی ضرورت ہو۔ عشر اور زکوٰۃ کی آمدنی کو مصارف حکمرانی پر خرچ نہیں کیا جاسکتا ہے۔

مزید محاصل عائد کرنے کی ایک تیسری وجہ بھی پیش آ سکتی ہے۔ اسلامی ریاست کی یہ



ذمہ داری ہے کہ وہ معاشرہ کے اندر تقسیم دولت میں پائی جانے والی ناہمواری کو دور کرے اور مشرت اور عیش کی زندگی کا سد باب کرے۔ اس مقصد کی خاطر سماج کے ان افراد پر محاصل عائد کئے جاسکتے ہیں۔ جن کے پاس بہت زیادہ دولت مرکوز ہو کر فساد پیدا کرنے کا سبب بن رہی ہو۔ اس ذیل میں دوسرے سیاسی اور سماجی مصالح کا بھی ذکر کیا جاسکتا ہے جن کے تحفظ کا ایک طریقہ مزید محاصل عائد کرنا بھی ہو سکتا ہے۔

مذکورہ بالا اسباب کی بنا پر اسلامی ریاست کو اپنے شہریوں پر مزید محاصل عائد کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ خلفائے راشدین کی زندگی اور رسول خدا کی احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ افراد سے اجتماعی ضروریات کی تکمیل کے لئے عشر و زکوٰۃ کے علاوہ مزید محاصل کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے۔ ابن خرم نے لکھا ہے کہ کفالت عامہ کے لئے اگر زکوٰۃ اور فتنے کی آمدنی کافی نہ ہو تو مالدار افراد پر مزید محاصل عائد کئے جائیں گے۔

ہر ملک کے مالدار افراد پر فرض ہے کہ وہ اپنے غریب لوگوں کی کفالت کریں۔ اگر زکوٰۃ کی آمدنی اور سارے مسلمانوں کی فتنے اس کے لئے کافی نہ ہو تو سلطان ان کو الیا کرنے پر مجبور کرے گا۔ ان کے لئے اتنے مال کا انتظام کیا جائے گا جس سے کہ وہ بقدر ضرورت غذا حاصل کر سکیں اور اس طرح جاڑے گرمی کا لباس اور ایک ایسا مکان جو انہیں بارش گرمی، دھوپ اور راہ گیروں کی نظروں سے محفوظ رکھ سکے۔

اموال فاضلہ کا مطالبہ

عام حالات میں اجتماع کی مالی ضروریات شرعی محاصل کی آمدنی سے اور معقول شرحوں کے ساتھ مزید محاصل عائد کر کے پوری کی جاسکتی ہیں لیکن اسے غیر معمولی اور ہنگامی حالات بھی پیش آسکتے ہیں۔ جن میں ان طریقوں سے اجتماعی مفاد کا تحفظ ممکن نہ ہو۔ شدید قحط، عام سیلاب یا کسی اور آفت کی وجہ سے غذا یا بنیادی ضروریات کے دوسرے سامانوں کی قلت یا جنگ میں ریاست کو اچانک طور پر کثیر مال کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔ ایسے ہنگامی حالات میں اسلامی ریاست اس بات کی مجاز ہوگی کہ اپنے صاحب ثروت شہریوں سے ان کی ضرورت سے زائد اموال کا مطالبہ کرے تاکہ اجتماع کو ہلاکت سے بچایا جاسکے۔ اجتماع کی وہ ہلاکت جو ملک پر دشمنوں کے قبضہ، یا قحط کے نتیجے میں خلق خدا کی ہلاکت و بربادی سے واقع ہوگی۔ خود اصحاب مال کو بھی اپنی لمبیٹ میں لے لے گی۔ لہذا خود ان کے مفاد کا تقاضا ہے کہ ان کے فاضل مال سے اس خطرے کو دور کیا جائے کیونکہ مال زندگی کے لئے ہے اور ایسے حالات میں جب کہ زندگی خطرہ میں ہو مال کو اس کے تحفظ کے لئے نہ استعمال کرنا جانتے بوجھتے خود کو ہلاکت



میں ڈالنا ہے۔

نبی صلعم کے دور میں افراد سے ان کے ضرورت زائد مال کو قانوناً حاصل کرنے کی ضرورت نہیں پڑی۔  
 کیونکہ جب بھی مال کی ضرورت پیش آئی آپ کی اخلاقی اپیل پر افراد نے حسب ضرورت مال حاضر کر دیا۔ نبی صلعم کے  
 دور میں اس قسم کی پہلی بڑی ضرورت اس وقت پیش آئی جب مکہ سے سینکڑوں مسلمان ہجرت کر کے مدینہ خالی ہاتھ  
 آئے۔ آپ نے ہر مہاجر کو مدینہ میں رہنے والے صاحب استطاعت انصار کا بھائی بنا دیا۔ یہ غیر معمولی حالات  
 میں غیر معمولی طریقے اختیار کرنے کی نمایاں مثال ہے۔

سنگامی حالات میں افراد کو یہ بھول جانا چاہیے کہ ان کے پاس جو زائد از ضرورت مال ہے وہ ان کی  
 ذاتی ملکیت ہے اور باہم تعاون و اجتماع سے اس مصیبت کو ختم کرنا چاہیے کیونکہ روح اسلام کا تقاضا ہی یہ ہے۔  
خریدنے اور عاریت یا قرض لینے میں جبر کا استعمال

اسلامی ریاست کو افراد کی طرح قرض لینے کسی چیز کو عاریتاً حاصل کرنے یا کسی فرد یا ادارہ سے کسی  
 چیز کو خریدنے کا جو حق حاصل ہے وہ عام حالات میں اپنی شرائط کا پابند ہے جو افراد کے لئے مقرر کئے گئے  
 ہیں۔ ان تمام معاملات میں فریقین کی رضامندی لازمی امر ہے اور عام حالات میں کسی فرد سے اس کی مرضی  
 کے بغیر کوئی شے خریدی جاسکتی ہے نہ ہی عاریتاً لی جاسکتی ہے نہ ہی کسی فرد سے جبراً قرض لیا جاسکتا ہے۔

لیکن ایسے حالات پیش آسکتے ہیں جب اسلامی ریاست کو کسی چیز کی ضرورت ہو اور یہ ضرورت اجتماعی  
 مصالح کے تحت بہت اہم ہو لیکن اس چیز کا مالک اسے فروخت کرنے پر آمادہ نہ ہو یا ریاست کو عارضی  
 استعمال کے لئے کوئی سامان درکار ہو لیکن اس کا مالک اسے کرایہ پر یا عاریتاً دینے کے لئے تیار نہ ہو یا اسے  
 مزدوروں یا بعض ماہرین کی خدمات درکار ہوں اور لوگ اجرت لے کر یا بلا معاوضہ خدمت کرنے پر  
 تیار نہ ہوں۔ ایسے حالات بھی پیش آسکتے ہیں جب ریاست کو قرض کی ضرورت ہو اور اصحاب قرضہ سرمایہ  
 دینے پر آمادہ نہ ہو۔ اگر اجتماعی ضرورت کے لئے ان چیزوں کا حاصل کرنا ناگزیر ہو اور یہ چیزیں ان کے  
 مالکوں کی ضرورت سے زیادہ ہو یا ان کا معاوضہ کر دینا ان کے لئے بغیر ناقابل برداشت تکلیف  
 کے ممکن ہو تو ریاست کو ان کے خریدنے، کرایہ پر لینے، عاریتاً لینے یا قرض لینے کے لئے جبر کے  
 استعمال کا اختیار حاصل ہے۔

اس اختیار کی دلیل شریعت کے مقاصد میں اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ اہم اجتماعی مقاصد کے  
 حصول کا اہتمام کرے اور اس ذمہ داری سے یہ حق ابھرتا ہے کہ وہ اس ادائیگی کے لئے اصحاب استطاعت سے  
 ضروری وسائل حاصل کرے۔ شریعت کی نگاہ میں اجتماعی مقاصد اور مفادات انفرادی مقاصد اور مفادات سے  
 زیادہ اہم ہیں۔



# باب (۱۱)

## مصارف

Expenses

=

اسلامی حکومت کے مصارف کی اسلامی فقہ میں تصریح کی گئی ہے اور بیت المال کے اخراجات کو چار مختلف شعبوں میں تقسیم کر کے چار بیوت اموال قائم کیے جانے چاہئیں۔ مگر یہ چاروں مرکزی بیت المال کے تحت رہیں گے۔ چنانچہ چاروں شعبوں کی تفصیل اس طرح مذکور ہے۔

- ۱۔ مال غنیمت، کنز اور رکاز کے خمس اور صدقات سے تعلق رکھتا ہے۔
- ۲۔ زکوٰۃ، عشر اور مسلمان تجارت سے وصول شدہ عشر سے۔
- ۳۔ خراج، جزیہ، غیر مسلم تاجروں سے وصول کردہ عشر، فتنے، کرا، الارض اور ضرائب۔
- ۴۔ اموال فاضلہ (ضوائع) سے متعلق ہے۔

ان کی وضاحت حسب ذیل ہے۔

پہلے اور دوسرے شعبے کے مصارف ”مصارف ثمانیہ“

کہلاتے ہیں۔ ان آیات میں بیان کئے گئے ہیں۔

[ اور معلوم رہے کہ جو کچھ تم کو مال غنیمت ملے کسی چیز سے مواللہ تعالیٰ کے واسطے ہے اس میں سے پانچواں حصہ اور رسولؐ کے واسطے اور اس کے قرابت والوں کے واسطے، یمیوں، محتاجوں اور مسافروں کے واسطے۔ اگر تمہیں یقین ہے اللہ پر اور اس چیز پر جو ہم نے اناری اپنے بندہ پر فیصلہ (جنگ بدر) کے دن، جس دن دونوں فوجیں بھڑکیں اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ] (انفال)

سورۃ توبہ میں یوں ارشاد ہوا ہے۔

” زکوٰۃ و صدقات حق ہے مفلسوں کا، محتاجوں کا، زکوٰۃ کی وصولی کرنے والوں کا، جن کا دل پر چانا منظور ہے کہ وہیں چھڑانے کے لیے، اور ان کے لیے جو تاوان کے بوجھ تلے رہے ہوئے ہوں۔ (یعنی قرضدار اور ضامن)، اللہ کے رستہ میں جان سے لڑنے والوں کے لیے اور مسافروں کے لیے یہ مقرر ہے خدا کی جانب سے اور اللہ تعالیٰ حکمت والا ہے۔ (توبہ)۔

پہلی آیت میں اللہ کا نام برکت کے طور پر مذکور ہے۔ اور بعض علماء کے نزدیک اس سے



کعبۃ اللہ اور مساجد اللہ کے مصارف مراد ہیں۔ اور نبی کریم کی دنات کے بعد آپ کا اور آپ کے اہل قرابت کے حصے کا سوال ہی باقی نہیں رہا۔ اور تیمامی اگر بذات خود انبیاء میں سے ہیں تو وہ بھی اس سلسلہ میں داخل نہیں ہیں۔ ورنہ پھر فقراء اور مساکین میں شامل ہیں لہذا دونوں مصارف ثمانیہ ہیں۔ یعنی فقراء و مساکین، عاملین، مؤلفۃ القلوب، رقاب، غارمین، فی سبیل اللہ اور ابن سبیل۔

عاملون (Tex Collectors) میں یہ شامل ہیں۔

(اے) سائیس (Sais) یعنی مولیشی اکتفا کرنے والے۔

(بی) کاتب (کلرک وغیرہ)

(سی) قسام (Distributors) تقسیم کنندگان۔

(ڈی) عشیر (جو جاندار وغیرہ کو اپنے ہمراہ لاتے ہیں)۔

(ای) عارف (جو کہ خیرات Beneficiaries) سے آگاہ کرتے ہیں۔

(ایف) حفاظ (زکوٰۃ کی نگہداشت کرنے والے)۔

(جھی) حاسب (اکاؤنٹینٹس Accountants)۔

(ایچ) کیاں (زکوٰۃ کی مقدار کی پیمائش یا تولنے والے who measure

off the Takat dues)۔

تیسرے شعبے کے مصارف میں ہر قسم کے وظائف، شعبہ ہائے حکومت کے نظم و نسق کے اخراجات ہیں۔ اور چوتھے شعبہ میں (رفاہ عامہ) (پبلک ورکس) لاوارث بچوں کی پرورش اور دیگر امور خیر یہ شامل ہیں (در المختار)۔

فقہاء نے یہ بھی تصریح کر دی ہے کہ امام (خلیفہ) مصالح خلافت کے پیش نظر بوقت ضرورت ایک شعبے سے دوسرے شعبے کے لیے قرض لے سکتا ہے اور جب تک دوسرے شعبے میں وافر آمدنی نہ ہو دوسرے شعبوں سے اس کی کفالت کر سکتا ہے۔ در مختار میں یوں آتا ہے:

”اور امام کے لیے ضروری ہے کہ ہر نوع کے لیے جدابیت المال کا شعبہ مخصوص کرے

اور اس کے لیے یہ درست ہے کہ ایک شعبہ سے دوسرے شعبہ پر خرچ کر دے“

فقہ اسلامی میں یہ بھی تصریح ہے کہ صدقات واجبہ کے علاوہ بیت المال کے محاصل کا تعلق

جس طرح قلم و اسلامی کے مسلمانوں کی ضروریات سے والبتہ ہے اسی طرح غیر مسلم (ذمی) کی حاجات



سے بھی متعلق ہے۔ چنانچہ فاروق اعظمؓ نے فقراء اور مساکین میں غیر مسلموں کو بھی شامل کیا ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ نے قانون فقہ میں اس قول کو سند ٹھہرایا ہے۔

قاضی ابو یوسفؒ نے کتاب الخراج میں صراحت کر دی ہے:

”ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کا یہ فیصلہ کہ مفتوحہ اراضی کو مجاہدین میں تقسیم نہ کیا جائے۔ ایسی صورت میں جبکہ کتاب اللہ میں اس سے متعلق کوئی مذکور نہیں تھا۔ ایک بہترین فیصلہ ہے۔ جس کی جانب خداوند تعالیٰ نے ان کی رہنمائی کی۔ اور انہوں نے جو کچھ کیا۔ اسی میں تمام مسلمانوں کی فلاح و بہبود مضمر تھی۔ اور زمین کا خراج جمع کر کے تمام مسلمانوں کو اس سے فائدہ پہنچانا جماعتی اعتبار سے بہت ہی بہتر طریق ہے۔ کیونکہ اگر یہ اراضی مجاہدین میں تقسیم ہو جائیں اور عام مسلمانوں کے عطایا اور وظائف کے لیے وقف نہ ہو جائیں، تو پھر نہ اسلامی حکومت کی سرحدوں کی حفاظت ہو سکتی ہے اور نہ جہاد کے لیے مضبوط لشکر فراہم ہو سکتا۔ اور جب جہاد اور وظائف کا دروازہ بند ہو جاتا تو مسلمانوں کے ملک کافروں کی چڑھائی سے ہرگز مامون نہ رہتے اور اللہ تعالیٰ ہر حقیقت سے زیادہ بہتر جانتے والا ہے۔“

امام کو جب یہ اختیار بھی حاصل ہے کہ ایک شعبہ کے محاصل اس کے مصارف کو پورا نہ کریں تو دوسرے شعبہ سے قرض لے سکتا ہے تو پھر نفی، جزیر، خراج خمس، کراء الارض، خرائب، غشور غیر مسلم اور اموال فاضلہ میں مدات کا یہ تفاوت معاشی نصب العین اور مقصد و منہاج پر اثر انداز نہیں ہوتا اور تکمیل مقصود کی خاطر ان مدات کے مصارف میں ”اولی الامر“ کو حق مداخلت حاصل ہے۔

نتیجہ اسلامی حکومت آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہؐ کی روشنی میں اخراجات پوری احتیاط اور تدبیر سے کرتی ہے اور آج کل کی مانند پانی کی طرح روپیہ نہیں بہایا جاتا۔ اس کے سامنے زیادہ سے زیادہ فلاح و بہبود (Maximum Welfare) کا نظریہ کار فرما ہوتا ہے اور محاصل کو قوی امانت کے مترادف گردانا جاتا ہے۔



# باب (۱۲)

## زکوٰۃ = Zakat

ارکانِ اسلام میں ایک اہم رکن زکوٰۃ ہے۔ اور اس کی ادائیگی فرضِ عین میں شامل ہے اسلامی معیشت میں سنگِ میل کی حیثیت سے کم نہیں ہے۔ قرآنِ مقدس میں اکثر مقامات پر نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکرِ خیر کیا گیا ہے۔

زکوٰۃ کے لفظی معنی پاکیزگی اور نمو کے ہیں گویا زکوٰۃ ادا کرنے سے مال پاک و صاف ہو جاتا ہے۔ اور برکت سے بڑھتا بھی ہے۔ اس کی عدم ادائیگی مال و دولت کو ناپاک بنا دیتی ہے۔ اپنی کمانی کا ایک حصہ محتاجین و اور محتاجوں کو محض رضائے الہی کی خاطر دے دینا، زکوٰۃ اس لیے کہلاتا ہے کہ اس سے نفس میں پاکیزگی آجاتی ہے۔ اور اس کی نشوونما ہوتی ہے۔ عربی محاورہ ہے، زکّی الزرع یعنی کھیتی نے بڑھوتری پائی۔ قرآن مجید میں ہے۔ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى، جو پاک ہو گیا اس نے بھلائی حاصل کی، تو زکوٰۃ کا مفہوم یوں ہوا کہ ایک تو مال میں اضافہ ہوتا ہے اور دوسرا اس میں طہارت آجاتی ہے۔ یعنی جس مال کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے، اس کے بڑھنے کا امکان بھی ہے اور ساتھ ہی وہ پاک بھی ہو جاتا ہے۔

**فرضیت زکوٰۃ** زکوٰۃ اسلام کے بنیادی ستونوں میں سے ایک ہے اس کی فرضیت کے بارے میں قرآن و حدیث سے شواہد پیش کیے جاتے ہیں۔

۱۔ وَاقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ (البقرہ ۴۳)  
اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

۲۔ وَاقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَمَا تَقَدَّمُوا لَكُمْ مِنْ خَيْرٍ  
تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ ط إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ۔

اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور تم اپنے لیے جو نیکی آگے بھیجو گے اسے اللہ تم کے ہاں پاؤں گے بے شک رب تعالیٰ دیکھتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

گویا ادائیگی زکوٰۃ مسلمانوں پر اسی طرح فرض ہے جس طرح روزانہ پانچ وقت نماز فرض ہے۔



قرآن مقدس میں اس امر کو اسلامی حکومت کے بنیادی مقاصد میں شمار کیا گیا ہے:

الَّذِينَ إِنْ مَكَانَهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا  
بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ (الحج ۷۸)

(یہ اہل ایمان) وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم نے زمین میں اقتدار بخشا تو یہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ  
دیں گے، نیکی کا حکم کریں گے اور بدی سے روکیں گے۔

نیز مزید فرمایا: رَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ  
لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ ۚ

۵- أَتَيْمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ  
اللہ نے ان لوگوں میں سے جو تم میں سے ایمان لے آئے اور جنہوں نے (نور ۵۵-۵۶)

اچھے اعمال کیے، یہ وعدہ کیا ہے کہ انہیں زمین میں خلیفہ بنائے گا۔  
اور نماز قائم کرو زکوٰۃ دو اور رسول کی اطاعت کشتی کا دم بھرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔  
یعنی جب تک نماز نہیں پڑھیں گے زکوٰۃ نہیں دیں گے اور اطاعت نبی نہیں کریں گے، رحم  
نہیں ہوگا۔

۵- إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا  
الزَّكَاةَ لَهُمْ أَجْرٌهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ (بقرہ ۲۷۷)

بلاشبہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے صالح افعال کیے یعنی نماز قائم کی، زکوٰۃ دی  
ان کے لیے ان کے رب کے پاس اجر ہوگا۔

حالانکہ صلوٰۃ و زکوٰۃ کے ساتھ چند دیگر اعمال بھی ہیں اور اخلاقِ حسنہ بھی ہیں جن کا وجود  
معیاری اور سلم بننے کے لیے بے ضروری ہے۔

۶- فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ (توبہ ۵)  
پس اگر یہ لوگ کفر سے توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو ان کا رستہ چھوڑ دو۔  
آگے چل کر یوں فرمایا:

۷- فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ (توبہ ۱۱)  
پس اگر یہ لوگ توبہ کر لیں نماز قائم کرنے لگیں۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کرنے لگیں تو اب وہ تمہارے  
دینی جانی ہوں گے۔



کلام اللہ کی یہ صراحتیں ظاہر کرتی ہیں کہ ان فرائض سے انکار کرنے والا دینی بھائی کہلانے کا

حق دار نہیں ہے۔

۸۔ ویل للمشرکین لا یؤتون الزکوۃ وھم بالآخرۃ ھم کافرون (رحمہم اللہ)۔  
..... مشرکوں کے لیے ہلاکت ہے جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور آخرت کے منکر

ہیں۔

اسی طرح سورۃ اعراف: ۱۵۶ میں فرمایا: ”سو میں اپنی رحمت ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا

جو میرا تقویٰ رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جن کا ہماری آیات پر ایمان ہے“

پہلی آیت میں زکوٰۃ کی عدم ادائیگی کو مشرک اور انکارِ آخرت کی ایک فیصلہ کن علامت قرار

دیا ہے۔ دوسری میں زکوٰۃ دینے کو تقویٰ اور ایمان کی قطعی شہادت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اسی طرح

دونوں آیتیں ایک ہی حقیقت کا انکشاف کر رہی ہیں۔ اور صاف بتا رہی ہیں کہ زکوٰۃ بھی ایمان

کا لازمی مظہر ہے۔ اگر ایمان ہے تو زکوٰۃ بھی ادا ہوگی۔

یہاں شبہ ہوتا ہے کہ قیامت کا دن اس قدر ہولناک ہوگا کہ احادیث صحیحہ کی رو سے

انبیاء علیہم السلام تک بھی خوف محسوس کریں گے تو یہاں ”خوف نہ ہوگا“ سے کیا مراد ہے؟ جواب

یہ ہے کہ خوف مصیبت کے واقع ہونے سے پہلے اور رنج مصیبت کے واقع ہونے کے بعد ہوا

کرتا ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے نیک بندوں کو ایسا خوف نہ ہوگا جو بعد میں حقیقت

میں تبدیل ہو جائے۔ رہا رنج کا مسئلہ، تو رنج ہوتا ہی مصیبت کے بعد ہے چونکہ ایسے لوگوں پر کوئی

مصیبت آئے گی ہی نہیں لہذا رنج کا سوال پیدا ہوتا ہی نہیں۔

وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ثُمَّ

تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْكُمْ وَأَنْتُمْ مُّعْرِضُونَ۔ (البقرہ ۵۳)

(اور ہم نے یہودیوں سے کہا تھا) اور سب لوگوں سے کہو، نیک بات۔ اور نماز قائم

رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو۔ پھر تم پھر گئے مگر تم میں سے تھوڑے اور تم ہی پھرنے والے ہو۔

اسی طرح ایک دیگر مقام پر زکوٰۃ کا ذکر یوں آیا ہے۔

۱۔ وَاَقَامِ الصَّلَاةَ وَآتِ الزَّكَاةَ وَالْمَوْفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا

..... تَاٰهُمْ الْمُتَّقُونَ (البقرہ ۱۷۷)

اور نماز قائم رکھے اور زکوٰۃ دیا کرے۔ اور اپنے اقرار کو پورا کرنے والے جب عہد کریں۔



تکلیف، سختی اور لڑائی کے وقت صبر کر نیوالے۔ یہی لوگ سچے اور پرہیزگار ہیں۔

اسی سورۃ بقرہ ۶۶ء آیت میں یوں فرمایا گیا ہے:

”جو لوگ ایمان لائے نیک عمل کیے نماز کو قائم رکھا زکوٰۃ دیتے رہے ان کے لیے اپنے رب کے پاس ثواب ہے۔ نہ تو انہیں خوف ہے اور نہ ہی وہ ٹھکین ہوں گے۔“

اِنَّمَا اَدَّبْتُكُمْ اَدَّبَهُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ۔ تمہارا رفیق تو وہی اللہ اور اس کا رسول ہے۔ اور اہل ایمان جو کہ نماز پر قائم ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ عاجزی کرنے والے ہیں۔ (المائدہ 55)۔

سورۃ التوبہ 5 میں یوں کہا گیا ہے

”پھر اگر وہ توبہ کریں، نماز قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیا کریں تو چھوڑ دو ان کا رستہ۔ بے شک اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔“ اسی سورۃ توبہ آیت 18 میں اس طرح ذکر آتا ہے۔

”وَاللّٰهُ الَّذِيْ سَاجِدُوْهُ اَبَدًا كَرِيْمًا۔ جو اللہ، آخرت کے دن پر یقین لے آیا نماز قائم کی۔“

زکوٰۃ دیتا رہا اور رب تمہارے سوا کسی سے نہ ڈرا۔ سو وہی لوگ امیدوار ہیں کہ ہدایت یافتہ ہیں ہوں۔

فَاقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللّٰهِ هُوَ مَوْلَاكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰی

وَنِعْمَ النَّصِيْرُ۔ (الحج 78)۔ پس نماز قائم رکھو زکوٰۃ دیتے رہو اللہ کو مضبوطی سے پکڑو۔ وہ تمہارا

مالک ہے۔ سو خوب مالک اور مددگار ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ (المؤمنون 4)۔ اور وہ لوگ جو زکوٰۃ دیا کرتے ہیں۔

نویا زکوٰۃ ادا کرنا ان کا مستمر کام ہے۔ بعض مفسرین یہاں زکوٰۃ سے طہارت بھی مراد لیتے ہیں۔ زکوٰۃ

کی ادائیگی سے مال بھی پاک ہو جاتا ہے۔ قرآن مکرم میں اور بھی بہت سے مقامات پر زکوٰۃ کا بیان آیا

ہے۔ جن سے اس کی فرضیت ثابت ہوتی ہے۔ زکوٰۃ و صدقات سے مالی تطہیر ہو جاتی ہے۔

آیات قرآنی کے بعد اب احادیث نبوی سے وجوب زکوٰۃ کی نشاندہی کی جاتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں آپ کا ارشاد ہے۔ اگر مالدار آدمی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا تو روز

قیامت ایسے آدمی کے مال کو گنجنے سانپ کی مثل بنا دیا جائے گا جس کی آنکھوں پر کالے نقطے ہوں گے

اور وہ اس کے گھلے میں پناہ دیا جائے گا۔ وہ اس کی دونوں بائچیں پکڑ کر کہے گا۔ دیکھ میں تیرا مال

ہوں۔ (مشکوٰۃ شریف)۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: دنیا میں جس کے پاس اونٹ گائے بکری ہوگی اور وہ اس کی زکوٰۃ



اور انہیں کرے گا تو قیامت کے روز اس کے سامنے وہی جانور بہت موٹے موٹے ہو کر آئیں گے اور اسے پیروں سے کھلیں گے اور سینگوں سے ماریں گے یکے بعد دیگرے ایسا ہی کرتے رہیں گے حتیٰ کہ دوزخ جنت کا فیصلہ ہو جائے گا۔ (بخاری و مسلم)۔

ایک اور حدیث شریف میں یوں آیا ہے: جریر بن عبد اللہ روایت کرتے ہیں آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا جو شخص تم سے کچھ مانگنے کے لیے آئے تو وہ تمہارے پاس سے خوش اور رضامند دالیں جانا چاہئے۔ (بخاری و مسلم)۔

اس سے مراد وہ شرح ہے جس پر ایک سال گزر جانے کے بعد زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے۔ عموماً زکوٰۃ کی ادائیگی ماہِ رجب میں کی جاتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا جمع شدہ مال پر ایک سال سے پہلے زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

## نصاب

حضرت علیؓ راوی ہیں حضرت عباسؓ نے آپؐ سے دریافت کیا کہ جمع شدہ مال پر ایک سال سے قبل بھی زکوٰۃ دی جاسکتی ہے تو آپؐ نے اجازت فرمادی۔ (ابوداؤد۔ ترمذی وغیرہ)۔ قابلِ زکوٰۃ مال کی دو قسمیں ہیں (۱) ظاہر مال۔ اس سے مراد وہ مال ہے جو پوشیدہ نہیں رکھا جاسکتا۔ جیسے کھیتی، گائے، اونٹ بکری وغیرہ۔ (ب) باطن۔ اس سے مراد وہ مال ہے جس کا پھپھانا ممکن ہو۔ جیسے سونا، چاندی، سامانِ تجارت وغیرہ۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے مطابق آپؐ نے فرمایا: چشموں، بارش اور سیلاب سے سیراب ہونے والی، سرسبز و شاداب زمین کے دسویں حصہ پر واجب ہے۔ مگر کنوئیں، ٹیوب ویل اور بیلوں کے ذریعے سینچے جانے والی پر بیسواں (۵٪) زکوٰۃ ہوگی۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کا بھی یہی قول ہے کہ زمین کی ہر قسم کی پیداوار کا عشر یعنی ۱۰٪ دینا چاہئے قاضی ابویوسفؒ کی رائے ہے کہ عشر صرف اس پیداوار پر ہے جن کا ذخیرہ کیا جاسکتا ہے۔ جیسے گندم، چنا، جو وغیرہ، ساگ گھاس اور گاجر وغیرہ پر نہیں۔

حضرت علیؓ نے آنحضرتؐ سے ہی نقل کیا ہے کہ مال کا چالیسواں (۱/۴۰) حصہ زکوٰۃ میں دینا چاہئے۔ ہر چالیس درہم یا روپے سے ایک درہم یا روپیہ۔ اسی طرح ۱/۲۰ تو لے سونا اور ۵/۲۰ تو چاندی پر زکوٰۃ فرض ہے۔

آپؐ نے فرمایا پانچ سیرے کم غلہ اور کھجور پر کوئی زکوٰۃ نہیں ہوتی۔ (نسائی)۔

مولشیوں پر زکوٰۃ۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں جب حضرت ابوبکرؓ نے مجھے بحرن



بھیجا تو یہ حکم نامہ تحریری طور پر دیا۔ خدائے رحیم درجمان کے نام سے شروع کرتا ہوں۔ یہ آرڈر صدقہ سے متعلق ہے جس کا حکم آنحضرتؐ نے مسلمانوں پر فرض کیا ہے۔ اور آپؐ پر خداوند تعالیٰ نے نازل فرمایا تھا۔ پس موجودہ شرائط کے تحت جو آدمی زکوٰۃ لے تو دینا چاہیے ورنہ نہیں۔

چوبیس اونٹوں پر واجب ہے۔ بکریوں میں سے پانچ میں سے ایک اسی طرح بچیں تک۔ اس کے بعد 35 تک ہوں۔ تو ایک سال کی اونٹنی اور 5 تک دو سال کی۔ اس کے ساٹھ تک تین سال کی ایسی جو حاملہ ہو سکتی ہو۔ اس کے بعد 5 تک ہر چار سال کی اونٹنی۔ نو سے تک دو دو سال کی دو۔ اس کے بعد 20 تک تین تین سال کی اونٹنیاں۔ اس سے زیادہ تعداد ہر چالیس پر دو سال کی۔ اور ہر پچاس پر تین سال کی ایک اونٹنی۔ پانچ اونٹوں پر ایک بکری۔

اسی طرح چالیس سے 20 تک چرنے کے لائق بکریاں جس کے پاس ہوں تو ایک بکری بطور زکوٰۃ دو سو تک 2 بکریاں۔ تین سو تک 3۔ اسی طرح ہر سو پر ایک بڑھتی جائے گی۔ نیز عیب دار اور ضعیف وغیرہ زدی جائے۔ اگر مال میں دو شریک ہوں تو بڑا بڑ زکوٰۃ لی جائے چاندی میں سے سولہواں حصہ۔ ایک صد نوے درہم تک کوئی زکوٰۃ نہیں اگر مالک

چاہے تو دے سکتا ہے۔ (بخاری)

اگر کسی کے پاس بیس گناں ہوں تو زکوٰۃ لگے گی۔ ایک سال کا بیل یا گائے دینی پڑے گی۔ رہائشی مکان، لباس پوشیدنی، گھریلو استعمال کے برتن، نوکر، سواری کے گھوڑے، استعمال کے اٹھ، خوراک، تزئین و آرائش کا سامان بجز سونا چاندی، ہیرے جواہرات، کتب، اوزار اور سکے وغیرہ زکوٰۃ مستثنیٰ ہیں۔

بعض لوگ زکوٰۃ کے ریٹ پر تنقید کرتے ہیں۔ اگر بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو وہ سخت غلط فہمی کا شکار ہیں۔ اگر اُس زمانے میں سونا چاندی کے بھاؤ کم تھے تو آجکل زیادہ ہیں نیز آپؐ نے کم شرح کی نشان دہی کی ہے۔ مسلمان چاہیں تو اس سے زیادہ بھی دے سکتے ہیں۔ جیسا کہ حسبِ ذیل حوالوں سے ثابت ہے۔ آنحضرتؐ نے یمن کے عہد ان کو ایک مکتوب پاک میں تحریر فرمایا۔

”جو کوئی رضامندی سے زکوٰۃ کی مقدار میں اضافہ کرے وہ اللہ کے نزدیک زیادہ مقبول ہے“

ایک دوسری روایت میں جب آپؐ سے دریافت کیا گیا کہ مسلمان پر زکوٰۃ کے علاوہ کوئی اور بھی ادائیگی ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا نہیں۔ تاہم تقویٰ کی غرض سے اضافہ کر سکتے ہیں۔ احادیث مبارکہ اور حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں نظامِ سکیس کا مطالعہ کیا جائے تو نتیجہ نکلتا ہے کہ ریاست



اور مسلمان زکوٰۃ کی مقدار کو نصاب زکوٰۃ اور قابل زکوٰۃ چیزوں کے اضافے سے بڑھا سکتے ہیں تاکہ جمع شدہ ارقام کو قومی فلاح اور ملکی منصوبوں پر صرف کیا جاسکے۔ مگر یاد رہے ایسے فنڈز کا بے دریغ خرچ اور غیر مستحق سکیموں پر ٹیل در آمد خلاف شرع متصور ہوگا جو قومی دولت کے ضیاع کے مترادف ہوگا۔

”راہِ خدا میں خرچ کرو“ سُن کر صحابہ کرام بڑی سے بڑی مالی قربانیاں دینے کے باوجود مطمئن نہیں ہوتے تھے۔ ایمانی احساس اور اضطراب نے یہ کہنے پر مجبور کیا کہ اتفاق کا مطالبہ واضح بتایا جائے فرمایا گیا، جو کچھ تمہاری ضروریات کو پورا کرنے، اپنوں کے حقوق ادا کرنے کے بعد بچ رہے سب اللہ کی راہ میں دیدو۔

اسی طرح حضور پر نور نے بھی ایک موقع پر فرمایا۔ ”اِنَّ فِي الْمَالِ حَقًّا سِوَى الزَّكَاةِ“ مالِ مسلم میں مقررہ زکوٰۃ کے علاوہ بھی دوسروں کا حق ہے۔ یعنی متعین مقدار ادا کرنے کے بعد دین کے مالی مطالبات سے سبکدوش نہیں ہوتا۔ اور اب دولت پر حق رہ جاتا ہے۔

**مُسْتَحَقِّین** قرآن مقدس میں ایسے لوگوں کی خصوصی صراحت کی گئی ہے جو زکوٰۃ لینے کے حق دار ہیں۔ ان کے علاوہ زکوٰۃ کسی کو نہیں دی جاسکتی چنانچہ ارشادِ

ربانی ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللّٰهِ (توبہ: 60)۔

”یہ صدقات صرف حاکمنندوں، مسکینوں، محکمہ صدقات کے ملازمین، اور ان لوگوں کے لیے ہیں جن کی تالیفِ قلوب مطلوب ہے“

نیز گردنیں چھڑانے میں، قرضداروں کی استعانت میں، راہِ خدا میں اور مسافروں کی خبرگیری میں صرف ہونے کے لیے ہیں۔

گویا آٹھ قسم کے لوگ اس سے متمتع ہو سکتے ہیں۔ ان کی وضاحت کی جاتی ہے تاکہ کوئی ابہام

باقی نہ رہ جائے۔

۱۔ فقراء = ان سے مراد ایسے لوگ ہیں جو نصاب زکوٰۃ (بہین مثقال سونا) سے کم مال رکھتے

ہیں۔ یا اگر مالدار ہوں مگر اس قدر مقروض ہوں کہ قرض ادا کرنے کے بعد صاحبِ نصاب نہ رہیں



اسلام کا منشا ہے کہ ہر فرد کو بقدر طاقت مال ملے تاکہ ان کی جائز ضروریات پوری ہوتی رہیں۔  
 2۔ مَسَاكِين = جو لوگ بہت مغلوک الحال ہوں اور اپنی بنیادی احتیاجات بھی پوری کرنے سے قاصر رہیں۔ حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ مسکین وہ شخص ہے جو نہ کما سکتا ہو یا کمانے کا موقع نہ پاتا ہو۔ اس تعریف کی رو سے تمام وہ نادار بچے، بوڑھے، ابا سچ جو کمانے کے قابل نہ رہے ہوں اور بیمار، بیروزگار جو عارضی طور پر ذریعہ روزگار سے محروم ہوں۔ سُبْحَانَ اللَّهِ کسی دستگیری کا اہتمام کیا گیا گیا ہے۔ دنیا کا کوئی نظام ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

3۔ عامِلین = ایسے لوگ جنہیں اسلامی حکومت زکوٰۃ وصول کرنے کی خاطر مقرر کرتی ہے ان کی تنخواہیں اسی مد سے ادا کی جاتی ہیں گو یا زکوٰۃ کا جمع کرنا حکومت کے عین فرائض میں شامل ہے۔  
 4۔ مُؤَلَّفَةُ الْقُلُوب = جن لوگوں نے ابھی اسلام قبول کیا ہو۔ انہیں مال دے کر ان کی حوصلہ افزائی اور استعانت کرنا مطلوب ہے۔ ممکن ہے بے گھر ہو گئے ہوں یا اپنا مال و متاع لٹا چکے ہوں۔ نیز دوسرے لوگوں کو اسلام کی طرف رغبت دلانے کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔  
 5۔ غلامی سے نجات = جو لوگ غلامی جیسی لعنت سے چھٹکارا پانے کے متمنی ہوں اور انہیں رقم کی ضرورت ہو۔ جیسا آنحضرتؐ اور صحابہ کرامؓ نے متعدد غلاموں کو رقوم دے کر آزاد کرایا تھا۔ یا ایسے مسلمان جو لڑائی میں اسیر ہو کر غلام بنائے گئے ہوں۔

6۔ مَقْرُوض = ایسے لوگ جو قرض کے جنگل میں بھیس چکے ہوں اور کم جائداد کے مالک ہوں انہیں زکوٰۃ دینے سے ایک تو قرض سے رہائی ہوگی اور دوسرے عزت کی زندگی بسر کر سکیں گے۔  
 7۔ فِي سَبِيلِ اللَّهِ = اس سے مراد اللہ کے رستہ میں خرچ کرنا ہے۔ اس کی عملی شکلیں حالات متعین کر سکتے ہیں۔ مجاہدین کی، بیوگان، یتامی کی امداد، بیماری کا علاج، شفا خانوں، سکولوں وغیرہ کا اجراء، یا جو لوگ خود تعلیم حاصل نہ کر سکتے ہوں۔ ان کی مدد بغرضیکہ ہر ایسا نیکی کا کام جس سے رب کی خوشنودی حاصل ہوتی ہو وغیرہ۔

8۔ مُسَافِر = ایسے لوگ جو دیارِ بغیر یا اپنے ملک کے کسی دوسرے حصے میں اپنے مال و اسباب سے استفادہ نہ کر سکتے ہوں۔ اور عارضی طور پر بے یار و مددگار ہوں۔ واضح ہے کہ ایسے تمام لوگ جنہوں نے رزق کمانے میں پوری کوشش کے باوجود ان کا کام نہ چلے مستحق ہیں۔ صاحب استطاعت، سید، باپ دادا اوپر تک، بیٹے پوتے نیچے تک، خاندان بوی کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔ البتہ دوسرے قریبی رشتہ داروں، محلہ داروں، اور پڑوسیوں کا مقدم حق ہے کہ انہیں



ہی پہلے زکوٰۃ دی جائے۔

اب اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ یہ آٹھ گروہ جو بیان ہوئے ہیں ان میں سے کس شخص کو کس حال میں زکوٰۃ دینی چاہیئے، اور کس حال میں نہ دینی چاہیئے۔ اس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے :-

۱۔ کوئی شخص اپنے باپ یا اپنے بیٹے کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا۔ شوہر اپنی بیوی کو اور بیوی اپنے شوہر کو بھی زکوٰۃ نہیں دے سکتی۔ بعض فقہاء یہ بھی فرماتے ہیں کہ ایسے قریبی عزیزوں کو زکوٰۃ نہیں دینی چاہیئے جن کا نفقہ تم پر واجب ہو یا جو تمہارے شرعی وارث ہوں۔ البتہ دور کے عزیز زکوٰۃ کے حق دار ہیں۔

۲۔ زکوٰۃ صرف مسلمان کا حق ہے۔ غیر مسلم کا حق نہیں ہے۔ البتہ غیر مسلم کو عام خیرات میں سے حصہ دیا جاسکتا ہے بلکہ عام خیرات میں یہ تمیز کرنا اچھا نہیں ہے کہ مسلمان کو دی جائے اور کوئی غیر مسلم مدد کا محتاج ہو تو اس سے ہاتھ روک لیا جائے۔

۳۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر بستی کی زکوٰۃ اسی بستی کے غریبوں میں صرف ہونی چاہیئے۔ ایک بستی سے دوسری بستی میں بھیجا اچھا نہیں ہے۔ بشرطیکہ وہاں کوئی حقدار نہ ہو یا دوسری جگہ کوئی ایسی مصیبت آگئی ہو کہ دور نزدیک کی بستیوں سے مدد پہنچانی ضروری ہو جیسے سیلاب یا قحط وغیرہ۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ زکوٰۃ بھیجنا جائز ہے۔

۴۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جس شخص کے پاس دو وقت کے کھانے کا سامان ہو اسے زکوٰۃ نہ لینا چاہیئے۔ بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ جس کے پاس دس روپے اور بعض فرماتے ہیں کہ جس کے پاس ۱۲ روپے موجود ہوں اسے زکوٰۃ نہ لینا چاہیئے۔ لیکن امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور تمام حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ جس کے پاس پچاس روپے سے کم ہوں وہ زکوٰۃ کا حق دار ہے۔

حضور کریم کی حدیث ہے کہ جس کے پاس کھانے کو ہو یا جو کمانے کی طاقت رکھتا ہو اس کا یہ کام نہیں ہے کہ زکوٰۃ لے۔ لیکن یہ الواعزی کی تعلیم ہے۔ رہا قانون تو اس میں ایک آخری حد بتانی ضروری ہے کہ کہاں تک آدمی زکوٰۃ لینے کا حق دار ہو سکتا ہے سو وہ دوسری حدیثوں میں ملتا ہے۔

مثلاً آپ نے فرمایا کہ **لَيْسَ ثُلٌّ حَتَّىٰ تَرَانُ جَاءَ عَلَى الْفَرَسِ** یعنی سائل کا حق ہے۔ اگرچہ وہ گھوڑے پر سوار آیا ہو۔ ایک شخص نے حضور سے عرض کیا کہ میرے پاس دس روپے ہیں کیا میں مسکین ہوں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ ایک مرتبہ دو آدمیوں نے آکر حضور سے زکوٰۃ مانگی۔ آپ نے نظر



اٹھا کر انہیں غور سے دیکھا پھر فرمایا اگر تم لینا چاہتے ہو تو میں دے دوں گا۔ لیکن اس مال میں غنی، اور  
کمانے کے قابل ہونے کے لوگوں کا حصہ نہیں ہے۔ ان سب احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص  
بقدر نصاب مال سے کم رکھتا ہو، وہ فقرائے ذیل میں آجاتا ہے اور اسے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔  
یہ دوسری بات ہے کہ زکوٰۃ لینے کا حق دراصل اصل حاجت مندوں ہی کو پہنچتا ہے۔

## زکوٰۃ کے مقاصد

اب یہ بھی سمجھ لینا ضروری ہے کہ زکوٰۃ ادا کرنے کے کون  
سے مقاصد اور آداب ہوتے ہیں جو ملحوظِ خاطر رہنے چاہیے۔  
اور آداب صحیح طور پر پورے نہ کیے جائیں تو زکوٰۃ کی ادائیگی مشکوک بن جاتی ہے۔ ویسے بھی اس  
کے متعین شدہ مقاصد کا پورا کرنا ضروری ہے۔ اس سلسلے میں کتاب و سنت میں جو کچھ فرمایا گیا ہے  
اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ چند حسبِ ذیل مقاصد ہیں۔

۱۔ تَزْكِيَةُ نَفْسٍ = حقیقی اور بنیادی مقصد جس کا تعلق بالکلیہ شخص کی اپنی ذات سے  
ہوتا ہے۔ یہ ہے کہ زکوٰۃ دہندہ کا دل دنیا کی حرص و ہوا سے پاک ہو جائے اور تقویٰ کے کاموں  
کے لیے تیار رہے جیسا کہ ارشادِ ربّانی ہے:

وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ تِزْكًى (یل: ۱۸-۱۷)

اور اس (دفعہ) سے دور رکھا جائے گا وہ شخص جو اللہ سے بہت ڈرنے والا ہے۔

جو اپنا مال دوسروں کو دیتا ہے محض پاک ہونے کی خاطر۔

آنحضرتؐ کو مخاطب کر کے بھی فرمایا:

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا

(توبہ: ۱۰۳) ان کے مالوں میں سے صدقہ لو جس کے ذریعے انہیں پاک کرو گے اور ان کا تزکیہ  
کرو گے۔

ان آیات سے ظاہر ہے زکوٰۃ کا مقصد دل کی پاکی اور نفس کا تزکیہ ہے

آنحضرتؐ نے فرمایا: حب الدنيا رأس كل خطيئة (مشکوٰۃ - کتاب الرقاق)

دنیا کی محبت ہر بُرائی کی جڑ ہے آپؐ نے مال کو امت کے حق میں سب سے بڑا فتنہ قرار دیا

ہے۔ فتنۃ امتی المال (ترمذی)۔ زکوٰۃ قلبِ انسانی کو آزادی عطا کرتی ہے۔

(۲) رِضَاءُ اللَّهِ = اس کا دوسرا مقصد اللہ کی رضا جوئی ہے۔ زکوٰۃ ادا کرنے سے

ربِّ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے کسی اور محرک کو اس میں دخل نہیں ہونا چاہیے۔ مَا تَنْفِقُونَ



إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ (بقرہ ۲۶۲)۔ تم اپنی دولت صرف اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے خرچ کرتے رہو۔ اس کا مطلب واضح ہے کہ ایسا ہی کرنا چاہیے وگرنہ صدقہ و خیرات دینے کا کوئی خاص نامہ نہیں ہے۔ صدقہ صرف اللہ کی ذات کے لیے ہی دینا بہتر ہے۔

3۔ پاک کمائی = جو زکوٰۃ ادا کی جائے وہ حلال مال سے ہو۔ ڈاکہ، چوری، یاغبین وغیرہ کا مال صدقہ نہیں کیا جاسکتا۔ زکوٰۃ دینے کا مقصد یہی ہے کہ اپنی کمائی ہوئی دولت سے غرباء کی کفالت کی جائے۔ نا جائز کمائی سے زکوٰۃ یا خیرات دینا قطعاً جائز نہیں ہے اللہ کا فرمان ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَلْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ (بقرہ ۲۶۷) اے ایمان والو! اپنی پاک کمائی سے خرچ کرو۔

آنحضرتؐ نے اس کی مزید صراحت یوں فرمائی ہے۔ لوگو! اللہ پاک ہے اور وہ صرف پاک مال کا صدقہ قبول فرماتا ہے (مسلم جلد ۱۔ کتاب الزکوٰۃ)۔

4۔ عُمْدۃ شئیء = زکوٰۃ یا صدقہ میں دی جانے والی چیز عمدہ اور پسندیدہ ہو۔ بدی اور خراب اشیاء کو اس غرض کے لیے چھانٹ کر رکھ لیا جائے تو یہ زکوٰۃ کی صحیح ادائیگی نہیں ہوگی بلکہ جُھڑا تارنا ہوگا۔

وَلَا يَتَّبِعُوا الْخَبِيثَاتِ مِنْهُ يَنْفَقُونَ الْخَبِيثَاتِ (بقرہ ۲۶۷) اور اس میں سے خرچ کرنے کے لیے خراب مال کو تلاش نہ کرو۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے رستے میں اچھی اور افضل چیز دینا بہتر ہے۔ وگرنہ قبول نہ ہوگی۔

5۔ احسان جتلانا = زکوٰۃ دینے کے بعد اس فرد منون احسان کرنا بہتر نہیں ہے بلکہ اس احسان کو یاد نہ دلایا جائے اور نہ ہی اس سے کسی صلہ کی امید باندھی جائے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ اپنے مقروض کی دیوار کے سایہ کے تلے بھی کھڑے نہیں ہوتے تھے۔ حالانکہ قرض واپس بھی ہو جاتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْطُلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَى كَالَّذِي يُفِيقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ (بقرہ ۲۶۴) اے ایماندارو! اپنے صدقے احسان جتلا کر اصل آزاریاں کر کے ضائع نہ کر دیا کرو۔ اس شخص کی مانند جو اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے۔ قیامت کے دن تین آدمی سب سے پہلے جہنم میں جائیں گے، ان میں سے ایک وہ ہوگا جس نے دنیا میں بہت خیرات کی ہوگی کہ لوگ اسے بڑا دانا اور غریب پرور کہیں (مسلم)



ایک اور حدیث میں اس سے بھی زیادہ سخت وعید سنائی ہے۔ مَنْ تَصَدَّقَ بِرَأْحَى فَقَدْ أَشْرَكَ (مشکوٰۃ، باب الرعاۃ) جس نے دکھاوے کے لیے صدقہ دیا اس نے شرک کیا۔

”اور یہ لوگ اپنا کھانا محتاجوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھلاتے ہیں اور کھانا حالانکہ وہ خود انہیں اپنے لیے محبوب ہے (اور ان میں سے زبان حال یا قال سے کہتے ہیں) ہم تمہیں صرف اللہ کی رضا کے لیے کھلاتے ہیں تم میں سے کسی بدلے یا شکر گزاری کے خواہشمند نہیں (دوسرے: ۹-۸) اسی طرح مومنون: ۳۶ میں ہے ”اور یہ لوگ جو دیتے ہیں اس حال میں دیتے ہیں کہ ان کے دل ڈرے ہوئے ہیں اس خیال سے کہ انہیں اپنے رب کے پاس پلٹنا ہے“ یعنی کسی اظہارِ فخر، احساسِ برتری اور جذباتِ نمائش کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔

6۔ اجتماعی صورت = یہ بہتر ہے کہ زکوٰۃ کو پہلے ایک مرکز پر جمع کر لیا جائے اور پھر وہاں ایک ضابطہ کے تحت مستحق لوگوں میں تقسیم کر لیا جائے۔ اس سے اچھے نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ نیز کل آمد کا علم ہو جاتا ہے اور کسی خاص علاقے کی ترقی پر اس مطلوبہ رقم کو صرف کیا جاسکتا ہے۔  
7۔ کم عقل، دیوانہ یا نادان کو ضرورت سے زیادہ رقم نہیں دینی چاہیے۔ کیونکہ وہ اسے ضائع کر دیں گے اور عیش و عشرت پر صرف کریں گے۔ تاہم عقل مند اور حاجتمند کی ضرورت پوری کرنے کے لیے ضروری رقم فراہم کی جائے۔

8۔ غرباء کی کفالت = ملت کے نادار افراد کی اعانت کی جائے۔ تاکہ غربت کا خاتمہ ہو سکے۔ اور ان کی بنیادی ضروریات پوری ہو سکیں۔ آپ فرماتے ہیں:

ان الله افترض علیکم صدقة تؤخذ من اغنیاءکم فتورّد فی فقراءکم (مسلم جلد ۱، کتاب الایمان)۔ بے شک اللہ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لے لی جائے گی اور ان کے حاجتمندوں میں تقسیم کر دی جائے گی۔ اسی طرح فرقان مجید میں بھی ہے:

..... اور وہ اپنا مال باوجود محبوب ہونے کے قرا تباروں، یتیموں، ناداروں مسافروں اور سالوں کو دیتا اور گردنیں چھڑانے میں صرف کرتا رہتا ہے۔ (بقرہ ۱۷۶)۔

یہ قرآن مجید میں ہے: وَالسَّادِقِیْنَ فِیْ اَمْوَالِہِمُ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِلسَّابِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (العارج: ۲۵-۲۴)۔



اور یہ ایسا حق ہے جس کی خاطر اسلامی حکومت تلوار بھی اٹھا سکتی ہے۔ جیسا کہ اسوہ صدیقہ سے ظاہر ہے۔ کہ زکوٰۃ نہ دینے والوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا ”مومن وہ نہیں جو خود تو سیر ہو کر کھائے اور اس کا پڑوسی پہلو میں بھوکا رہے“ (مشکوٰۃ)۔

## زکوٰۃ کی معاشی اہمیت

( Economic Significance of Islam )  
 زکوٰۃ اسلام کے بنیادی فرائض میں سے ایک اہم فریضہ ہے۔ یہ فرزندِ انِ توحید کی مالی عبادت ہے۔ اس فرض کی پابندی کے بغیر وہ اپنی عبادت اور ایمان کا پورا حق ادا نہیں کر سکتے۔ اس لیے اگرچہ خالصتاً رب کی رضا جوئی اور خوشنودی کے لیے ادا کی جاتی ہے مگر اس کی متعدد برکات ہماری دنیاوی زندگی میں بھی ظاہر ہوتی ہیں۔ اور اس کے طفیل ہمیں بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ ایک خوشحال اور پُر امن معاشرہ کی ترقی اور رفعت کے لیے بھی ضروری ہے۔

اسلام نے زندگی کے لیے جو نظام عطا فرمایا ہے۔ اس کے پانچ ستونوں میں سے ایک زکوٰۃ ہے۔ قرآن پاک میں تقریباً ہر مقام پر صلوٰۃ کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر ہے۔ یہ گویا اس طرف اشارہ ہے کہ وہ معاشرہ جو نماز کے ذریعے ایک محلہ سے نکل کر عالمی سطح پر پھیل جاتا ہے اور جس کے افراد میں اللہ کا خون و محبت حضور اکرمؐ کا ادب و احترام، باہمی ہمدردی، انسانی مساوات، ڈسپلن، پابندی اوقات صفائی و پاکیزگی، چستی و ہوشیاری، دیانت و صداقت وغیرہ اوصاف خود بخود جاگڑتے جاتے ہیں۔ یہ سوسائٹی اس وقت اپنے مقاصدِ طلبہ کے حصول میں کامران ہو سکتی ہے جب زکوٰۃ کا سسٹم اپنے ضرورتمند افراد کی حاجت گیری بھی کرے۔

✓ آنحضرتؐ کے اس دنیا سے روپوش ہونے کے بعد بعض قبائل نے ادائیگی زکوٰۃ سے انکار کر دیا تھا تو صدیق اکبرؓ نے اعلان فرمایا تھا کہ اگر لوگ مقررہ حاصل زکوٰۃ میں سے اونٹ باندھنے کی رستی بھی کم کر دیں گے تو ان کے خلاف جنگ کی جائے گی۔

✓ آپؐ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو مین کا گورنر بنا کر بھیجا تو تاکید کی کہ لوگوں کو بتادیں کہ زکوٰۃ ان کے دولت مندوں سے لے کر ان کے غریب و ناداروں تک جائے گی۔ اور اسی سے اس کی اہمیت اور تعریف عیاں ہوتی ہے۔



قرآن پاک میں ارشاد ہے: تاکہ دولت تم میں سے دو متمندوں کے درمیان ہی نہ پھرتی رہے۔ (۵۹: ۱۶) حضور کا مندرجہ صدر فرمانِ عالیہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر ہے۔ بلکہ یہ آیت اسلام کے سارے مالی نظام کا نقشہ پیش کرتی ہے۔ ثروت صرف امیروں ہی میں نہ پھرتی رہے۔ بلکہ اس کی گردش سارے معاشرہ میں اس طرح ہو جیسے جسم میں خون حرکت کرتا ہے۔ اور پورے پورے تک پہنچتا ہے۔ اگر کسی عضو کو میسر نہ ہو تو وہ رنجور بن جاتا ہے۔ اسی طرح دولت کسی کو فراہم نہ ہو سکے تو وہ بھی محتاج بن جاتا ہے۔

کس نباشد درجہاں محتاج کس نکتہ شرع طبعین این است پس (اقبال)

(۱) غربت کا علاج سرمایہ دارانہ نظام کے تحت عموماً ثروت مند طبقہ معاشرہ کے ایسے افراد کی کفالت و معاونت کا ذمہ نہیں لیتا جو معذور

اپاہج، نادار، یتیم، مسکین، بیروزگار، ضعیف و ناتواں یا بیوہ ہوں۔ اگرچہ اس نظام کی اصلاح بھی کی گئی ہے اور بعض حکومتیں عارضی بندوبست بھی کرتی ہیں۔ مگر یہ خاص علاج نہیں ہے۔ اس کے مقابلے میں اسلام نے زکوٰۃ کی ادائیگی سے اس مسئلہ کا مستقل حل تلاش کر لیا ہے۔ اور یہ مدد خاص لوگوں کے لیے مختص کر دی ہے۔ بقروض، مسافر اور قیدی بھی اس رعایت سے فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔ غیر اسلامی نظاموں میں یہ بچارے لوگ سسکیوں اور دکھوں میں زندگی گزارتے ہیں مگر ادائیگی زکوٰۃ سے ان کی محرومی اور بد نصیبی، خوشیوں اور خوش نصیبی کا روپ دھار لیتی ہے۔ ان کی پرورش اور مدد کا انتظام ہو جاتا ہے۔ ان کی مصیبت ٹل جاتی ہے۔

(۲) دولت کی عادلانہ تقسیم موجودہ زمانے میں ابن آدم کو بہت سے مسائل کا سامنا ہے جن میں سے ایک اہم مسئلہ غیر عادلانہ تقسیم دولت

بھی ہے اس کے باعث معاشرہ عموماً دشتِ گرب گردہوں میں بٹ جاتا ہے۔ ایک نہایت امیر اور دوسرا انتہائی غریب۔ ان کے مابین رستہ کشی شروع ہو جاتی ہے۔ جس سے سوسائٹی کا امن و سکون تہ و بالا ہو جاتا ہے۔ ایک طبقہ عیش و آرام میں غرق تو دوسرا نان جوئی کا محتاج۔ نیز افلاس و تنگ کے منحوس سائے کا ہدف لا خطا بنتا ہے۔ اس وجہ سے باہمی منافرت، حسد، کینہ اور بغض و عناد جیسے مکر وہ جذبات ابھرتے ہیں۔ مالدار اور نادار Hane - not Hane کی عرضِ خلیج کو کم کرنے کی خاطر اسلام نے زکوٰۃ فرض کی ہے۔ اس کی رو سے ہر صاحبِ نصاب سال کے بعد اپنے مال کا  $\frac{1}{20}$  بطور زکوٰۃ ادا کرتا ہے۔ گویا امیر کلاس سے دولت نکل کر غریبوں اور زیر بار لوگوں کے ہاتھ آتی ہے اور وہ اپنی روزی کا بندوبست کر لیتے ہیں۔ اس طرح دولت تقسیم ہوتی رہتی ہے۔ اور اسلامی معاشرہ میں دو مختلف طبقے معرضِ وجود میں نہیں آتے۔



### (3) دینیوں کا علاج

زکوٰۃ کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ عام طور پر لوگ اپنی دولت کو زیورات یا نقد دینیوں کی صورت میں سنبھال کر رکھتے ہیں۔

اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ روپیہ استعمال میں نہیں آتا اور کساد بازاری Depression پیدا ہو جاتی ہے۔ مگر اسلامی معاشرہ میں لوگ کثیر مقدار میں نقدی کو زیورات اور دینیوں کی شکل میں نہیں رکھیں گے۔ کیونکہ ہر سال ادائیگی زکوٰۃ سے ان کی مالیت کم ہو جاتی ہے اور حتیٰ کہ ایک مدت کے بعد زکوٰۃ کے باعث وہ ختم ہو جاتی ہے۔ لہذا لوگ اپنی دولت کو کسی نفع آور کاروبار میں لگائیں گے، شرکت و مضارت کے اصول پر دوسرے لوگوں سے تجارت وغیرہ کرائیں گے۔ اس سے پبلک کو بھی فائدہ پہنچے گا۔ روزگار کے مواقع زیادہ ہوں گے، سرمایہ کاری بھی بڑھے گی۔

ایک مرتبہ آنحضرتؐ نے فرمایا ”آگاہ ہو جاؤ جو کوئی کسی تیم کا ولی ہو اور اس کے پاس مال و دولت ہو تو اس سے تجارت کرے اور اس مال کو یونہی نہ ڈال رکھے مبادا زکوٰۃ ہی اسے ختم کر ڈالے“

### (4) باہمی تعاون کا فروغ

زکوٰۃ کے نظام سے معاشرہ میں باہمی تعاون کا جذبہ جلا پاتا ہے۔ جب دولتمند، حاجتمندوں کی معاونت کرتے ہیں۔ تو یہ انہیں عزت و محبت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، جسکے گزاری اور پاسداری کے احساسات پر دان چڑھتے ہیں۔ گویا یوں پورا معاشرہ، اخوت، مروت، ہمدردی اور شفقت کی خوشبو سے لبریز ہو جاتا ہے۔ اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کا ماحول جنم لیتا ہے۔

چونکہ مال امیر طبقہ سے نکل کر غریبوں اور ضرورتمندوں کے ہاتھ پہنچ جاتا ہے (5) گردش زر

اس لیے دولت تمام افراد کے درمیان گردش کرتی رہتی ہے۔ نیز پیداوار محنت اور صرف دولت کے درمیان موزوں طریقے گردش کرنا ہے۔ سودی نظام کے سہارے کی قطعاً ضرورت نہیں رہتی۔ جو معاشرہ کے سم قاتل سے کم تر نہیں بقروض کی بھی بلا سود حاجت روائی ہوتی رہے گی۔ کاروبار اغراض کی خاطر بغیر سود کے قرض فراہم ہو جاتا ہے۔

### (6) اعلیٰ اخلاق

چونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے ضرورتمند لوگوں کی جائزہ حاجات کی تکمیل ہوتی رہتی ہے اس لیے وہ چوری، گداگری اور دوسرے مذموم افعال کا ارتکاب نہیں کرتے۔ ایمانی تصور، اعتقادی تربیت اور ارفع صفات اُجاگر ہوتی ہیں۔ نفس انسانی ایک مخصوص ڈھانچے میں ڈھلتا ہے۔ پھر اس نظام کے ہر شعبہ حیات میں صحیح تصورات، پاکیزہ اخلاق پسندیدہ اطوار اور مستحسن طور طریق جاری ہوتے ہیں۔ انفرادی سعی و عمل اور سود سے مبرا باہمی کھیتی سے



زندگی نمونہ ہے۔ اور معیشت کی ترقی و تعمیل ہوتی ہے۔ مثالی معاشرے کا خواب پایہ تکمیل کو پہنچتا ہے۔

(۷) **ارتکازِ دولت کا حل** | اس کے باعث سرمایہ چند لوگوں کے ہاتھوں میں مرکوز نہیں ہوتا۔ اور دولت صرف چند لوگ سمیٹ کر نہیں

رکھ سکتے۔ کیونکہ حکومت کو جبری زکوٰۃ وصول کرنے کا وسیع اختیار ہوتا ہے۔ ملک کے قدرتی اور انسانی ذرائع بیکار نہیں رہتے۔ معیشت عدم توازن کا شکار نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس کا علاج زکوٰۃ میں مُضمر ہے سرمایہ واروں کو ہر سال اپنی نقدی زیورات، جنس اور تجارتی سامان کی زکوٰۃ ادا کرنی پڑتی ہے جس کے باعث بے تحاشا دولت کے انبار نہیں لگ سکتے جب تک وہ دولت کے مالک ہوتے ہیں۔ زکوٰۃ کی ادائیگی لازمی ہوتی ہے اور معاشرہ خود بخود اعتدال اور توازن میں رہتا ہے۔ ساتھ ہی انہیں جائز ذرائع سے کمائی کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ اور بُرے طریقے یا راتوں رات متمول بن جانے کے خواب غلیٰ تعبیر کا روپ نہیں دھار سکتے۔

(۸) **بیروزگاری کا علاج** | زکوٰۃ کی بدولت سہمندی یا دشکاری اپنی جہانی اور ذہنی قوتوں سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ سرمایہ مل جانے سے وہ اپنی

استعداد اور تجربے سے بھی فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔ اور ملک میں بیروزگاری کم کی جاسکتی ہے۔

کارِ نیکو لوگ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے نہیں رہتے بلکہ کوئی نہ کوئی کار و بار شارت کر سکتے ہیں۔

(۹) **ادائیگی فرض** | ربِ جلیل نے مسلمانوں پر زکوٰۃ فرض کی ہے۔ اس کے ادا کرنے سے ایک جانب فرض پورا ہو جاتا ہے تو دوسری طرف خالقِ کل کائنات

کی رضا جوئی اور رسولِ اکرمؐ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ یعنی فرض کی ادائیگی کے ساتھ خدمتِ خلق

بھی ہو جاتی ہے۔ اور انسان کی مالی عبادت کا فرضیہ سرانجام پاتا ہے۔

(۱۰) **اجتماعی مفاد کا تحفظ** | اس کی ادائیگی بعض حریص اور لالچ مندوں پر بارِ گراں گزرتی ہے مگر ہر فرد کی خوشحالی اس معاشرے کے ساتھ والستہ

ہے جس میں وہ زندگی گزارتا ہے۔ اگر صاحبِ استطاعت دستگیری نہ کریں تو وہ حقوقِ العباد کو فراموش کر رہے ہوتے ہیں۔ اگر صحیح معنوں میں زکوٰۃ ادا کر دی جائے تو یہ مغدور اور بیکار لوگوں کی نہ صرف مدد متصور ہوگی بلکہ ایک قسم کا اجتماعی مفاد ہوگا۔

(۱۱) **جرائم کی پیچ کنی** | بہت سے جرائم غربت اور فلاکت کے بموجب پیدا ہوتے ہیں چوری، حبیب تراشی، رہزنی، غبن، لوٹ مار اور اس قسم کی



دوسری برائیاں رقم نہ ہونے کے باعث سر اٹھاتے ہیں۔ جب ایک مجبور انسان کی جائز ضرورت پوری نہیں ہوتی تو وہ معاشرے سے انتقام لیتا ہے اور دوسروں کی دولت پر ہاتھ صاف کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جب اس کا اہل و عیال فاقہ میں دن رات گزارتے ہیں تو وہ ناجائز ذرائع سے ان کے نان و نفقہ کا بند و بست کرتا ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی سے لوگ مطمئن ہو جاتے ہیں۔ اور وہ شنیعہ افعال کا ارتکاب کرنے سے گریز کرتے ہیں۔

ایسے لوگ جنہوں نے ابھی اسلام قبول کیا ہو زکوٰۃ لینے کے حقدار ہوتے ہیں۔ ان کی مدد کرنے سے وہ اسلام کے شیدائی اور مستقل پیروکار بن جاتے ہیں۔ اس طرح اشاعتِ دین میں ایک قسم کی مدد ملتی ہے اور لوگ جوق درجوق حلقہ بگوش اسلام ہوتے ہیں۔

## زکوٰۃ اور ٹیکس میں فرق

### Difference between tax and Zakat

اس سے پیشتر کہ زکوٰۃ اور موجودہ دور کے محاصل میں فرق کی وجوہات قلمبند کی جائیں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ٹیکس کے اصولوں کی روشنی میں زکوٰۃ کا جائزہ پیش کیا جائے۔ ایسے اے صدیقی صاحب نے اپنی کتاب میں موازنہ اس طرح کیا ہے۔

۱۔ **مساوات = Equality**۔ آدم سمٹھ نے جو چار اصول بیان کیے تھے ان میں سے ایک مساوات کا ہے۔ زکوٰۃ اگرچہ متناسب ٹیکس ہے تاہم بار کو برابر تقسیم کرتی ہے۔ چونکہ یہ سرمایہ پر ہوتی ہے اس لیے اس کا اثر **Impact** آمدنی پر ترقی پذیر **Progressive** ہوتا ہے اس لیے اصول **Common** مساوات کو پورا کرتی ہے۔

۲۔ **تیقن = Certainty**۔ زکوٰۃ کا نصاب، استثناء اور طریق **Mode** ادائیگی کا ہمیشہ کے لیے تعین کر دیا گیا ہے۔ ہر شخص سال کے بعد اپنی پس انداز شدہ دولت پر زکوٰۃ کی تشخیص بغیر کسی دقت کے کر سکتا ہے اور اس کی فوری ادائیگی ہو سکتی ہے۔ اس کے برعکس ٹیکس کا گورکھ و حندا ہوتا ہے۔

۳۔ **سہولت = Convenience**۔ زکوٰۃ سال میں ایک بار عموماً ماہِ رجب میں ادا کی جاتی ہے اور اس کی ادائیگی کے لیے تشخیص کا عمل آسان ہوتا ہے۔



4 - کفایت = Economy - اس ٹیکس کو اکٹھا کرنے کے اخراجات اسی میں سے وصولی کرنے والوں کو ادا کیے جاتے ہیں۔

5 - زکوٰۃ پیداواری محرک Incentive کو ضرر دینے والی نہیں پہنچاتی۔ ایک ٹورسٹ کم ہے دوسرا یہ بیکار اور ذخیرہ شدہ دولت کو بھی کھینچتی ہے۔ کیونکہ ہر قسم کے سرمایہ پر زکوٰۃ لگتی ہے۔

6 - لچک = Flexibility - استثنائی صورت بہت کم ہے۔ اکثر آبادی پر لگتی ہے۔ افزائ آبادی سے اس میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ زکوٰۃ وصول کنندگان کی تعداد میں کمی واقع ہونے سے زکوٰۃ دہندگان کی تعداد بھی ہلتی پھولتی (Budget) ہے کیونکہ صاحب نصاب لوگوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

(ماڈرن ٹیکسیشن اور زکوٰۃ: رسالہ اسلامک ایجوکیشن - از محمد اکرم خان)۔

1 - زکوٰۃ ایک مالی عبادت ہے۔ جس کی ادائیگی مسلمانوں پر فرض ہے

اور وہ محض اللہ کی خوشنودی اور رضا جوئی کے لیے ادا کی جاتی ہے۔ جبکہ ٹیکس حکومت نافذ کرتی ہے۔ جس سے وہ اپنی سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی ذمہ داریاں پورا کرتی ہے۔

2 - زکوٰۃ کا فرضیہ کبھی ختم نہیں ہوتا۔ البتہ اگر صاحب زکوٰۃ سارا مال خرچ کر ڈالے یا خیرات کرے تو فرضیہ ساقط ہو جاتا ہے۔ جبکہ ٹیکس کبھی لگتا ہے اور کبھی نہیں لگتا ہے۔

3 - ٹیکس معاف ہو سکتا ہے مگر زکوٰۃ کی معافی نہیں ہو سکتی تا آنکہ اس کی ادائیگی نہ کر دی جائے۔ یا زکوٰۃ کا نصاب کم ہو جائے۔

4 - زکوٰۃ کی شرح ہمیشہ کے لیے متعین شدہ ہے اور اسی میں کمی بیشی ممکن نہیں جبکہ ٹیکس کارٹ

حکومت کی صوابدید پر منحصر ہے کیونکہ حکومت اپنی مرضی سے اضافہ یا کمی کر سکتی ہے۔

5 - زکوٰۃ کے مصارف مقرر ہیں۔ مگر ٹیکس حکومت اپنی مرضی سے خرچ کر سکتی ہے۔

6 - ٹیکس لوگ اپنے اوپر جبر کر کے بادل خواستہ دیتے ہیں۔ اور اکثر بچانے کی کوشش کرتے ہیں

مگر زکوٰۃ مسلمان مرضی اور رغبت سے عبادت سمجھ کر دیتے ہیں۔

7 - ٹیکس ہر صورت خزانہ میں جمع ہوتا ہے اور اس کی وصولی باقاعدہ حکومت کرتی ہے مگر زکوٰۃ

ذاتی طور پر اپنے رشتے داروں، دوسرے حقداروں میں تقسیم کی جاسکتی ہے۔

8 - ٹیکس لوگوں کی انکم پر لگتا ہے اور زکوٰۃ بچت پر لگتی ہے۔ اسی طرح ٹیکس زیورات اور دیگر

دینیوں پر نہیں لگتا۔ مگر زیورات، پیداوار پر زکوٰۃ لگ سکتی ہے۔ اور مولشیوں پر لگتی ہے۔



- ۹ - انکم ٹیکس لوگوں کے اخراجات کو پیش نظر نہیں رکھتا بلکہ آمدنی کو دیکھتا ہے اور مختلف شرح سے لاگو ہوتا ہے۔ مگر زکوٰۃ میں کوئی تخصیص نہیں۔ اور آمدنی کی بالائی حد بھی مد نظر نہیں ہوتی۔
- ۱۰ - زکوٰۃ صرف مسلمانوں پر فرض ہے۔ اور دوسرے لوگوں سے خراج یا جزیہ وصول کیا جاتا ہے۔
- مگر ٹیکس غیر مسلم شہریوں پر بھی لگ سکتا ہے۔
- ۱۱ - ٹیکس کی مختلف قسمیں ہیں۔ مگر زکوٰۃ کی کوئی اقسام نہیں ہیں۔

## مرکزیت زکوٰۃ

اس کا مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ ایک ہی جگہ اکٹھی ہونی چاہیے اور اس کے مصارف بھی وہاں سے ہونے ضروری ہیں۔ گویا زکوٰۃ کی وصولی اور اخراجات کی ذمہ داری اسلامی حکومت کے سپرد ہے اور وہی اس کی تکمیل سے عہدہ براہونی چاہیے۔

مسند امام احمد بن حنبل میں بن مغلہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول کریم اس کمرے میں لے گئے جہاں صدقات اکٹھے کیے جاتے تھے۔ اسی طرح ایک دوسری روایت میں یوں ہے کہ پیغمبر خدا صلعم کبھی کبھی اموال صدقات کا معائنہ فرماتے تھے جو کہ ایک سٹور میں جمع ہوتے تھے۔ اس کی نگرانی پر حضرت بلالؓ مامور تھے۔

حضرت معاذؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے جب مجھے وصولی زکوٰۃ کے لیے مین بھیجا تو ہدایت فرمائی کہ ہر تیس گایوں پر ایک سال کا بیل یا گائے زکوٰۃ میں سے لیا کرو۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی دارمی۔ بحوالہ مشکوٰۃ شریف)۔

حضرت عائشہؓ صدیقہ روایت کرتی ہیں کہ آقائے نامدار عبداللہ بن رواحہؓ کو یہودیوں سے زکوٰۃ کی وصولی کے لیے متعین فرماتے تو نیم سچتہ کھجوروں سے ہی زکوٰۃ کا اندازہ کر لیا کرتے تھے۔ (ابوداؤد)۔

ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے عہد مبارک میں زکوٰۃ کی وصولی کا انتظام حکومت وقت کرتی تھی۔ قرآن مقدس میں جن مصارف زکوٰۃ کا ذکر ملتا ہے۔ ان میں ایک مدعا طین زکوٰۃ کی بھی بیان کی گئی ہے۔ اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت ہی زکوٰۃ وصول کرتی ہے۔ اس لیے ان کی کفالت کا اہتمام کیا گیا ہے۔ زکوٰۃ کی وصولی کے لیے باقاعدہ ایک محکمہ زکوٰۃ مرکزی حکومت کے تحت قائم ہونا چاہیے۔ حکومت اگر ٹیکس جبراً وصول کر سکتی ہے اور اس کے لیے محکمہ قائم کیا ہوا ہے تو



کیا وجہ ہے کہ اس اہم فرض کو یونہی نظر انداز کیا ہوا ہے۔ اسلامی حکومت کی آمدنی کا ایک بہترین اور مستقل وسیلہ زکوٰۃ ہے۔

زکوٰۃ کے مصارف بھی معینہ ہیں۔ اور ان میں کوئی تہمید یا رد و بدل نہیں ہو سکتا۔ مرکزی حکومت شعبہ زکوٰۃ کو وسیع اختیارات سونپ سکتی ہے اور پھر اسی محکمہ کی صوبائی، ضلعی اور تحصیل یا پنچرقائم کی جاسکتی ہیں۔ عملہ دیانت دار، کارکن اور متعدد ہو۔ تقریر سے قبل ان کی خصوصی تربیت کا پوری طرح اہتمام کیا جانا چاہیے۔ تاکہ کام پوری مستعدی سے ہو سکے۔ زکوٰۃ نہ دینے والوں کے خلاف سخت قانونی کارروائی کی جائے۔ اسی طرح زکوٰۃ میں ہیرا پیری اور چوری کرنے والے بھی مستوجب سزا گردانے جائیں۔ عشر اور خمس کی وصولی کا انتظام بھی اسی محکمہ کی تحویل میں ہو۔ اور اس طرح گندم وغیرہ اور دیگر اجناس کی وصولی سے غذائی مسئلہ کو حل کیا جاسکتا ہے۔ ہر ضلع سے وصول ہونے والی اجناس اس کے مستحق لوگوں میں تقسیم کر دی جائیں۔ اور فاضل مال مرکز کو بھیج دیا جائے۔ بہتر ہے کہ بیت المال قائم کر کے سارا انتظام اس کے سپرد ہو۔ بصورت دیگر سٹیٹ بینک کو ساتھ ہی ساتھ بیت المال کے فرائض بھی سونپ دیئے جائیں۔ یہ اس صورت میں ممکن ہے جب سارا معاشرتی ڈھانچہ تبدیل ہو۔ اور اس کی اشد ضرورت ہے وگرنہ ترقی عنقا ہے۔ اگرچہ حضرت عثمانؓ نے مخصوص حالات کے پیش نظر مرکزی وصولی کا طریقہ ختم کر دیا تھا۔ تاہم سلطنت عثمانیہ میں بدلے ہوئے حالات کے تحت اسے جزوی طور پر مرکزی نظام کے تحت کر دیا گیا تھا۔

سابقہ ادوار کی نسبت عصر حاضر میں ذرائع پیداوار میں معتد بہ اضافہ ہو چکا ہے۔ لوگوں کی انکم بھی بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ اس لیے زکوٰۃ سے بھی کافی وصولی ہو سکتی ہے اور پھر اسے لوگوں کی فلاح و بہبود پر صرف کیا جاسکتا ہے۔

بعض لوگ تعصب کی بنا پر معترض ہوتے ہیں کہ اگر لوگ خود زکوٰۃ ادا کر دیں اور اسی علاقے کے لوگوں میں تقسیم کر دیں تو ترقیاتی امور کس طرح سرانجام پائیں گے؟

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اگر زکوٰۃ اسی علاقے کے مستحق لوگوں میں پوری طرح اور صحیح تقسیم کر دی جائے ان کی معاشی حالت سدھر جائے تو یہ ایک قسم کی ترقی ہے۔ اور حکومت کو اس علاقے پر کم توجہ مرکوز کرنا پڑے گی۔ آج کل اپنی مدد آپ کے تحت جو امور سرانجام دیئے جاتے ہیں۔ انہیں بنظر احسن دیکھا جاتا ہے۔ یہ عموماً ناممکن ہوتا ہے کہ تمام علاقوں کے لوگ خود بخود زکوٰۃ ادا کرتے رہیں۔ انہیں جب تک سختی سے قائل نہیں کیا جائے گا وہ قائل نہیں ہوں گے۔ اس لیے ضروری ہے



کہ اسے سرکاری سرپرستی حاصل ہو۔ وہ خود مختار اداروں کی تشکیل کرے جو مرکزی تنظیم یعنی محکمہ کے ماتحت ہوں۔ اور اسی کے زیر ہدایات فرائض سے سبکدوش ہوتے رہیں۔

دوسرا جواب اس گزشتہ سوال کا یہ ہے کہ اسلامی حکومت کے اور بھی بہت سے مالی ذرائع ہیں۔ جن سے رقم ترقیاتی کاموں کے لیے مختص کی جاسکتی ہے۔ زکوٰۃ کی سرکاری طور پر وصولی کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ اسے بجٹ سازی سے پیشتر بشمول زکوٰۃ اپنی ٹوٹل انکم کا اندازہ ہو جانے کا۔ آمدنی سے زائد اخراجات، معمولی تمویل خسارہ

Deficient Financing قرضوں کا بلا سود (چونکہ اسلامی حکومت کا ذکر ہے) اور دیگر ذرائع سے یعنی غیر ملکی امداد، گرانٹ وغیرہ سے پورے کیے جائیں گے۔

عبدالعزیز یونیورسٹی (سعودی عرب) میں ۲۱ فروری تا ۲۶ فروری ۱۹۷۶ اپنی اقتصادی کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ جس میں بہت سے غیر مسلم ممالک کے ماہرین معاشیات نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اور اپنے اپنے تحقیقی مقالات پڑھے۔

پروفیسر صالح محمد طوغ نے اپنے مقالہ میں زکوٰۃ کی مرکزی بحالی پر کافی زور دیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اسلام کی منفرد تنظیمی صلاحیت سے فائدہ اور فرد کے مفاد کو بحیثیت رکن معاشرہ میں زیادہ مؤثر اور فعال اسی صورت میں بنایا جاسکتا ہے۔ جب اسلامی نظام پر پورا پورا عمل کیا جائے۔ نیز انہوں نے ایک تجویز پیش کی ہے کہ وصول شدہ زکوٰۃ سے بلا سود قرض دینے کی خاطر ایک فنڈ کا قیام عمل میں لایا جاسکتا ہے۔ اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب زکوٰۃ کی وصولی کی مرکزیت بحال کی جائے۔ اور سارے ملک کی زکوٰۃ ایک ہی ادارہ یا محکمہ کی زیر نگرانی ہو۔

خدا کرے کہ مسلمان بیدار ہو کر اپنا مقام بحال کرنے کی کوشش فراواں کریں۔ اس قسم کے اجلاس نہ صرف منعقد کیے جائیں بلکہ ان میں پاس شدہ تجاویز اور قراردادوں پر عمل کیا جائے۔ اُس کانفرنس میں پڑھے گئے مقالات کو کتابی شکل میں شائع کر اگر مختلف زبانوں میں تراجم کے ساتھ اسلامی حکومتوں کو نسخے ارسال کیے جائیں تاکہ اسلامی معیشت کے خدو خال اور مآخذ جاگروں سکیں۔ یہ حکومت کی اہم ذمہ داری ہے۔



## اجتماعی زندگی میں زکوٰۃ کا مقام

قرآن مجید میں زکوٰۃ اور صدقات کے لئے جگہ جگہ اتفاق فی سبیل اللہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے یعنی خدا کی راہ میں خرچ کرنا۔ بعض مقامات پر یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ جو کچھ تم راۃ خدا میں صرف کرتے ہوئے یہ اللہ کے ذمہ قرضہ حسنہ ہے گریا تم اللہ کو قرض دیتے ہو، اور اللہ تعالیٰ تمہارا قرض دار ہو جاتا ہے۔ اکثر مقامات پر یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ اللہ کی راہ میں جو کچھ تم دو گے اس کا بدلہ اللہ کے ذمے ہے اور وہ صرف اتنا ہی کو واپس نہ کرے گا۔ بلکہ اس سے بھی بہت زیادہ دے گا۔ اس مضمون پر توجہ دیجئے۔ کیا زمین آسمان کا مالک نعوذ باللہ کسی کا محتاج ہے! کیا اس ذات پاک کو آپ سے قرض لینے کی ضرورت ہے۔ کیا وہ بادشاہوں کا بادشاہ اپنے لئے آپ سے کچھ مانگتا ہے؟ معاذ اللہ۔ اسی کی بخشش پر تو آپ پل رہے ہیں۔ دراصل یہ بھی اس کی شانِ کرمی ہے کہ وہ آپ سے خود آپ ہی کے فائدے کے لئے آپ ہی کی بھلائی کے لئے آپ ہی کے کام میں خرچ کرنے کو فرماتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ یہ میری راہ میں خرچ ہے مجھ پر قرض ہے۔ میرے ذمے اس کا بدلہ ہے اور میں تمہارا احسان مانتا ہوں تم اپنی قوم کے محتاجوں کو دو۔ اس کا بدلہ وہ غریب کہاں سے دیں گے۔ ان کی طرف سے میں دوں گا۔ تم اپنے یتیموں، اپنی بیواؤں، اپنے معزوروں، اپنے مسافروں، اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کو جو کچھ دو، اسے میرے حساب میں لکھ لو۔ تمہارا مطالبہ ان کے ذمہ نہیں۔ میرے ذمہ ہے اور میں اس کو ادا کروں گا۔ اگر وہ اصل ادا کر دیں گے تو ان کی طرف سے سود میں ادا کروں گا۔ اگر وہ اصل بھی ادا نہ کر سکیں گے تو میں اصل اور سود دونوں تمہیں دوں گا۔ اس طرح اپنی جماعتی فلاح کے کاموں میں اپنے ابنائے نوع کی بھلائی اور بہتری کے لئے جو کچھ تم خرچ کرو گے اس کا فائدہ اگرچہ تم کو ہی ملے گا مگر اس کا احسان مجھ پر ہو گا۔ میں اس کو پانی پانی منافع سمیت تمہیں واپس دوں گا۔

انسان کچھ اپنی فطرت ہی کے لحاظ سے ظلم و جبوں واقع ہوا ہے۔ اس کی نظر تنگ ہے۔ یہ زیادہ دور تک نہیں دیکھ سکتا۔ اس کا دل چھوٹا ہے۔ زیادہ بڑے اور اونچے خیالات اس میں ذرا کم ہی سما سکتے ہیں۔ یہ خود غرض واقع ہوا ہے، اور اپنی غرض کا کبھی کوئی وسیع تصور اس کے دماغ میں پیدا نہیں ہوتا۔ یہ جلد باز بھی ہے اور اسی نتیجہ کو نتیجہ اور اسی فائدہ کو فائدہ سمجھتا ہے جو جلدی سے اس کے سامنے آ جائے اور اس کو محسوس ہو جائے۔ دوسرے نتائج تک اس کی نگاہ نہیں پہنچتی۔ یہ انسان کی فطری کمزوری



ہے اور اس کمزوری کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ہر چیز میں یہ اپنے ذاتی فائدے کو دیکھتا ہے اور فائدہ بھی وہ جلد حاصل ہو جائے۔ وہ سمجھتا ہے جو کچھ اس کا ہے اس میں کسی کا حصہ نہیں۔ یہ میری آسائش اور میری لذت نفس ہی پر خرچ ہونا چاہیے۔ کوئی یتیم بھوکا مر رہا ہو۔ کوئی بیوہ مصیبت کے دن کاٹ رہی ہو۔ کوئی مسافر بھٹکتا پھر رہا ہو۔ وہ کسی کی پرواہ نہیں کرتا اور یہ کہتا ہے کہ اس کے باپ یا شوہر کو اس کا بندوبست کرنا چاہیے تھا۔ وہ صرف انہیں قرض دینے پر تیار ہو گا اور اصل کے ساتھ سود بھی طلب کرے گا۔

اس خود غرضانہ ذہنیت کے ساتھ اول تو روپے والا آدمی خزانے کا سانپ بن کر رہے گا۔ یا خرچ کرے گا تو اپنے ذاتی فائدے کے لئے کرے گا۔ اگر کسی غریب آدمی کی اس نے مدد کی بھی تو دراصل اس کی مدد نہ کرے گا بلکہ اس کو لوٹے گا اور اگر کسی مسکین کو کچھ دے گا تو اس پر ہزاروں احسان رکھ کر اس کی آدھی جان لے لے گا اور اس کی اتنی تذلیل و تحقیر کرے گا کہ اس میں کوئی خود داری باقی نہ رہ سکے گی۔

اس ذہنیت کے نتائج صرف اجتماعی زندگی ہی کے لئے مہلک نہیں ہیں بلکہ سفر کار خود اس شخص کے لئے بھی نقصان دہ ہیں جو تنگ نظری اور جہالت کی وجہ سے اس کو اپنے لئے فائدہ مند سمجھتا ہے۔ جب یہ ذہنیت لوگوں میں کام کر رہی ہو تو تھوڑے اشخاص کے پاس دولت سمٹ سمٹ کر اکٹھی ہوتی چلی جاتی ہے اور بے شمار اشخاص بے وسیلہ ہوتے چلے جاتے ہیں۔ افلاس جس سوسائٹی میں عام ہو، اس کی جسمانی صحت خراب ہوتی ہے۔ اس میں کام کرنے اور دولت پیدا کرنے کی قوت کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس کے اخلاق گرنے لگتے ہیں۔ وہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے جرائم کا ارتکاب کرنے لگتی ہے اور آخر کار یہاں تک ذہنیت پہنچتی ہے کہ وہ لوٹ مار پر اتر آتی ہے۔ عام بوسے ہوتے ہیں۔ دولت مند لوگ قتل کر دیئے جاتے ہیں۔

درحقیقت ہر شخص کی بھلائی اس جماعت کی بھلائی کے ساتھ وابستہ ہے جس کے دائرے میں وہ رہتا ہے جس شخص کے پاس دولت ہے۔ اگر وہ اس میں سے اپنے دوسرے بھائیوں کی مدد کرے تو یہ دولت چکر لگاتی ہوئی بہت سے فائدوں کے ساتھ پھر اسی کے پاس پلٹ آئے گی اور اگر وہ تنگ نظری کے ساتھ اس کو اپنے پاس جمع رکھے تو یہ بالآخر گھٹتی چلی جائے گی۔ جو شخص بے غرضی کے ساتھ جماعت کی بھلائی کے لئے روپیہ صرف کرتا ہے۔ اس کا روپیہ ظاہر میں تو اس کی جیب سے نکل جاتا ہے مگر باہر وہ بڑھتا اور پھلتا چھوڑتا ہے۔ یہاں تک کہ آخر میں وہ بے شمار فائدوں کے ساتھ اسی کی



حبیب میں داپس آتا ہے جس سے وہ کبھی نکلا تھا اور جو شخص خود غرضی اور تنگ نظری کے ساتھ روپے کو اپنے پاس روک رکھتا ہے اور جماعت کی بھلائی پر خرچ نہیں کرتا وہ ظاہر میں تو اپنا روپیہ محفوظ رکھتا ہے یا سود کما کر اسے اور بڑھاتا ہے مگر حقیقت میں اپنی حماقت سے اپنی دولت گھٹاتا ہے اور اپنے ہاتھوں اپنی بربادی کا سامان کرتا ہے۔

ارشاد ربانی ہے :

”تم جو سود دیتے ہو اس غرض کے لئے کہ یہ لوگوں کی دولت بڑھائے۔ دراصل اللہ کے نزدیک اس سے دولت نہیں بڑھتی البتہ جو زکوٰۃ تم نص خدا کی رضا جوئی کے لئے دے، وہ دد گنی ہو گنی ہوتی چلی جاتی ہے۔“

لیکن اس بات کو سمجھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے میں انسان کی تنگ نظری اور اس کی جہالت مانع ہے۔ اس جہالت کے بند کو آج تک انسان اپنے عقل یا اپنی کوشش سے نہیں کھول سکا۔ اس پیچیدگی کو اس حکیم دلانا ہستی نے حل کیا ہے جس کی کتاب پاک کا نام قرآن ہے۔ اس عقل کی کنجی ایمان باللہ اور ایمان بالیوم الآخر ہے۔ اگر آدمی خدا پر ایمان لے آئے تو اس کے لئے یہ بالکل آسان ہو جاتا ہے کہ اپنی نظر پر بھروسہ کرنے کے بجائے خدا پر بھروسہ کرے اور اپنی دولت کو خدا کی ہدایت کے مطابق خرچ کرے اور اس کے نفع و نقصان کو خدا پر چھوڑ دے۔ اس ایمان کے ساتھ جو کچھ خرچ کرے گا وہ دراصل خدا کو دے گا۔ کوئی اس کا احسان ماننے یا نہ ماننے خدا اس کے احسان کو ضرور مانے اور جانے گا اور خدا کا جب یہ وعدہ ہو چکا ہے کہ وہ اس کا بدلہ دے گا تو یقین ہے کہ وہ اس کا بدلہ ضرور دے گا خواہ آخرت میں دے یا دنیا اور آخرت دونوں میں دے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی شریعت کا یہ قاعدہ رکھا ہے کہ پہلے تو نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ایک عام حکم دیا جاتا ہے۔ پھر اسی بھلائی کی ایک خاص صورت بھی تجویز کر دی جاتی ہے۔

بس ایسا ہی معاملہ زکوٰۃ کا بھی ہے۔ یہاں بھی ایک حکم عام ہے اور ایک خاص۔ ایک طرف تو یہ ہے کہ بخل اور تنگ دلی سے بچو۔ اپنے اخلاق میں اللہ کا رنگ اختیار کرو۔ راہِ خدا میں جو کچھ کر سکتے ہو کرو۔ اپنی ضرورتوں سے جتنا بچا سکتے ہو بچاؤ اور اس سے خدا کے دوسرے ضرورت مند بندوں کی ضرورتیں پوری کرو۔ اگر خدا سے محبت رکھتے ہو تو مال کی محبت کو خدا کی محبت پر قربان کر دو۔ یہ تو ہے عام حکم اور اس کے ساتھ ہی خاص حکم یہ ہے کہ اس قدر مال اگر تمہارے پاس جمع ہو تو اس میں سے خدا کی راہ میں ضرور صرف کر دو اور اتنی پیادہ تمہاری زمین میں ہو تو اس میں سے ضرور خدا کی نذر کو دے پھر جس طرح چند رکعات نماز فرض کرنے کا



مطلب یہ نہیں ہے کہ بس یہ رکعتیں پڑھتے وقت ہی خدا کو یاد کرو اور باقی سارے وقتوں میں اس کو بھول جاؤ۔ اسی طرح مال کی ایک چھوٹی سی مقدار راہ خدا میں صرف کرنا جو فرض کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب بھی یہ نہیں ہے کہ جن لوگوں کے پاس اتنا مال ہو بس انہی کو راہ خدا میں صرف کرنا چاہیئے اور جو اس سے کم مال رکھتے ہوں انہیں اپنی مٹھیاں بھینچ لینی چاہئیں اور اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ مالدار لوگوں پر حتمی زکوٰۃ فرض کی گئی ہے بس وہ اتنا ہی خدا کی راہ میں صرف کریں۔ اس کے بعد کوئی ضرورت منہ آئے تو اسے انکار کر دیں بلکہ اس کا مطلب دراصل یہ ہے کہ کم از کم اتنا مال تو ہر مالدار کو راہ خدا میں دینا ہی پڑے گا اور اس سے زیادہ جس شخص سے جو کچھ بن آئے وہ اس کو صرف کرنا چاہیئے۔



# باب (۱۳)

## قانون وراثت = Law of Inheritance

اسلام ایک مکمل دین یا نظامِ حیات ہے۔ اس لیے اس کی ہدایات زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی و طاری ہیں۔ معاشی حالات و معاملات میں بھی اس کے اصول و ضوابط قوم اور معاشرہ کی بھلائی کے لیے ہیں۔ معاشین از کماز دولت کو ملک و ملت کے متوازن ارتقاء کے منافی گردانتے ہیں۔ اس سے سوسائٹی میں طبقاتی کشمکش کا آغاز ہوتا ہے۔ اور فتنہ و فساد کے دروازے کھلتے ہیں۔ ثروت کی یونٹی کے دو طبقوں یعنی اغنیاء اور مساکین (غریب) کے درمیان دیوار کی طرح حائل ہو جاتی ہے۔ اسلامی ہدایات اس ارتکاز زر کی حوصلہ شکنی کرتی ہیں۔ تاہم اسلامی تعلیمات پر ایک مسلمان اس لیے عمل کرتا ہے کہ اس کا فریضہ اللہ اور اس کے رسول کی بلا چون و چرا ادا ہے۔ مگر اس کا پیروی کے دنیوی ثمر کے طور پر مادی انعامات بھی ضرتاً حاصل ہوتے ہیں۔ چنانچہ اسلامی قانون میراث کا عملی نفاذ بھی اقتصادی سچیدگیوں اور مسائل کو حل کر سکتا ہے (ظفر احمد - لیکچر اسلامی قانون وراثت)۔ اب قرآن و حدیث کی روشنی میں ان قوانین کا ذکر کیا جاتا ہے:-

میراث سے مراد وہ مال و جائیداد ہے جو کسی کی وفات حسرت آیات پر خواہ شرعاً اس کے ذریعہ میں تقسیم ہو یا وصیت کے ذریعے کسی اور کو ملے۔ وراثت کو تقسیم دولت میں خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس علم کو اصطلاحاً علم الفرائض کہا جاتا ہے۔ اس کا موضوع ترکہ میت اور وراثہ ہے۔ اس میں عورت کا ہر بھی شامل ہوتا ہے۔ بشرطیکہ خاوند نے زندگی میں اس کی اولیگی نہ کی ہو۔ ارشادِ ربانی ملاحظہ ہو۔

لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا۔ (النساء: ۷)

”جو ماں باپ چھوڑ مرے اس میں مردوں اور قرابت والوں حصہ ہے (اسی طرح) جو ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ مرے چھوڑا ہوا یا زیادہ ہو اس میں عورتوں کا بھی حصہ ہے اور یہ حصہ مقرر شدہ ہے“۔ ان حصص کی تفصیل آگے آئے گی۔ اس کا اجمالی خاکہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ سے پیشتر بیٹیوں



کو میراث سے حصہ نہیں ملتا تھا اور نابالغ بیٹے بھی محروم رہتے تھے۔ نیز تقسیم بچوں کو بھی کچھ نہیں ملتا تھا۔ صرف بالغ مرد جو دشمن کا مقابلہ کرتے تھے۔ میراث کے مالک بنتے تھے۔ چنانچہ اس آیت مبارکہ میں ان کا حصہ بھی صراحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح اگلی آیت میں یہ فرمایا کہ: ”تقسیم کے وقت رشتہ دار، یتیم اور محتاج حاضر ہوں تو انہیں کچھ کھلا دو اس میں سے اور ان سے معقول بات کہہ دو“

یعنی جن لوگوں کو جائداد سے حصہ نہیں مل سکتا تو انہیں سلیقہ سے رخصت کر دو کہ ان کی دل آزاری نہ ہو۔

رسول مقبولؐ نے فرمایا: میراث کے حصص حصہ داروں کو دوپہر جو کچھ بچے قریب تر مرد کو دو۔ آپؐ نے فرمایا: مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو سکتا اور نہ ہی کافر مسلمان کا۔ (بخاری۔ مسلم) آپؐ نے فرمایا: دو مختلف مذہب رکھنے والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے۔

(ابوداؤد۔ ترمذی۔ ابن ماجہ)

آپؐ کا ارشاد ہے: قاتل مقتول کے وارث نہیں ہوتا۔ (ترمذی)۔

آپؐ نے فرمایا: اگر بچہ پیدائش کتبہ چھینے چلائے یا اس کے منہ سے آواز نکلے اور پھر مر جائے تو نماز پڑھی جائے اور اسے وارث بنایا جائے۔ یہ حضرت جابر کی روایت ہے۔

حضرت کشیر بن عبد اللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ آپؐ نے

فرمایا: قوم کا آزاد کردہ غلام قوم سے ہے۔ قوم کا حلیف قوم سے ہے اور قوم کا بھانجہ بھی قوم سے ہے۔ (دارمی)۔

حضرت عائشہؓ کے مطابق آنحضرتؐ کا ایک آزاد کردہ غلام مال چھوڑ کر مرا اور کوئی نعصبی نہ تھا۔ آپؐ نے فرمایا: اس کا مال گاؤں والوں میں سے کسی کو دے دو۔ (ابوداؤد۔ ترمذی)۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے مطابق آپؐ نے فرمایا جو میراث جاہلیت میں تقسیم کی گئی وہ جاہلیت ہی میں ختم ہو گئی۔ اور جس میراث نے اسلام کو پایادہ اسلام کے طریقہ پر تقسیم کی جائے گی۔ (ابن ماجہ)۔

اب رشتہ داروں کے لیے قسطنطین ہیں۔

۱۔ اولاد کا حصہ۔ عام اصول یہ ہے کہ بیٹے کو بیٹی کا دو گنا حصہ ملتا ہے اگر صرف ایک

ہی بیٹی ہو بیٹا نہ ہو تو اسے نصف ملتا ہے۔ میت کی اگر دو یا دو سے زیادہ بیٹیاں ہوں تو ہر ایک کو  $\frac{1}{3}$  ملے گا

(النساء: ۱۱)۔



2- والدین کا حصہ - والدین میں سے ہر ایک کو تہذیب کے مال کا چھٹا حصہ ملتا ہے جبکہ متوفی کا بیٹا پوتا (اولاد ہو) ہو اگر اولاد نہ ہو اور اس کے ماں باپ وارث ہیں تو ماں کو  $\frac{1}{2}$  اور باقی باپ کو ملتا ہے۔ اگر میت کے بھائی ہوں تو ماں کو چھٹا حصہ ملے گا مگر یہ متوفی کی وصیت اور دین (قرض) کی ادائیگی کے بعد ملے گا۔ (النساء: ۱۱)۔

3- شوہر کا حصہ - اگر بیوی کا کوئی بیٹا پوتا نہ ہو تو نصف حصہ ملتا ہے اور بیٹا پوتا ہو تو  $\frac{1}{4}$  حصہ ملتا ہے۔ لیکن یہ فرض اور وصیت پوری ہونے کے بعد ملے گا۔

4- بیوی کا حصہ - وصیت اور قرض کے بعد بیوی کو چوتھا ( $\frac{1}{4}$ ) حصہ ملے گا جبکہ شوہر کی اولاد نہ ہو۔ اگر اولاد یعنی بیٹا پوتا بیٹی وغیرہ ہو تو آٹھواں  $\frac{1}{8}$  حصہ ملے گا۔ (النساء: ۱۲)۔

5- کلالہ کے وارثوں کا حصہ - (کلالہ اس شخص کو کہتے ہیں جس کا نہ کوئی بیٹا ہو اور نہ ہی باپ زندہ ہو) (۹) کلالہ کے وارثوں میں اگر اس کا کوئی بھائی یا کوئی بہن نہ ہو تو ان میں سے ہر ایک چھٹا حصہ پائے گا (ب) اگر دو یا زیادہ ہوں تو  $\frac{1}{3}$  حصہ میں شریک ہوں گے۔ اور یہ وصیت اور قرض کے بعد ہو گا۔ یہ اللہ کا حکم ہے جو سب کچھ جاننے والا اور تحمل کرنے والا ہے۔ (النساء: ۱۲) (ج) اگر کوئی مرد مر جائے اور اس کا کوئی بیٹا نہیں اور ایک بہن ہے تو اسے چھوٹے ہونے کے مال میں سے نصف ملے گا۔ اگر کوئی عورت فوت ہوئی اور اس نے ایخانی یا علاتی بھائی چھوڑا تو اسے سارا مال ملے گا۔ کیونکہ عصبہ ہے۔ اگر اس نے لڑکا چھوڑا تو بھائی کو کچھ نہ ملے گا اور بھائی یا ایخانی بہن چھوڑے گی تو اس کے لیے چھٹا حصہ معین ہے۔ اگر دو سے زیادہ بہنیں ہوں تو انہیں دو تہائی ملے گا اگر کچھ بھائی اور کچھ بہنیں ہوں تو حظ الانثیین یعنی مرد کو عورت سے دگنا کے اصول پر تقسیم ہو گا۔ اللہ تمہارے واسطے بیان کرتا ہے تاکہ گمراہ نہ ہو۔ (النساء: ۱۷۶)۔

ایخانی بھائی صرف ماں میں شریک ہوتے ہیں۔ باپ بیٹے کی موجودگی میں بھائی بہن محروم رہتے ہیں۔ اگر باپ بیٹا نہ ہوں تو حقدار بنتے ہیں۔ بھائی بہن تین طرح کے ہیں حقیقی جو ماں باپ دونوں میں شریک ہوں انہیں عینی کہتے ہیں۔ یا سوتیلی جو صرف باپ میں شریک ہوں انہیں علاتی کہتے ہیں۔ یا صرف وہ جو ماں میں شریک ہوں۔ یہ ایخانی کہلاتے ہیں۔ یہ کبھی بھی عصبہ نہیں ہوتے۔

## اقسام و ترتیب وراثت:

ان کی تین قسمیں ہیں۔

9- ذوی الفروض: یعنی جو حصہ وار کہلاتے ہیں، کل بارہ ہیں۔ ان میں سے چار مرد



باپ، دادا، خاوند، اخیانی بھائی، اور آٹھ عورتیں ہیں۔ بیوی، بیٹی، پوتی، عینی بہن، علاتی بھائی، اخیانی بہن، والدہ، جدہ صحیحہ (داری نانی)۔

مذکورہ وارثوں کے حصے قرآن و سنت سے ثابت ہیں۔ نصف (½)، ربع (¼)، ثمن (⅛)، ثلث (⅓)، ثلثان (⅔)۔

سب سے پہلے ترکہ اصحاب الفرائض میں تقسیم ہوتا ہے۔

(ب) عصبیات = ان کے لیے کوئی خاص حصہ مقرر نہیں ہے بلکہ ذوی الفروض سے جو بچ رہ گیا وہ انہیں مل جائے گا۔ مثلاً اگر میت کا کوئی رشتہ دار ذوی الفروض میں سے موجود نہ ہو اور عصبہ تو اس کا مال تمام عصبہ کو مل جائے گا۔ اور اگر دونوں موجود ہوں تو ذوی الفروض سے باقی ماندہ عصبہ کو مل جائے گا۔ اگر کچھ نہ بچے تو نہیں ملے گا۔ عصبہ اصل میں تو وہ ہے جو مرد ہو عورت نہ ہو۔ اس میں اور میت میں عورت کا واسطہ بھی نہ ہو۔ اس کے چار درجے ہیں۔ (۱) بیٹا پوتا (۲) باپ دادا (۳) بھائی بھتیجا (۴) چچا اور چچا کا بیٹا یا اس کا پوتا۔ اگر متعدد اشخاص ہوں تو قریب والا مقدم ہوگا جیسے پوتا سے بیٹا، بھتیجا سے بھائی، سوتیلے سے سکا۔ اور ان چاروں کے علاوہ اولاد اور بھائیوں میں مرد کے ساتھ عورت بھی عصبہ ہوتی ہے یعنی بیٹے کے ساتھ بیٹی، بھائی کے ساتھ بہن، یہ عصبہ غیر اہلی ہیں۔ اولاد اور بھائیوں کے سوا عورت عصبہ نہ ہوگی۔ چچا کا بیٹا عصبہ ہے۔

عصبہ کی دو بڑی اقسام عصبہ نسبی اور عصبہ سببی (مولی العتاقہ) ہیں۔ نسبی کی آگے تین قسمیں عصبہ بنفسہ، عصبہ بالغیر اور عصبہ مع الغیر ہیں۔

عصبہ بنفسہ	عصبہ بالغیر	عصبہ مع الغیر
میت کی جز بیٹا پوتا	میت کی اصل	میت کے باپ کی
نیچے تک	باپ دادا اور پرتک	جز بھائی اور ان کی
۔۔۔۔۔		نرینہ اولاد نیچے تک
		نرینہ اولاد۔ نیچے تک

(ظفر احمد لکچرز - اسلامی قانون وراثت در جادہ و منزل)۔

(ج) ذوی الامحام = ورثاء کی یہ سیر می قسم ہے۔ اسے مجازاً رشتہ داری اور تعلق کو کہتے ہیں۔ اس کا مفرد رحم ہے اور یہ عورت کی بچہ دانی کہلاتی ہے۔ ایسے قرابت والے کہ ان میں میت میں عورت کا واسطہ ہو۔ ذوی الفروض میں نہ ہو اور عصبہ میں بھی نہ ہو۔ جیسے نواسہ، نانا، بھانجا، ماموں خالہ، پھوپھی، اور ان کی اولاد۔ جب کسی میت کے ذوی الفروض اور عصبات میں سے کوئی بھی موجود



نہ ہو تو اُس کی توریت میں سے ذوی الارحام کو حصہ ملے گا۔

## غیر مسلم اقوام کے قوانین وراثت

رُوس کے تازہ ترین

قانون میں اولاد بیوی شوہر

والدین، بھائیوں سسٹرز اور قسبی کو وارث قرار دیا گیا ہے۔ نیز اپنا ترکہ قریبی حاجتمندوں، پبلک اداروں میں تقسیم کرنے کی وصیت ہو سکتی ہے۔ ایسی وصیت منوع ہے جس کے مطابق نابالغ اولاد یا غریب وارثوں کو محروم کرنا ہو۔

کوئی شخص محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ان ترقی پسندوں نے ۱۹۶۵ء میں اس قانون کی طرف رجعت فرمائی ہے جو ۱۹۲۵ء میں بنایا گیا تھا۔ یعنی اسلامی قانون کی پیروی کی ہے۔

## فرانسیسی قوانین

(۱) فقط اولاد مذکور و اناث کل ترکہ کے وارث ہیں (۲)

اولاد مذکور و اناث کا حصہ برابر ہے۔ (۳) اگر میت کی

اولاد یا اولاد کی اولاد چھوڑے تو والدین محروم (۴) اگر ماں اور بھائی ہوں تو ماں کو چوتھائی اور

بھائیوں کو ۳ حصہ۔ اگر ماں باپ دونوں ہوں تو ہر ایک کو تہائی بھائیوں کو نصف دی ترکہ

پانے والے اقرباء کی موجودگی میں شوہر محروم۔ نیز زوجہ محروم۔ (۶) اگر اولاد والدین دونوں نہ

ہوں تو ترکہ بھائیوں یا بہنوں کو ملتا ہے۔ اگر کوئی موجود ہو تو دوسروں کے ساتھ شریک ہو جاتا ہے۔

## انگریزی قانون

(۱) انگلینڈ میں اگر میت کی اولاد یا اولاد کی اولاد ہو تو کل ترکہ

ماں کو چلا جاتا ہے۔ اگر کوئی بیوی موجود ہو تو وہ ماں کے

شریک ہو جاتی ہے (۲) انگلستان میں ترکہ پانے والے رشتہ داروں کی موجودگی میں شوہر

پورے ترکہ کا مالک ہوتا ہے (۳) اگر زوجہ تنہا ہو تو اُسے آدھا ترکہ ملتا ہے اور باقی سرکاری

خزانے میں جاتا ہے۔ اگر زوجہ اور اولاد دونوں ہوں تو زوجہ کو تہائی ملتی ہے اور باقی اولاد یا

اولاد کی اولاد کو (۴) اگر اولاد یا والدین دونوں نہ ہوں تو ترکہ برادرزادہ سسٹرز کو پہنچتا ہے اگر

والدین سے کوئی موجود ہو تو بھائیوں اور بہنوں کے ساتھ شامل ہو جاتا ہے۔

(بحوالہ تمدن عرب۔ سید علی بگرامی)

Importance

=

اہمیت

اسلام میں قانون میراث کی حقیقت اور اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ وراثت



کی غیر مساویانہ تقسیم سے ہی معاشرے میں بگاڑ اور فساد کی بنیاد پڑتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قوانین سیکھنے کا حکم دیا ہے۔ ارشادِ گرامی ہے :

”وراثت کے قواعد سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ۔ کیونکہ وہ نصفِ علم ہے“ (سراجی)

نیز آپ کا ارشاد ہے کہ اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑنا بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ انہیں نادار چھوڑ دیا جائے اور وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں۔ (بخاری کتاب الصلوٰۃ)۔

درج ذیل چند سطور سے اس کی اہمیت عیاں اور ظاہر ہوتی ہے۔

(۱) جاگیر داری کا سد باب

قانونِ وراثت سے بڑی بڑی جاگیریں اور زمینداریاں قائم نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ جائداد تمام حقداروں میں حصص کے مطابق تقسیم ہوتی رہتی ہے۔ جہاں کہیں اسلامی وراثت کے قوانین پر عمل نہیں کیا جاتا وہاں خرابیاں سر اٹھاتی ہیں۔ پاکستان بننے سے پہلے انگریزی اور رواجی قانون نافذ تھا جس کے باعث جائداد چند ہاتھوں میں مرکوز ہو گئی تھی۔ اور یہی وجہ ہے کہ معاشرہ بہت سی بیماریوں کی لپیٹ میں آچکا تھا۔ اب ماشاء اللہ وہ نقائص آہستہ آہستہ دور ہو رہے ہیں۔

(۲) مساوی تقسیم دولت

دولت کی غیر مساوی تقسیم کی بندش ہو جاتی ہے کیونکہ اراضی مختلف وارثوں میں تقسیم ہوتی رہتی ہے اور کسی ایک فرد کے پاس مجتمع نہیں ہو سکتی۔ اس لیے اس کے پاس مال و زر کے انبار نہیں لگ سکتے۔ لہذا تقسیم وراثت کا قانون موجودہ دور کی برائیوں کو جنم نہیں دیتا۔ ڈاکٹر بان گتازلی نے احکام وراثت کو منصفانہ قرار دیا ہے۔

(۳) باہمی الفت

چونکہ حقداروں میں متوفی کی جائداد منقولہ اور غیر منقولہ شرعی حصوں کے مطابق بٹ جاتی ہے۔ اس لیے ہر حصہ پائیوا رشتہ دار خوش ہو جاتا ہے اور ان کے درمیان باہمی اخوت، ہمدردی اور محبت کے جذبات جلا پاتے ہیں۔ یہ ایک ایسا تحفہ ہے جس سے سارا معاشرہ سکون و طمانیت سے معمور ہو جاتا ہے۔

(۴) پیداوار میں اضافہ

اس قانون کے صحیح نفاذ کی صورت میں جاگیر داری قائم نہیں ہو سکتی۔ بلکہ تقسیم و تقسیم سے بٹ جاتی ہے اس لیے بیکار زمین بیکار نہیں پڑی رہتی اس کا ہر قطعہ آباد ہو جاتا ہے۔ مالکان خوب محنت و



مشقت سے کام کرتے ہیں۔ ملکی پیداوار میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور قوم غذائی صورت حال میں خود کفیل ہونے لگتی ہے۔

(5) عورت کے حقوق کا تحفظ | اسلام ایک ایسا انصاف پسند مذہب ہے جس میں مہر انسان کے حقوق کی حفاظت کی

جاتی ہے۔ عربوں میں رواج تھا کہ جائداد میں سے عورت اور نابالغ بچے کو محروم رکھا جاتا تھا۔ اور انہیں کوئی حصہ وراثت نہیں ملتا تھا۔ اسلامی قانون وراثت نے ہر قسم کی عورت ماں، بیٹی، بیوی اور دیگر بچوں کا باقاعدہ حصہ مقرر کر دیا۔ اس طرح نہ صرف رسومات جاہلیہ کا خاتمہ ہو گیا بلکہ عورت کے حقوق بھی محفوظ ہو گئے۔ اور وہ امن و امان سے زندگی گزارنے کے قابل ہو گئی۔

(6) خوشنودی رب تع | ان قوانین پر صحیح طور پر عمل درآمد کرنے کی صورت میں اللہ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ قطع رحمی سے

ذات کبریا ناراض ہو جاتی ہے۔ اگر وارثوں کو جائز حصوں سے محروم کر دیا جائے تو شریعت محمدی سے انحراف ہو گا۔ اور خداوند تعالیٰ اس سے ناخوش ہوتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ رشتہ داروں کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا جائے۔

(7) جھگڑوں کا خاتمہ | اسلامی قانون وراثت کی صورت میں اکثر خانگی نزاعات اور رنجشیں خود بخود دور ہو جاتی ہیں۔ اس کے مقابلے میں ہم دیکھتے

ہیں کہ دیگر اقوام کے قوانین نامکمل ہیں اور ان سے سارے رشتے دار پوری طرح فائدہ حاصل نہیں کر سکتے۔ اس لیے وہاں جھگڑوں کے پیدا ہونے کا احتمال رہ جاتا ہے۔ مگر یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے۔

(8) روزگار کا ذریعہ | مرنے والے کی میراث میں سے حصہ پانے والے کے لیے ایک قسم کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ فرض کریں کوئی شخص زرعی اراضی

چھوڑ جاتا ہے۔ تو اس کے بیٹے اس میں کاشتکاری کریں گے۔ اس لیے ان کی روزی کا سامان میسر ہو گیا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص نقدی چھوڑ جاتا ہے تو اس سے کوئی کاروبار شارٹ کیا جاسکتا ہے

(9) اصلاحات اراضی کا طریقہ | جہاں قانون وراثت کا عملی نفاذ ہوتا ہے وہاں اصلاحات کرنے کی چنداں ضرورت

نہیں رہتی۔ کیونکہ اراضی تقسیم ہونے کے باعث بڑی بڑی زمیندار می کاروپ نہیں دھاڑ سکتی۔ عموماً ایسے ممالک میں مسئلہ پیش آتا ہے جہاں کے باشندے اس پر عمل پیرا نہیں ہوتے اور حکومت



وقت کو ایسا مسئلہ حل کرنا پڑتا ہے۔

(۱۰) **جائداد کی حفاظت** | چونکہ فوت شدہ شخص کی جائداد اس کے وارثانِ باز گشت میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ اس لیے اس کی نگہداشت

کا سامان بھی مہیا ہو جاتا ہے۔ اور جس مرد یا عورت کا کوئی قریبی رشتہ دار موجود نہ ہو اس کی جائداد بعیدی اقرباء میں تقسیم ہوتی ہے اور وہاں حالات قدرے مخدوش ہو جاتے ہیں۔ مگر ایسے کیس عموماً کم دیکھنے میں آتے ہیں۔

(۱۱) **غریت کا علاج** | میراث کی صحیح تقسیم ایک لحاظ سے ناداری و فلاکت کا بہتر علاج ہے بیت کی جائداد میں سے حصہ پانے والا اپنے

پاؤں پر کھڑا ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ اور وہ اپنی بے کسی اور شکستگی کو دور کرنے کی خاطر اپنی اڑی چوٹی کا زور لگاتا ہے۔ قدرت نے یہ قانون اس لیے بنایا ہے کہ سب کو کام کرنے کے یکساں مواقع فراہم ہوں اور وہ اپنی خداداد صلاحیت و اہلیت کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنے برے دنوں کو اچھے دنوں میں تبدیل کریں۔

(۱۲) **مثالی معاشرہ کی تشکیل** | خدا نے متعال کو اپنی مخلوق نہایت پیاری اور محبوب ہے۔ کیونکہ وہ خالق مطلق اور رزاق

ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ معاشرہ امن، سکون اور خوشحالی سے زندگی گزارے۔ ایک ایسی سوسائٹی جس میں سب کے حقوق محفوظ ہوں۔ کسی کو کوئی خطرہ لاحق نہ ہو۔ ہر ایک اپنے کام اور دام میں مست ہو نیز ان کے مابین کوئی نزاع اور منافرت نہ ہو۔ کیونکہ جھگڑے عام طور پر زن، زمین اور زر کے باعث پیدا ہوتے ہیں۔ اس قانون کے مطابق ہر ایک مناسب حصہ حاصل کرتا ہے اس لیے مثالی معاشرہ بننے کے امکانات زیادہ ہیں۔

(۱۳) **وصیت و قرض کی اہمیت** | اللہ تعالیٰ نے قرآن مقدس میں وراثت کے ساتھ وصیت اور قرض کی ادائیگی کا

حکم دیا ہے بلکہ میراث کی تقسیم سے قبل وصیت کی تکمیل اور ادائے دین کا آرڈر دیا ہے۔ تاہم وصیت تہائی سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا میں مسلمانوں کے لیے ان کی جانوں سے زیادہ عزیز ہوں پس مسلمانوں میں سے جو شخص مر جائے اور اس پر قرض ہو اور وہ اتنا مال چھوڑے کہ نہ مرا ہو جس سے اس کا قرض ادا ہو سکے تو قرض ادا کرنا میرے ذمہ ہے اور جو شخص مال چھوڑے

وہ اس کے وارثوں کا ہے۔ (بخاری و مسلم)



# باب (۱۴)

صحیح

## تجارت = Trade

وسائل معیشت میں سے دوسرا اہم وسیع تجارت ہے۔ اس لئے اس کے ذرائع کی توسیع بھی اقتصادی نظام جزو اعظم ہے اور حکومت کے فرائض میں داخل ہے چنانچہ فقہاء امت فرماتے ہیں:

" تجارت اس دنیا میں معاشی اعمال میں سے سب سے بڑا ذیلیہ معاش ہے اور تمدن و تجارت کے اسباب میں سے سب سے بڑا سبب "

لہذا اسلام نے بھی اپنے معاشی نظام میں اس کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے اس کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ (۱) صحیح اصول تجارت (۲) فاسد اصول تجارت۔ پہلے حصے کے بارے میں وہ افراد ملک و ملت کو ترغیب بھی دیتا ہے اور ان اصولوں کے ماتحت ذرائع اور وسائل تجارت کی توسیع کے لئے آئین و قوانین کا بھی ذکر کرتا ہے اور دوسرے حصہ کی مذمت بھی کرتا ہے اور ان کے انسداد کے لئے احکام بھی بیان کرتا ہے۔

### تجارت کی ترغیب :

اقتصادی نظام کی ترقی و برتری کا راز سب سے زیادہ تجارت میں مضمر ہے جو قوم یا ملت جس قدر اس میں دلچسپی لیتی ہے۔ وہ اسی قدر اپنی اقتصادی بہبود کی زیادہ کفیل بنتی ہے اور جس قوم یا جس ملک کے باشندے تجارت سے دلچسپی نہیں رکھتے وہ اقتصادی نظام میں ہمیشہ دوسروں کے دست نگر رہتے ہیں اور اسی راہ سے دوسری اقوام ان کے تمدن، تہذیب اور سیاست بلکہ مذہب پر قابض ہو جاتی ہے۔ اور ان کو غلام بنا کر مطلق العنانہ حکومت کرتی ہے۔

مشرق و مغرب اور ایشیا یورپ کی موجودہ جنگ و پیکار اور ہوس ملک گیری غیر مذہب ممالک کو مذہب بنانے کے لئے وجود پذیر نہیں ہوئی۔ بلکہ وجود پذیر منڈلیوں کے اضافہ اور اپنے معاشی حالات کو بہتر بنانے کے لئے مظلوموں پر معاشی دستبرد کی خاطر عمل میں لائی جا رہی ہے۔

جس قوم میں تجارت نہیں ہے وہ آج نہیں تو کل ضرور غلام بن کر رہے گی، اور جو ملک تجارت کی برکتوں سے محروم ہے وہ صبح نہیں تو شام تک ضرور قصر ملکیت میں گر کر تباہ ہو جائے گا۔ اسلام



نے اسی لئے بار بار تجارت کی ترغیب دی ہے۔ اس کے فضائل و برکات سنائے۔ دنیوی فوائد بتائے اور دینی بشارتیں سنائیں۔

”جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل کو تلاش اور حاصل کرو۔“

”اپنے اموال کو آپس میں باطل کی راہ سے نہ کھاؤ۔ بلکہ باہمی رضا کے ساتھ تجارت کی راہ سے نفع حاصل کرو۔“ (نساء - ۵)

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَاشٍ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ

ترجمہ: ہم نے تمہارے معاش کے وسائل پیدا کئے۔ تم انہیں تلاش کرو اور اللہ کا شکر بجالاؤ

وَجَعَلْنَا الشَّرَّاءَ مَعًا شًا

تم دن معیشت کی تلاش میں گزار دو تاکہ رات کو آرام کر سکو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ

اے ایمان والو! تم خرچ کرو ان پاک چیزوں میں سے جو تم نے کمائی ہیں۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا: سچے امانت دار تاجر کا درجہ اتنا بلند ہے کہ انبیاء صدیقین، اور

شہیدوں کے زمرہ میں شمار ہوگا۔

آپؐ نے فرمایا جس تاجر نے سچائی، بھلائی اور پرہیزگاری سے منہ موڑا وہ فاسق و فاجر ہے۔

تجارت کے بنیادی اصول:

اسلام کے اقتصادی نظام میں تجارت اور باہمی کاروبار کی صحت اور درستی کا مواد حسب ذیل

اصولوں پر مبنی ہے۔

۱۔ تجارت کا جواز چونکہ باہمی تعاون پر قائم ہے اس لئے تمام معاملات تجارت میں جائز ہیں۔

سے تعاون کا وجود ضروری ہے یعنی یہ نہ ہونا چاہیے کہ متعاقدین میں سے ایک کا زیادہ

زیادہ نفع دوسرے کے زیادہ سے زیادہ نقصان پر موقوف ہو۔

”بھلائی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور ظلم پر سرگشتہ کا باعث ہوتے ہیں۔

کے ساتھ تعاون نہ کرو۔“ (مائدہ - ۱) بارگاہ فاسد و باطل کر کے

حقیقت کا وجود ضروری ہے۔ اضطرا

بجائے



اس کی رضا کی قائم مقام بن گئی ہے۔

” اے ایمان والوں تم آپس میں ایک دوسرے کے مال کو باطل کی راہ سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ تجارت کی راہ سے باہمی رضامندی کے ساتھ معاملہ ہو۔“

(نساء - ۵)

۳۔ اہل معاملہ معاملہ کی اہلیت بھی رکھتے ہوں یعنی عاقل۔ بالغ یا ممیز اور آزاد ہو یعنی نا سمجھ، بچہ۔ مجنون، اور مجبور و مکرہ نہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ” تین شخصوں پر تکلیف شرعی عائد نہیں ہے۔ مجنون پر۔ سونے والے پر، اور نابالغ بچہ پر۔“

۴۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبر اور زبردستی کی بیع کو ناجائز قرار دیا ہے۔ معاملہ میں کسی قسم کا دھوکہ، خیانت، ضرر و نقصان اور مصیبت کا دخل نہ ہو یعنی ان اشیاء کا کاروبار نہ ہو جن کا استعمال شریعت اسلامی نے معصیت اور حرام قرار دیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

” بہترین کسب ” بیع مہرور“ ہے اور دست کاری سے معاش پیدا کرنا۔

آپ نے مزید فرمایا نہ نقصان اٹھانا ہے نہ نقصان پہنچانا۔“

ان اصولوں کے خلاف حسب ذیل اصول تجارت کے مقصد کو فاسد اور باطل کرتے ہیں۔ اسی لئے اسلام کے معاشی نظام میں ان کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ وہ ان اصولوں کے ماتحت کاروبار تجارت کو فاسد اور باطل قرار دیتا ہے۔

۱۔ افزونی مال اور حصول نفع کا ایسا معاملہ جس میں باہمی تعاون قطعاً مفقود ہوا در ایک جانب کا فائدہ دوسری جانب کے یقینی نقصان پر مبنی ہو مثلاً جوا، میسر، لاٹری اور سٹک کے تمام انواع و اقسام اس لئے کہ ان کی بنیاد بلاشبہ الیہ معاملہ پر مبنی ہے کہ متعاقبین میں سے ایک جانب کا نفع دوسری جانب کے سراسر نقصان کا سبب بنتا ہے۔

یہ لوگ آپ سے شراب اور قمار کے متعلق دریافت کرتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے

ان دونوں باتوں میں بہت بڑا گناہ ہے۔“ (بقرہ - ۲۱۷)

” بلاشبہ شراب، جوا مت اور پانسے کا رشیطان ہیں۔ پس ان سے بچو تاکہ

تم کو فلاح نصیب ہو۔“



۲۔ مالی نمو اور حصولِ نفع کا وہ معاملہ جس میں جانبین سے کسی ایک جانب حقیقی رضائے پائی جاتی ہو بلکہ اضطراری اور جبری رضائے کو حقیقی رضائے کے قائم مقام رکھا گیا ہو مثلاً سود یا کسی اجیر کی محنت کے مقابلے میں غیر واجبی اجرت۔

”اللہ نے بیع کو حلال کہا ہے اور سود کو حرام۔“ (البقرہ ۲۸۰-۲۸۱)  
رسول پاک کا ارشاد ہے کہ ناجائز فائدہ نہ اٹھایا جائے۔

۳۔ ایسا کاروبار جو اسلام کی نگاہ میں معصیت ہو مثلاً شراب، مردار، اصنام، خنزیر وغیرہ کی بیع و شراء یا ان اشیاء کی خرید و فروخت جو اپنی ذات میں نجس اور ناپاک ہوں۔  
”اے مسلمانوں! تم پر مردہ، خون اور خنزیر کا گوشت حرام کر دیا گیا ہے۔“  
(مائدہ - ۱)

حضرت جابر رضی فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول پاک ص سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی خرید و فروخت کو حرام کر دیا ہے۔

۴۔ وہ معاملات کہ جن پر جانبین سے عقد ہو جانے کے باوجود بھی نزاع اور منافست کی صورتیں باقی رہیں اور کسی بھی فریق کے لئے ضرور نقصان کا باعث ثابت ہوں۔

۵۔ وہ معاملہ جس میں دھوکا اور فریب مضمر ہو مثلاً ایک شے کی خرید یا فروخت منظور ہے مگر خاص غرض کے ماتحت معاملہ میں اس کا ذکر نہیں کیا گیا اور ایک دوسری شے کے ضمن میں اس کو لے لیا گیا ہے۔ اس طرح کے اگر ضمنی سے جو بہت ناقص ہے یا سب سے بہتر ہے اس معاملہ کے اندر شامل ہوگئی تو معاملہ کرنا معاملہ کے تمام شرائط مکمل ہو جانے کے بعد معاملہ سے انکار کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دھوکے کے معاملہ کو بھی حرام قرار دیا ہے اور کنگری بھینک کر کسی شے کی خریداری کرنے کو بھی بند گانٹھوں کا معاملہ یا کسی شے کو صرف چھوڑ دینے یا کسی شے کو صرف بائع یا مشتری پر ڈال دینے سے بیع و شراء کا معاملہ کر لینے کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ آپ نے معاملہ میں دین میں کھوٹ اور (بد معاملگی) کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے۔

چونکہ یہ اور اسی قسم کے دوسرے معاملات میں یا قمار کے جرائم پائے جاتے ہیں اور یا متعاقبین میں سے کسی ایک کے ضرور نقصان کا باعث بن کر بد معاملگی ”بخش“ اور مناقشہ کا باعث ہوتے ہیں۔

اس لئے اسلام کے معاشی نظام نے اس قسم کے تمام معاملات اور کاروبار کو ناسد و باطل کر کے ممنوع قرار دیا ہے۔



” رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہر سے نکل کر باہر تجارت کے قافلہ سے

جاملنے کو منع فرمایا ہے۔“

اسلام کے اقتصادی نظام میں ایسے تمام تجارتی کاروبار کو ممنوع قرار دیا گیا ہے جن میں قمار کی صورت بن جاتی ہو یا سود کی اور اگر یہ دونوں امور نہ ہوں تو پھر وہ نزاع اور مناقشہ کی شکلیں پیدا کرنے کا باعث اور سبب بنتے ہوں جن سے تعاون باہمی اور ہر دو جانب میں جائز نفع کا فقدان لازم آتا ہے اور بے جان نفع خوری کے لئے راہیں پیدا ہوتی ہوں۔

### تجارت کے عملی وسائل

مادی ترقی کے اس دور میں تجارت کی ترقی و کامیابی میں دو چیزوں کا بہت دخل ہے :

۱۔ شرح تبادلہ۔

۲۔ محصولات درآمد و برآمد۔

اسلامی اقتصادی نظام کے دورِ اوّل میں پہلی چیز کا وجود نہیں تھا۔ اس لئے کہ اس زمانے کی تجارت بیشتر اشیاء کے بدلہ میں اشیاء ہی کے ذریعہ ہوا کرتی تھی اور کہیں کہیں ٹکسالی سکے اور چاندی سونے کی غیر شکوک ڈلیوں کے ذریعے بھی لین دین ہو جاتا کرتا تھا اس لئے تبادلہ سکہ جات کے جو اثرات آج کل کی تجارت پر پڑتے ہیں اور اقتصادی فلاح ہیو دیا تباہی و بربادی لاتے ہیں اس زمانے میں اس کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ البتہ دوسری چیز یعنی درآمد و برآمد پر محصول کا سسٹم اس زمانہ میں رائج تھا۔ اسلام ترجیحی سلوک کا قائل نہیں ہے جس سے ملکوں اور قوموں کے درمیان تجارت کے نام سے معاشی دست برد اور تجارتی حسد بعض پیدا ہونے لگے ہیں ایک کی غلامی اور دوسرے کی آقا ئی یا ایک کی خوشحالی اور دوسرے کی تباہی ظاہر ہو۔ اس لئے اس نے تجارت کے محصولات کے بارے میں کوئی ایسا طریقہ اختیار نہیں کیا جس سے دوسروں کو نقصان پہنچے اور درآمد پر اس قسم کی پابندیاں نہیں جو اس مہذب دور کی حکومتوں نے استحصال بالجبر کے لئے ایجاد کر لی ہیں۔ اس نے نہ تو فطری تقاضا کے مطابق یہی فیصلہ دیا ہے کہ تجارت معاشی ذرائع میں سے ایک بہترین ذریعہ ہے۔ لہذا اس کو اپنے اور پرانے کافرق کے بغیر ٹیکسوں اور محاصل سے معاف رکھا جائے تاکہ خدا کی کائنات کے مختلف حصوں کی مخصوص اشیاء دوسرے حصوں میں آسانی کے ساتھ لی دی جاسکیں اور خدا کی تمام مخلوق محبت کے ساتھ ایک دوسرے کا تعاون حاصل کر سکے اور خالق کائنات کی یہ ساری کائنات ایک برادری اور ایک کنبہ بن جائے لیکن جب تک یہ صورت حال پیدا نہ ہو اس وقت تک اپنی جماعتی زندگی کی فلاح کے



لئے مساویانہ سلوک پر عملدرآمد کیا جائے۔ لہذا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب عراق اور شام کے گورنروں نے یہ اطلاع دی کہ نصاریٰ و یہود کے ممالک میں جو مسلمان تاجر جاتے ہیں۔ ان سے مال تجارت پر محصول لیا جاتا ہے۔ تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی یہ حکم دیا کہ اگر وہ ہمارے ملکوں میں مالی تجارت لے کر آئیں تو جس حساب سے وہ ہمارے تاجروں کو محصول لیتے ہیں۔ اسی حساب سے ان سے بھی محصول لیا جائے اور اس کا اصطلاحی نام عشور رکھا گیا۔

الحاصل اسلام کے معاشی نظام نے تجارت کے بارے میں یہ نظر یہ قائم کیا ہے کہ تجارت اصولاً محاصل کی پابندی سے آزاد ہو۔ در نہ کم از کم سخت پابندیوں۔ سخت ڈیوٹیوں اور سخت محصولات سے بلا مشبہ آزاد ہونی چاہیئے تاکہ دنیا میں عام خوشحالی اور ناریغ البالی پیدا ہو اور ہر شخص کو سامان معیشت مہیا کرنے میں آسانی ہو لیکن اس کے مقابلہ میں تہذیب کے اس دور جدید میں دنیا کی خوشحالی انسانوں کی ناریغ البالی کے لئے کیا کیا سامان فراہم کئے گئے ہیں اور اقتصادیات کو مستقل علم و فن بنانے کے مدعیوں نے دنیا کی اقتصادی بد حالی کو کس حد تک دور کیا ہے؟ اس کا جواب آپ خود دے سکتے ہیں۔

### ✓ تجارتی بد عنوانیوں کا انسداد

تجارت کو اقتصادی نظام کا اہم جز قرار دینے اور اپنے نظام میں تجارتی سہولتیں اور جائز آسانیاں سمجھ پہنچانے کے باوجود اسلام کا اقتصادی نظام ان تمام بد عنوانیوں کا سد باب کرنا بھی ضروری سمجھتا ہے جو درحقیقت اقتصادی نظام کے مقصد اور نصب العین کو تباہ و برباد کرنے کا باعث بنتی ہیں اور تجارت کے نام سے عام بد حالی اور قابل نفرت سرمایہ داری کو فروغ دیتی ہیں۔ اقتصادی نظام کو برباد کرنے اور اس کو کھوکھلا بنانے میں بد عنوانیوں کی جس قدر بھی تفصیلات و جزئیات ہو سکتی ہیں وہ صرف دو بنیادوں پر قائم ہیں۔ اسلام نے اپنی اصلاح میں ان کو دو مخصوص ناموں سے موسوم کیا ہے۔

۱۔ احتکار

۲۔ اکتفا

۱۔

احتکار سے مراد یہ ہے کہ دولت سمیٹ کر کسی ایک ہی طبقہ میں محصور و محدود ہو جائے اور اکتفا کے معنی ہیں کہ دولت کے عظیم الشان خزانے افراد کے پاس جمع ہو جائیں اور ان کے پھیلاؤ اور تقسیم کی کوئی راہ باقی نہ رہے۔ اسلام نہ اس کو منظور کرتا ہے اور نہ اس کو جائز قرار دیتا ہے۔ اس لئے وہ یہ معاشی اور اقتصادی شعبہ میں ان دونوں کے خلاف قانون سازی کے ذریعہ جہاد کرتا اور دونوں راہوں کو بکرتا ہے۔



احتکار کے سلسلہ میں ارشاد نبوی ملاحظہ ہو :

” رسول کریم نے فرمایا کہ احتکار کرنے والا خطا کار ہے اور ایک جگہ فرمایا کہ

اس پر خدا کی پھٹکار ہے۔“

فقہ میں احتکار سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص غلو وغیرہ کو بہت بڑی مقدار میں اس لئے خریدے کہ بازار گراں ہو جائے اور پبلک میں اس چیز کی مانگ کا مرکز صرف وہی بن جائے اور پبلک اس کے مقررہ نرخ پر مجبور ہو جائے اور وہ من مانی گراں فروشی کر سکے۔

اس احتکار کی مثال کے لئے اس زمانہ میں زیادہ دکانوں کی چننا ضرورت نہیں ہے۔

ماجنوں کا گردہ سوج کاشت کاروں کو فرض کے نام سے سود پر روپیہ دے کر ان کی کمائی کو غلہ کی شکل میں دستبرد کرنا اور ان سے ارزاں نرخ پر خرید کر کھیتوں میں بھر رکھنا ہے اور اس طرح ارزاں دگرانی کا فیصل بن جاتا ہے۔ احتکار کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ اس گردہ کے اس عمل سے کاشت کار اور عوام الناس پریشان ہوئے اور بعض مومنوں میں اقتصادی بد حالی کا شکار بنتے رہتے ہیں۔

سودی لین دین کے بعد اگر کوئی معاملہ عام بد حالی کا باعث ہے تو وہ یہی تجارتی کاروبار ہے

جو اجناس و اشیاء کے احتکار کی شکل میں سامنے آتا ہے۔

احتکار کی دوسری جزئی قمار ہے۔ اس سے ہماری مراد صرف جوئے کی وہ عام شکل نہیں ہے

جو نقد کے ذریعہ کھیلا جاتا ہے۔ بلکہ تمام صورتیں اس میں شامل ہیں جو تجارت کے نام سے کی جاتی ہیں لیکن حقیقت میں قمار ہی کی قسمیں کہلاتی ہیں مثلاً سٹو۔ یہ تجارتی جوئے ملک کے اقتصادی نظام کو تباہ اور پراگندہ کرتا ہے اور بغیر محنت نفع حاصل کرنے کے لالچ میں ہزاروں گھروں کو خانماں برباد کر کے چھوڑتا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں اس کی بہت سی شکلیں رائج تھیں۔ اسلام اس قسم کے تمام معاملات کو اصول تجارت کے لئے تباہ کن سمجھتا ہے اور معاشرتی تباہی کا پیش خیمہ یعنی کرتلہ اور ان باتوں کے علاوہ سوسائٹی کے اخلاق اور کیرکٹر کے لئے باعث ذلت و رسوائی جانتا ہے۔ کیونکہ یہ معاملات اکثر جنگ و جدل کا باعث بنتے ہیں۔

اسلام کے اقتصادی نظام میں اس قسم کے تمام تجارتی کاروبار کے لئے مطلق کوئی جگہ

نہیں ہے جو یا صریح ”قمار“ ہوں یا ان کی تہہ میں مالی ترقی کا وہی جذبہ کار فرما ہو جو قمار میں پایا جاتا ہے۔ اور اگر علم الاعتقاد اور علم الاخلاق دونوں کے ماہرین سے اس بارہ میں دریافت کیا جائے تو بغیر کسی اختلاف کے وہ بھی یہی رائے دیں گے۔



تجارتی کاروبار کی بعض اقسام میں بھی سود پایا جاتا ہے مثلاً اگر سکہ کی بجائے جنس کا جنس کے ساتھ تبادلہ مقصود ہے یا چاندی اور سونے کا ہم جنس تبادلہ مطلوب ہے تو ایسی صورت میں سطورہ ذیل پر دو اصول کی پابندی ضروری ہے ورنہ یہ معاملہ سود میں شامل ہو کر حلال سے حرام کی جانب منتقل ہو جائے گا۔

۱۔ اگر ہر دو جانب خرید و فروخت کی شے ہم جنس ہے یعنی سونے کا سونے سے، چاندی کا چاندی سے گہیوں، جو، نمک، کشمش منقہ وغیرہ اشیاء کا ہم جنس شے سے بیع و شراء مطلوب ہے تو کھوٹے اور کھرے، منقوش، کم قیمت و بیش قیمت عمدہ اور ردی کا لحاظ کئے بغیر دونوں جانب ناپ تول میں مساوات بھی واجب ہے اور نقد خریداری بھی واجب و ضروری ہے نہ کی بیشی درست ہے نہ ادھار جائز ہے۔

ب۔ اگر جانبین میں ہم جنس شے نہیں ہے یعنی سونے کا چاندی سے یا چاندی کا سونے سے گہیوں کا جو سے یا جو کا گہیوں سے تبادلہ مقصود ہے تو ایسی حالت میں کمی بیشی تو درست ہے مگر ادھار جائز نہیں ہے بلکہ واجب ہے کہ نقد بیع کے وقت دونوں جانب سے معاملہ بصورت نقد عمل میں آئے۔ اسلام نے سود کو کسی حالت میں بھی برداشت نہیں کیا اور اس کے اقتصادی نظام کے بنائے ہوئے نقشہ میں اس کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے کیونکہ معاشرتی اور اخلاقی تباہ کاریوں کے اسباب و علل میں سے بہت بڑا ذریعہ اور اہم سبب یہی سود ہے۔ اسلام نے صرف سود کی انہی اقسام کو ممنوع قرار نہیں دیا جو زمانہ جاہلیت میں مشرکین عرب کے بیان رائج تھیں یا آج بھی عام طور پر رائج اور مہاجنی سود سے موسوم ہیں بلکہ اس کے متعلق چند اصول بیان کر کے اس کی تمام شکلوں کا بھی سد باب کیا ہے جن کا آخری نتیجہ سود کی طرح بغیر محنت کی کمائی نکلتا تھا اور ان سب کو سود ہی کے احکام میں شامل کر دیا۔

## تجارت میں امداد باہمی کے بہتر طریقے

تجارتی شعبوں میں اسلام مندرجہ ذیل امداد باہمی کے طریقے بیان کرتا ہے :

۱۔ مضاربہ

۲۔ معاوضہ

۳۔ عنان



## ۴۔ مشترک ضائع

۵۔ وجوہ

## مضاربہ

امداد باہمی کے مقاصد کو پورا کرنے کے لئے یہ بہترین طریقہ تجارت ہے۔ مضاربہ ایسے تجارتی معاملہ کا نام ہے جس میں ایک جانب سے سرمایہ ہوتا ہے اور دوسری جانب سے نقطہ محنت ہوتی ہے اور منافع مثلاً نصف نصف یا کم و بیش طے پا جاتا ہے۔

بہت سے ارباب دولت وہ ہیں جن کے پاس سرمایہ کافی ہے لیکن تجارتی کاروبار سے وہ قطعاً نا آشنا ہیں اور بہت سے نادار غریب ایسے پائے جاتے ہیں جن کو تجارتی کاروبار کو دیانت کے ساتھ چلانے کا سلیقہ تو ہوتا ہے مگر وہ سرمایہ سے محروم ہیں لہذا دونوں کو جائز دولت کمانے اور خصوصاً سرمایہ سے محروم کو اپنی محنت کا پھل اٹھانے کے لئے حسن سلوک اور امداد باہمی کا یہ بہترین طریقہ ہے کہ صاحب مال اپنے مال کو اس دوسرے شخص کے تحفظ سرمایہ کے اطمینان کے ساتھ حوالہ کر دے اور اس کو موقع دے کہ وہ کاروبار کر کے خود بھی فائدہ اٹھائے اور اس کو بھی فائدہ پہنچائے۔

اسی طرح ایک بڑے تاجر کا بھی یہ اخلاقی فرض ہے کہ وہ تجارتی کاروبار سے واقف ہونے کے باوجود افراد ملت کو فائدہ پہنچانے کے لئے اپنی پونجی کے ایک حصہ سے مضاربہ کا کام لے۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت سے پہلے شام کی منڈی میں خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے مال میں تجارت اصول مضاربہ پر ہی کی تھی جو ہمیشہ از ہمیشہ نفع کی شکل میں انجام پائی۔

اقتصادی نقطہ نظر سے دیانت دار و سچ دار غریبوں اور کاروباری ضرورت مندوں کی ایسی امداد جو غیور اور باحوصلہ افراد کے لئے قابل عمل اور باعث تسکین ہو۔ مضاربہ سے بہتر دوسرے طریقہ سے ناممکن ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ معاشرت باہمی کی چند قسمیں ہیں۔ ایک ان میں سے مضاربہ ہے۔ وہ یہ کہ مال ایک شخص کا ہو، اور محنت دوسرے شخص کی اور فائدہ مندی طرفین کی تصریح کے ساتھ نفع دونوں کے درمیان ہو۔ اور فقہ کی مشہور کتاب سعیدیات میں ہے۔

مضاربہ لوگوں کی ضروریات کے لئے جائز رکھی گئی ہے۔ اس لئے بعض مالدار کاروبار سے ناواقف اور ناابلد ہوتے ہیں اور بعض غریب کاروبار کے ماہر اور مصالح تجارت سے خوب واقف ہوتے ہیں نیز رسول کریم کی بعثت سے پہلے بھی یہ طریقہ تجارت جاری تھا اور آپ نے اس کو بہتر سمجھ کر



جاری کیا اور صحابہؓ نے اس پر عمل کیا اور حضرت عباسؓ کی شرائط مضاربت کو آپ نے پسند فرمایا۔  
قرآن عزیز میں بھی اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد موجود ہے۔

”اور ایک جماعت ہے جو زمین پھیل پھیل کر اللہ کے رزق کو تلاش کرتی ہے۔“  
یعنی صاحب مال تو مال لگاتے ہیں اور محنت دے اس کے ذریعے سے ملکوں اور شہروں میں  
جا کر تجارت کرتے ہیں۔

گویا اس شکل میں سرمایہ دار کا سرمایہ مفت نہیں بلکہ رحمت بن جائے گا اور نادار کی محنت  
اور کاروباری ہوش مندی اور استعداد ضائع اور رائیگاں ہونے کی بجائے کارآمد اور نفع بخش ثابت  
ہوگی۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ نہ سرمایہ کنز بن کر احتکار و انکساز کا باعث ہو گا اور نہ اصحاب ضرورت  
کی امداد ضرورت پر فصل پڑ سکے گا۔ اور جماعتی زندگی میں نہ فاقہ کش نظر آئیں گے اور نہ قابل  
نفرت سرمایہ دار۔

### معاوضہ :

معاوضہ ایسے تجارتی کاروبار کا نام ہے جس میں کمپنی کے طور پر چند افراد اپنا اپنا سرمایہ مال دیکر  
شریک بن جاتے ہیں اور نفع نقصان میں بھی شریک ہوتے اور ایک دوسرے کے لئے وکیل و فیصل اور اس  
معاملہ کے تمام حالات میں ذمہ دار رہتے ہیں۔ عینان بھی اسی قسم کی ایک خاص شرکت کا نام ہے۔

### شرکت ضائع

اور شرکت ضائع کمپنی کے طرز پر اس قسم کے کاروبار کو کہتے ہیں جس میں چند سہم پیشہ صاحب صفت  
دھرت اپنے حریف کو شرکت کے ساتھ چلاتے اور نفع و نقصان کے شریک ہو جاتے ہیں۔

### شریک وجوہ

شرکت وجوہ اس تجارت کا نام ہے کہ بغیر مال کے چند افراد کے درمیان مساوی عمل و محنت  
اور کسب و اکتساب پر شرکت ہو جاتی ہے اور خرید و فروخت اور نفع و نقصان میں بھی برابر کی  
شرکت رہتی ہے۔

اگر آج یہ تمام صورتیں اپنی پوری آزادی کے ساتھ کسی نظام اقتصادی میں رائج ہو جائیں تو سبکاری  
اور اس کی وجہ سے پیدا شدہ عام افلاس و بد حالی بڑی حد تک رفع ہو جائے اور خوشحالی کا دور واپس آ  
جائے مگر افسوس کہ موجودہ سرمایہ دارانہ نظام کی خرابی نے ان جائز طریقوں کو تباہ و برباد کر دیا اور باہمی تعاون  
و امداد کے ان سادہ اور آسان طریقوں میں بے اعتمادی کا جال بچھا دیا اور اس کی بجائے سودی کاروبار  
تجارت کو فروغ دے کر موجودہ بد حالی یہ کر دی



## نیلام Auction

نیلام کے ذریعے اشیاء کی فروختگی اسلام میں جائز ہے۔

خود آنحضرتؐ نے ہراج یعنی نیلام کے ذریعے اشیاء فروخت کی تھیں مشہور واقعہ ہے کہ ایک انصاری نے رسول کریمؐ کے پاس سوال کیا۔ آپؐ نے دریافت فرمایا ان کے پاس کوئی چیز ہے؟ عرض کیا جی ہاں ایک کبیل ہے جس کا کچھ حصہ پنتا ہوں اور کچھ اوڑھ لیتا ہوں اور ایک پیالہ ہے جس میں پانی پتیا ہوں آپؐ نے فرمایا کہ اسی کو لے آؤ۔ اس کے آنے پر آنحضرتؐ نے اپنے دست مبارک میں دونوں چیزوں کو نیلام کرنا شروع کیا۔ ایک صحابیؓ نے ایک درہم لگایا آپؐ نے فرمایا اس سے زیادہ کوئی دینے والا ہے۔ کسی صحابی نے دو درہم لگائے حضورؐ ان ہی کے حوالے کر دیا۔ (ابوداؤد، ترمذی، سنن ابن ماجہ وغیرہ)۔

اسی طرح رسول خداؐ نے نعیم بن نخام کے ہاتھ ایک شخص کے غلام کو ہراج کے ذریعے فروخت

کیا تھا۔ (بخاری)۔

عام طور پر مال بھی اسی طرح بیچا جاتا تھا۔ موجودہ دور میں بھی نیلامی کی جاتی ہے سرکاری مال

بھی بولی پر فروخت کیا جاتا ہے۔ یہ کوئی نیا طریقہ نہیں ہے۔ بلکہ زمانہ قدیم سے چلا آرہا ہے۔



# باب (۱۵)

Interest

=

سود

سود تیسرے عامل پیدائش سرمایہ کی خدمات کے معاوضہ کا نام ہے۔ بالفاظ دیگر اس سے مراد قومی آمدنی کا وہ حصہ ہے جو سرمایہ (Capital) کے استعمال کے صلہ میں اس کے مالک چاہے ساہوکار ہو، بنکار ہو یا جس کسی نے قرض دے رکھا ہو، کو دیا جاتا ہے۔ عصر حاضر میں اکثر تاجر یا دوسرے کاروباری لوگ بنکوں سے قرضہ لے کر اپنا کاروبار چلاتے ہیں۔ اور اس کے عوض بنک کو سود ادا کیا جاتا ہے۔ بشرح سود مختلف ملکوں میں مختلف ہے حتیٰ کہ بیشتر ممالک اپنے ترقیاتی امور کی انجام دہی کی خاطر دولت مند اقوام سے بھاری قرض لیتے ہیں۔ اور اس کے بدلے سود ادا کیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ ترقی پذیر ممالک کی معیشت پذیر بردست نہ دھڑکتی ہے اور وہ اس مؤذی مرض سے نجات حاصل نہیں کر سکتے۔ اسی طرح کوئی غریب شخص بھی جب اس کا شکار ہو جاتا ہے تو یہ قرضہ سالہا سال بلکہ بعض اوقات تو نسلوں تک چلا جاتا ہے۔ اس کا رواج دور قدیم سے چلا آ رہا ہے۔ اس لیے اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ اس سے ملی نجات کی خاطر کوئی واضح لائحہ عمل مرتب کیا جائے۔

**اقسام** | سرمایہ دار کو سود کی شکل میں جو سرمایہ دیا جاتا ہے اس میں سرمایہ کے استعمال کے علاوہ بعض دوسری ادائیگیاں بھی شامل ہوتی ہیں۔ جو کہ سرمایہ دار چند دیگر خدمات کے بدلے وصول کرتا ہے لہذا اس کی کل رقم کو خام سود کہا جاتا ہے۔ اس میں خالص سود جو صرف سرمایہ کے استعمال کے بدلے وصول ہوتا ہے۔ شامل ہوتا ہے بجز معاوضہ، حساب کی اجرت وغیرہ چند اس کی نہیں ہیں۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ سود کیوں ادا کیا جاتا ہے؟ اس کے بارے میں مغربی مفکرین نے چند نظریات پیش کیے ہیں جن کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔



۱۔ نظریہ انتظار کشی | یہ تصور پر و فیسٹرنے پیش کیا ہے۔ اس کی رائے کے مطابق مشین، آلات اور دیگر سامان خریدنے کے لیے سرمایہ درکار

ہے۔ اور یہ پس اندازی سے حاصل ہوتا ہے۔ بچت کی خاطر کچھ قربانی دینی پڑتی ہے۔ اور خرچ سے گریز ضروری ہے۔ یہ تکلیف دہ عمل ہے اس لیے اس کا صلہ ملنا چاہیے۔ پر و فیسٹرنے نے تکلیف کی بجائے ”انتظار کشی“ کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ بہر طور بات وہی جانتی ہے۔ کہ اس کا معاوضہ سود کی صورت میں ادا کیا جانا چاہیے۔

ب۔ نظریہ معاوضہ وقت | اسے سب سے پہلے جان رائے نے ۱۹۳۸ء میں پیش کیا تھا اور اس کے بعد بام باورک نے مکمل کیا۔ اس نظریہ کی رو سے انسان اپنی موجودہ خواہشات کو مستقبل کی آرزوؤں پر ترجیح دیتا ہے اور اپنی زندگی کا حال ہی میں تصرف چاہتا ہے۔ اس لیے اگر اسے وہ پیسے پانے کی ترغیب دینی ہو تو اسے اصل سے کچھ زائد کا لالچ دینا ضروری ہے۔ یعنی کسی ضرورت مند فرد کو رقم قرض دینے سے قدرے زائد کا مطالبہ سود کی شکل میں کرنا چاہیے۔

ان نظریات سے نتیجہ نکلتا ہے کہ سود ضرور وصول کیا جانا چاہیے۔ اب ایک اور سوال ابھرتا ہے کہ کتنا ادا کیا جانا چاہیے۔ یا دوسرے الفاظ میں ”شرح سود کا تعین“ کیسے ہوتا ہے اس میں بھی چند نظریات پیش کیے جاتے ہیں۔

چند معاشین کی رائے ہے کہ اس کا تعین مجموعی طلب اور مجموعی رسد کے باہمی توازن سے مقرر ہوتا ہے۔ اگر سرمائے کی طلب زیادہ ہو جائے تو شرح سود بھی بڑھ جائے گی۔ اور اگر اس کی رسد میں اضافہ ہو جائے تو شرح سود کم ہو جائے گی۔ مگر کسی ایک ناظم کے لیے شرح سود سرمائے کی مختتم پیداوار  $M P$  کے برابر ہوتی ہے جب ایک ناظم اپنے کاروبار میں سرمائے کی مختلف اکائیاں یکے بعد دیگرے لگاتا جاتا ہے تو سرمائے کی مختتم پیداوار کم ہوتی جاتی ہے جتنی کہ بازار میں مروجہ شرح سود کے مساوی ہو جاتی ہے چنانچہ مزید اکائیاں لگانا بند کر دی جاتی ہیں۔ آخری کی پیداوار مختتم ہوتی ہے۔ اور اسی کے مطابق شرح سود متعین ہوتی ہے۔

رقوم برائے قرضہ کا نظریہ = Law of Fund Theory

اسے نیوکلا کی نظریہ بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی رو سے سود کی شرح قرضہ کی منڈی میں رقوم



برائے قرضہ کی رسد اور طلب کے توازن سے مقرر ہوتی ہے۔ گھریلو بچت، کاروباری اداروں کی بچت سرکاری بچت، دینی اور اعتباری ذریعہ رسد کا انحصار ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کی طلب کا دارو مدار سرمایہ کاری، صرفی مقصد، دینیوں کے لیے، سرکاری مقاصد کے لیے، پر ہوتا ہے۔

## زر نقد یا نقدیت کی ترجیح کا نظریہ = *Liquidity Preference Theory*

اسے زر کی سیال پذیری (LP) بھی کہا جاتا ہے۔ یہ نظریہ لارڈ کنیز *Keynes* نے پیش کیا تھا۔ اس نے ”روزگار، سود اور زر کا عام نظریہ“ ایک معروف کتاب ۱۹۳۶ء میں شائع کی۔ اس میں اپنے عجوبہ تصورات کا اظہار کیا اور معاشیات کو ایک نئے اسلوب سے ہمکنار کیا۔ کھلی معاشیات (Macro BCo.) جو کہ اقتصادی نظریات کا جزو لاینفک بن چکا ہے اسی کی بنیاد منت ہے۔

زر کی رسد سے مراد سکوں، نوٹوں اور عام بنکوں کے آلات اعتبار  $\% C$  کی کل مقدار ہے نیز زر کی طلب سے مراد اس کی سیال پذیری یا نقد صورت میں رکھنا ہے۔ اس نے زر کو نقدیت میں رکھنے کی متعدد وجوہات پر و قلم کی ہیں۔

۹۔ روزمرہ ضروریات کے لیے: عام معاملات یعنی ضروری اشیاء خریدنے کی خاطر لوگ زر کو نقد صورت میں اپنے پاس رکھتے ہیں۔ اسے محرک آمدنی اور محرک کاروبار کے لحاظ سے جانچا جاتا ہے۔

ب۔ ناگہانی ضروریات: *Precautionary Motive*۔ بیماری، ناخوشگوار واقعہ یا کسی اچانک ضرورت کو پورا کرنے کے لیے نقدی کی ضرورت ہوتی ہے۔ کاروباری ادارے اور فرمیں غیر یقینی حالات کے لیے رکھتے ہیں۔

ج۔ تخمینی ضروریات: *Speculative Motive*۔ لوگ سٹہ بازی یا تخمین کے لیے رکھتے ہیں۔ زیادہ منافع کمانے کی خاطر رقم اچانک کاروبار میں لگائی جاسکتی ہے۔ تمسکات بانڈز اور حصص خریدنے کی خاطر نقد میں رکھتے ہیں۔ اگر شرح سود زیادہ ہو تو لوگ نقدیت کو کم ترجیح دیں گے۔ کیونکہ وہ زیادہ رقم قرض پر دے دیتے ہیں یعنی جب سرمائے کی خدمات کے معاوضہ کی شرح زیادہ ہو تو سرمایہ رکھنے کی بجائے فروخت کرنے یا قرض دینے کو ترجیح دیتے ہیں۔ جب شرح سود کم ہو تو لوگ نقدیت کو ترجیح دیتے ہیں کیونکہ قرضہ سے زیادہ کمائی نہیں ہو سکتی۔ زر کی طلب کا دار و مدار معاشرہ کی نفسیات پر ہوتا ہے۔ شرح سود اور آمدنی کا معیار اسے متاثر کر سکتے ہیں



آمدنی یکساں رہنے سے کمتر شرح سود پر زیادہ زر اپنے پاس رکھتے ہیں شرح سود یکساں ہونے سے اور آمدنی بڑھنے سے زر کی طلب میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس کے برعکس شرح سود متعین ہونے سے زیادہ آمدنی پر طلب بھی زیادہ ہوتی ہے۔ اگر آمدنی کا معیار ایک جیسا رہے سود گر جائے تو طلب میں اضافہ ہوتا ہے۔ چنانچہ شرح سود ایک جانب نقدیت اور دوسری طرف زر کی مقدار یعنی طلب اور رسد کے باہمی توازن سے مقرر ہوتی ہے۔

مگر ساتھ ہی لارڈ کینز نے سود کی خرابیوں کی بھی نشاندہی کی ہے جس سے اسلامی نقطہ نظر کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس کے خیالات کے مطابق ”دنیا کی تمام تکالیف یہاں تک کہ بیروزگاری بھی صرف سود خواری کا نتیجہ ہیں۔ معاشی معاشرہ جس میں ہم گنہگار رہتے ہیں اس کے نمایاں نقائص یہی ہیں کہ وہ مکمل روزگار فراہم کرنے میں ناکام رہا ہے۔ اور اس میں تقسیم دولت آمدنی کی بے اصولی عدم مساوات بھی موجود ہے۔ ہم تب تک نہیں کہ مؤثر پس اندازی کا پھیلاؤ اسی تناسب سے ہوتا ہے جس تناسب سے کاروبار میں روپیہ لگایا جاتا ہے۔ نیز ادنیٰ شرح سود سے اصل کی مقدار میں اضافہ ہوتا ہے۔ پس یہ ہمارے لیے مفید ہوگا کہ شرح سود کو اس نقطہ تک گھٹا دیا جائے جہاں پر اصل کی کارکردگی اس طور پر ختم ہو کہ اس سے مکمل روزگار فراہم ہوتا ہو۔ سود کی صورت میں معاوضہ باقی نہ رکھنے کو عملی طور پر ہمیں نصب العین بنانا چاہیے کہ اصل کی مقدار میں اس قدر اضافہ کیا جائے کہ بیکار بیٹھ کر روپیہ لگانے والے کو زائد منافع یعنی سود نہ ملے۔ اس کے بیان کے مطابق ایک اچھے کھاتے پیتے گھرانے میں شرح سود کو صفر تک کم کیا جاسکتا ہے۔ اس کے ساتھ اس نے تسلیم کیا ہے کہ کاروبار کے ذریعے لوگ دولت کما سکتے ہیں۔ اگر اصل کی کارکردگی ختم MECE صفر ہو تو سرمایہ دارانہ معاشرہ کی متعدد خرابیوں کا ازالہ ہو سکتا ہے۔ یہ اس وقت ممکن ہے جب اصل کو وافر بنا دیا جائے جب مجتمع دولت سے شرح واپسی مفقود ہو جائے گی تو اس سے عظیم معاشرتی تبدیلیاں رونما ہوں گی اور اس کے بعد ہر فرد آزاد ہوگا اپنی کمائی ہونی شروع کرے گا اس خیال سے بچانے کہ وہ اسے مستقبل میں صرف کرے گا۔



## روزگار، سود اور زر کا عام نظریہ (لارڈ کینز)

(General Theory of Employment, Interest and money - Keynes)

اسلام کے مطابق حقیقی شرح سود صفر کے برابر ہوتی ہے، اس لحاظ سے کینز کا نظریہ اس کے بہت ہی قریب ہے۔ یہ درست ہے کہ اگر سود کی لغت کو ختم کر دیا جائے تو معاشرہ سکون و اطمینان کا سانس لے گا۔ اور بیشتر برائیاں خود بخود ختم ہو جائیں گی۔

صفحہ اول کا ایک ماہر اقتصادیات یہ سوال دریافت کرتا ہے کہ ”کیا سود سے پاک معاشرہ اگر اس کا حصول طویل مدت تک پس پشت نہ ڈال دیا جائے تو اشتراکیت کا نعم البدل نہیں ہے؟“  
(ہیرڈ - ڈینامک اکنامکس ۱۹۶)

ایک اور معیشتدان (Economist) پروفیسر کیوری ہارڈ (Kurihara) سود ختم ہونے کے جن نتائج کی نشاندہی کرتا ہے ان کی ترتیب کچھ اس طرح بنتی ہے۔

- ۱۔ نفع کی سطح بہت نیچے آجائے گی اور آجر کی محنت صحیح قیمت سے تجاوز نہیں کر سکے گی۔ یعنی سود کے باعث ہی زیادہ پرافٹ حاصل ہوتا ہے۔ اس کے خاتمہ سے یہ کم ہو جائے گا۔
- ۲۔ ہر فرد کو مسلسل روزگار مل سکے گا۔ (اگرچہ یہ گارنٹی نہیں ہے کہ ہمیشہ روزگار فراہم ہو سکے۔ کیونکہ بعض اوقات معاشی تغیرات کے بموجب عارضی پروژہ کاری ہو سکتی ہے تاہم اسے درست کیا جاسکتا ہے اور حکومت وقت مناسب اقدام اٹھا کر بندوبست کر سکتی ہے) (راقم الحروف)
- ۳۔ اشیاء کی قیمتیں گر کر ان کے بنانے کی اجرت (بشمول آجر کی مزدوری) کی سطح پر آجائیں گی۔
- ۴۔ مزدوروں کی اجرت میں اضافہ ہو جائے گا۔

۵۔ دولت کی تقسیم کام کی ماہیت، نوعیت اور مقدار کے مطابق ہو سکے گی۔

..... (کیوری ہارڈ - - - - - پوسٹ کینزن اکنامکس - - - - -)

سود کے فوائد | اگرچہ سود ایک بُری چیز ہے تاہم اس کے کچھ فائدے بھی ہیں جن کے باعث یہ زیادہ مقبولیت حاصل کر چکا ہے یہ ایک

معاشی ضرورت ہے۔ اور اس کے دکلا، حسب ذیل فائدے گنوائے ہیں۔

۱۔ انسانی معیشت کا سارا کاروبار سرمائے کے اجتماع پر مبنی ہے۔ اور سرمائے کا جمع ہونا اس



کے بغیر ممکن نہیں کہ لوگ اپنی خواہشات و ضروریات پر پابندیاں عائد کریں اور اپنی آمدنی میں سے کچھ حصہ پس انداز کر لیں۔ گویا فاضل آمدنی کو محفوظ کرنے کا طریقہ سود کے لاپٹ کے موجب ہوگا۔ اس لیے سود ضروری ہے۔

2۔ بچت کردہ سرمایہ کاروباری لوگوں کے حوالے کیا جاتا ہے جو تجارت اور دیگر کاروبار میں لگا کر ملکی پیداوار اور ملی دولت میں اضافہ کرتے ہیں۔ سود کے بند کر دینے سے نہ صرف روپیہ جمع کرنے کا ایک محرک غائب ہو جائے گا بلکہ جو تھوڑا بہت سرمایہ جمع ہو گا وہ بھی کاروبار میں صرف ہونے کے بعد میسر نہ ہو سکے گا۔

3۔ سود سرمایہ کے غیر مفید استعمال کو روکتا ہے۔ اور شرح سود وہ چیز ہے جو بہترین طریقہ سے خود بخود اس امر کا انتظام کرتی رہتی ہے کہ سرمایہ زیادہ بار آور سکیموں اور منصوبوں پر لگایا جائے۔ تاکہ نفع زیادہ سے زیادہ حاصل ہو سکے۔

4۔ قرض انسانی زندگی کی ناگزیر ضروریات میں سے ایک ہے۔ افراد کو اپنے ذاتی معاملات کی خاطر اس کی ضرورت پیش آتی ہے۔ کاروباری لوگوں کو بھی اس کی حاجت رہتی ہے اور حکومتوں کا کاروبار بھی اس کے بغیر نہیں چل سکتا۔ کیونکہ بہت سے غریب ملک ترقی یافتہ ممالک سے بھاری قرضے سود پر حاصل کر سکتے ہیں۔ اتنا کثیر زر بغیر سود کے حاصل کرنا ممکن نہیں۔ سود کے نہ رہنے سے قرضوں کی ہم رسانی رک جانے سے معیشت پر بہت بُرے اثرات پڑیں گے۔ بلکہ ترقی رک جانے کا احتمال پیدا ہو جائے گا۔

5۔ سود کی بندش سے بنکوں کے وسیع کاروبار کے شدید متاثر ہونے کا خطرہ ہے کیونکہ موجودہ دور میں بنکوں کے بغیر گزارہ کرنا دشوار اور مشکل ہے۔

سود کو ایک معقول چیز قرار دینے کے لئے جو کمال کافی سمجھ لئے جاتے ہیں ذرا گہرائی میں جاتے ہی ان کی کمزوری کھلنی شروع ہو جاتی ہے۔

۱۔ سود کے حق میں جو پہلی دلیل دی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ اس خطرے کا معادضہ ہے جو دائن نے اپنا مال دوسرے کے حوالے کر کے برداشت کیا اور اس امر کا معاملہ بھی ہے کہ رائن نے اپنی محنت سے کمائی ہوئی دولت خود استعمال کرنے کی بجائے دوسروں کو دے دی۔ جب مدیون اس کی دی ہوئی دولت سے فائدہ اٹھا رہا ہے تو آخر دائن اس نامدے میں کیوں نہ حصہ پائے۔ اس تو جبر کا یہ حصہ بالکل درست ہے کہ قرض دینے والا اپنا مال دوسرے کے حوالے کرنے میں خطرہ بھی مول لیتا ہے اور اتنا رکھ کر تا ہے



لیکن اس سے یہ نتیجہ کیسے نکالا جاسکتا ہے کہ وہ خطرے اور اثبات کی قیمت پانچ یا دس فیصدی سالانہ یا ششماہی کے حساب سے وصول کرنے کا حق رکھتا ہے۔ خطرے کی بنیاد پر جو معقول حقوق اسے پہنچے ہیں۔ وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہیں کہ وہ مدیون کی کوئی چیز رہن رکھ لے یا اس کی کسی چیز کی کفالت پر قرض دے اگر وہ معاوضے کی بات کرتا ہے تو پھر اثبات کا ذکر نہ کرے بلکہ سیدھی طرح سوداگری کرے۔ اثبات تو اسی وقت تک اثبات ہے جب تک کہ وہ کاروبار نہ ہو۔ آدمی کو اثبات کرنا ہو تو پھر اثبات ہی کرے۔

دوسری دلیل جو اس کے حق میں دی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ ”یہ موقع و مہلت کا معاوضہ“ ہے لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کے پاس یہ حساب لگانے کا کیا ذریعہ ہے کہ وقت جس کے دوران میں وہ مدیون کو اپنے روپے کے استعمال کی مہلت دے رہا ہے۔ لازماً ہر مہینے اور ہر سال اتنا نفع لاتا رہے گا۔ لہذا ماہوار یا سالانہ قیمت یہ قرار پانی چاہیے۔ ان سوالات کا کوئی معقول جواب حامیان سود کے پاس نہیں ہے۔ اس لئے بات پھر وہیں آجاتی ہے۔ کاروباری معاملات میں اگر کوئی چیز معقول ہے تو وہ صرف نفع نقصان کی شرکت اور متناسب حصہ داری نہ کہ سود جو کہ ایک متعین شرح کے ساتھ عائد کر دیا جائے۔

ایک دلیل یہ دی جاتی ہے کہ سود دائن کا ”نفع آدری“ میں حصہ ہے۔ اول تو یہ دعویٰ ہی غلط ہے کہ سرمائے میں نفع آدری نام کی کوئی صفت پائی جاتی ہے۔ یہ صفت تو اس میں صرف اس وقت پائی جاتی ہے جب یہ کسی کام میں لگایا جائے۔ دائن نفع اس صورت میں تو مانگ سکتا ہے۔ جب مدیون اس سے نافع کام لے رہا ہے۔ مگر جو شخص بیماری میں علاج پر کسی تجہیز و تکفین کے لئے قرض لے رہا ہے تو پھر اس کے پاس یہ سرمایہ کوئی معاشی قدر پیدا نہیں کرتا جس میں حصہ باٹنے کا حق رائن کر سہجیا ہو۔ پھر جو سرمایہ نفع آدر کاموں میں لگایا جاتا ہے وہ بھی لازماً زیادہ قیمت ہی پیدا نہیں کرتا۔ بعض اوقات کاروبار میں زیادہ سرمایہ لگا دینے سے نفع بڑھنے کی بجائے گھٹ جاتا ہے۔ اس لئے نقصان کی نسبت آجاتی ہے اور اگر سرمائے میں نفع آدری کی کوئی صفت ہے بھی تو اس کا وجود میں آنا بہت سی دوسری چیزوں پر بھی منحصر ہے۔ مثلاً محنت، ذہانت، تجربہ کاری اور ایسے ہی دوسرے امور نفع بخشی کی لازمی شرائط ہیں ان میں سے کوئی ایک شرط بھی نہ پائی جائے تو بسا اوقات سرمائے کی ساری نفع بخشی ختم ہو جاتی ہے۔ بلکہ نقصان میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

سود کے حامیان کا خیال ہے کہ معاشی زندگی کے لئے افراد کی کفایت شعاری اور زراعت و زری کو مفید اور ضروری چیز سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ ساری معاشی ترقی و خوشحالی اس پر منحصر ہے کہ جتنا سامان پیدا کیا جائے جو جلد از جلد فروخت ہو جائے۔ یہ اس صورت میں ہو سکتا ہے جب لوگ اس بات کے



عادی ہوں کہ جتنی دولت کمائیں اسے صرف کرتے رہیں۔ حاسیان سود کے نزدیک کفایت شکاری کا فائدہ یہ ہوگا کہ سرمایہ اکٹھا ہو کر ترقی کے لئے بہم پہنچ سکے گا۔ لیکن درحقیقت اس کا نقصان یہ ہوگا کہ اس وقت جو مال موجود ہے اس کا بڑا حصہ بیکار پڑا رہ جائے گا۔ مال کی کھپت کم ہونے سے روزگار میں کمی ہو جائے گی۔ اس سے آمدنیوں میں کمی ہوگی اور پھر اموال تجارت کی کھپت میں مزید کمی رونما ہوتی چلی جائے گی۔

سود کا ایک فائدہ یہ بتایا جاتا ہے کہ اس کے دباؤ کی وجہ سے کاروباری آدمی مجبور ہوتا ہے۔ کہ سرمائے کے فضول استعمال سے بچے اور اس کو زیادہ سے زیادہ نفع بخش طریقے سے استعمال کرے لیکن دراصل سود نے پہلی خدمت تو یہ انجام دی کہ فائدے اور منفعت کی تمام دوسری تعبیریں اس کے فیض سے متردک ہو گئیں اور ان الفاظ کا صرف ایک ہی مفہوم باقی رہ گیا یعنی "مالی فائدہ" اور "مادی منفعت" پہلے سرمایہ ان راستوں پر بھی چلایا جابایا کرتا تھا جن میں مالی فائدے کے سوا کسی اور قسم کا فائدہ ہوتا تھا۔ مگر اب وہ سیدھا ان راستوں کا رخ کرتا ہے۔ جدھر مالی فائدے کا یقین ہوتا ہے۔

بلاشبہ قرض انسانی زندگی کی ضروریات میں سے ہے لیکن یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ سود کے بغیر قرض کی بہیم رسانی غیر ممکن ہے۔ دراصل یہ صورت حال کہ افراد سے لے کر قوم و ملک تک کسی کو بھی ایک پیسہ بلا سود قرض نہیں ملتا اس وجہ سے پیدا ہوئی ہے کیونکہ سود کو قانوناً جائز کر رکھا ہے۔ اگر اسے حرام کر دیا جائے اور معیشت کے ساتھ اخلاق کا بھی وہ نظام اختیار کیا جائے جو اسلام نے تجویز کیا ہے تو پھر شخصی حاجات اور کاروبار اور اجتماعی ضروریات ہر چیز کے لئے بلا سود قرض ملنا شروع ہو جائے گا۔

روشن پہلو دیکھنے کے بعد اب تاریک پہلو کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

## نقصانات

اس کے بڑے بڑے نقصانات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ اخلاقی و روحانی نقصانات

اخلاق اور روح ہی انسانیت کا جو بزرگ ترین ہے اگر کوئی چیز اسے نمایاں کاری سے ہمکنار کرے

تو وہ قابل ترک ہے۔ اور اس کا استعمال شجر ممنوعہ کے مترادف ہے۔ اس سے بخل، خود غرضی، سنگدلی، تنگ نظری، اور زبردستی جیسی بری عادات پر دان چڑھتی ہیں۔ اس کے برعکس محمد بشری، فیاضی، ہمدردی، فراخ دلی، عالی ظرفی اور خیر اندیشی سے انسان محروم ہو جاتا ہے۔ جب ایسی صفات عالیہ موجود نہ ہوں تو معاشرہ عدم اطمینانی اور اضطراب کا شکار بن جاتا ہے۔

۲۔ تمدنی اور اجتماعی نقصانات

جس معاشرے میں خود غرضی، حرص و آنز جیسی بیماریاں جنم لیں ایک دوسرے سے ہمدردی



و موانست کا جذبہ موجود نہ ہو بغیر ذاتی فائدے کے ایک دوسرے کی حاجت برکاری نہ کی جائے  
تو ایسی سوسائٹی مستحکم و مضبوط نہیں ہو سکتی۔ سارا معاشرہ ایک دوسرے سے باہم بے سرپرست رہے گا۔ اس  
طرح تہذیب و تمدن کو اجتماعی طور پر نقصان پہنچے گا۔ لوگ محرومی اور حرمان نصیبی کا ہدف بنیں گے۔  
گویا اس طرح ایک قوم دوسری قوم اور ایک ملک دوسرے ملک کے ساتھ اخلاص، اور خیر خواہی سے  
پیش نہیں آئے گا۔

چرچل جیسے امریکہ پسند شخص کو مجبوراً کہنا پڑا ”یہ غیہ پن کا بڑا دُجو ہمارے ساتھ ہوا ہے مجھے  
اس کی گہرائی میں بڑے خطرات نظر آتے ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ اس کا ہمارے باہمی تعلقات پر  
بہت برا اثر پڑا ہے“

اسی طرح ڈاکٹر ڈالٹن نے کہا ”بھاری بوجھ لادے ہوئے ہم جنگ سے نکل رہے ہیں۔ ساری  
ان قربانیوں اور جفا کشیوں کا بڑا ہی عجیب صلہ ہے جو ہم نے مشترکہ مقصد کے لیے برداشت کیں اس  
نیرالے تمام طریقہ انعام پر آئندہ زمانے کے مؤرخین سی کچھ بہتر رائے زنی کر سکیں گے۔۔۔۔۔۔۔۔  
ہم نے درخواست گزار ہی تھی کہ قرض حسنہ دیا جائے مگر جواب میں کہا گیا یہ عملی سیاست نہیں ہے“  
اس کا تعلق زندگی کے ان معاملات سے ہے جو کسی نہ  
کسی طور پر قرض کا لین دین سمجھتا ہے۔ قرض عموماً تین قسم

### 3۔ معاشی نقصانات

کے ہوتے ہیں۔

ا۔ حاجتمند لوگ اپنی ضروریات کے لیے لیتے ہیں۔

ب۔ تجارت، صناع اور لینڈ لارڈ لیتے ہیں۔

ج۔ حکومتیں اندرون ملک اور بیرون ملک قرض لیتی ہیں۔

۱۔ حاجتمند لوگ مہاجن سے یا بنکوں سے قرض لیتے ہیں۔ یہ ایک عالم گیر مسئلہ ہے اس میں  
بہت زیادہ شرح سود رائج ہے۔ پورانے وقتوں میں مختلف شرح ہوتی تھی چونکہ قرض لینے  
کا کوئی منظم ادارہ نہیں ہوتا تھا۔ اس بھاری شرح سود سے نجات پانا مشکل ہے۔ امریکہ میں مہاجنوں کے  
لیے 30 سے 60٪ سالانہ قانوناً مقرر ہے۔ انگلستان کا عام کاروبار 250 تا 400 فیصد سالانہ  
تک چلتا ہے۔ اس خطہ ارضی میں بھی 300 تا 350٪ سالانہ تک مثالیں پائی گئی ہیں۔ البتہ اب سرکاری  
ادارہ 8٪ تا 12٪ سالانہ تک قرضے فراہم کر دیتے ہیں۔ اس بلانے ملک میں غریب اور متوسط الحال طبقوں  
کی اکثریت بری طرح چنسی ہوئی ہے۔ اور بھاری شرح سود کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مقرض اس سے جان



بشکل چھڑا سکتا ہے۔

- 2۔ اس طرح غریب طبقہ کی قوت خریداری بھی سود خوار چھین لیتا ہے۔ اشیاء کی خرید و فروخت کم ہوتی ہے گویا معیشت کی ترقی کو دھچکا لگتا ہے۔
- 3۔ جب شرح سود اور سود کو قانونی تحفظ حاصل ہو تو سرمایہ دار کاروبار کرنے کی بجائے قرضے دیتے ہیں۔ چونکہ انہیں بیٹھے بٹھائے بغیر محنت کے مفت آمدنی ہو جاتی ہے۔ سوسائٹی کے معاشی عمل میں ایک غیر فطری عامل گھس جاتا ہے جو تمام عالمین پیدائش کے برعکس اس پورے عمل کی بھلائی برائی سے کوئی سروکار نہیں رکھتا۔ کیونکہ اسے ہر حال میں سود مل جائے گا۔ کاروباری شخص کو چاہئے نفع ہو یا نقصان ہو۔
- 4۔ سرمائے کا ایک معتد بہ حصہ ببااوقات، محض شرح سود چڑھنے کے انتظار میں رکھا رہتا ہے اور کسی مفید کام میں صرف نہیں ہو سکتا۔ بادیو ویکہ قابل استعمال وسائل بھی موجود ہوتے ہیں۔ روزگار کے طالب بھی اکثر مارے مارے پھرتے ہیں مگر سزید دستیاب نہیں ہوتا۔ مندیوں میں حقیقی طلب کے مطابق مال کی کسپت نہیں ہوتی۔
- 5۔ شرح سود کے لالچ کے موجب سرمایہ دار طبقہ سرمائے کے بہاؤ کو اپنی ذاتی اغراض اور مفاد کی خاطر کھولتا اور روکتا رہتا ہے۔
- 6۔ تجارت و صنعت کا نظام ایک ہوا و طریقہ سے چلنے کی بجائے تجارتی چکر کا شکار ہو جاتا ہے۔ کساد بازاری کا دور دورہ ہوتا ہے
- 7۔ سرمایہ مصالح عامہ کی بجائے دیگر کاموں پر صرف ہوتا ہے اس طرح ترقیاتی امور رک جاتے ہیں کیونکہ ان کی طرف کم توجہ ہوتی ہے۔
- 8۔ سرمایہ دار طویل مدت کے لیے قرض دینے سے اجتناب کرتے ہیں اس لیے اہل صنعت و حرفت بھی اپنے سارے کاروبار میں تنگ نظری و کم حوصلگی کا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔
- 9۔ لمبی مدت کے قرضوں کے لیے ایک شرح سود ابتدا میں مقرر کر دی جاتی ہے۔ اسے باقاعدہ اقساط ادا کرنی پڑتی ہیں۔ اگر تمہیں گرجائیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس فرد کو اقساط ادا کرنے کی خاطر زیادہ مال بیچنا پڑے گا۔ اسی طرح اگر گرائی ہو جائے تو سود خوار کو خسارہ ہوگا۔
- 10۔ حکومتوں کے قرضوں کی صورت میں غیر ممالک ان قرضوں کے باعث سیاسی مفاد حاصل کرتے ہیں اور بعض اوقات ملکی سالمیت اور قومی سلامتی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔



- ۱۱۔ سرکاری اداروں سے لیا ہوا قرض واپس نہ ہو سکنے کی صورت میں مقروض کی جائداد وغیرہ قرق کر لی جاتی ہے۔ اور اس طرح وہ اپنی قلیل آمدنی سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ بعض اوقات وہ زمین یا مکان نیلام کر دینے جاتے ہیں جو قرض کے عوض رہن رکھے جاتے ہیں۔
- ۱۲۔ گردش زر رک جانے سے اترکار دولت پیدا ہوتا ہے اور معاشرہ گمراہوں میں بٹ جاتا ہے۔ قرآن مجید میں سود کے لئے ”ربواہ“ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس کا مادہ ”رب و“ ہے جس کے معنی ہیں زیارت
- ربو سے مراد مال کی زیادتی اور اس کا اصل سے بڑھ جانا ہے۔ چنانچہ اس کے معنی کی تصریح بھی خود قرآن میں کر دی گئی ہے۔

”اور جو کچھ تمہارا سود لوگوں پر باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اور اگر تم توبہ کر لو تو تمہیں اپنے اس مال لینے کا حق ہے۔“

”اور جو سود تم نے دیا ہے تاکہ لوگوں کے اموال بڑھیں اللہ کے نزدیک اس سے مال نہیں بڑھتا۔“

ان آیات سے صاف ظاہر ہے کہ اصل رقم پر جو زیادتی ہوگی وہ ربوا کہلائے گی لیکن قرآن مجید نے مطلق پر زیادتی کو حرام نہیں ٹھہرایا۔ زیادتی تو تجارت میں بھی ہوتی ہے۔ قرآن جس زیادتی کو حرام قرار دیا ہے وہ ایک خاص قسم کی زیادتی ہے اسی لئے اس کو ”الربو“ کے نام سے یاد کرتا ہے۔

پس سود کی تعریف یہ قرار پائی کہ قرض میں دیئے ہوئے اس مال پر جو زائد رقم شرط اور یقین کے ساتھ کی جائے وہ سود ہے۔ اس المال پر اضافہ، اضافہ کا تعین مدت کے لحاظ سے کیا جانا اور معاملہ میں اس کا مشروط ہونا یہ تین اجزائے ترکیبی ہیں جن سے سود بنتا ہے اور ہر وہ معاملہ قرض جس میں یہ تینوں اجزاء پائے جاتے ہوں ایک سودی معاملہ ہے۔ قطع نظر اس کے کہ قرض کسی بار آور کام میں لگانے کے لئے لیا گیا ہے یا کوئی شخص ضرورت پوری کرنے کے لئے اور اس قرض کا لینے والا امیر ہے یا غریب۔

سود کے اسلامی تصورات

اسلام نے سود کو مطلقاً حرام قرار دیا ہے۔ اسے جا بجا قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ بیان کیا

ہے۔ قرآنی آیات ملاحظہ ہوں۔

يَمْنَعُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُزِيلُ الصَّدَقَاتِ (البقرہ : ۲۷۶) اللہ تعالیٰ سود کو



مٹاتا ہے اور خیرات بڑھاتا ہے۔

وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا ..... وَإِنْ تَبُتُمْ فَلَكُمْ رُؤُوسُ أَمْوَالِكُمْ  
اور جو کچھ تمہارا سود لوگوں پر باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو ..... اور اگر تم تو بہ کر لو تو تمہیں  
اپنے اس المال (اصل رقم لینے کا حق ہے۔

وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ رَبٍّ لَيْزُبُو فِي أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَزُبُو عِنْدَ اللَّهِ  
اور جو سود تم نے دیا ہے تاکہ لوگوں کے اموال بڑھیں تو اللہ کے نزدیک اس سے مال نہیں بڑھتا۔  
(الروم: 39)۔

ان آیات سے صاف عیاں ہے کہ اصل رقم پر جو زیادتی بھی ہوگی وہ ”ربو“ کہلانے گی۔  
مگر قرآن کریم نے ہر زیادتی کو حرام نہیں کیا ہے۔ زیادتی تجارت میں بھی ہوتی ہے۔ حرام ہونے والی  
زیادتی ایک خاص قسم کی ہے۔

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ  
الرِّبَا۔ (البقرہ: 38)۔ سود خواروں کا یہ حشر اس لیے ہوگا کہ انہوں نے کہا بیع بھی ”الربو“ کے  
مانند ہے۔ حالانکہ رب نے بیع کو حلال اور سود کو حرام ٹھہرایا۔

یہ ایک خاص قسم کی بڑھوتری کا نام تھا۔ لہذا اسے حرام کر دیا گیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً وَاتَّقُوا  
اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔ (العمران: 130)۔ اے ایمان والو! سود مت کھاؤ دُونے پر دونا  
اور اللہ سے ڈرو تاکہ تمہارا بھلا ہو۔

زمانہ جاہلیت کا ربو | عربوں کے ہاں اسلام سے قبل ”الربو“ کا اطلاق جس طرز  
معاملہ پر ہوتا تھا۔ اس کی متعدد صورتیں روایات میں

آئی ہیں۔

مجاہد کہتے ہیں۔ جاہلیت کا ربو یہ تھا کہ ایک شخص کسی سے قرض لیتا اور کہتا کہ اگر مجھے اتنی مہلت  
دے تو میں اتنا زیادہ دوں گا۔ (ابن جریر)۔

ابو جرحبصا ص کی تحقیق یہ ہے کہ اہل جاہلیت ایک دوسرے سے قرض لیتے تو باہم یہ طے ہوتا  
کہ اتنی مدت میں اتنی رقم اصل مال سے زیادہ ادا کی جائے گی۔ (احکام القرآن)

قتادہ کہتے ہیں۔ جاہلیت کا ربو یہ تھا کہ ایک شخص ایک شخص کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کرتا



اور ادائے قیمت کے لیے ایک وقت مقررہ تک مہلت دیتا۔ اگر وہ مدت گزر جاتی۔ اگر وہ قیمت ادا نہ ہوتی تو پھر وہ مزید مہلت دیتا اور قیمت میں اضافہ کر دیتا۔

امام رازیؒ کی تحقیق میں اہل جاہلیت کا یہ دستور تھا کہ وہ ایک شخص کو معین مدت کے لیے روپیہ دیتے اور اس سے ماہ بہ ماہ ایک مقررہ رقم سود کے طور پر وصول کرتے رہتے۔ جب وہ مدت ختم ہو

جاتی تو مدیون سے اس المال کا مقابلہ کیا جاتا اگر وہ ادا نہ کر سکتا تو پھر ایک نرید مدت کے لیے مہلت دی جاتی اور سود میں اضافہ کر دیا جاتا۔ کاروبار کی صورتیں عرب میں رائج تھیں۔ (تفسیر کبیر) انہی کو اہل عرب "الرہو" کہتے اور وہ چیز تھی جس کی تحریم کا حکم کتاب الہی میں نازل ہوا۔

ان دونوں میں بہت زیادہ فرق ہے۔ بائع ایک شے کو فروخت کے لیے پیش کرتا ہے مشتری اور بائع کے

## بیع اور رہو میں فرق

درمیان اس شے کی ایک قیمت مقرر ہو جاتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں رہو یہ ہے کہ ایک شخص اپنا اس المال ایک دوسرے شخص کو اس شرط پر قرض دیتا ہے کہ اتنی مدت کے بعد اصل رقم سے اتنی زیادہ لوں گا۔ یہاں مہلت کے مقابلے میں وہ زائد رقم ہے جو پہلے ہی مقرر کر لی جاتی ہے۔ پس سود اس المال پر مدت کے مقابلہ میں شرط اور تعین کے ساتھ قرض میں دی ہوئی زائد رقم کا نام ہے اس کے لیے تین شرطیں قرار پائیں (۱) اصل رقم پر اضافہ (ب) مدت مقررہ (ج) معاملہ میں شروط ہونا۔ فرق کی وجوہات یہ ہیں۔

۱۔ بیع میں مشتری (خرید کنندہ) اور بائع (فروخت کنندہ) کے درمیان منافع کا مبادلہ برابری کے ساتھ ہوتا ہے۔ کیونکہ مشتری خرید شدہ چیز سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ اور بائع اپنی محنت و ذہانت اور دقت کی اجرت لیتا ہے۔ اس کے برعکس سودی لین دین میں منافع کا تبادلہ برابری کے ساتھ نہیں ہوتا۔ سود لینے والا تو مال کی ایک مقرر مقدار لے لیتا ہے جو اس کے لیے نفع بخش ہے مگر سود دینے والا کو صرف مہلت ملتی ہے۔ نفع یقینی نہیں ہے۔

۲۔ بیع و شراد میں بائع و مشتری سے خواہ کتنا ہی زیادہ نفع حاصل کرے وہ صرف یکساں لیتا ہے۔ مگر سود کے معاملہ میں رقم دینے والا مسلسل اپنے مال پر نفع حاصل کرتا رہتا ہے اور رفتار و وقت کے ساتھ اس میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

۳۔ بیع میں قیمت مقرر ہو جانے پر معاملہ ختم ہو جاتا ہے۔ مگر سود کے معاملہ میں مدیون رقم صرف کر لیتا ہے اور پھر اسے اصل رقم کے ساتھ بیع سود واپس کرنی پڑتی ہے۔

۴۔ انسان تجارت، صنعت اور زراعت وغیرہ میں محنت اور ذہانت صرف کرتا ہے اور اس کا فائدہ



اٹھاتا ہے۔ مگر سود میں زائد از ضرورت مال دے کر دوسروں کی کمائی میں شریک بن جاتا ہے۔

## بیع کو حلال اور سود کو حرام قرار دینے کی وجوہ

عرب کے لوگ الربوا کی طرح بیع کو جائز سمجھتے تھے۔ لیکن اسلام نے بتایا کہ اس المال میں بیع سے جو زیادتی ہوتی ہے وہ اس زیادتی سے مختلف ہے جز الربوا سے ہوا کرتی ہے۔ پہلی قسم کی زیادتی حلال ہے اور دوسری قسم کی زیادتی حرام۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے :

”سود خوروں کا یہ حشر اس لئے ہو گا کہ انہوں نے کہا کہ بیع بھی الربوا کی مانند ہے۔

حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال اور الربوا کو حرام کیا۔“

بیع میں مشتری اور بائع کے درمیان منافع کا مبادلہ برابری کے ساتھ ہوتا ہے کیونکہ مشتری اس چیز سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ جو اس نے بائع سے خریدی ہے اور بائع اپنی اس محنت ذہانت اور وقت کی اجرب لیتا ہے۔ جس کو اس نے مشتری کے لئے وہ چیز مہیا کرنے میں صرف کیا ہے۔ بخلاف اس کے سودی لین دین میں منافع کا مبادلہ برابری کے ساتھ نہیں ہوتا۔ سود لینے والا تو مال کی ایک مقرر مقدار لیتا ہے جو اس کے لئے نفع بخش ہے۔ لیکن اس کے مقابلے میں سود دینے والے کو صرف ہمت ملتی ہے۔ جس کا نفع بخش ہونا یقینی نہیں۔ اگر قرض دار نے اپنی شخصی ضرورتوں پر خرچ کرنے کی غرض سے قرض لیا ہے تب تو ہمت اس کے لئے منافع نہیں بلکہ یقیناً نقصان دہ ہے۔ اور اگر اس نے یہ قرض تجارت، زراعت، صنعت و حرفت میں لگانے کی غرض سے لیا ہے تو ہمت میں منافع کا امکان ہے اسی طرح نقصان کا بھی امکان ہے۔ لیکن قرض خواہ بہر حال اس سے نفع کی ایک مقرر مقدار لے لیتا ہے پس سود کا معاملہ ایک فرقی کے فائدے اور دوسرے کے نقصان پر ہوتا ہے۔

بیع میں بائع مشتری سے خواہ جتنا ہی زائد منافع لے بہر حال وہ ایک ہی مرتبہ لیتا ہے لیکن سود کے معاملے میں اس المال دینے والا مسلسل اپنے مال پر منافع وصول کرتا رہتا ہے اور وقت کی رفتار سے اس کا منافع بڑھتا جاتا ہے۔ مدیون نے اس کے مال سے خواہ کتنا ہی فائدہ حاصل کیا ہو۔ بہر طور اس کا فائدہ ایک خاص حد تک ہی ہو گا مگر اس کے معادضہ میں رآن جو نفع اٹھاتا ہے۔ اس کے لئے کوئی حد نہیں ہے کہ وہ اس کی تمام کمائی اور اس کے تمام وسائل ثروت اس کے تمام مال پر محیط ہو جائے اور پھر بھی اس کا سلسلہ ختم نہ ہو۔



بیع و شرا میں شے اور اس کی قیمت کا مبادلہ ہونے کے ساتھ ہی معاملہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد مشتری کو کوئی چیز بائع کو واپس نہیں دینی ہوتی۔ لیکن سود کے معاملے میں مدیون راس المال لے کر صرف کر چکتا ہے۔ پھر اس کو وہ صرف شدہ چیز دوبارہ حاصل کر کے سود کے اضافے کے ساتھ واپس دینی پڑتی ہے۔ تجارت صنعت و حرفت اور زراعت میں انسان محنت اور ذہانت صرف کرتا ہے اور اس کا فائدہ لیتا ہے مگر سودی کاروبار میں وہ محض اپنا ضرورت سے زائد مال دے کر بلا کسی محنت و مشقت اور صرف مال کے دوسروں کے مال میں شریک غالب بن جاتا ہے۔ اس کی حیثیت اصطلاحی "شریک کی نہیں ہوتی جو نفع و نقصان دونوں میں شریک ہوتا ہے اور نفع میں جس کی شرکت نفع کے تناسب سے ہوتی ہے، بلکہ وہ ایسا شریک ہوتا ہے جو بلا لحاظ نفع و نقصان اپنے مقرر اور مشروط منافع کا دعویٰ دار ہوتا ہے۔

یہ وجوہ ہیں جن کی بنا پر اللہ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔ ان وجوہ کے علاوہ سود کو حرام قرار دینے کی دوسری وجوہ بھی ہیں۔ وہ سبجیل۔ خود غرضی، شکایت، بے رحمی اور زبردستی کی صفات پیدا کرتا ہے۔ وہ عداوت ڈالتا ہے۔ وہ افراد قوم کے درمیان ہمدردی اور امداد و باہمی کے تعلقات کو قطع کرتا وہ لوگوں کو ردِ پسہ جمع کرنے اور صرف اپنے ذاتی مفاد کی ترقی پر لگانے کا میلان پیدا کرتا ہے۔ دولت کی گردش کا رخ الٹ کر ناداروں سے مالداروں کی طرف الٹ دیتا ہے۔ اس کی وجہ سے جمہور کی دولت سمٹ کر ایک طبقہ کے پاس اکٹھی ہوتی چلی جاتی اور یہ چیز آخر کار پوری سوسائٹی کے لئے بربادی کی موجب ہوتی ہے جیسا کہ معاشیات میں بصیرت رکھنے کے لئے پوشیدہ نہیں۔ سود کے یہ تمام اثرات ناقابل انکار ہیں اور جب یہ ناقابل انکار ہیں تو اس حقیقت سے بھی انکار نہیں ہے کہ اسلام کے جس نقشے پر انسان کی اخلاقی تربیت تمدنی شیرازہ بندی اور معاشی تنظیم کرنا چاہتا ہے اس کے ہر جز سے سود کلی منافات رکھتا ہے اور سودی کاروبار کا ادنیٰ سے ادنیٰ اور بظاہر معصوم سے معصوم صورت بھی اس پورے نقشے کو خراب کر دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ اس قدر سخت الفاظ کے ساتھ سود کو ختم کرنے کا حکم دیتا ہے۔

"اللہ سے ڈرو اور جو سود تمہارا لوگوں پر باقی ہے اس کو چھوڑ دو اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ قبل کرو۔"

قرآن مجید میں اور بھی بہت سے گناہوں کی ممانعت کا حکم آیا ہے اور ان پر سخت وعیدیں بھی دی ہیں۔ لیکن اتنے سخت الفاظ کسی دوسرے گناہ کے بارے میں وارد نہیں ہوئے۔ اسی بنا پر رسول کریم نے اسلامی قلمرو میں سود کو روکنے کے لئے سخت کوشش فرمائی۔ آپ نے ہجران کے عیسائیوں سے جو معاہدہ کیا اس میں صاف طور پر لکھ دیا کہ اگر تم سودی کاروبار کر دو گے تو معاہدہ کا عدم ہو جائے گا اور ہم کو تم سے جنگ کرنی پڑے گی۔



بنو مغیرہ کے سود خور عرب میں مشہور تھے۔ فتح مکہ کے بعد آپ نے ان کی تمام سودی رقمیں باطل کر دیں اور اپنے عامل مکہ لکھا کہ اگر وہ باز نہ آئیں تو ان سے جنگ کرو بخود حضور کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ ایک بڑے حاجن تھے۔ حج الوداع کے موقع پر آپ نے فرمایا کہ جاہلیت کے تمام سود ساقط کئے جاتے ہیں۔ اور سب سے پہلے میں خود اپنے چچا عباس کا سود ساقط کرتا ہوں۔ آپ نے یہاں تک فرما دیا کہ سود لینے والے اور سود دینے والے سب پر اللہ کی لعنت۔

## سود کے لغیر معاشی تعمیر

اجتماعی معیشت اور نظام مالیات میں بے شمار خرابیاں صرف اس وجہ سے پیدا ہوئی ہیں کہ قانون نے سود کو جائز کر رکھا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب ایک آدمی کے لئے سود کا دروازہ کھلا ہوا ہے تو وہ اپنے ہمسائے کو قرض حسنہ کیوں دے۔ کہوں نہ اپنا جمع کیا ہوا سرمایہ ساہوکار کے حوالے کر دے جس سے ان کو گھر بیٹھے ایک لگا بندھا منافع ملنے کی امید ہو۔ ان برائیوں کا سد باب صرف اس طرح ہو سکتا ہے کہ سب سے پہلے اس دروازے کو بند کیا جائے جس سے خرابی آرہی ہے۔

جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ پہلے کوئی غیر سودی نظام مالیات بن کر تیار ہوے۔ پھر سود یا تو خود بند ہو جائے گا یا قانوناً بند کر دیا جائے۔ وہ درحقیقت گھوڑے کے آگے گاڑی باندھنا چاہتے ہیں۔ جب تک سود از روئے قانون جاری ہے قیامت تک سود بند ہونے کی نوبت نہیں آ سکتی۔ یہ کام تو جب کبھی کرنا ہو اس طرح کرنا پڑے گا کہ اول قدم ہی پر سود کو از روئے قانون بند کر دیا جائے پھر خود بخود غیر سودی نظام مالیات پیدا ہو جائے گا۔

## السود سود کے نتائج

سود کی یہ قانون بندی مالیات کے نقطہ نظر سے تین بڑے نتائج پر منتج ہوگی۔ اس کا اولین اور سب سے اہم نتیجہ یہ ہوگا کہ اجتماع سرمایہ کی موجودہ فساد انگیز صورت ایک صحیح اور صحت بخش صورت سے بدل جائے گی۔

موجودہ صورت میں تو سرمایہ اس میلان نخل کو جو انسان کے اندر طبعاً تقوڑا بہت موجود ہے۔

اپنی مصنوعی تدبیروں سے مبالغہ کی حد تک بڑھا کر جمع کیا جاتا ہے۔ اسے اس بات کا خوف دلایا جاتا ہے جمع کر کے نوک پورے معاشرے میں کوئی نہیں ہے جو تیرے برے وقت پر کام آئے اور اسے لالچ دیا ہے کہ جمع کر کے نوک اس کا اجر تجھے سود کی شکل میں ملے گا لہذا لوگ جمع کرنے پر تیل جاتے ہیں نتیجتاً اموال



تجارت کی کھپت امکانی حد سے بہت کم ہو جاتی ہے اور آمدنیاں کم ہوتی جاتی ہیں۔

اس کے برعکس جب سود بند کر دیا جائے گا اور زکوٰۃ کی تنظیم کر کے معاشرے کے ہر فرد کو اس امر کا اطمینان بھی دلایا جائے گا کہ برے وقت پر اس کی دست گیری کا انتظام موجود ہے تو بخل اور زرا اندوزی کے محرکات ختم ہو جائیں گے۔ لوگ دل کھول کر خرچ کریں گے۔ تجارت و صنعت بڑھے گی، اور اس سے روزگار بڑھے گا۔ آمدنیاں بڑھیں گی اور منافع آنا بڑھ جائے گا کہ خارجی سرمایہ کی اتنی ضرورت ہی نہ رہے گی اور جتنے سرمائے کی اسے ضرورت ہوگی وہ اسے آسانی سے مل جائے گا۔ اس وقت پس اندازی خوف بالا لچ کی بناء پر نہ ہوگی بلکہ جو لوگ ضرورت سے زیادہ کمائیں گے۔ دل کھول کر خرچ کریں گے۔ اس کے باوجود ان کے پاس بہت کچھ بچ رہے گا اور اس سے وہ اپنی حکومت کو صنعت کاروں کو دینے کے لئے آمادہ ہو جائیں گے۔

دوسرا نتیجہ یہ ہوگا کہ جمع شدہ سرمایہ رکھنے کی بجائے چلنے کی طرف مائل رہے گا۔ موجودہ دور میں سود سرمائے کو چلنے کی طرف مائل کرتا ہے اور سود ہی اس کو رد کرنے کا سبب بھی بنتا ہے کیونکہ وہ عموماً زیادہ شرح سود ملنے کی امید اور انتظار میں ٹھہرا رہتا ہے۔ جب کاروبار جاتا ہے سرمایہ آئے تو یہ اکثر جاتا ہے۔ جب معاملہ برعکس ہوتا ہے تو سرمایہ کار دوبار کے پیچھے دوڑتا ہے لیکن سب سود قانوناً بند ہو جائے گا اور جمع شدہ رقموں پر زکوٰۃ لگنا شروع ہو جائے گی تو سرمایہ ہمیشہ اس بات کا خواہشمند ہوگا کہ ٹھہرنے کی بجائے ہمیشہ کاروبار میں ہی لگا رہے۔

تیسرا نتیجہ یہ ہوگا کہ کاروباری مالیات اور مالیات قرض کی حدیں بالکل الگ ہو جائیں گی۔ موجودہ صورت میں تو کاروبار کے لئے یا کسی اور مقصد کے لئے مقررہ شرح سود پر قرض کے طور پر حاصل ہوتا ہے لیکن جب یہ ممنوع ہو جائے گا تو قرض کی حد صرف عارضی ضروریات کے لئے مخصوص ہو جائے گی۔ اس کا انتظام قرض حسن کے طور پر کرنا ہوگا۔ صنعت تجارت وغیرہ کے لئے سرمایہ کی فراہمی قرض کی بجائے حصہ داری کے اصول پر ہوگی۔

## غیر سودی مالیات میں فراہمی قرض کی صورتیں

### شخصی حاجات کے لئے

موجودہ نظام میں شخصی ضروریات کی فراہمی کے لئے صرف ایک ہی صورت میں قرض مل سکتا ہے



وہ یہ کہ مہاجن سے یا بنک سے ایک خاص شرح سود دینے کا اطمینان دے کہ حاصل کیا جائے قطع نظر اس سے کہ یہ روپیہ گناہ گاروں کے لئے فضول خرچیوں کے لئے یا حقیقی ضرورتوں کے لئے لیا گیا ہے۔ اگر اصل و سود ملنے کا یقین نہ دلایا جاسکے تو کسی کو ایک روپیہ قرض نہیں مل سکتا چاہے اس کے گھر مردہ بے گور و کفن پڑا ہو۔ کوئی یہ دیکھنے کے لئے دل نہیں رکھتا کہ جس سے ہم اصل و سود کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ وہ کس حال میں ہے۔

اسلامی نظام میں اول تو فضول خرچیوں کے لئے قرض کا دروازہ بند ہو جائے گا اور قرض کا سارا لین دین صرف معقول ضروریات تک محدود ہو جائے گا۔ پھر چونکہ صرف اصل رقم واپس کرنا ہوگی اس لئے قرضوں کی داپسی زیادہ سے زیادہ آسان ہو جائے گی۔ اسلامی نقطہ نظر سے شخصی حاجات میں ایک دوسرے کو قرض دینا معاشرے کے افراد کا اپنا فرض ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اپنے ہمسایوں سے قرض نہیں لے پاتا اور مجبور ہو کر بیت المال کی طرف رجوع کرتا ہے تو یہ صریحاً اس بات کی علامت ہے کہ اس بستی کی اخلاقی آب و ہوا بگڑی ہوئی ہے۔ لہذا جب کوئی شخص بیت المال قرض لینے پہنچے گا تو اس کی حاجت پوری کرنے پر ہی اکتفا نہ کیا جائے گا بلکہ اس بستی کی طرف توجہ کی جائے گی اور اس کی اخلاقی حالت بہتر بنانے کی کوشش کی جائے گی۔

شخصی حاجات کے لئے قرض فراہم کرنے کی ایک اور صورت بھی اختیار کی جاسکتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ تمام ادارے اپنے ملازمین کو ان کی غیر معمولی ضرورت کے موقع پر قرض دیا کریں جب وہ اپنے ملازمین کو غیر سودی قرض کی سہولت پہنچائیں گے تو صرف ایک نیکی ہی نہیں کریں گے بلکہ ان اسباب کو بھی دور کریں گے جو ان کو بربادی میں مبتلا کرتی ہیں۔ ان کی آسودگی بڑھے گی۔ پورے معاشرے کے لئے اور ہر فرد کے لئے اس کا نفع اس سود سے بہت زیادہ قیمتی ہو گا جو آج کل مادہ پرست نظام میں وصول کیا جا رہا ہے۔

### کاروباری اغراض کے لئے

کاروباری لوگوں کو اپنی آٹے دن کی ضروریات کے لئے قرض درکار ہوتے ہیں۔ موجودہ زمانے میں ان مقاصد کے لئے یا تو بنکوں سے قرض حاصل کئے جاتے ہیں یا پھر منڈیاں بھنائی جاتی ہیں۔ ان دونوں صورتوں میں بنک ہلکی سی شرح سود اس پر لگاتے ہیں۔ تجارت کی ایک ایسی اہم ضرورت ہے، جس کے بغیر کوئی کام نہیں چل سکتا۔ اس لئے کاروباری لوگ جب بندشی سود کا نام سنتے ہیں تو انہیں یہ فکر لاحق ہوتی ہے کہ انہیں قرض کیسے ملے گا۔ سود کے بغیر بنک انہیں قرض کیوں دے گا۔



اس بات کا جواب یہ ہے کہ جس بنک کے پاس تمام رقوم بلا سود جمع ہوں اور تاجروں کا لاکھوں مدپیہ بلا سود جمع ہو تو آخر وہ انہیں بلا سود قرض کیوں نہ دیں گے۔ دراصل اس کام کے لئے خود تاجروں کی اپنی رکھوائی ہوئی رقمیں ہی کافی ہو سکتی ہیں لیکن ضرورت پڑ جانے پر بنک اپنے دوسرے سرمائے میں سے بھی تھوڑا بہت اس غرض کے لئے استعمال کر سکتا ہے۔

رہا یہ سوال کہ بنک کو جب سود نہ ملے گا تو وہ اپنے مصارف کیسے پورے کرے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب چالو کھاتوں کی ساری رقمیں بنک کے پاس بلا سود رہیں گی تو اس کے لئے انہی رقموں میں سے قرضے دنیا کوئی نقصان کا معاملہ نہیں ہے۔ اس کو اپنے مصارف سے زیادہ فوائد ان رقموں سے حاصل ہو جائیں گے جو ان کے پاس جمع ہوں گی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس قسم کی خدمات کے لئے بنک ماہوار یا ششماہی فیس اپنے تجارت پیشہ کھاتہ داروں پر عائد کر دے جو اس مد کے مصارف پورے کرنے کے لئے کافی ہو۔ سود کی نسبت یہ فیس ان لوگوں کے لئے زیادہ بہتر ہوگی اور سستی ہوگی اس لئے وہ بخوشی اسے گوارا کریں گے۔

### حکومت کی غیر نفع آور ضرورتوں کے لئے

تیسری اہم مدان قرضوں کی ہے جو حکومتوں کو بھی وقتی فوائد کے لئے اور کبھی غیر نفع آور ملکی ضروریات کے لئے اور کبھی جنگ کے لئے بنے ہوتے ہیں۔ ان مقاصد کے لئے تمام تر قرض سود قرض کی صورت میں حاصل ہوتا ہے لیکن اسلامی نظام میں یہ عین ممکن ہو گا کہ ادھر حکومت کی طرف سے ضرورت کا اظہار ہوا، ادھر قوم خود لا کر چندوں کا ڈھیر لگا دے اس لئے کہ سود کی بندش اور زکوٰۃ کی تنظیم لوگوں کو مطمئن اور آسودہ کر دے گی اور وہ اپنی بچتیں حکومت کو دینے میں تامل محسوس نہ کریں گے۔ اس سے بھی اگر حکومت کی ضروریات پوری نہ ہوں تو وہ مندرجہ ذیل طریقے اختیار کر سکتی ہے :

۱۔ زکوٰۃ اور خمس کی رقمیں استعمال کرے۔

۲۔ تمام بنکوں سے ان کی رقوم امانت کا ایک مخصوص حصہ حکماً بطور قرض حاصل کرے۔

۳۔ بدرجہ آخر وہ اپنی ضروریات کے لئے نوٹ چھاپ کر بھی کام چلا سکتی ہے جو دراصل قوم سے ہی قرض لینے کی دوسری صورت ہے۔

### بین الاقوامی ضروریات کے لئے

اب رہے بین الاقوامی قرضے تو اس معاملے میں بالکل ظاہر ہی ہے کہ موجودہ سود خور دنیا میں ہم اپنی



قومی ضرورت کے موقع پر کہیں سے ایک پیسہ بلا سود پانے کی توقع نہیں کر سکتے۔ لہذا ہماری زیادہ تر کوشش یہی ہونی چاہیے کہ ہم بیرونی قوتوں سے کوئی قرض نہ لیں۔ کم از کم اس وقت تک تو ہرگز نہ لیں جب تک ہم دوسروں کو اس امر کا نمونہ نہ دکھادیں کہ ہم کس طرح اپنے ہمسایوں کو بلا سود قرضے دے سکتے ہیں۔ اگر ہم نے ایک بار بہت کر کے ایک مالی نظام بند کس سود اور تنظیم زکوٰۃ کی بنا پر قائم کر لیا تو یقیناً بہت جلد ہماری مالی حالت اتنی اچھی ہو جائے گی کہ نہ صرف ہمیں خود باہر سے قرضے لینے کی حاجت نہ رہے گی بلکہ ہم خود دوسری قوموں کو بلا سود قرضے دینے کے قابل ہو جائیں گے۔

موجودہ دور کے سوچنے والے وماغ یہ سوچ رہے ہیں کہ بین الاقوامی قرضوں پر سود لگنے سے دنیا کی سیاست اور معیشت دونوں پر بڑے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اس طریقہ کو چھوڑ کر اگر دنیا کے خوشحال ممالک اپنی فاضل دولت کے ذریعے سے خستہ حال ممالک کو اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی کوشش میں مدد دیں تو اس کا دوسرا فائدہ ہوگا یعنی قوموں کے درمیان دوستی بڑھے گی اور معاشی حیثیت سے خستہ حال ممالک کا خون چوسنے کی نسبت ایک خوشحال ملک کے ساتھ کاروبار کرنا زیادہ نافع ثابت ہوگا۔





# باب (۱۶)

## بنکاری = Banking

بنک سے مراد ایک ایسا منظم ادارہ ہے جو عام لوگوں سے ان کی فالتور قوم لے کر اپنے پاس بطور امانت رکھتا ہے۔ اور پھر یہی رقم حاجتمند افراد تاجروں، اور سوداگروں کو قرضہ میں دے کر سود کماتا ہے۔ یا ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ کسی شے کو درمیان میں لائے بغیر محض شرح سود کی کمی و بیشی کے ذریعہ زر کی تجارت ہے۔

پروفیسر رے نالڈز (Reynolds) کے مطابق ”بنک زر کا کاروبار کرتے ہیں بلکہ یہ کہنا زیادہ بہتر ہے کہ قرضوں کا لین دین کرتے ہیں۔“

بنک کے فرائض پہ بحث کرتے ہوئے پروفیسر صی کراؤتھر لکھتے ہیں ”بنک اپنے اور دوسروں کے قرضوں (Loans) کا کاروبار کرتے ہیں۔ اس کاروبار کے کامیاب ہونے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ قرضے (جاری کردہ رسیدیں) عام لوگ بلا حیل و حجت قبول کر لیتے ہیں اور انہی بطور زر ہی استعمال کرتے ہیں۔ اس لیے بنک عام لوگوں سے قرض لیتا ہے ضرورت مندوں کو خود قرضہ دیتا ہے اور اس طرح اعتباری زر (Credit Money) تخلیق کرتا ہے۔“

موجودہ دور کا بینکار (جو زمانہ قدیم میں ساہوکار کہلاتا تھا) عوام کی پس انداز ارقام ایک خاص شرح سود کی ادائیگی کے وعدہ پر حاصل کرتا ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ایسی قوم اسے خود بخود حاصل ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ لوگ اپنی فاضل رقم حفاظت کی خاطر بنک میں جمع کرتے ہیں۔ بعد ازاں بنک یہی رقم زائد مفید شرح سود پر قرضداروں کے حوالے کر دیتا ہے۔ کم سود کی ادائیگی اور زائد سود کے حصول کا درمیانی فرق بینکار کا منافع کہلاتا ہے۔ یعنی شرح سود میں جتنا فرق زیادہ ہوگا۔ بنک کا منافع بھی اتنا زیادہ ہوگا۔ اس سودی لین دین کے علاوہ جدید بنک اور بھی بہت سے وظائف سرانجام دیتا ہے یہی سبب ہے کہ اس ترقی یافتہ دور میں بنکوں کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے اور کوئی ملک اپنی



معیشت کو مضبوط بنیادوں پر استوار نہیں کر سکتا جب تک اس کا بنکاری نظام صحیح اور سراسر ہے۔  
 ہو کیونکہ اس کے وجود سے بیشتر سہولیات حاصل ہو گئی ہیں۔ رقموں کا آلہ مبادلہ و ادائیگی کا انتظام  
 امانتوں کی حفاظت، بیرونی ممالک کی وصولیاں اور ادائیگیاں، قرضوں کا اجراء، قیمتی اشیاء پورے  
 دستاویزات وغیرہ کی حفاظت، اعتبار نامے، سفری اور گشتی چیک، ڈرافٹ جاری کرنا، کمپنیوں  
 کے حصص کی خرید و فروخت کا بند و بست، ہنڈیوں پر بٹہ لگانا، ایجنسی کی خدمات، سرمایہ  
 کاری اور دیگر متعدد وکیلانہ خدمات انجام دینا۔ یہ خدمات عموماً معاوضہ یا کمیشن کے عوض  
 بینکار انجام دیتے ہیں۔ ایک مستحکم مالی نظام اور زرری سسٹم کے لیے بنکوں کا وجود ضروری ہے۔  
 اسلامی نقطہ نگاہ سے سودی کاروبار کی ممانعت ہے۔ بلکہ سود کا لین دین ناجائز اور حرام  
 ہے۔ البتہ دوسری خدمات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کیونکہ وہ نہایت کارآمد ہیں۔ بنکوں کی بدولت  
 بازار زرتہ تر کرتا ہے۔ لوگوں میں کفایت شعاری اور بچت کی عادت پڑ جاتی ہے۔ سود کی لعنت  
 سے نجات پانے کے لیے حسب ذیل اقدامات اور تجاویز پر عمل کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ جمع شدہ سرمایہ کو قرض حسنہ تصور کیا جائے اور کاروبار میں استعمال کیا جائے۔  
 ۲۔ سود کو قانوناً بند کر دیا جائے۔ اور ایسا مذموم کام کرنے والا مستوجب سنگین سزا ہو۔ اور کسی  
 صورت میں اسے نہ چھوڑا جائے جن لوگوں کے ذمہ سود ہے اسے فوراً معاف کر دیا جائے۔  
 اور صرف اصل زر ہی واپس لیا جائے۔

۳۔ تمام اسلامی ممالک بنکوں کو قومی ملکیت میں لے لیں جیسا کہ پاکستان میں کیا گیا ہے۔ بنکوں  
 کے مالکوں کو اقساط کی صورت میں معاوضہ ادا کر دیا جائے۔ بینکاری کاروبار محنت اور سرمایہ کی شرکت  
 کے طور پر چلایا جائے۔ یا جمع شدہ امانتوں (Deposits) کو قرض حسنہ سمجھ کر کاروبار کیا جائے۔  
 ۴۔ بنک نجی ملکیت میں ہی رہیں مگر سودی کاروبار بند کر دیں۔ جمع شدہ رقوم شرکت کے اصول  
 پر استعمال کی جائیں اور افراد نفع و نقصان میں شامل ہوں۔

۵۔ ایس۔ اے ارشاد نے اپنے مقالہ ”سود سے آزاد اسلامی معاشرہ کے لیے معاشی نظام“  
 میں تاثرات یوں بیان کیے ہیں۔

بغیر سود کے اقتصادی نظام قائم کرنے کے لیے مضاربیت کے اصول پر مبنی ادارے تشکیل  
 دیئے جائیں محنت اور سرمایہ کو یکجا کر دیا جائے۔ سرمایہ اور محنت فراہم کرنے والے یکساں طور پر  
 نفع اور نقصان میں شریک ہوں۔ یہ بنی نوع انسان کی بہت بڑی خدمت ہوگی۔ اگر سرمایہ اور محنت



کو مضاربیت کے اصول پر مرتب کر دیا جائے اس طریقہ سے محنت اور سرمایہ اکٹھے ہو کر دلی طور پر کام کر سکتے ہیں۔ مزید برآں مزدوروں کی ہڑتال اندرون ملک اور اقتصادی سر و جنگ کے ختم ہو جانے کے باعث عالمی سطح پر بہتر گفتگو ہو سکتی ہے۔

اس اصول سے زراعت، صنعت اور کاروبار کو ترقی دی جاسکتی ہے۔ سرمایہ کی نقل پذیری اور محنت کے استعمال کے لیے یہ ایک اچھا ذریعہ ہوگا۔ ملک میں مکمل روزگار فراہم کرنے اور غربت و افلاس کے خاتمہ کے لیے یہ ایک مفید طریقہ ثابت ہو سکتا ہے۔

6۔ ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی نے اپنی کتاب ”بغیر سود کے بنکاری (Banking Without Interest)“ میں اس طرح بحث کی ہے۔

بنک کی تشکیل جائنٹ سٹاک کمپنیوں کے اصول پر کی جائے گی۔ کچھ لوگ شیئر کیپٹل (Share Capital) فراہم کریں گے۔ شراکت یا مضاربیت کی بنیاد پر مشترکہ سرمایہ کاری کی جائے گی جو افراد سرمایہ مہیا کریں گے انہیں شیئر ہولڈرز کے نام سے موسوم کیا جائے گا۔ ان کی کم از کم تعداد دو ہوگی مگر اصولاً کوئی تعداد مقرر نہیں کی گئی۔ تاہم کم از کم اور زیادہ سے زیادہ تعداد پر پابندی لگائی جاسکتی ہے۔ مقام اور وقت کے لحاظ سے تفادوت ہوگا۔ ہر حصہ دار کی رقم یکساں یا کم و بیش ہو سکتی ہے۔ ہر حصہ دار چند حصص خریدنے کا پابند کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح کم از کم اور زیادہ سے زیادہ سرمایہ کی حد بھی متعین کی جاسکتی ہے۔ آخر کار ہر حصہ دار اپنے اثاثوں (Assets) کی پوزیشن کے مطابق بنک کا مالک ہوگا۔

7۔ جہاں تک بین الاقوامی تجارت کا تعلق ہے اگر اندرون ملک سود کو خارج کر دیا جائے تو بہت سے دولت مند مسلم ممالک مل جائیں گے جو کہ اس کارِ خیر میں ہاتھ بٹائیں گے۔ بارٹر سسٹم کے مطابق تجارت کی جاسکتی ہے۔ جس میں اشیاء کا اشیاء سے مبادلہ ہوگا۔ بیرونی قرضہ جات نفع اندوز سرمایہ کاری میں حصہ دار ہونے کی بنیاد پر حاصل کیے جاسکتے ہیں۔

مسلمانوں نے جدہ میں اسلامی ترقیاتی بنک قائم کر دیا ہے۔ یہ ایک خوش آئند اور نیک فال ہے۔ یہ بغیر سود کے چلایا جائے گا اور اگر خلوص نیت سے فرائض سرانجام دے تو غیر ملکی تجارت اور دوسرے عالمی لین دین اس کے توسط سے پورے ہو سکتے ہیں۔ پھر نئے عالمی نظام کی ضرورت نہیں رہے گی۔

8۔ بنک مختلف فرائض سرانجام دینے کے صلہ کے طور پر کھاتہ داروں سے قلیل معاوضہ بھی حاصل



کر سکتا ہے۔ بڑی ادائیگیاں کرنے کی خاطر چیک یا ڈرافٹ ضروری قرار دے سکتا ہے۔ اسی طرح قیمتی اشیاء کی حفاظت پر بھی معاوضہ وصول کیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ آجکل لاکرز پر ہوتا ہے۔

۹۔ میعاد دی امانتیں (Fixed Deposit) بچت امانتیں سود سے مبرا کر دی جائیں یعنی انہیں سود ادا نہ کیا جائے۔ بلکہ ان کا سرمایہ مختلف ترقیاتی امور پر صرف کر دیا جائے۔ اور ہر حصہ کے بعد نفع دیا جائے۔

۱۰۔ تمام گزٹڈ سرکاری ملازمین کے لیے بینک میں کھاتہ کھولنا ضروری کر دیا جائے۔ ان کی تنخواہ متعلقہ کھاتہ میں جمع ہوتی رہے اور وہ حسب ضرورت رقم چیک کے ذریعے ڈرا کر سکیں۔ اس پر انہیں کوئی سود نہ دیا جائے۔ اس کا نامزدہ یہ ہو گا کہ چیک پر ایکسائز ڈیوٹی عائد ہونے سے حکومت کو آمدنی حاصل ہوتی رہے گی۔

۱۱۔ جہاں تک بغیر سود کے مالی سرمایہ کی فراہمی کا سوال ہے ہم دیکھتے ہیں کہ مشترکہ سرمایہ دار اور کمپنیوں کے لیے لاکھوں اور کروڑوں روپے آج بھی بغیر سود کے پالچ کے اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ حقیقت اصل نکتہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص سرمایہ حاصل کرنے والوں کا شریک کار بن جاتا ہے۔ تاکہ دونوں نفع و نقصان میں شامل ہوں۔ اسلامی معیشت نے آج اور سرمایہ دار کو جو قرار رکھا ہے۔ البتہ سرمایہ دار یا بینکار یا جسے سود پر لین دین کرنے والے کو ساہوکار کہتے ہیں۔ مباشرت سے نکال دیا ہے۔ اور اس طرح ہر قسم کے کاروبار کے لیے مضبوط بنیاد فراہم کی ہے۔ گو اس طرح ایسے کاروبار کی رفتار تباہی میں دھیمی رہنے کا خدشہ ہے مگر بعد میں تیز متعین، مستقل، پائیدار اور شاندار ہو جاتی ہے۔ تجارتی چکر اور معاشی بحران سے کاروبار محفوظ رہ سکتا ہے۔

مندرجہ بالا طریقوں پر عمل کرنے سے فوری طور پر سرمایہ داروں کی طرف سے خصوصاً اور عوام کی جانب سے عموماً منفی اثرات کا اظہار ہو سکتا ہے۔ کیونکہ لوگوں کو بغیر محنت کے سود کی لت پٹ چکی ہے اور معاشرہ اس کا عادی مجرم بن چکا ہے۔ مگر جب ان کی توجہ قرآنی احکامات، نبوی ارشادات اور شرعی فرمودات کی طرف مبذول کرائی جائے گی۔ سود کے مضر نتائج سے آگاہ کیا جائے گا اور سود سے آزاد قرضوں کے حصول سے روشناس کرایا جائے گا تو یقیناً اطمینان ہو گا۔ آخرت میں اللہ اور رسول اکرمؐ سے سرخرو ہونے کا جذبہ و احساس انہیں سودی کاروبار سے باز رکھے گا۔

۱۲۔ مرکزی بینک کے اختیارات میں اضافہ کر دیا جائے۔ اور وہ سارے بینکوں پر مکمل کنٹرول کرے یہ ایک تحقیقی شعبہ قائم کرے جس میں ایسے ماہرین کا تقرر کیا جائے جو اسلامی اور جدید علوم میں دسترس رکھتے



ہوں وہ بنک کو ایسی تجاویز، سفارشات اور سکیمیں تیار کر کے دیں جن پر بغیر سود کے سرمایہ صرف کر دیا جائے۔ تاکہ نفع حاصل ہو۔

## بلا سود بنک کاری

یا اسلامی بنکاری کا ڈھنگ

### بنک کا قیام

اسلامی معیشت میں بنک کا قیام شرکت انعام کے اصول پر عمل آئے گا یعنی دریا در سے زائد افراد کسی کاروبار میں متعین سرمایوں کے ساتھ اس معاہدہ کے تحت شریک ہوں گے کہ سب مل کر کاروبار کریں اور کاروبار کے نفع و نقصان میں متعین نسبتوں کے ساتھ شریک ہوں گے۔ شرکت کی صورت میں یہ لازمی نہیں کہ ہر شریک عملاً بھی کاروبار میں حصہ لے۔ حصہ داروں کی کم سے کم تعداد دو ہوگی۔ زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد نہیں ہے لیکن سہولت کار اور دوسرے مصالح کے پیش نظر یہ مناسب ہوگا کہ تعداد کی کوئی حد مقرر کر دی جائے۔ اس تعداد کا تعین ملک کے حالات اور زمانے کے حساب سے ہونا چاہئے۔

سرمایہ داروں کا فراہم کیا ہوا سرمایہ مساوی بھی ہو سکتا ہے اور غیر مساوی بھی ہو سکتا ہے یہ طریقہ اختیار کرنا زیادہ مناسب ہوگا کہ سرمائے کی ایک خاص مقدار مثلاً ایک لاکھ روپیہ مقرر کر دیا جائے اور یہ طے کر دیا جائے کہ ہر شریک جتنے حصے چاہے خرید سکتا ہے۔ بنک کے مجموعی کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ سرمائے کی تعداد بھی مقرر کی جاسکتی ہے۔

کاروبار بنک کا منافع سرمائے کی نسبت سے ہر شخص کا مقرر کیا جاسکتا ہے۔ اصولاً اس بات کی پوری اجازت ہے کہ منافع کی تقسیم کام کرنے والوں کی صلاحیتوں کے مطابق کی جاسکتی ہے۔ لیکن حسابات میں سہولت کی خاطر سرمائے کے حساب سے ہی ہو۔ دوسری صورت میں اگر نقصان ہو تو وہ بھی شرکا، بنک کے درمیان سرمائے کے حساب سے طے پائے گا اس بات کی وضاحت احکام شرعی سے بھی ہوتی ہے۔

### بنک کا کاروبار

بنکوں کے کاروبار کو تین قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے :

۱۔ وہ خدمات جو بنک نہیں کمیشن، یا متعین اجرت کے عوض انجام دیتا ہے۔



۲۔ شرکت یا مضاربت کے اصول پر کاروبار میں سرمایہ لگانا۔

۳۔ بلا معاوضہ خدمات۔

(۱) بلا معاوضہ خدمات

ان خدمات سے حاصل ہونے والی آمدنی چونکہ ان خدمات کی انجام دہی ہر آنے والی لاگت سے زیادہ ہو سکتی ہے۔ اس لئے یہ بھی بنک کے لئے نفع کمانے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ دوسری طرف ان سے معاشرہ اور بالخصوص کاروباری طبقے کی اہم ضروریات پوری ہوں گی۔ جن خدمات کا معاوضہ بنک کو ملے گا ان میں چند کا ذکر ذیل میں ہے۔

(i) امانتیں رکھنا اور ان کی حفاظت کرنا : اس مقصد کے لئے بنک *Lockers* رکھے گا۔ اس کے عوض مناسب معاوضہ وصول کرے گا۔

(ii) رقموں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا : سفری *Cheque*، بنک ڈرافٹ اور *Letters of credit* اور مختلف قسم کی مالی سندوں کے ذریعے بنک چھوٹی بڑی رقم کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کی خدمات سرانجام دیتے ہیں۔

(iii) بحری اور ہوائی جہازوں ریل یا موٹر وغیرہ کے ذریعے منگوائے جانے والے تجارتی اموال اور دیگر سامانوں کو اپنے گاہکوں کی نمائندگی کرتے ہوئے چھڑانے، گاہک کی ہدایت کے مطابق ان کی قیمتیں ادا کرنے اور مال کو گاہک تک بحفاظت پہنچانے کی خدمت انجام دینے کا معاوضہ وصول کرتے ہیں۔

(iv) اپنے گاہکوں کی مدد سے منقولہ وغیرہ منقولہ جائیداد کی خرید و فروخت کا معاملہ کرنا اور اس کے بدلے معاوضہ وصول کرنا۔

(v) بعض معاہدہ بنک کاروباری فریقوں کو موجودہ کاروبار کے سلسلے میں ماہرانہ مشورے دیتے ہیں۔ اور ان کے کاروباری مشیر کی حیثیت سے کام کر کے معاوضہ وصول کرتے ہیں۔

(vi) بنک اپنے کھاتہ داروں اور تجارتی حصص کی خرید و فروخت کا کام بھی کرتا ہے اور ان حصص کو اپنے پاس محفوظ رکھنے کا معاوضہ وصول کرتے ہیں۔

نفع آور کام میں سرمایہ لگانا

بنک کے لئے نفع کمانے کا سب سے بڑا ذریعہ اپنے سرمائے کو شرکت العنان یا مضاربت کے اصول پر کاروبار کرنے والے فریقوں کو فراہم کرنا ہے۔ چونکہ سرمایہ لگانے کی یہ دونوں صورتیں اپنی نوعیت



اور شرعی احکام کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

## (۲) مشرکت العنان

سرمایہ کے نفع اور استعمال کی ایک شکل یہ ہے کہ بنک کسی کاروباری فریق کے ساتھ اس کے کاروبار میں شریک ہو جائے۔ کاروبار میں کاروباری فریق کا سرمایہ بھی ہوگا اور بنک کا سرمایہ بھی شامل ہوگا۔ لیکن بنک علی طور پر کوئی حصہ نہ لے گا۔

شرکت کے معاہدہ میں کاروبار کی نوعیت، اس کی حدود اور مدت، نفع کی تقسیم کی صراحت ہوگی اور کاروبار کے اختتام پر اصل سرمایہ نفع یا نقصان کے ساتھ بنک اور کاروباری فریق کو مل جائے گا۔ بنک جب شرکت کا معاہدہ کرے تو اس بات کا اہتمام کرنا ہوگا کہ اس کی مالی ذمہ داری اس کے فراہم کردہ سرمایہ کے بقدر محدود ہو، لا محدود نہ ہو۔ اس قسم کے کاروبار میں کاروباری فریق معاہدہ کرنے پر اس وقت راضی ہوگا جب بنک پر حصہ لینے پر آمادہ ہو۔

ادھار لین دین میں اس بات کو ملحوظ خاطر رکھا جائے کہ کسی وقت بھی مشترکہ کاروبار کے ذمہ اس کی نقد تحویل اور موجودہ اثاثے کی قیمت کے مجموعے سے زیادہ مالی ادائیگیاں واجب نہ ہوں۔ شرکت کے اصول میں بنک آزاد ہوگا کہ اپنے کاروباری شریکوں سے نفع کی تقسیم کے لئے جو اصول بھی چاہے اختیار کرے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ نفع میں بنک اور اس کے کاروباری شریک کے حصے فی صد یا نسبت کی صورت میں طے کئے جائیں۔

معاہدہ شرکت کے اختتام پر اگر بنک کو اپنا سرمایہ نفع یا نقصان کی صورت میں ملے تو یہ نفع یا نقصان بنک کا ہی ہے شامل ہو جائے گا۔ اس قسم کے کاروبار میں طویل المیعاد قرضے نہیں لینے چاہیے کیونکہ اس سے ذمہ داریوں میں اضافہ ہوتا ہے۔

## مضاربت :

دوسری صورت یہ ہے کہ بنک اس کے ساتھ مضاربت کا معاہدہ کرے اور یہ طے پائے کہ بنک کو اس کے فراہم کردہ سرمائے پر حاصل ہونے والے نفع کا نصف ملے گا۔ اس کاروبار میں اگر بیس ہزار کا نفع ہوتا ہے تو بنک کو ۵ ہزار ملیں گے اور کاروباری فریق کو پندرہ ہزار، دس ہزار تو سرمائے کا نفع اور باہیج ہزار بنک کے سرمائے سے کامیاب کاروبار کرنے کا صلہ۔

## بلا معاوضہ خدمات :

بنک کاروباری فریقوں کو چھوٹی چھوٹی مدت کے لئے قرضے فراہم کرے گا لیکن اس خدمت



کا وہ کوئی معاوضہ وصول نہیں کرے گا البتہ یہ خدمت وہ ایک حد تک انجام دے سکے گا جس کا تعین اس کے قرض کھاتے میں جمع شدہ سرمائے کی نسبت سے کیا جائے گا۔ قرض لینے والوں کو مقررہ مدت تک قرض دی ہوئی رقم کی واپسی کی ضمانت دینی ہوگی۔

اگرچہ بینک اپنے دیئے ہوئے قرضوں پر کوئی سود وصول نہیں کریں گے اور نہ ہی کسی قسم کا معاوضہ طلب کریں گے مگر معاشرہ بنکوں کو ان کی معاشی خدمت کا صلہ دے گا یعنی اس کو قرض کھاتے میں جمع شدہ باقی سرمایہ کو نفع آدرکاروں میں لگانے کی اجازت ہوگی۔ واضح رہے کہ بینک کو اپنے قرض کھاتے میں جمع کئے جانے والے سرمایہ پر کوئی سود نہیں دینا ہوگا۔

### بینک کے قرضے

لوگوں کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ جب چاہیں اپنی جمع شدہ رقم کو واپس طلب کر لیں۔ لیکن بنکوں کو اس بات کا تجربہ ہوتا ہے کہ *current account* میں جمع کی جانے والی اکثر رقم کا بیشتر حصہ واپس طلب نہیں کیا جاتا۔ کسی ایک دن میں زیادہ سے زیادہ دسواں حصہ ہی طلب کیا جاسکتا ہے۔ کھاتوں کے مالک بدلتے رہتے ہیں لیکن مجموعی رقم کی ایک خاص نسبت بھی دسواں یا بیسواں حصہ اپنے پاس رکھے۔ تو باآسانی قرض جاری کر سکتا ہے اور آمدنی حاصل کر سکتا ہے۔ اندازہ ہے کہ مضاربیت کے تحت حاصل ہونے والا منافع معمولی سی شرح سود سے زیادہ ہوگا۔ لہذا اگر یہ مفروضہ درست ہو تو غیر سودی بنکوں کے قرض کھاتے میں معاصر سودی بنکوں کے جاری حسابات سے زیادہ رقمیں جمع کی جائیں گی تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس کھاتے کے ایک حصہ کے نفع آدر استعمال سے غیر سودی بنکوں کو اس سے کم آمدنی جتنی معاصر بنکوں کو اس کھاتے کی رتیں سودی قرض کے طور پر دینے سے ہوتی ہے۔ زیر بحث موضوع کے لئے اہم بات یہ ہے کہ قرض کھاتے کے ایک حصہ کے نفع آدر استعمال کا حق ملنا اس بات پر موقوف ہوگا کہ اس کھاتے کے دوسرے حصہ کو غیر سودی قرض دینے کے لئے استعمال کیا جائے۔ غیر سودی قرض دینے کے باعث عام تجارتی بینک اس بات کے بھی حقدار ہو جائیں گے کہ وہ ضرورت پڑنے پر مرکزی بینک سے قرض حاصل کر سکیں۔

### تقلیل المیعاد غیر سودی قرضوں کی ضرورت اور فراہمی

کاروباری حضرات کو تقلیل المیعاد قرضوں کی اکثر ضرورت پڑتی رہتی ہے۔ یہ قرضے وہ چند روز یا چند ہفتوں کے لئے لیتے ہیں۔ یہ اس وقت لئے جاتے ہیں۔ ان کو امید ہو کہ کاروبار میں فائدہ ہوگا۔ اور وہ اس کو واپس کر سکیں گے یا پھر زرعی کاروبار میں فائدہ ہوگا اور وہ اس کو واپس کر سکیں گے یا پھر زرعی کاروبار میں فصل کے تیار ہو جانے اور بکنے کے درمیان سرمائے کی ضرورت ہوتی ہے۔



کاروباری طبقے کو تھوڑی مدت کے لئے جو قرضہ درکار ہوتا ہے۔ اسے شرکت یا منسارت کے اصول کے تحت حاصل کرنا اس مسئلے کا حل نہیں ہے کیونکہ اتنے تھوڑے عرصے کے لئے مباحوڑا حساب کتاب کرنا مشکل کام ہے۔ اس مسئلے کا حل یہ بھی نہیں ہے کہ کاروبار حضرات اس پیش آنے والی ضرورت کو مد نظر رکھتے ہوئے کاروبار کے شروع میں ہی بچا کر رکھ لیں۔ کیونکہ اس سے ملک میں مجموعی سرمایہ کاری کا عمل سست کر رہ جائے گا۔ اس کمی کو بینک کرڈٹ کی صورت میں پورا کیا جاسکتا ہے کیونکہ یہ کرڈٹ بھی اتنا ہی عارضی ہوتا ہے جتنی کہ اس کی ضرورت عارضی ہوتی ہے۔ بینک نیاز پیدا کر کے سرمایہ داروں کو قرضے فراہم کرتا ہے۔ وہ ضرورت پوری ہونے اور مدت ختم ہونے کے بعد جب رقم واپس کرتے ہیں تو بینک اس رقم کے برابر زر کو کم کر دیتا ہے۔ اس طرح اہم صنعتی و تجارتی ضروریات بھی پوری ہو جاتی ہیں اور معیشت کو کوئی نقصان بھی نہیں پہنچتا۔

### قرض کھاتہ اور قلیل المیعاد قرضے

عام طور پر سودی معیشت میں ایسا ہوتا ہے کہ لوگ اپنے روپے بینک میں جمع کرواتے ہیں اور ان کو محفوظ کر دینے کی ضرورت بہت کم پڑتی ہے۔ جدید ترقی یافتہ ممالک میں تو لوگ چیکوں کے ذریعے سب کام اور لین دین کر لیتے ہیں اور اس طرح رقم بینک کے پاس ہی رہتی ہیں جو بینک۔ کچھ فیصد کے حساب سے اپنے پاس رکھ کر باقی پر زر تخلیق کرتا ہے۔

غیر سودی معیشت میں ایسا ہونا چاہیے کہ کچھ حصہ نقد کی صورت میں رکھ کر ایک حصہ منسارت کے اصول پر سرمایہ کاری میں لگایا جائے اور دوسرا حصہ قلیل المیعاد غیر سودی قرض دینے کے لئے استعمال کیا جائے۔

منسارت کے اصول پر سرمایہ داری کرنے سے اور قلیل المیعاد غیر سودی قرض دینے سے وہ رقم دوبارہ کسی نہ کسی بینک میں چلی جائے گی کیونکہ کاروباری حضرات لین دین چیکوں کے ذریعے کرنے کو بہتر سمجھتے ہیں۔ جدید معاشی نظاموں میں منسارت کے اصول پر سرمایہ کاری کرنے پر وہ رقم کچھ لوگوں کی آمدنی بنیں گی، اور پھر وہ بھی اس کو کسی نہ کسی حد تک بینک میں جمع کر دیں گے۔

### غیر سودی قرض دینے کے محرکات

مرکزی بینک کی طرف سے یہ ضابطہ بنایا جائے گا کہ ہر بینک کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے قرض کھاتہ میں جمع شدہ کل رقم کا ۵۰٪ غیر سودی قرض دینے کے لئے آمادہ رہے۔ اس کے صلے میں اس کا اختیار ہوگا کہ وہ کھاتے کا بڑا بہ نفع آؤر کاروبار میں لگا سکے۔ دس فیصد کے بارے میں ہم یہ فرض کر رہے ہیں کہ وہ نقد زر کے طور پر محفوظ رہے گا۔ جو بینک ایسا نہیں کرے گا اسے یہ اجازت نہیں ہوگی کہ وہ قرض کھاتہ



کھوے یعنی عوام کی بچتیں اپنے پاس رکھے اور سرمائے غیر سودی قرض کے طور پر حاصل کرے۔ یہ ایک خالص قومی محرک ہوگا کیونکہ اس سے ملک کی معیشت کو ترقی حاصل ہوگی اور رقم بھی بنک کے پاس محفوظ رہے گی۔ کیونکہ غیر سودی قرض کے طور پر دی جانے والی رقم بھی کسی نہ کسی صورت میں دوبارہ کسی اور کی آمدنی بن کر بنک میں آجائے گی۔

### قرض کے بالمقابل ضمانتیں

ضمانتوں کی کم و بیش وہی صورت رہے گی جو معاصر نظام بنکاری میں مسروٹ تیار شدہ مصنوعات، نیم تیار شدہ مصنوعات، یا مال تجارت، تیار مفصل، کارخانہ تجارتی حصص ستریں وغیرہ ضمانت کے طور پر استعمال ہو سکتے ہیں۔ بنک کو اختیار ہوگا کہ وہ شخصی ضمانت پر بھی قرض فراہم کرے لیکن یہ سب قرض بنک کو اس اعتماد کے بعد ہی دینے چاہیے کہ وہ واپس مل جائیں۔

### قرض کی مدت

قلیل امید و قرضوں کے لئے مدت اتنی ہونی چاہیے جو مضاربت کے اصول فراہم کرتے ہوں۔ ان سے کم ہو۔ مدت کم سے کم سماجی یا تیرہ ہفتوں کی ہونی چاہیے۔ بنک اگر ایک دوسرے کو قرض دیں تو ان میں ایسا قرض بھی ہو سکتا ہے جس کی ضرورت ایک دن کے لئے پڑے لیکن ان کی مدت مقرر نہیں کی جاسکتی۔

چونکہ قرض سود پر نہ ہوگا اس لئے ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ لوگ ان قرضوں کو بہت دیر سے واپس کریں۔ اس لئے اس کے سدباب کے لئے کچھ قواعد و سوابط بننے چاہیے جن کے تحت قرضے اتنی ہی مدت کے لئے فراہم کئے جائیں جتنی مدت کے لئے ان کی ضرورت ہو۔ اس بات کے لئے کاروباری طبقات میں شعور پیدا کرنا لازمی ہے تاکہ وہ قرضوں کی واپسی میں غیر ضروری تاخیر نہ کریں۔ اس کے لئے کچھ سزائیں بھی مقرر کی جاسکتی ہیں لیکن اگر کاروباری طبقہ روشن خیال ہوگا تو ان سزائوں کی نوبت ہی پیش نہیں آئے گی۔

### قرض کی طلب و رسد کا مسئلہ

قرض کی مجموعی رسد کا انحصار اس بات پر ہوگا کہ بنک میں جمع شدہ رقم کتنی ہے۔ قرض کی طلب کا انحصار ملک میں سرمایہ کاری پر ہے۔ معاشی تجزیہ اور عملی تجزیہ سے مرکزی بنک کے لئے یہ مشکل نہ ہوگا کہ وہ طلب کا ایک اندازہ قائم کر سکے۔ یہ اندازہ قرض کی طلب کی رہنمائی کرے گا۔ ممکن ہے کہ رسد کیا جانے والا سرمایہ اس کے حصول کی درخواستوں کے مقابلے میں کم ہو۔



ایسی صورت میں ایسا کیا جائے گا کہ جو درخواستیں پہلے آئی ہوں ان کو پہلے قرض دیا جائے۔ یہاں تک کہ قرض کی رقم ختم نہ ہو جائے۔ اگر بعض طلب گاروں کو کسی بینک سے بھی قرض نہ مل سکے تو ایسے میں مرکزی بینک اس بات کا فیصلہ کرے گا کہ صورت حال نسبت قرض میں تبدیلی یا کرڈیٹ میں توسیعی عمل میں لانے کے لئے کسی اقدام کی طالب ہے یا نہیں۔

### قرض کے حساب کتاب پر آنے والے اخراجات

جو لوگ قرض کے حسابات رکھتے ہیں ان کی تنخواہیں بھی دنیا ضروری ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کو تنخواہیں کہاں سے ادا کی جائیں۔ اس کے لئے دو صورتیں ہیں،

(i) قرض کھاتہ کے نفع اور استعمال سے جو منافع حاصل ہوگا۔ اس کے ایک حصہ کو اس مقصد کے لئے استعمال میں لایا جائے۔

(ii) قرض لینے والوں سے کچھ فیس وصول کر کے یہ ادائیگیاں کی جائیں ماس کے لئے قرض کی ہر درخواست پر ایک مناسب فیس مقرر کی جائے۔

ان فیسوں کو بینک کی آمدنی شمار نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اسے بینک کے حسابات پر ہی خرچہ کیا جانا چاہیئے۔

### تجارتی ہنڈیوں کا مسئلہ : Bill of Exchange

غیر سودی نظام میں تاجر یہ کر سکتے ہیں کہ ہنڈی لکھنے کے بجائے بینکوں سے مضاربیت کے اصول پر سرمایہ حاصل کر کے فروخت کنندہ کو مال کا دام نقد ادا کریں۔ جب مال فروخت ہو جائے تو بینک کو اس کا دیا ہوا سرمایہ واپس کرنے کے ساتھ طے شدہ منافع کا حصہ بھی ادا کریں۔ سرمایہ اسی وقت دیں گے۔ جب نقصان کا کاروبار میں اندیشہ نہ رہے یا کم ہو۔

مجوزہ نظام میں ہنڈی بھنانے کا طریقہ بھی وہی ہوگا جو بینک سے قرض حاصل کرنے کا ہوگا۔ بینکوں سے چند ہنڈیوں کے عوض سرمایہ کی درخواست کی جائے گی۔

تجارتی ہنڈیاں زیادہ سے زیادہ کتنی مدت کی ہونی چاہیئے۔ بینک کسی قسم کے کاروبار میں ہنڈیوں کو ترجیح دے گا۔ ان امور کے متعلق مرکزی بینک کی جانب سے موزوں ضابطے بنائے جائیں گے۔



# اسلامی ترقیاتی بینک

Islamic Development Bank

تصوّر - پہلی بار اسلامی جمہوریہ پاکستان نے ۱۹۵۹ء میں اسلامی اقتصادی کانفرنس منعقد کراچی میں پان اسلامک بینک کے نام سے پیش کیا تھا۔

معاشی تعاون - ۱۹۶۹ء میں بیشتر اسلامی ممالک کے رباط کانفرنس کے موقع پر آپس گہرے اقتصادی تعاون و اشتراک پر زور دیا گیا۔

تجویز - ۱۹۷۰ء میں شہر کراچی میں دوسری مسلم کانفرنس میں تمام ممالک نے بالاتفاق اسلامی بینک کے قیام کی تجویز منظور کی۔

عملی اقدام - فروری ۱۹۷۴ء لاہور سربراہی کانفرنس میں تمام مسلم ممالک نے اس کے قیام کی منظوری دی۔

چارٹر - سولہ ممالک نے مئی ۱۹۷۴ء میں بشمول پاکستان اس کا انتظامی ڈھانچہ اور چارٹر ترتیب دیا۔ بعد ازاں اسی سال جون میں مسلم ممالک کے ذرائع مالیات نے جدہ کانفرنس میں اس کے چارٹر کی حتمی منظوری دے دی۔

بورڈ - ۲۶ جون ۱۹۷۵ء کو سعودی دار الحکومت ریاض میں بورڈ آف ڈائریکٹرز اور اراکین کا انتخاب عمل میں آیا۔ چنانچہ ڈاکٹر احمد محمد علی (نائب وزیر تعلیم س.ع) پہلے صدر چنے گئے اسکے کل دس اراکان ہیں۔ سعودی عرب، کویت، لیبیا اور یو اے ای مستقل ممبر ہیں۔ مزید برآں پاکستان، بحرہ، الجزائر، مائیکو، ملیشیا اور گنی ڈائریکٹرز میں شامل ہیں۔

منظور شدہ سرمایہ - دو ارب اسلامی دینار

ادا شدہ - ۷۵ کروڑ دینار

کرنسی - اسلامی دینار کہلائے گی

شرح تبادلہ - ایک اسلامی دینار ۱۰۰۲۵ امریکی ڈالر کے برابر ہوگا



سرکاری زبان عربی ہے۔ تاہم انگریزی اور فرانسیسی کا استعمال بھی ہوگا۔

پاکستان کے پچاس لاکھ اسلامی دینار ادا شدہ حصے ہیں۔

قرضوں کی نوعیت - قرضے بلا سود فراہم کیے جاتے ہیں۔ ۱۹۶۶ء تک پاکستان کو مختلف قسم کے کردڑوں روپے بطور قرض دیئے جا چکے ہیں۔ مزید قرضوں کے ملنے کی بھی توقع ہے۔  
صرف سروس چارج کے نام سے ممبر ممالک فیس ادا کریں گے۔  
صدر دفتر جدہ میں ہے۔

اغراض - (Objectives) - ۱۵ اشیاء بمطابق ۳ اکتوبر ۱۹۶۵ء کو اس کی کارکردگی کی ابتدا کر دی گئی تھی۔ اہم مقاصد یوں ہیں۔

معیشت کے کئی بہتری منصوبوں کی تکمیل۔ ترقیاتی امور میں اضافہ کی خاطر امداد۔  
اقتصادی تعاون کا فروغ۔ تجارت کے توسیع ممبر ممالک کے مالیاتی و شہریوں کا خاتمہ۔ دور  
جدید کے معاشی چیلنج کا مقابلہ بغیرت، جہالت اور بیماری کا قلع قمع۔ زرعی استحکام۔ بلا سود مالیات  
فراہم کرنے کا نیا تجربہ۔ سودی مفاسد کی بیخ کنی۔ اسلامی نظریہ حیات کے ترمیم کی جانب ایک  
اہم قدم کا آغاز صنعتی، زرعی، مالیاتی شعبوں اور کرنسی کے معاملات میں ہم آہنگی پیدا کرنا۔ ترقی یافتہ  
غیر مسلم ممالک کے دوشے بدوشے چلنے کی سعی۔ قدرتی اور انسانی ذرائع پیدائش سے صحیح استفادہ کرنے  
کی جدوجہد۔ اسلامی ممالک کو ایک دوسرے کے قریب تر لانے کے مواقع دستیاب کرنے کی  
عملی سکیم۔ اس سے سیاسی فضا ہموار کرنے میں مدد مل سکتی ہے معاشرتی مسائل اور دیگر نکتہ ہائے نظر  
کے ادراک سے یہ آسانی ہو جائے گی۔

ان میں سے بعض مقاصد کا تعین کر دیا گیا ہے اور امید واثق ہے کہ امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ  
باقی (جو کہ راقم نے تجویز کیے ہیں) کو بھی ہمہ گیر فلاح و بہبود کی خاطر دائرہ عمل میں شامل کر لیا جائے گا۔  
اداس طرح بینک کی کارکردگی اور اختیارات میں توسیع ہوتی جائے گی۔



# (۱۷) باب

بیمہ سازی = Insurance

اس ایٹی دور میں انسان کی محافظت اور اس کے مستقبل کو درخشاں بنانے کے لیے متعدد سکیمیں سوچی جاتی ہیں۔ اگرچہ ان کا مقصد بھلائی اور بہتری ہوتا ہے مگر بسا اوقات ان کا عمل مضر اور ضرر رساں ہوتا ہے۔ بیمہ کا مطلب عموماً یہی لیا جاتا ہے کہ ایک مفلوک الحال اور بد نصیب شخص کی باہمی مدد اور تعاون

بیمہ عام طور پر زندگی، مکان، دکان، بس، جسم کے کسی عضو یا کسی دوسری ذاتی املاک کا کرایا جاسکتا ہے۔ اور اس کی مناسب اقساط ادا کی جاتی ہیں۔ اسلام نے اس کے عدم جواز پر جو دلائل دیئے ہیں انہیں در طے تحریر میں لایا جاتا ہے۔ اگرچہ اصولی طور پر علما، کرام اس کی حرمت پر کئی طور پر متفق نہیں ہو سکے۔ تاہم شکوک چیز سے اجتناب کرنا اولیٰ اور افضل ہے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی نے اپنی کتاب ”اسلامی معاشیات“ میں اپنے خیالات کا اظہار کچھ اس طرح کیا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اسلام نے ابتداء میں جو نقشہ قائم کیا تھا۔ کاش کچھ دن بھی مسلمان اس نقشہ کو باقی رکھتے۔ تو آج گہرا گہرا کر نہ دنیا الشورنس کے دامن میں پناہ ڈھونڈتے، مغرب مخلوق اور کاشتکاروں کی مشکلات کا حل باہمی اتحاد والی سود خور انجن میں سوچا جاتا۔ گویا پنجہ گرگ (ساہوکار) سے نکال کر اس کے حلق پر ان انجنوں کی چھری چلائی جاتی ہے۔ مسلمان علما، کو مجبور کیا جا رہا ہے کہ سود اور ہمیہ وغیرہ کی شکلوں کے جواز کی صورت پیدا کی جائے۔ سمجھا جاتا ہے کہ اسلام کے نظام میں ان مشکلات کے حل کی کوئی تدبیر نہ تھی۔ اور گویا یورپ کا ذہن پہلی دفعہ ان مسائل کی طرف منتقل ہوا۔ لیکن کیا کیجے کہ کسی تصویر کے ایک حصہ کے دیکھنے سے پوری تصویر کا حال معلوم نہیں ہو سکتا۔ اس زمانہ کی سرمایہ دار حکومتیں نادار، بے روزگار باشندوں کی معاشرتی کفالت کی ذمہ داری لیتی بھی ہیں تو محدود پیمانے پر ہے۔ مجبوراً بیمہ کرنا پڑتا ہے۔ چند چوٹی کے سرمایہ داروں نے بیمہ کو ایک باقاعدہ تجارتی کاروبار بنا کر غریب پالیسی ہولڈروں کی آمدنی میں خود کو بھی حصہ دار بنالیا ہے۔ نیز ایسی کمپنی دتوئی قبل از وقت، کی اولاد کی جو بھی امداد کرتی ہے اس امداد کا بار ملک کے تمام باشندوں پر نہیں بلکہ صرف انہی چند ہزار لوگوں کی جیب



پر پڑتا ہے جو اس بیمہ کمپنی میں شریک ہوتے ہیں۔ کیونکہ بیمہ کمپنی کے منتظمین یا فیچر ادائیگی اپنی جیب سے نہیں کرتے بلکہ پالیسی ہولڈرز یا بیمہ شدہ افراد کی رقم سے جو منافع حاصل ہوتا ہے۔ اس کا ایک حصہ کسی دوسرے بیمہ شدہ قبل از وقت مرنے والے افراد کی اولاد کو ایک مشمت ادا کر دیتے ہیں پھر سودی کاروبار کی جملہ خرابیاں بھی اس میں شامل ہوتی ہیں۔

اگر اسلامی معاشی نظام کی ترویج ہو تو نہ کوئی باپ اپنے مرنے سے اس لیے خوفزدہ رہ سکتا ہے کہ اس کے بچے یتیم ہو جائیں گے۔ بیوی بیوہ ہو کر لاوارث ہو جائے گی نہ کسی کو اس کا خطرہ رہ سکتا ہے کہ میں اگر اتفاقی طور پر کسی مصیبت یا مرض کا شکار ہوا اور میرا ہاتھ خالی ہو گیا تو علاج کون کرے گا؟ میرے بچے کیا کھائیں گے۔ اگر کسی تاجر کو تجارت میں خسارہ آجائے، کسان کو زراعت میں نقصان پہنچے، کوئی لنگڑا ہو جائے، اندھا ہو جائے، بوڑھا ہو جائے، سب کو اطمینان ہے کہ میری اولاد کے لیے بیت المال یعنی سرکاری خزانہ میں مستقل کافی رقم پڑی ہے جو ملک کے مقروضوں کا قرض توڑنے کے لیے استعمال میں لانی جائے نہ سودی قرض کی حاجت نہ جائز ادبیچنے کی چنداں ضرورت کہ ان کے قرض کی ادائی کا سامان حکومت کے خزانہ میں موجود ہے۔ بیوپار کرنے والے مسافر جو ایک جگہ سے دوسری جگہ آتے جاتے رہتے ہیں نہ انہیں اس کی فکر کہ کس جگہ جا کر میرا ہاتھ خالی ہو جائے گا۔ ہر ضلع ہر تعلقہ کے مقامی خزانہ میں اس کی امداد کا فنڈ موجود ہے۔

(مناظر احسن الگیلانی)

انشورنس کے بارے میں شرع اسلامی کی رو سے چند اصول اور بنیادی اعتراضات ہیں جن کی بنا پر اسے ناجائز ٹھہرایا گیا ہے اور اسلامی تعلیمات کے منافی قرار دیا جاسکتا ہے۔

اول۔ یہ کہ انشورنس کمپنیاں جو روپیہ پرمیم (Premium) کی شکل میں وصول کرتی ہیں۔ اس کے بہت بڑے حصے کو سودی کاموں میں لگا کر فائدہ حاصل کرتی ہیں اور اس ناجائز کاروبار کو وہ لوگ خود بخود حصہ دار بن جاتے ہیں جو کسی نہ کسی شکل میں اپنی زندگی یا کسی دوسری املاک کو ان کے پاس انشور کراتے ہیں۔

دوم۔ یہ کہ وفات یا حوادث یا زیاں کی صورت میں جو رقم دینے کی ذمہ داری یہ کمپنیاں اپنے سر لیتی ہیں۔ ان کے اندر قمار (جو بازی) کا عنصر پایا جاتا ہے۔

سوم۔ ایک شخص کے مرجانے کی صورت میں جو رقم ادا کی جاتی ہے۔ اسلامی شریعت کی رو سے اس کی حیثیت متوفی کے ترکے کی سی ہے جسے شرعی وارثوں میں منقسم ہونا چاہیے۔ مگر وہ صرف اپنی



انفراد کو ملتی ہے جنہیں پالیسی ہولڈر نامزد کرتا ہے۔ دوسرے محروم رہ جاتے ہیں۔ اور یہ حق تلفی کے مترادف ہے۔ چونکہ یہ نامزدگی وصیت کا درجہ رکھتی ہے اور یہ دوسرے رشتہ داروں کی مرضی کے مطابق نہیں ہوتی۔ ویسے بھی وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں ہے۔

چہارم۔ پالیسی میں مدت کا تعین کیا جاتا ہے۔ اس پر پونس ملتا رہتا ہے اور وہ عموماً مقرر شرح سے ہوتا ہے۔ لہذا اس میں بھی ربلو کا شاٹبہ پایا جاتا ہے۔ اور یہ حرام ہے۔ اس لیے انشورنس بھی ناجائز ہو سکتی ہے۔

اسے حسب ذیل چند طریقوں سے درست بنایا جاسکتا ہے۔

- ۱۔ حکومت کو اس امر پر رضامند کیا جائے کہ وہ کمپنی کا زر ضمانت اپنے سرکار ہی یا نیم سرکاری صنعتی و تجارتی امور میں حصہ داری کے حصول پر صرف کرے اور کمپنی کو متناسب منافع ادا کرے۔
- ۲۔ کمپنی اپنے دوسرے سرمایے کو بھی ایسے نفع بخش کاموں میں لگانے جن میں سود کی بجائے اسے متناسب منافع حاصل ہو سکے۔ کسی سودی کاروبار میں رقم نہ لگانی جائے۔
- ۳۔ ہمیشہ زندگی یا دوسری اشیاء صرف ان لوگوں کا قبول کیا جائے جو دو باتوں کو تسلیم کر لیں۔  
اول یہ کہ ان کی موت کے بعد صرف ان کی جمع شدہ رقم ان کے جائز وارثوں میں تقسیم کی جائے گی۔  
دوم یہ کہ شرعی قاعدے کے مطابق یہ رقم وارثانِ بازگشت میں تقسیم ہوگی۔
- ۴۔ ہمیشہ کرانے والوں میں سے جو لوگ اپنی رقوم پر منافع چاہتے ہوں ان کا روپیہ ان کی اجازت سے اسی قسم کے صنعتی، تجارتی، زراعتی یا دیگر کاموں میں شراکت اور مضاربت کے اصول پر لگادیا جائے تاکہ انہیں موزوں منافع مل سکے۔

۵۔ پاکستان کی مانند دیگر مسلم ممالک بھی نجی سمیہ کمپنیوں کو سرکاری تحویل میں لے لیں۔ اور اس طرح حاصل شدہ رقوم ترقیاتی اور منافع آور پروجیکٹوں پر صرف کی جائیں اور منافع پالیسی ہولڈروں کے ماہین ان کی پالیسی کے مطابق متناسب شرح سے تقسیم کیا جائے۔

حکومت کی دانشمندانہ پالیسی اور سرپرستی سے سمیہ کو اسلامی رنگ میں آسانی سے ڈھالاجا سکتا ہے۔ اس طرح زیادہ سے زیادہ بے حال لوگوں کی اعانت و معاونت کی قطعی ضمانت حاصل ہو سکتی ہے۔ اور اسلام بھی اسی مقصدِ عظیم کا خواہاں ہے۔



## (۱۸) باب احکام اراضی

زمین کو پہلا عامل پیدائش شمار کیا جاتا ہے۔ تاہم اس کی مقدار معینہ ہے اس میں کمی و بیشی ممکن نہیں۔ یہ قدرت کا بہترین اور مشترکہ عطیہ ہے کیونکہ اس میں کسی فرد یا قوم کی محنت اور تنظیم کا کوئی عمل دخل نہیں۔ یہ رب العالمین کا عطا کردہ فرش عظیم ہے جس پر ساری دھرتی بڑی شان و شوکت سے زندگی بسر کر رہی ہے۔ زمین کو مختلف قسم کے استعمالات میں لایا جاسکتا ہے۔ فلک بوس عمارات تعمیر کی جاسکتی ہیں۔ کانیں اس کا سینہ چیر کر نکالی جاتی ہیں۔ مختلف معدنیات کا سکین بھی اسی میں ہوتا ہے۔ دکانیں اور کارخانے بھی اسی پر قائم کیے جاتے ہیں جتنی کہ ہر ذی روح جب لقمہ اجل بننا ہے تو اسی کی آغوش میں ابدی مینہ سوتا ہے اور لحد بھی جو کہ اس میں بنائی جاتی ہے انسان کی آخری آرام گاہ ہے۔ بغمہ سرائی کرتی ہوئی بحری دریاں لہریں اور نہریں بھی اسی پر بہتی ہیں۔ سدا بہار تبسم ریزہ پھول بھی اس کی زینت بنتے ہیں۔ گلستان وستان سے بھی اسی پر ہمکنار ہوتے ہیں۔ پرندوں کی صدائیں بھی اسی پر گونجتی ہیں۔ کھیتی باڑی بھی اسی پر کی جاتی ہے۔ مسرت و شادمانی کے شادیاں بھی اسی پر سجتے ہیں۔ خزن و ملال کے تازیانے بھی انسانی زندگی کو خوگر اسی پر بناتے ہیں۔ بغرنجیکہ انسانیات حیوانات، نباتات، اور جہادات سب کا بستر اسی کی چھاتی پر ہے۔ حتیٰ کہ کشت و خون کے کا زار اور قتل و غارت کے بازار بھی اسی پر گرم ہوتے ہیں۔ مگر یہ سب کچھ برداشت کرتی ہے کیونکہ نبوت و خلافت، شرافت و صداقت، اخوت و الفت اور امانت و حقانیت کا ظہور جلوہ طور بھی اسی پر ہوتا ہے۔ قرآن مقدس میں خدا نے قہر دس فرماتے ہیں۔

إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَنَحْنُ أَلْيَمُ الْعِلْمِ وَالْإِنْسَانِ يُرْجَعُونَ۔ یقیناً ہم زمین کے وارث

ہوں گے۔ اور جو کوئی زمین پر ہے ہماری طرف پھر آئیں گے۔ (مریم: ۶۵)

ایک اور مقام پر اس طرح خطاب فرمایا۔ مِنْتُمْ أَخْلَقْنَاكُمْ وَفِيْنَا نُعِيدْكُمْ وَفِيْنَا نُخْرِجْكُمْ مَّا رَتْنَا أُخْرٰی (طہ: ۵۵) ہم نے تم کو اسی زمین میں سے بنایا اور اسی میں پھر تمہیں سنبھال دیتے ہیں اور دوسری بار اسی سے نکالیں گے۔



تخلیق آدم مٹی سے کی گئی ہے۔ انسانی غذا میں بھی مٹی سے نکلتی ہیں۔ بعد از موت بھی مٹی میں جلد یا بدیر مل جاتا ہے جس کے دن ان تمام اجز کو ملا کر از سر نو پیدا کر دیا جائے گا اور جو قبروں میں مدفون تھے۔ باہر نکالے جائیں گے۔

اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ قَرَارًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَصَوَّرَكُم بِحُسْنِ صَوْرِكُمْ وَرَزَقَكُم مِّنَ الصَّيِّبَاتِ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُم فَتَبَرَّكِ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ (ترجمہ) رب تعالیٰ ہے جس نے زمین کو تمہارے لیے ٹھہرنے کی جگہ بنایا۔ آسمان کو عمارت اور صورت بنائی تمہاری تو اچھی بنائیں تمہاری صورتیں اور صاف ستھری چیزوں سے روزی دی۔ وہ اللہ تمہارا رب ہے سو اللہ جو سارے جہاں کا رب ہے بڑی برکت والا ہے۔

یعنی انسان شکل و صورت کے لحاظ سے نبی احسن تقویم ہے اور اس کی روزی بھی دوسروں

سے بہتر ہے۔

اس مختصر سی تمہید کے بعد اب زمین کی ملکیت کے بارے میں اسلامی نظریات کی وضاحت کی جاتی ہے۔ اگرچہ مختلف مکتب ہائے فکر کے خیالات میں اختلاف پایا جاتا ہے اور کچھ لوگ دوسرے سے ملکیت کے قائل ہی نہیں ہیں۔ بعض انفرادی ملکیت کی بجائے اجتماعی صورت میں رکھنے کے لیے دلائل دیتے ہیں۔ تاہم اسلام \_\_\_\_\_ انفرادی ملکیت کو کلیتاً ختم نہیں کرتا۔ نیز اس کے نزدیک انفرادی ملکیت کا انسداد انسان کے جائز انفرادی حقوق و فرائض پر ضرب کاری کے مترادف اور قوائے عملی میں جمود و تعطل پیدا کرنے کا موجب ہے۔ اس لیے اس قسم کا اقدام گویا فطرت کے ساتھ بغاوت ہے۔ اس لیے وہ کہتا ہے کہ صحیح طریق کاری یہ ہے کہ قوانین فطرت کی مطابقت کے ساتھ ساتھ ایک جانب زمین اور وسائل پیداوار میں انفرادی ملکیت کو ایک حد تک جائز قرار دیا جائے اور دوسری جانب اجتماعی مفادات کے پیش نظر اس پر ایسی شرائط عائد کر دی جائیں جو کہ انفرادی ملکیت میں اعتدال و توازن حقیقی کو برقرار رکھیں۔ کیونکہ علم الاخلاق اور علم الاجتماع دونوں کا یہ نظریہ ہے کہ انفرادی حقوق و فرائض میں اعتدال ہی اجتماعی امور کے لیے بہترین کیفیت ہے۔

شرعیت کی رو سے اسلامی نظام کے تحت اراضی چار اقسام پر مبنی ہے۔

۱۔ وہ زمینیں جن کے مالک دائرۃ اسلام میں داخل ہو جائیں اس قسم کی املاک کے بارے میں نبی اکرمؐ نے اس اصول پر عمل فرمایا تھا۔ جب لوگ اسلام قبول کر لیں تو وہ اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کر لیتے ہیں۔ (ابوداؤد۔ کتاب الخراج)۔ آدمی اسلام قبول کرتے وقت جن املاک کا مالک تھا



وہ اسی کی ملک رہیں گی۔ (ابوداؤد۔ ابن ماجہ)۔

یہ اموال جس طرح املاک منقولہ پر چسپاں ہوتا تھا اسی طرح غیر منقولہ پر بھی چسپاں ہوتا تھا اور اس معاملہ میں جو برتاؤ غیر زرعی جائیدادوں کے ساتھ تھا۔ دیہی زرعی جائیدادوں کے ساتھ بھی تھا۔ حدیث اور آئندہ کا پورا ذخیرہ اس پر شاہد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرب میں کسی جگہ بھی اسلام قبول کرنے والوں کی املاک سے زندہ برابر کوئی تعرض نہیں فرمایا جو جس چیز کا مالک تھا اسی کا مالک رہنے لیا گیا۔ اس سلسلے میں اسلامی قانون کی تشریح امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

”جو لوگ اسلام قبول کر لیں ان کا خون حرام ہے۔ قبول اسلام کے وقت جن اموال کے

وہ مالک ہوں وہ انہی کی ملک رہیں گے۔ اسی طرح ان کی زمینیں بھی ان ہی کی ملک رہیں گی

اور وہ زمینیں عشری قرار دی جائیں گی۔ اس کی نظیر مدینہ ہے جس کے باشندوں نے رسول کریم

کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور وہ اپنی زمینوں کے مالک رہے اور ان پر عشر لگا دیا گیا۔ ایسا

ہی معاملہ طائف اور بحرین کے لوگوں سے بھی کیا گیا۔ اسی طرح بدوؤں میں سے بھی جن جن

لوگوں نے اسلام قبول کیا وہ اپنے اپنے چشموں اور اپنے اپنے علاقوں کے مالک تسلیم کئے

گئے۔ ان کی زمین عشری زمین ہے وہ اس سے بے دخل نہیں کئے جاسکتے اور انہیں

اس پر بیع اور وراثت کے جملہ حقوق حاصل ہیں۔ بالکل اسی طرح جن علاقوں کے باشندے

اسلام قبول کر لیں وہ اپنی املاک کے مالک رہیں گے۔“

علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ زاد المعاد میں لکھتے ہیں:

”نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ جو شخص اسلام لانے کے وقت جس چیز

پر قابض تھا وہ اسی کے قبضہ میں رہنے دی گئی یہ نہیں دیکھا گیا کہ اسلام لانے سے پہلے

وہ چیز کس ذریعہ سے اس کے قبضہ میں آئی تھی۔ بلکہ وہ اس کے ہاتھ میں اسی طرح رہنے

دی گئی جس طرح وہ پہلے سے چلی آرہی تھی۔“

یہ ایک ایسا قاعدہ کلیہ ہے جس میں استثناء کی کوئی ایک مثال بھی عہد نبوت اور عہد خلافت راشدہ

کے نظائر میں نہیں ملتی۔ اسلام نے اپنے پیروؤں کی معاشی زندگی میں جو اصلاحیں بھی جاری کیں آئندہ کے لئے

کیں۔ مگر جو ملکیتیں پہلے سے لوگوں کے قبضہ میں چلی آرہی تھیں ان سے کوئی تعرض نہ کیا۔



2۔ وہ اراضی جن کے مالک دین پر رہیں مگر ایک معاہدہ کے ذریعے اپنے آپکو اسلامی حکومت کی مطابقت میں دے دیں۔ ایسے لوگوں کے بارے آنحضرتؐ نے مقرر فرمایا کہ جن شرائط پر ان سے مصالحت ہوئی ہو انہیں بے کم و کاست پورا کیا جائے۔ چنانچہ حدیث میں ارشاد ہے۔

اگر کبھی ایسا ہو کہ کسی قوم سے تمہاری جنگ ہو پھر وہ تمہارے سامنے آکر اپنے اور بال بچوں کی جانیں بچانے کے لیے اپنے مال دینے پر تیار ہو جائیں اور تم صلح کر لو تو ایسی صورت میں زائد کچھ لینا کیونکہ وہ تمہارے لیے جائز نہیں ہے (ابن ماجہ۔ ابوداؤد)۔

”خبردار رہو، جو شخص کسی معاہدہ زقی پر ظلم کرے گا یا از روئے معاہدہ اس کے جو حقوق ہوں۔ ان کے اندر کوئی کمی کرے گا یا اس پر اس کی برداشت سے زیادہ بار ڈالے گا یا اس سے اس کی رضامندی کے بغیر کوئی چیز لے گا اس کے خلاف میں خود قیامت کے روز مدعی بنوں گا۔“

اسی اصول کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجران۔ ایلہ۔ اذرعات، ہجر اور دوسرے جن جن علاقوں اور قبیلوں کے ساتھ صلح کی ان سب کو ان کی زمینوں اور جائیدادوں اور صنعتوں اور تجارتوں پر بدستور بحال رہنے دیا اور صرف وہ جزیرہ و خراج ان سے وصول کرنے پر اکتفا فرمایا جس پر ان سے معاہدہ ہوا تھا۔ پھر اسی پر خلفائے راشدین نے بھی عمل کیا۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں بعض اہم مصلحتوں کی بنا پر ہجران کے باشندوں کو اندرون عرب سے شام و عراق کی طرف منتقل کیا بھی گیا تو ان میں سے جس جس کے پاس ہجران میں جتنی زرعی اور سکنی جائیداد تھی اس کے بدلے میں نہ صرف اتنی ہی جائیداد اس کو دوسری جگہ دی گئی بلکہ حضرت عمرؓ نے اپنے شام و عراق کے گورنروں کے نام فرمان عام لکھا کہ جس کے علاقے میں بھی وہ جا کر آباد ہوں وہ فراخ دلی کے ساتھ افتادہ زمینوں میں سے ان کو دے۔

امام ابو یوسفؒ نے اس کو اپنی کتاب الخراج میں ایک قانونی دفعہ کے طور پر اس طرح ثبت فرماتے ہیں :

”غیر مسلموں میں جس قوم کے ساتھ اس بات پر امام کی صلح ہو جائے کہ وہ مطیع ہو جائیں اور خراج ادا کریں تو وہ اہل ذمہ ہیں۔ ان کی اراضی اراضی خراج ہیں ان سے بس وہی کچھ لیا جائے گا جس پر ان سے صلح ہوئی ہو۔ ان کے ساتھ عہد پورا کیا جائے گا اور ان پر کسی چیز کا اضافہ نہ کیا جائے گا۔“

3۔ تیسری قسم ایسی اراضی کی ہے جن کے مالک بزور تیغ مغلوب ہوئے ہوں۔ ان سے متعلق تین مختلف طرز عمل، عہد نبوت اور خلافت راشدہ میں ملتے ہیں۔



(۹) ایک طرز عمل جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں اختیار کیا تھا۔ یعنی فتح مکہ کے بعد لَا تَشْرِبْ عَلَيْكُمْ اْلْيَوْمَ کا اعلان عام اور معتوبین کو جان و مال کی پوری معافی اس صورت میں ملی کہ اپنی زمینوں اور جائدادوں کے بدستور مالک رہے اور اسلام قبول کرنے کے بعد ان کی زمینیں عشری قرار دیدی گئیں۔

(ب) دوسرا وہ طریق کار تھا جس کے مطابق آپ نے خیبر میں مفتوح علاقے کو مال غنیمت قرار دیدیا اس صورت میں سابق مالکوں کی ملکیت ساقط کر دی گئی۔ ایک حصہ خدا اور اس کے رسول کے حق میں لے لیا گیا اور باقی کو ان لوگوں میں تقسیم کر دیا گیا جو فتح خیبر کے موقع پر لشکر اسلام میں شریک تھے۔ یہ تقسیم شدہ زمینیں جن جن لوگوں کے حصے میں آئیں وہ ان کے مالک قرار پائے۔ اور ان پر عشر لگا دیا گیا (کتاب الاموال للابی عبید اور معاشیات اسلام سید ابوالاعلیٰ مودودی)۔

(ج) تیسرا طریقہ حضرت عمرؓ نے ابتداءً شام اور عراق میں اختیار کیا تھا۔ اور بعد میں تمام مفتوح ممالک کا بند و بست اسی کے مطابق ہوا۔ اگرچہ دوسرے صحابہ کرام نے مطالبہ کیا تھا کہ ان ملکوں کی زمین ان میں تقسیم کر دی جائے حضرت بلالؓ اور حضرت زبیرؓ کو خصوصیت کے ساتھ اصرار تھا حضرت عمرؓ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اور فاتح فوج میں تقسیم کرنے کی بجائے قومی ملکیت قرار دیا اس کا انتظام مسلمانوں کی طرف سے نیابت کے طور پر اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اصل باشندوں کو حسب سابق ان کی زمینوں پر کمال رہنے دیا۔ انہیں ذمی قرار دے کر ان پر جزیہ و خراج عائد کر دیا جو عام مسلمانوں کی فلاح و بہبود پر صرف ہوتا تھا۔ کیونکہ بنیادی نظریہ کے مطابق وہی ان علاقوں کے اصل مالک تھے۔ انکار کی وجہ یہ تھی کہ اگر ان زمینوں کو مجاہدین میں تقسیم کر کے زمیندار بنادیا جائے تو سرحدوں، شہروں اور ملکوں کے انتظامات، لشکروں کی ضروریات، بعد میں آنے والے مسلمانوں کی حاجات، اور دیگر غریبوں کی ضرورتوں کے لیے اس قدر کثیر آمدنی کہاں سے آئے گی؟ لہذا یہ سب زمینیں حکومت کے ہاتھ میں رہیں گی اور ان کی (کم تمام) مسلمانوں کے لیے وقف ہوگی۔ جب عمر فاروقؓ نے اختلاف دیکھا تو طویل القدر صحابہ کی مجلس مشاورت منعقد کر کے اس مسئلہ کو پیش کیا۔ بعد ازیں استصواب رائے عامہ کے لیے عام مجلس (کھلی کچہری) لگائی اور فرمایا:

”میں تمہاری مانند ایک فرد ہوں اور تمہیں آج فیصلہ کرنا ہے بعض میری رائے کے مخالف



ہیں اور بعض موافق اور میں ہرگز نہیں چاہتا کہ تم میری خواہش کی پیروی کرو۔ تمہارے پاس خدا کی بھیجی ہوئی کتاب جو کہ سچی ہے، موجود ہے۔ یہ حق کو واضح کرتی ہے۔ بخدا میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس میں بجز حق کے ارادے کے میرا کوئی دوسرا ارادہ نہیں ہے۔“

اس کے بعد اپنے دعوے کو قرآنی شواہد سے ثابت کیا اور سب نے اتفاق کیا۔ چنانچہ ان سب نے کہا: وہی صحیح ہے جو آپ فرماتے ہیں جو آپ نے فرمایا وہی بہتر اور خوب ہے۔ حتیٰ کہ ایک وقت ایسا بھی گزرا ہے کہ حضرت عمرؓ نے تمام مسلمانوں کو زمینداری اور کاشتکاری دونوں سے یک قلم روک دیا اور فرمایا کہ جب مسلمانوں، ان کے اہل و عیال اور غلاموں تک کا وظیفہ مقرر ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ سب کے سب حکومت کے کارآمد پُزرے نہ بنیں اور جہاد و اعلا کلمۃ اللہ کے والنثیر ہونے کی بجائے بیلوں کے دُم سے چمٹے رہیں۔ طنطاویؒ نظام العالم والامم میں خوب بیان کیا ہے۔

[جب حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مال بہت بڑھ گیا اور لوگوں کے روزینے مقرر ہو گئے اور جس طرحی مرتب ہو گئے۔ تو غلاموں اور قاضیوں کے مشاہرے بھی بنادینے گئے اور پونجی جمع کرنے کی ممانعت کر دی گئی۔ زمینداری ممنوع قرار پائی، زراعت اور فرائض دونوں ہی پر پابندی لگادی گئی اس لیے کہ ان کے، ان کے اہل و عیال، ان کے غلاموں اور آزاد کردہ غلاموں تک کے لیے وظائف بیت المال سے مقرر کر دیئے گئے تھے۔ حضرت عمرؓ کے اس حکم کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان ہر وقت ایک فوجی کی حیثیت سے کوچ کے منتظر رہیں اور ان کو نہ کھیتی کا انتظار روک سکے اور نہ خوش عیشی اور عیش کوشی اس سے باز رکھ سکے۔ اور یہ حکم بیان تک آگے بڑھا کہ اگر کسی ملک کا قدیم ذمی شاہد بھی مسلمان ہو جاتا تو اس کی ساری جائداد املاک اس کی بستی کے ذمیوں میں تقسیم کر دی جاتی اور وہی ان املاک کاخراج ادا کرتے اور صرف اس کا مال اور حیوان اس کے سپرد کر دیئے جاتے تھے اور خلافت کی جانب سے اس کا وظیفہ (ماہانہ) بیت المال سے مقرر کر دیا جاتا تھا۔ اور اس حکم کو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے بھی اپنی خلافت کے دور میں جاری کیا۔ کیونکہ وہ ہر معاملہ میں حضرت عمر بن الخطابؓ کی پیروی کے حامی تھے۔]

عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے مصر میں تمام اسلامی لشکر کے سرداروں میں یہ منادی کرادی کہ تمام مسلمانوں کے وظائف مقرر ہیں اور ان کی اولاد کے بھی۔ لہذا نہ کوئی مسلمان کاشتکاری کرے اور نہ زمینداری۔



شریک بن مہمی غطفیؓ حضرت عمرو بن العاصؓ سے یہ غدر کر کے کہ وظیفہ میری معاش کی پوری کفالت نہیں کرتا۔ بغیر اجازت کاشتکاری شروع کر دی حضرت عمرؓ نے دربار میں خوب سرزنش کی اس نے کہا میں تائب ہوتا ہوں۔ معافی طلب کی۔ تو حضرت عمرؓ نے معاف کر دیا۔

اسی طرح حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانہ میں جس قدر ممالک بھی فتح کیے گئے ان کی اراضی کا معاملہ بیشتر حکومت ہی کے ہاتھ میں رہا اور کاشتکاروں سے حاصل شدہ لگان حکومت کے ذریعہ عوام کی ضروریات پر صرف ہوتا تھا۔ مجاہدین و فاتحین کے اصرار کے باوجود کوئی حصہ بھی بطور جائداد انہیں نہ دیا گیا۔

4۔ چوتھی قسم وہ ہے جو زمینیں کسی کی ملک نہ ہوں۔ اس قسم کی اراضی دو بڑی اصناف پر مشتمل تھیں۔ ایک وہ جنہیں "موات" کہا جاتا ہے یعنی افتادہ زمینیں جن کے مالک مر گئے ہوں۔ یا جنکا کوئی مالک نہ رہا ہوں۔ یا جو جھاڑیوں، دالوں اور سیلابوں وغیرہ کے نیچے آگئی ہوں۔

دوسری خالصہ زمینیں یعنی جن کو سرکاری املاک قرار دیدیا گیا تھا۔ ان میں کئی طرح کی اراضی تھیں کچھ ایسی تھیں جن کو مالکوں نے خود دست بردار ہو کر حکومت کے حوالے کر دیا تھا۔ اور اسے اختیار تھا کہ جس طرح چاہے استعمال کرے (کتاب لاموال لابن عبید۔ معاشیات اسلام۔ مودودی)

چند زمینیں ایسی تھیں جن کے مالکوں سے اسلامی حکومت نے بے دخل کر کے سرکاری تحویل میں لے لیا تھا۔ مثلاً مضافات مدینہ میں بنو نضیر کی اراضی۔

تیسری وہ جو مفتوحہ علاقوں میں تھیں اور سرکاری تحویل میں لے لی گئی تھیں۔ جیسا کہ وہ اراضی جو عراق میں کسریٰ اور اس کے خاندان کے قبضہ میں تھیں۔ یا جتکے مالک جنگ میں مارے گئے تھے۔

حضرت عمرؓ نے انہیں خالصہ قرار دے دیا تھا۔ (امام ابو یوسفؒ اور ابو عبیدؒ نے اپنی کتابوں میں اس قسم کی اراضی کی دس اقسام گنوائی ہیں)۔

"موات" کے بارے میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپؓ نے فرمایا جس شخص نے کسی ایسی زمین کو آباد کیا جو کسی دوسرے کی ملک نہ ہو وہی اس کا زیادہ حقدار ہے۔ عمرو بن زبیرؓ کہتے ہیں کہ اس پر حضرت عمرؓ نے عمل کیا۔ (بخاری۔ احمد۔ نسائی)۔

جابر بن عبد اللہؓ نے روایت بیان کی ہے کہ جس کسی نے مردہ زمین کو زندہ کیا (بیکار پڑی ہوئی زمین کو آباد کیا اور کار آمد بنایا) وہ اسی کی ہے (ابن ماجہ۔ ترمذی۔ احمد۔ نسائی)۔

عمرو بن عبد بن جندب سے روایت ہے جس کسی نے افتادہ زمین پر احاطہ کھینچ لیا وہ اسی کی ہے (ابو داؤد)۔



”اور امام کو چاہیے کہ نجبر زمینوں اور غیر منلوک لاوارث زمینوں کو جاگیر (اقطاع) کے طور پر دے دے تاکہ وہ مزدور بن سکیں۔ اور ان کے سلسلہ میں ایسا رویہ اختیار کرے جس میں تمام مسلمانوں کی بھلائی اور نفع ہو“ (کتاب الخراج)۔

اور فقہاء کے نزدیک نجبر، سخت، ریتی، پتھریلی زمین، ٹیلے جو آبادی سے دور ہوں اور جن کا نہ کوئی مالک ہے یا مالک کا پتہ نہیں چلتا۔ خلاصہ کلام یہ کہ جو زمین ناکارہ پڑی ہو اور اس کی یہ خرابی قدیم اور عاری ہو۔ (یہ سب موات) ہیں۔ پس اگر کسی مسلمان یا ذمی نے حکمران کی اجازت سے اسے زندہ (قابل کاشت) کر لیا تو وہ اس کی ملکیت ہو جائے گی“ (سعیدیات فی المعاملات)۔ مگر اس کے لیے تین شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ زمین فناء و شہر میں شامل نہ ہو۔ دوسری یہ کہ امام کی اجازت سے قبضہ لینے کے بعد تین سال تک نجبر رہنے دیا تو وہ ساقط ہو جائے گی تیسری یہ کہ وہ زمین کنوئیں، بادی تالاب اور چشمہ کی صریم نہ ہو۔ چوپایوں کے پانی کے لیے ارد گرد چالیس گز زمین چھوڑی جائے۔ زراعت کے لیے کنوؤں کے ساتھ ساٹھ گز اور چشموں کے لیے پانچ سو گز چھوڑی جائے۔ (کتاب الخراج)۔

فقہائے اسلام کے درمیان صرف اتنا اختلاف ہے کہ کیا آباد کاری سے ملکیت ہو جاتی ہے یا حکومت سے اس کی منظوری ضروری ہے۔ امام ابو حنیفہؒ ضروری گردانتے ہیں۔ مگر امام یوسفؒ امام محمدؒ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ اسے ضروری نہیں سمجھتے۔ موات اور خالصہ دونوں طرح کی زمینوں میں سے بکثرت قطعات بنی کریمؐ نے خود ہی لوگوں کو عطا فرمائے۔ اور آپ کے بعد خلفائے راشدین بھی برابر اس طرح کے عطیے دیتے رہے۔ اس کی بہت سی رنجیریں آثار و احادیث کے ذخیروں میں موجود ہیں۔ مگر ساتھ ہی شرط ہے کہ عطیہ حاصل کرنے والا شخص تین سال تک اس پر کچھ کام نہ کرے تو عطیہ منسوخ سمجھا جائے یا جو عطیہ صحیح طور پر استعمال میں نہ آ رہا ہو تو نظر ثانی کی جائے۔ بلال بن حارثؓ مرنی کو رسول اکرمؐ نے ایک مربع بطور عطیہ دیا تھا مگر وہ اس سارے کو کاشت کرنے سے معذور تھے۔ اس لیے عمر فاروقؓ نے اسے کہا تھا کہ بقدر ضرورت رکھو اور باقی واپس کر دو۔ چنانچہ زائد کو حضرت عمرؓ نے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔

اسی طرح یہ بھی اہم امر ہے کہ آیا حکومت موات میں سے اور خالصہ میں سے ہی جاگیریں دینے کی مجاز ہے یا پھر یہ کہ گورنمنٹ اراضی انہی کو دے جن کی قابل قدر خدمات ہوں یا آئندہ ایسی توقع ہو مزید برآں اجتماعی مفاد کی خاطر بھی عطیات عنایت کیے جاسکتے ہیں۔



امام ابو یوسفؒ نے نہایت ہی شاندار تبصرہ کیا ہے۔

[اور اے امیر المؤمنین! آپ نے ان زمینوں کے بارے میں دریافت کیا ہے جو فوج کشی کے ذریعہ سے یا مصالحت کی راہ سے فتح کی گئی ہوں اور ان سے متعلق پوچھا ہے جو بعض دیہات میں اس حالت کے اندر موجود ہیں کہ ان میں مکان ہونے کے نشانات پائے جاتے ہیں اور نہ زراعت کے توان سے متعلق کیا مشورہ ہے؟ پس اگر ایسی زمینوں میں نہ مکانات کے اثرات ہوں اور نہ زراعت کے اور نہ وہ اہل بستی کے حق میں فتنے ہو اور نہ قبرستان ہو اور نہ چراگاہ ہو اور نہ وہ کسی کی ملکیت ہو اور نہ کسی کی مقبوضہ تو ایسی زمین "ارض موات" ہے پس جو شخص اس کو یا اس کے بعض حصہ کو زندہ (کاشت) کرے تو وہ اس کی ملک ہو جائے گی۔ اور آپ کے لیے ایسی زمینوں سے متعلق جاگیر کے طور پر دے دینے کا بھی امتیاز ہے مگر مناسب سمجھیں اور ہجرت پر کاشت کرالینا یا کوئی دوسرا مناسب طریقہ اختیار کرالینا بھی جائز ہے] (کتاب الخراج)

چند دیگر روایات بھی ملاحظہ ہوں۔

حضرت سالمؓ راوی ہیں کہ آپؐ نے فرمایا جو فرد زمین میں سے ناحق کچھ لے اُسے ساتویں طبقہ تک دھنسیا جائے گا۔ (بخاری)۔

اسی طرح حضرت یعلیٰ بن مرہؓ سے روایت ہے آنحضورؐ نے فرمایا جو شخص بالشت بھر زمین بھی حکم کر کے لے گا خداوند تعالیٰ اسے حکم دے گا کہ وہ اس زمین کو ساتویں طبقہ تک کھودے پھر وہ زمین ملوک بنا کر اس کے گلے میں ڈال جائے گی اور وہ تاقیامت اسی حال میں رہے گا یہاں تک کہ رزقیت لوگوں کے معاملات کا فیصلہ ہو۔ (احمد)۔

ان مہینہ حقائق کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اقتصادیات اسلامیہ نے ملکیت اراضی میں میانہ روی کی حکمت عملی پیش کی ہے۔ اور افراط و تفریط سے بچ کر ایک ایسا راستہ نکالا ہے جس میں مطلق خانگی املاک کی اراضی کی گنجائش نہیں رکھی گئی بلکہ افراد کا حق ملکیت تسلیم کیا ہے۔ اور اس پر زمیندار کی اصطلاح بھی منطبق ہو سکتی ہے۔ اور عام حالات میں اس میں مداخلت و مداخلت نہیں کی جب تک مالکان مقررہ معاوضہ لگان کی صورت میں ادا کرتے رہیں مگر مفاد عامہ کے پیش نظر حکومت مقول معاوضہ دے کر اپنی تحویل میں لے سکتی ہے۔ تاہم اسلام تعلقہ داری اور جاگیر داری کے موجودہ سسٹم کو جائز نہیں سمجھتا۔ کیونکہ یہ جابرانہ اور ظالمانہ ہے۔ اسی طرح کاشتکار کو بھی یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ صاحب جائیداد کی زمین پر اشتراک عمل کے بعد زبردستی قابض ہو جائے اور اسے اپنی ملک خیال کرنے لگے۔ جیسا کہ



آج کل چند شر پسند لوگ ایسا کرنے لگے ہیں اور زمیندار و مزارع کے مابین کشیدگی بڑھ گئی ہے۔ ان محدود حالات کی درستی کے لیے مناسب اصلاحات کی اشد ضرورت محسوس کی جا رہی ہے اور سنجیدہ طبقہ اس پر غور کر رہا ہے۔ تاکہ سازگار ماحول پیدا کیا جاسکے۔

چند مزید دلائل بھی ملاحظہ ہوں۔

آج کل کچھ مسلمان سوشلزم سے شعوری یا غیر شعوری طور پر متاثر ہونے کی وجہ سے زمین کی نجی ملکیت کو ناجائز قرار دینے کی سرٹوٹر کوشش کر رہے ہیں۔ بزعم خویش بعض قرآنی آیات اور احادیث سے اپنے دعویٰ کو صحیح ثابت کرتے ہیں۔ ان کے استدلال کے غلط ہونے کا تذکرہ ذمہ دہ مختصراً کرنا مناسب ہے۔

۱۔ ان لوگوں کے کہنے کے مطابق کہ ”الارض للہ“ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے اس لیے کسی فرد کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ زمین کے ٹکڑے پر قبضہ جما کر بیٹھ جائے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب زمین خداوند تعالیٰ کی ہے اور اسی بنا پر انفرادی ملکیت ناجائز ہے تو اجتماعی ملکیت کیسے جائز ہوگی؟ اگر فرد پر اعتبار نہیں کروہ زمین سے حاصل ہونے والی پیداوار سے متعلق حقوق پورے نہ کرے گا تو حکومت بھی انہی افراد کے مجموعے سے تشکیل پاتی ہے یہ کیسے فرض کر لیا گیا کہ ایک شخص اپنی ذاتی حیثیت میں لازماً حریص و نجیل اور لوگوں کے حقوق کی پرواہ نہ کرنے والا متصور ہوگا۔ مگر سرکاری پوزیشن میں وہ فرشتہ بن جائے گا؟

الفرع ”الارض للہ“ کی آڑ لے کر نجی ملکیت درست نہیں تو اجتماعی ملکیت کا بھی کوئی جواز نہیں۔ نیز صرف زمین ہی نہیں بلکہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب کچھ اللہ کا ہے۔ انسان خالی ہاتھ اس دنیا میں آتا ہے اور خالی ہاتھ چلا جاتا ہے۔ اس کی تجمیر و تحفین بھی اس کے ورثا وغیرہ کرتے ہیں۔ انسان کو زندگی اور موت پر بھی اعتماد نہیں نہ صرف ذرائع اور پیداوار بلکہ ہم خود سب اللہ کے ہیں اور فی السموات و ما فی الارض اللہ ہی کے لیے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔

اِنَّا مَنَحْنُ نَزْلَ الْاَرْضِ وَ مَنَ عَلَیْهَا وَ اِلَیْهَا یُرْجَعُونَ ط یعنی ہم ہی زمین کے اصل وارث ہیں اور زمین پر رہنے والوں کے بھی اور یہ سب ہماری طرف لوٹ کر آئیں گے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔ ہم سب اللہ ہی کے لیے ہیں اور اسی کے پاس جان و مال کا قصہ اس کائنات کے ذرہ ذرہ کا حقیقی مالک رب تعالیٰ کی ذات ہی ہے تو انفرادی ملکیت کو صرف پیداواری عوامل تک محدود کر دینا اور پیداوار پر اس کا اطلاق نہ کرنا محتاج دلیل قوی ہے۔ اگر زمین ذاتی ملکیت میں نہیں ہو سکتی تو لباس خوراک، نقدی وغیرہ کوئی چیز بھی کسی انسان کے پاس نہیں ہونی چاہیے۔



اگر زمین اللہ کی ہے اور کسی کے لیے اس کی ملکیت درست نہیں۔ سب انسانوں کی مجموعی ملکیت ہے تو یہی کلیہ اقوام پر من حیث القوم لاگو ہونا چاہیے۔ اشتراکی ممالک کو اپنے علاقہ و ملک کی جغرافیائی سرحدوں سے بے نیاز ہو جانا چاہیے۔ اپنے علاقے کے عاملین پیداوار کو دیگر ممالک کے لیے وقف کر دینا چاہیے۔ کیونکہ ساری زمین اللہ کی ہے۔ اور سب انسان اللہ کے ہیں۔ اللہ نے مستقل طور پر کسی قوم کو کسی خاص علاقے کے اجتماعی ملکیت کے دائمی حقوق دے رکھے ہیں۔ اس دعویٰ کو ثابت کرنا ہوگا۔

۲۔ وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَهٌُ وَفِي الْأَرْضِ إِلَهٌُ : اور وہ اللہ آسمان میں بھی معبود ہے اور زمین پر بھی معبود ہے کچھ نکتہ شناسوں نے اس قسم کی آیات سے زمین کی نفی پر عجیب استدلال کیا ہے۔ ان کے مطابق کہ اللہ آسمان میں بھی معبود ہے اور آسمان کے اجرام فلکی چاند ستارے کسی کی ملکیت نہیں ہیں۔ وہی اللہ زمین میں بھی معبود ہے۔ زمین بھی اجرام فلکی میں سے ہے لہذا یہ بھی کسی کی ملکیت نہیں ہو سکتی۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سورج، چاند، ستاروں پر انسانوں کی اجتماعی ملکیت بھی تو نہیں ہے پھر زمین میں اجتماعی ملکیت کیونکر جائز ہوئی۔ نیز اس استدلال سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ دو سے زیادہ ہم جنس اشیاء سے استفادہ کا طریق یکساں ہے اور ان کی خصوصیات بھی یکساں ہیں۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ اس بنا پر اگر کہا جائے ”اللہ آسمان میں بھی معبود ہے۔ سورج اجرام فلکی میں سے ہے اور آگ کا گولہ ہے اور زمین پر بھی معبود ہے لہذا زمین بھی آگ کا گولہ ہے“ اگر یہ دلیل مضحکہ خیز ہے تو زمین کی نجی ملکیت کی نفی پر مذکور استدلال بھی ہو ہو اسی قسم کا ہے۔ بدین باعث وہ بھی مضحکہ خیز ہے۔

۳۔ لَيْسَ لَكُم مَّا ذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ : اس آیت سے یہ استدلال پیش کیا گیا ہے کہ ضرورت سے زائد مال اپنے پاس رکھنا حرام ہے۔ لیکن ہر فرد کی ضرورت کا تعین کیسے ہو؟ انسان مشینوں کی مانند جامد نہیں ہیں۔ افراد اپنے طبائع کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں پھر ہر کسی کی روزمرہ کی ضروریات بھی ایک ہی نوع کی نہیں ہیں۔ بدین وجہ اس معاملہ میں ریاست کی مداخلت کا کوئی جواز نہیں۔ ہر شخص اپنی احتیاجات کو سمجھتا ہے۔ یہ معاملہ بھی فرد کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ چنانچہ اس کا اردو ترجمہ علماء نے یہ کیا ہے۔

”تجھ سے لوگ پوچھتے ہیں کہ کیا مال خرچ کریں؟ تو کہہ دے جو سہولت سے ہو سکے“

اس طرح یہ حکم وجوبی نہیں، استنباطی ہے اگر حکم واجب ہوتا تو پھر زکوٰۃ کی شرح کے تعین اور وصولی کے انتظام و انصرام کی ضرورت ہی کیا باقی رہ جاتی ہے؟ پھر تو معاملہ ریاست کی مرضی پر چھوڑ دیا



دیا جاتا کہ وہ خود ضرورتوں کا تعین کرتی پھر ہے۔ ہاں اگر زکوٰۃ وغیرہ کی وصولی کے بعد معاشرہ کے نادار و مفلس لوگوں کی بنیادی ضرورتیں پوری نہ ہوتی ہوں تو ریاست کو مداخلت کا حق دیا گیا ہے۔ اس کی تفصیل اس کتاب میں مناسب موقع پر بیان کر دی گئی ہے۔ نیز یاد رہے کہ مذکورہ آیت کا زمین کی بخشی ملکیت کی نفی سے کوئی تعلق بھی نہیں ہے۔

4۔ ”سَوَاءٌ لَّسَّافِلِیْن“ قرآن پاک کی ایک آیت کے آخری ان الفاظ سے دلیل دی جاتی ہے کہ زمین کی بخشی ملکیت حرام ہے۔ ترجمہ یوں کیا جاتا ہے۔

” (یہ زمین) مانگنے والوں کے لیے سب کے لیے برابر ہے“ اس استدلال کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ سائلین سے صرف انسان ہی کیوں مراد لیے گئے۔ سب حیوانات چرند پرند اس میں داخل ہیں کیا ریاست ان حیوانات اور چرند پرند کی روزی کا سامان و انتظام بھی خود کرتی ہے؟ دوسرے یہ کہ اگر آیت مذکورہ کا یہی مطلب لیا جائے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں تو اس پٹیل کی کیا صورت ہوگی؟ ایک تو یہ کہ علاقہ کی مردم شماری کر کے زمین کو یکساں تقسیم کر لیا جائے یا یہ کہ زمین ریاست کی زیر تحویل ہو اور اس کی پیداوار تول تول کہ برابر برابر منقسم کر دی جائے؟ ان دونوں صورتوں میں سے کسی پر بھی عمل ممکن نہیں ہے اور نہ ہی اشتراکِ ممالک میں ایسا ہوتا ہے۔ یہاں سَوَاءٌ لَّسَّافِلِیْن سے مراد یہ لی جاسکتی ہے کہ زمین اپنی پروڈکشن سے فائدہ پہنچانے کے لحاظ سے سب انسانوں اور دیگر حیوانات کے لیے یکساں ہے۔ اس زمین کی پیداوار ہر فرد کی ہے۔ آبادہ کا شتکار ہے یا نہیں ہے۔ یہاں وزن یا کمیت مقدار مراد نہیں ہے۔ حدودِ حرم میں داخل ہونے والوں سے متعلق ارشادِ ربّ العزت ہے۔

”سَوَاءٌ مِّنَ الْعَاقِلِ فِیْہِ وَالْبَادِ۔ وہاں مقیم اور مسافر برابر ہونگے“ تو یہاں مساوات سے مراد یہ ہے کہ سب امن میں ہوں گے۔ وہ امن کی جگہ ہے۔ قاتل کو دہا گرنے کا نہیں کیا جائے گا بلکہ اور ذرائع سے تنگ کر کے مثلاً خوراک روک کر وہاں سے نکلنے پر مجبور کیا جائے گا۔ دیکھئے یہاں آیت کا یہ مطلب نہیں کہ وہاں جا کر سب کا وزن برابر ہو جاتا ہے۔ اکثر علماء نے آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے۔

”کہ اللہ نے زمین و آسمان کو دو یوم میں پیدا کیا۔ چار دنوں میں روزی کے سامان رکھے یوں پوچھنے والوں کے لیے چھ دن کا حساب برابر کا ہوا۔“

5۔ آنحضرت کی ایک حدیث ہے ”میرے لیے تمام زمین مسجد بنائی گئی ہے“



اس سے یہ استدلال لیا جاتا ہے کہ جس طرح مسجد کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتی اسی طرح زمین کسی کی ذاتی جائداد نہیں ہوگی۔ حالانکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نماز کی ہر حالت میں ادائیگی مسجد میں کرنی ضروری نہیں۔ جہاں بھی نماز پڑھائی جائے درست ہے۔

اگر مذکورہ استدلال کو درست مانا جائے تو مسجد میں تھوکن، پیشاب کرنا، دنیوی باتیں کرنا، خرید و فروخت کرنا درست ہیں۔ یہی پابندیاں باقی زمین پر بھی ہونی چاہئیں۔ جب عملاً ایسا نہیں ہے تو واضح ہوا کہ یہاں تشبیہ صرف ”مسجد گاہ“ ہونے کے لحاظ سے زمین سے دی گئی ہے۔ یہاں مسجد مشبہ ہے اور زمین مشبہ بہ ہے۔ یہ ضروری نہیں ہوا کہ تاکہ مشبہ اور مشبہ بہ تمام اوصاف میں ایک جیسے ہوں مثلاً ”زید شیر ہے“ میں وجہ مشبہ بہاوری ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ زید شیر کی طرح دھاڑتا ہے دم رکھتا ہے وغیرہ۔ 6۔ ہوا، پانی، دھوپ وغیرہ کسی کی ملکیت نہیں ہوتے، اس لیے زمین بھی کسی کی ملکیت نہیں ہونی چاہئے۔ یہ استدلال بھی صحیح نہیں ہے۔ ہوا پر تو کسی کا اجتماعی کنٹرول نہیں ہے۔ اس دلیل کی رو سے تو زمین کی نہ صرف نجی ملکیت بلکہ اجتماعی ملکیت یا قبضہ کی بھی نفی ہو جائے گی۔ زندگی کے لیے جو چیز جتنی ضروری ہے اللہ تعالیٰ نے آنا ہی اسے وافر مقدار میں پیدا کیا ہے۔ ہوا سب سے مقدم ہے لہذا نہ یہ کسی فرد، قوم کی ملکیت ہے۔ پانی کا دوسرا نمبر ہے۔ پانی پر انفرادی ملکیت دوسروں کی زندگی کو معرض خطر میں ڈال سکتی ہے۔ لہذا انفرادی ملکیت کی نفی ہوئی مگر زمین کی نجی ملکیت سے (جب کہ شرعی حدود کے اندر ہو) تقریباً کیونکہ پانی ایک ہمہ وقتی ضرورت ہے۔ کسی کی زندگی کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوتا اس لیے ہوا، پانی اور دھوپ پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ دھوپ بھی کسی کے بس میں نہیں ہے۔ 7۔ کبھی زمین کی نجی ملکیت کی نفی نہیں کی جاتی مگر یہ نعرہ بلند کیا جاتا ہے۔ ”زمین اسی کی جو اسے کاشت کرے“

یہ استدلال بھی مضحکہ خیز ہے۔ کل کلاں یہ نعرے بھی اٹھیں گے ”مکان اسی کا جو اسے بنائے یا جو اس میں رہائش رکھے۔ کپڑا اسی کا جو اسے سینے۔ اور جینس یا گائے اسی کی جو اسے دوسے وغیرہ“ اس نعرے پر اگر عمل کیا جائے تو عورتوں، بچوں، بیماروں اور کمزوروں پر ظلم کی راہ کھل جائے گی مثلاً کسی بیٹی کو اپنے باپ سے یا بیوہ کو اپنے خاوند سے ورثہ میں زمین ملی ہے۔ مانا کہ باپ یا خاوند خود کاشت کا رہا تھا مگر عورت خود کاشت کرنے سے عاجز ہے اور مذکورہ نعرے کا مطلب یہ ہوا کہ اب جو بھی اس زمین کو کاشت کرے وہ مالک ہوا اور اصل مالک محروم رہا۔ نیز اسلامی قانون وراثت کہاں جائے گا؟ اس کی کوئی وقعت نہیں رہے گی۔ حالانکہ اسے قرآن مقدس میں خود اللہ تعالیٰ بیان فرمایا ہے۔ اور احادیث سے بھی ثابت ہے۔



## مزارعت = Tenancy

ملکیت زمین کی مانند مزارعت کے بارے میں علمائے کرام کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے۔  
دونوں قسم کے فریقوں کے خیالات رقم طراز کیے جاتے ہیں۔ پہلے ایسے حالات بیان کیے جاتے ہیں  
جو مزارعت کے خلاف جاتے ہیں۔

۱۔ حضرت رافع بن خدیجؓ نے فرمایا: رسول اللہؐ نے یہی ایک ایسے کام سے منع فرمایا جو بظاہر  
ہمارے لیے نفع بخش تھا۔ وہ یہ کہ ہم میں سے کسی شخص کے پاس زمین ہو تو وہ اسے نہ بٹائی پڑے اور  
نہ نقد لگان پر اور فرمایا کہ تم میں سے جن کے پاس زمین ہو تو وہ یا خود کاشت کرے یا اپنے مسلمان  
بھائی کو کاشت کے لیے احسان کے طور پر مفت دے۔

۲۔ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا آپؐ نے ارشاد فرمایا جس فرد کے پاس زمین ہو اسے چاہیے کہ خود  
کاشت کرے یا دوسرے کو کاشت کے لیے مفت احسان کے طور پر دیدے اور اگر دونوں  
میں سے کوئی بات نہ کرے تو اپنی زمین کو یونہی روکے رکھے۔ یاد رہے کہ یہ حکم وجوبی نہیں ہے بلکہ  
استحباب کے لیے ہے۔ اگر کوئی ایسا کرے تو اچھا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو صحابہ کرامؓ ضرور اس پر  
عمل کرتے۔

۳۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ زمین کے ذریعے عیوش یا  
اجارہ کا فائدہ اٹھایا جائے۔

۴۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنی زمین کو عہد بنی کریمؐ سے لے کر ابتدائے امارت حضرت امیرؓ  
تک کاشتکاروں کو لگان پر دیتے رہے مگر جب انہوں نے رافعؓ کی حدیث سنی تو اس عمل کو اس  
خوف سے ترک کر دیا کہ شاید رسول مقبولؐ نے آخر عمر میں یہ فیصلہ دیا ہو۔

۵۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کا مذہب یہ ہے کہ افراد امت کے درمیان زمین کا اجارہ اور اس کی  
مزارعت دونوں ناجائز ہیں۔

۶۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ نقد لگان (اجارہ) پر دنیا جائز ہے مگر مزارعت (بٹائی)  
پر نادرست۔ مگر طائفسؒ اور ابن حزمؒ کہتے ہیں کہ بٹائی پر دنیا جائز ہے۔ اور نقد لگان پر نادرست۔ اور جمہور  
علماء فرماتے ہیں کہ اراضی کو نقد لگان پر اور بٹائی دونوں صورتوں میں اجارہ پر دنیا جائز ہے اور یہی سلف  
خلف کا تعامل رہا ہے۔



7 - حضرت خنظلہ بن قیس انصاری فرماتے ہیں کہ میں نے رافع بن خدیج سے سنا انہوں نے کہا کہ اہل مدینہ میں سے ہمارے پاس زرعی سب سے زیادہ بھٹی ہم زمین کو کراہ پر دیتے اور اس کا طریقہ یہ تھا کہ زمین کا ایک حصہ مالک زمین کے لیے مخصوص کر دیا جاتا اور اس میں جو فصل تیار ہوتی وہ اسے ملتی اور زمین کا دوسرا حصہ کاشتکار کو دیا جاتا۔ اس میں جو فصل بوئی جاتی اسے کاشتکار برداشت کرتا اس طرح کبھی کاشتکار حصہ میں سے کسی وجہ سے فصل برباد ہو جاتی اور مالک کا حصہ بالکل سلامت رہتا اور کبھی مالک کا حصہ تباہ ہو جاتا اور کاشتکار کا حصہ محفوظ رہتا اس لیے یہیں اس طرح کی مزارعت سے منع کر دیا گیا سونے اور چاندی سے زمین بٹہ پر لینے کا اس وقت رواج ہی نہ تھا۔ (بخاری)۔

8 - انہی رافع بن خدیج کی دوسری روایت بھی ملاحظہ ہو۔

رافعؓ فرماتے ہیں کہ اہل مدینہ میں سے سب سے زیادہ مزدور زمینیں ہمارے پاس تھیں جب ہم میں سے کوئی شخص زمین مزارعت پر دیتا تو یہ کہتا کہ زمین کا یہ ٹکڑا میرے لیے ہے اور وہ ٹکڑا تیرے لیے اور بسا اوقات ایسا ہوتا کہ ایک قطعے میں فصل پیدا ہوئی اور دوسرے میں برباد ہو جاتی اس لیے حضور اکرمؐ نے اس طرح کی مزارعت سے روک دیا۔

علامہ ابن حجرؒ نے اس حدیث پر یوں بحث کی ہے۔

یعنی مزارعت کی اس شکل کو اس لیے منع کیا گیا ہے کہ اس میں ایسی شرائط عامڈ کی گئی ہیں جن سے ایک فریق کو نقصان اور دوسرے کو فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ نیز ایک فریق سے دھوکا ہوتا ہے اس سے ربو کا شائبہ ظاہر ہوتا ہے جس کا لین دین قطعاً حرام ہے۔ (فتح الباری)۔

9 - ایک اور حدیث بھی رافعؓ نے بیان کی ہے۔ یعنی عہد رسالت میں جب لوگ زمین کاشت پر تھے تو یہ شرط لگاتے تھے کہ ماریات (مائل الماء، پانی کی گزرگاہیں) کے پاس پاس جو فصل ہوگی وہ ہمارا ہوگی اور نالیوں کے سروں والی فصل بھی ہوگی اور ہم پیداوار میں سے کچھ غلہ لے لیں گے۔ باقی کھیت تمہارا ہوگا۔ اس طرح بسا اوقات جو مالک اپنے لیے مخصوص کرتا وہ تباہ ہو جاتی اور دوسری جگہ خوب فصل ہوتی اور بعض اوقات اس کے برعکس ہوتا اور لوگوں میں زمین مزارعت پر دینے کا یہی طریقہ تھا۔ اس لیے اس سے حکماً منع کر دیا گیا۔ اگر کسی معلوم اور مضمون چیز پر مزارعت ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ (رواہ مسلم۔ ابوداؤد۔ نسائی)۔

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ مزارعت اس وقت حرام ہے جب یہ دھوکے اور جہالت کا

سبب بنے اور باہمی جھگڑے کا باعث ہو۔



جن احادیث میں مخبرہ (مزارعت) کی ممانعت پائی جاتی ہے اس سے وہی مراد ہے جو زمانہ جاہلیت سے مروج تھا اور مختلف پریشانیوں اور محرومیوں کا سبب بنتا تھا۔

۱۵۔ اُسید بن زہر کہتے ہیں کہ ہم سے جب کسی کے پاس زائد زمین ہوتی تو وہ اسے نصف تہائی یا چوتھی پر دیا کرتا اور ساتھ ہی یہ شرط لگاتا کہ پانی کی تین نالیوں کے ارد گرد جو کھیت ہوگا وہ میرا ہوگا۔ اور خوشیوں کو ایک مرتبہ گاہنے کے بعد جو دانے بچ رہیں گے وہ سارے میرے ہوں گے اور جس کھیت کو نالی سیراب کرے گی وہ میرا ہوگا۔ اس طرح ہم بٹائی پر زمین دیتے، خوب محنت کرتے اور نفع حاصل کرتے اور جسے زمین کی ضرورت ہوتی وہ اس شرط پر لیتا۔ ایک دن رافع بن خدیج آئے اور انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ نے ایسے کام سے تمہیں منع فرما دیلے جس میں تمہارا فائدہ تھا اور آنحضرت کی اطاعت تمہارے لیے سب سے بہتر ہے۔ اس سے بھی واضح ہو گیا کہ ممانعت کی علت یہ شرط فاسدہ تھیں۔ جنکا وہاں عام رواج تھا۔

ان احادیث پر بحث کا اختتام کرنے کے بعد جن سے بظاہر مزارعت کی ممانعت ثابت ہوتی ہے اب وہ دلائل در طہ تحریر میں لائے جاتے ہیں جن سے جواز پر روشنی پڑتی ہے۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا کہ رسول اکرمؐ نے زمین کو اجارہ پر دینے سے منع نہیں فرمایا بلکہ یہ پسند کیا کہ اپنے بھائی (کاشتکار) سے معاوضہ لینے کی بجائے مفت حسن سلوک کے طور پر دیدے۔ آپؐ نے مزارعت کو حرام نہیں کیا بلکہ ترغیب دی کہ باہمی حسن سلوک اور رفیق کا معاملہ کریں۔ لیکن دین اس بارے میں نہ کریں۔

۲۔ حضرت زیدؓ فرماتے ہیں چونکہ آپؐ کے زمانہ میں زمین سے متعلق بہت سے مناقشے اور قضیے پیش ہوتے تھے اس لیے نبی کریمؐ نے خاص وقت تک کے لیے مصلحت ممانعت فرمادی ورنہ بذاتہ اسے حرام نہیں کیا۔

۳۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ مالکان اراضی نبی کریمؐ کے عہد میں اپنی زمینوں کو کرایہ پر دیا کرتے تھے۔

۴۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے یہود کو خیبر کی زمین اس شرط پر دی کہ وہ اس میں کاشت کریں اور پیداوار نصف بٹائی پر ہو۔

۵۔ حضرت امام باقرؓ نے فرمایا کہ مدینہ طیبہ میں ایسا کوئی مہاجر گھر انہیں تھا جو تہائی اور چوتھی پر کاشت نہ کرتے ہوں۔



6۔ حضرت ابو جعفرؑ فرماتے ہیں مدینہ منورہ میں مہاجرین کا ایسا کوئی گھر نہیں تھا جو تہائی اور چوتھائی  
 بٹائی زمین پر کاشت نہ کرتا ہو۔ اور حضرت علیؑ، سعد بن مالکؑ، عمر بن عبد العزیزؑ، مالک بن سعوطؑ، قاسم  
 غزوہ، آل عترؑ، آل علیؑ، ابن سیرینؑ یہ سب اپنی زمینیں اسی طرح کاشت پر دیا کرتے۔ ابن حزمؒ بھی یہی  
 کہتے ہیں۔ (بخاری)۔

7۔ حضور اکرمؐ نے جب خیبر فتح کر لیا تو یہودیوں نے کنز ارش کی کہ ہمیں یہاں سے جلا وطن نہ کیا جائے  
 بلکہ یہ زمین بٹائی پر رے دیں، ہم کھیتی باڑی کریں گے۔ باغات کی آبیاری اور نگہداشت کا فریضہ انجام  
 دیں گے۔ نصف غلہ اور پھل ہم لیں گے اور نصف آپ کی خدمت میں پیش کریں گے۔ آپؐ نے منظور  
 فرمایا۔ اور آپؐ کی حیات طیبہ اور فاروق اعظمؓ کے عہد تک اسی پھل ہوتا رہا یہاں تک کہ حضرت عمرؓ  
 نے یہودیوں کو حجاز سے جلا وطن کر دیا۔ اگر مزارعت جائز نہ ہوتی تو آپؐ ہرگز اجازت نہ دیتے اور آپؐ کا  
 یہ عمل آخر تک رہا۔ کوئی دوسری روایت مانع نہیں ہو سکتی۔

8۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں جو بات سب سے بہتر ہم نے سنی ہے وہ یہ ہے کہ  
 زمین کو نصف تہائی یا چوتھائی بٹائی کے طریق پر دینا جائز ہے یہی صحیح ہے۔ اور میرے نزدیک زمین کا معاملہ  
 مضاربت کی مانند ہے جیسا کہ وہ بالاتفاق جائز ہے یہ بھی جائز ہے۔

9۔ حضور اکرمؐ جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف فرما ہوئے اور لٹے پٹے مہاجرین بھی وارد ہوئے  
 تو انصار نے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

اقسم بیننا وبين اخواننا النخيل قال لا يا رسول الله! ان کھجور دے  
 سے باغات کو ہمارے درمیان تقسیم فرمادیں تو آپؐ نے انکی یہ پیش کش قبول نہ کی۔ انصار نے عرض کی  
 سر ان باغات کی گھرائی، آبپاشی اور دیگر خدمات ہمارے مہاجر بھائی انجام دیں اور جو پھل ہوگا اس  
 میں ہم انہیں حصہ دار بنالیں گے۔ سب نے کہا منظور ہے۔

10۔ امام شافعیؒ، امام ابو حنیفہؒ، آئمہ اہل بیت اور دوسرے کثیر التعداد علماء دین کو سونے چاندی یعنی  
 درہم و دینار کے عوض پٹہ پر دینا جائز گردانتے ہیں۔ (نیل الاوطار)۔

11۔ عمرو بن دینار کہتے ہیں کہ میں نے طاؤس سے کہا کہ اگر تم فجارہ ترک کر دو تو کتنا اچھا ہوتا کیونکہ  
 بعض لوگوں کا خیال ہے کہ نبی کریمؐ نے اس سے روک لیا ہے۔ طاؤس نے کہا اسے رد! میں اپنے مزارعین کو  
 بیج وغیرہ دیتا ہوں۔ زمین کے کام میں ان کی اعانت کرتا ہوں اور ایک بڑے عالم ابن عباسؓ نے مجھے بتایا  
 کہ آپؐ نے مزارعت سے منع نہیں فرمایا بلکہ یہ ارشاد ہے کہ اگر تم میں سے کوئی کسی اپنے بھائی کو عطیہ دیدے



تو یہ اس سے بہتر ہے کہ اس سے کوئی معاوضہ لے۔

۱۲۔ علامہ عبد الرحمن جزائری نے مزارعت پر بحث کرتے ہوئے اپنی طرف سے جو محاکمہ پیش کیا ہے وہ اس مسئلہ اسلام کے نقطہ نظر کا بہترین عکاس اور آئینہ دار ہے۔ چنانچہ ارشاد ملاحظہ ہو۔

زمانہ کے موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے ہمارے لیے ان دونوں آراء کے درمیان تطبیق ممکن ہے اور یہ آسان ہے کہ لوگوں کے فوائد اور منافع کے مناسب ہم ان دو میں سے کسی ایک کو پسند کریں بعض لوگ ایسے ہیں جو عامل (کاشتکار) کی شدید ترین ضرورت اور حاجت کی تلاش میں رہتے ہیں کہ کاشتکار کب مجبور ہوتا ہے اور جب ایسی حالت میں کاشتکار ان میں سے معاملہ کرنے آتا ہے تو وہ اپنی زمین کو بغیر ایسی شرطوں کے نہیں دیتے کہ جس سے وہ سخت نقصان میں پڑ جائے اور یہ معاملہ اس کے لیے ناقابل شدت ہو جہن جائے۔ پھر جب وہ اپنی شدید حاجت کی وجہ سے کاشت پر مجبور ہو جاتا ہے۔ تو اس کی محنت کا ثمرہ مالک زمین کو پہنچ جاتا ہے۔ اور کاشتکار اسے مال اور عمل کے ساتھ جو معاہدہ ہوا تھا زمین کی پیداوار سے کہیں زیادہ تسلط جمایا جاتا ہے اور یہ طریقہ شریعت اسلامی میں کسی طرح بھی جائز نہیں ہو سکتا۔

کیونکہ شریعت تو کمزور عامل کی مدد اور مضطر کی حمایت کو واجب قرار دیتی ہے۔ پس ایسی زمینداری (مزارعت) کے متعلق جو کاشتکار کو اس کی محنت کے پھل سے محروم کرتی ہو اور ایک حاجتمند کی حاجت کو اپنی ازدیاد دولت کا آلہ کار بناتی ہو یہی مناسب ہے کہ لوگوں کو اس سے روکا جائے اور اس سے ڈرایا جائے مگر جب لوگوں کے آپس میں نیک رجحانات ہوں اور ہر دوسرا کام میں سے ہر ایک دوسرے کے لیے یہ ارادہ رکھتا ہو کہ زمین اور محنت کے پیش نظر ہر کوئی اپنے حق کو ضرور پاس لے اور ایک دوسرے کے خلاف بددیانتی نہ کرے۔ اور زمیندار بددیانتی نہ کرے۔ نیز کاشتکار عمل اور محنت میں خیانت کا مرتکب نہ ہو اور معاشی ضرورت کا تقاضہ ہو۔ کہ مزارعت کے معاملات رائج ہوں تو ان حالات میں جو فقہاء اس کے جواز (Valid) کے قائل ہیں ان کے فتویٰ پر اجازت دی جائے۔

(کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ)

مذکورہ بالا تفصیلات سے یہ امر روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اس قسم کی مزارعت جس میں شرائط فاسدہ، کڑی پائی جاتی ہوں جیسا کہ آج کل بھی ایسا ہوتا ہے کہ مالک مزارعین سے جاری رقم پیشگی وصول کر لیتا ہے اور تب کاشت کے لیے زمین دیتا ہے۔ دوسری جانب جب تک وہ رقم واپس نہیں ہو جاتی مزارعین زمین نہیں چھوڑتے۔ ایسی سخت شرائط باہمی نزاع، فریب دہی اور جنگ و جدل کا سامان بنتی ہیں۔ تاہم جس میں شرائط فاسدہ موجود نہ ہو وہ جائز ہے۔ البتہ اگر فریقین کے مابین اختلاف کی خلیج



حائل ہو جائے۔ منافرت و حقارت کے جذبات اُبھرنے کا سنگین خطرہ ہو۔ باہمی آدیندش اور پیداوار  
 بُری طرح متاثر ہو رہی ہو تو حکومتِ وقت کا فرض ہے کہ زرعی اصلاحات کا عملی نفاذ کر کے فضا کو  
 سازگار بنائے۔ تاکہ مالک اور مزارع کے تعلقات کشیدہ ہونے کی بجائے ہمدردی، ہمساری،  
 اور پاسداری کا روپ دھار لیں۔ ملک و قوم کو یکساں فائدہ حاصل ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ فسادات اور  
 جھگڑوں کا زختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جائے۔ جیسا کہ آج کل ایک طرف مزارع سنگ دلی اور  
 تشدد کا نشانہ بنتا ہے تو دوسری طرف مالک اپنی زمین سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اور مزارع ناجائز طور پر  
 قابض ہو جاتا ہے۔





## باب (۱۹)

Rent

لگان

معاشیات میں لگان سے مراد وہ معاوضہ ہے جو ایسے عاملین پیدائش کے استعمال کے بدلے دیا جائے جن کی رسد غیر محکوم ہو۔ یعنی رقم بڑھ جانے کے باوجود ان کی رسد میں اضافہ ممکن نہ ہو اور یہ عام طور پر زمین پر صادق آتی ہے۔ خالص یا معاشی لگان اور خام لگان اس کی نہیں ہیں۔ ڈیوڈ ریکارڈ نے نظریہ لگان کی تعریف اس طرح کی ہے۔

”لگان زمین کی پیداوار کا وہ حصہ ہے جو ایک کاشتکار یا مزارع زمین کے مالک کو زمین کی ازل اور پائدار ملاحتوں (Original and Indestructible powers of land) کے استعمال کی بنا پر دیتا ہے۔ چونکہ زمین کے مختلف ٹکڑے زمین کی زرخیزی یا محل وقوع کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں۔ لہذا ان پر اگر برابر رقم لگادی جائے تو ان کی پیداوار مختلف ہوتی ہے۔ پیداوار کے اس فرق کو جو ایک بڑھیا *Superiority* قسم اور گھٹیا *Inferiority* قسم کی زمین میں ہوتا ہے۔ لگان کہا جاتا ہے۔ اس نظریہ پر متعدد اعتراض کیے گئے۔ اور مارشل نے ایک نیا تصور پیش کیا۔

”مثل یا شبہی یا نام نہاد لگان *Quasi-Rent* وہ آمدنی ہے جو ان مشینوں اور آلات سے حاصل ہوتی ہے جو خود انسان کے بنائے ہوئے ہوں۔“

اب ہم آپ کو اسلامی نظریہ لگان سے متعارف کراتے ہیں اور فیصلہ آپ پر چھوڑتے ہیں کہ کونسا خیال بہتر ہے اور کیوں؟

اراضی کے استعمال پر جو معاوضہ ادا کیا جاتا ہے عموماً اسے لگان کہتے ہیں یہ ایک وسیع اصطلاح ہے۔ اس کا اطلاق کانوں، چراگاہوں اور آبپاشی کے حقوق وغیرہ کی صورت میں بھی ہوتا ہے۔ اسلام میں لگان کے معنی میں خراج زمین اور عشر زراعت سے لیا جاتا ہے۔ (ماددہ دی۔ احکام السلطانیہ)۔



قرآن پاک میں ایک جگہ زرعی پیداوار کا لگان دینے کا حکم ہے جب پھل پک جائیں تو انہیں کھاؤ اور فصل کٹنے کے دن اس کا حق ادا کرو۔ (پ الانعام ۱۶)

چونکہ قرآن مقدس کی آیات مطلق ہیں اور ان میں لگان کی شرح کا تعین نہ تھا اس لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شارع ہونے کی حیثیت سے لگان کی شرح بھی متعین کر دی تاکہ کوئی ابہام باقی نہ رہ جائے اور مسلمانوں کو مشکلات سے دوچار نہ ہو پاوے۔ اسی کے مطابق غالیین عرب کے باشندوں سے لگان وصول کرتے تھے۔

خراج عربی زبان میں کرایہ اور پیداوار کو کہتے ہیں۔ فقہاء کی اصطلاح میں خراج اراضی کے استعمال کا سرکاری معاوضہ ہے۔ عشر کے معنی دسویں حصہ کے ہیں اور اصطلاحاً پیداوار کا وہ حصہ مراد ہے جو مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے اسلامی حکومت مسلم رعایا سے وصول کرتی ہے۔ رسول اکرمؐ نے مختلف دلیوں (گورنرز) کے نام تقرر کے جو فرمان صادر فرمائے ان میں لگان کے بارے میں بھی احکامات درج ہوتے تھے۔ چنانچہ عمر بن حزم انصاری کو جب نجدان میں بنو حارث بن کعب کا والی مقرر کیا تو فرمان میں لگان کا بھی حکم تھا۔ اور موئین کی زمینوں میں سے بقدر عشر  $\frac{1}{10}$  حصہ لگان وصول کریں۔ لگان کی یہ مقدار ان زمینوں کے متعلق ہے جو بارش چشے یا سیلاب سے سیراب ہوتی ہیں اور جو ڈول سے سیراب ہوں ان سے  $\frac{1}{10}$  لیا جائے (تاریخ طبری، فتوح البلدان)۔

اسی طرح آپؐ نے ملوک حمیر کے نام جو فرمان جاری کیا تھا۔ اس میں تحریر تھا.....  
اللہ اور اس کے رسول اکرمؐ کی اطاعت کرتے رہو۔ نماز پڑھو۔ زکوٰۃ دو۔ مال غنیمت میں اللہ اور اس کے بنی کا پانچواں حصہ نکال کر ادا کرو اور اس کے علاوہ زمین کا لگان دو۔ جو زمین چشے یا بارش سے سیراب ہو اس میں سے عشر دیا جائے اور جو ڈول سے سیراب ہو اس میں سے نصف عشر ( $\frac{1}{2}$ ) (تاریخ طبری، فتوح البلدان)۔

جو زمین کنویں، نہر، ٹوب، دیل سے سیراب ہوتی ہے۔ اس کے لیے بھی نصف کا حکم ہوگا۔  
کیونکہ اس پر اخراجات کا اضافہ ہو جاتا ہے۔

عتاب بن اسد گورنر مکہ معظمہ کو بنی اکرمؐ نے تقیف کے تاشانوں کے جانچنے کا حکم دیا تھا جس طرح کہ نخلستان کی جانچ کی جاتی ہے۔ عتاب کے مطابق رسول اللہؐ یہودوں اور انکوردوں کی جانچ کرنے کے لیے لوگوں کو بھیجا کرتے تھے۔ (ابن ماجہ)

حضرت عمرؓ نے مفاد عامہ اور آئندہ نسلوں کے مفاد کے تحفظ پر خیال کے پیش نظر اور صحابہ کرامؓ کے مشورہ سے عراق، شام اور مصر کے بڑے بڑے زمیندار اراضی کے قطعات کو تقسیم کیا۔ اور انہیں



تمام مسلمانوں کی ملکیت قرار دیا۔ اس فیصلہ کے بعد عثمان بن حنیف کو جو پیمائش کے ماہر تھے، اراضی کی پیمائش کے لیے روانہ کیا۔ انہوں نے نہایت عمدگی سے سواد کی پیمائش کی۔ اور اراضی کا بندوبست بھی کیا۔ پیمائش کے بعد یہ کل زمین تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب تھی حضرت عمرؓ نے فی جریب ایک درہم اور ایک قفیز خراج مقرر کیا۔ اس کے بعد سواد میں ہر جریب پر خواہ عام موہ (آباد) خواہ خامر (غیر آباد) لیکن پانی اس تک پہنچتا ہو ایک درہم اور ایک قفیز خراج مقرر کیا۔ اور رطبہ (کھیرا، لکڑی، تربوز) وغیرہ کے ایک جریب پر پانچ درہم اور پانچ قفیز۔ اور درختوں کے ایک جریب پر دس درہم دس قفیز مقرر کیے اور انگوڑ کے ایک جریب پر دس درہم اور دس قفیز مقرر کیے۔

امام مامور دی گئے ہیں کہ خراج کی مقدار زمین کی حیثیت پر ہے۔ حضرت عمرؓ نے عراق کے بعض حصوں پر فی جریب ایک قفیز اور ایک درہم مقرر کر دیا۔ آپ نے اس میں کسریٰ بن قباد (شاہ ایران) کے فیصلے کو اختیار کیا۔ زمیندار اور کاشتکار دونوں کے مفاد کو مد نظر رکھا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ کا ہمیشہ یہ خیال رہتا تھا کہ لگان کی شرح کم سے کم رہے۔ عمرو بن العاصؓ نے مصر کی زمین پر فی جریب ایک دینار اور تین اردب گیہوں خراج اور ہرباغ پر دو دینار مقرر کر کے عمرؓ کو اطلاع دی۔ انہوں نے توثیق کر دی حضرت عمرؓ کے بعد دوسرے خلفاء نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا۔ چنانچہ ابوزید الانصاری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے حضرت علیؓ نے اس علاقہ میں بھیجا جسے دریائے فرات سیراب کرتا ہے۔ حضرت علیؓ نے بہت سے دیہات کا ذکر کیا اور حکم دیا کہ:-

(۱) گیہوں کے گھنے کھیت کی ہر جریب پر  $\frac{1}{4}$  درہم اور ایک صاع غلہ (۲) اوسط درجہ کے کھیتوں پر  $\frac{1}{2}$  درہم (۳) جو کے کھیت چھ درہم ہوں ان کی ہر جریب پر  $\frac{1}{3}$  درہم (۴) جو کے کھیتوں پر اس کا نصف اور یہ بھی حکم دیا کہ باغوں پر جس میں نخلستان ہوں اور دوسرے درخت ہوں فی جریب دس درہم (۵) انگوڑ پر جب کہ ان کو کاشت کے لیے تین برس گزر چکے ہوں اور چوتھا ہو اور ہار اور مہوں فی جریب دس درہم (فتوح البلدان)۔

حسین بن صالح نے حسنؓ سے پوچھا کہ خراج کی مختلف شرحیں کیوں ہیں؟ انہوں نے کہا کہ مختلف زمانوں میں مقرر کی گئی ہیں۔ اور ان کے مقرر کرنے میں مزارعوں (فارم سے اسواق) (منڈیاں) اپنی گھاٹ کی قربت و دوری کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ (فتوح البلدان)۔

ایس۔ اے صدیقی نے اپنی کتاب ”اسلام میں سرکاری مالیات“ ”Public Finance“ میں حضرت عمرؓ کے زمانے کا خراج یوں بیان کیا ہے۔



جَو۔ ایک جریب یا ایکھ کا  $\frac{3}{4}$  اور درہم۔ باغات۔ ایک جریب یا ایکھ کا  $\frac{3}{4}$  اور درہم۔  
 گنا۔ جریب یا ایکھ کا  $\frac{3}{4}$  اور 6 درہم۔ کپاس۔ ایکھ کا  $\frac{3}{4}$  اور 5 درہم۔ قن۔  $\frac{3}{4}$  اور 8 درہم۔  
 سبزیات۔  $\frac{3}{4}$  اور 3 درہم۔  
 در Durr کے مطابق کل پیداوار کا کم از کم  $\frac{1}{5}$  اور زیادہ سے زیادہ  $\frac{1}{2}$  سالانہ خراج وصول  
 کرنا چاہیئے۔

نیز مذکورہ بالا کتاب میں چند دیگر تفصیلات کا جائزہ پیش کیا گیا ہے مسلمانوں کی ملوکہ اراضی پر  
 عشر (TENTH) اور غیر مسلم لوگوں کی اراضی پر خراج (Land Tax) عائد کیا جاتا ہے۔

## تخفیف مالگذاری لگان

دنیا کے معاشی نظام میں مالگذاری اور لگان کی دو ہی صورتیں ممکن ہیں۔ ایک پیداوار میں سے  
 حصہ مقرر کرنا اور دوسری صورت نقد لگان قائم کر دینا اسلام کے معاشی نظام میں بھی یہی دونوں  
 قدرتی صورتیں رائج ہیں۔

پس حکومت کے عائد کردہ لگان اور اس کی قائم کردہ مالگذاری اور افراد امت کے درمیان  
 زمینداری اور کاشت کاری سے پیدا شدہ لگان کی تفصیلات حسب ذیل صورتیں اختیار کر لیتی ہیں۔  
 اگر زمین افراد ملک کی ذاتی ملک ہے اور حکومت ان سے اجتماعی حق سالانہ محصول لیتی ہے  
 تو اس صورت میں وہ زمین یا عشری ہوگی یا خراجی۔ اگر زمین عشری ہے تو اس کی ہر پیداوار پر  
 عشر دسواں حصہ پیداوار لیا جائے گا جو کہ سال میں ۲ یا تین مرتبہ یا اس سے بھی زیادہ۔  
 اگر خراجی زمین کو مسلمان خریدے تو اس زمین پر خراج ہی قائم رہے گا اور عشری زمین نہیں بن سکتی۔  
 اگر عشری زمین کو زمی یا غیر مسلم خریدے تو وہ خراجی ہو جائے گی اس لئے کہ غیر مسلم پر عشر واجب نہیں  
 ہے اور اگر زمین کی مالک حکومت ہے اور وہ اجارہ پر کاشت کراتی ہے یا کسی فرد خاص کی  
 ملکیت ہے اور وہ دوسرے کسی شخص سے اجارہ پر کاشت کراتا ہے۔ پس اگر نقد لگان ہر زمین کو دیا  
 ہے تو وہ سال میں ایک ہی مرتبہ لیا جائے گا اور اس کو اجارہ یا استکہ الارض کہتے ہیں اور اگر بٹائی پر  
 دیا جائے تو وہ پیداوار کے ساتھ مربوط رہے گا اور اس کو مزارعتہ کہا جائے گا اور اگر باغ کی پیداوار کا  
 معاملہ ہے تو اس کو مسافاة کہا جاتا ہے۔

زراعت کی ان تمام صورتوں میں سے کوئی صورت بھی ہو اسلام کے معاشی نظام میں مسلم اور



کافر کی تفریق کے بغیر یہ ضروری قرار دیا گیا کہ اکثر حالات میں کاشت کار کی مصالح کو زمیندار، اور حکومت کی مصالح پر مقدم رکھا جائے۔ اور عشر کے علاوہ جو کہ پیداوار کی مخصوص زکوٰۃ ہے اور ہر قسم کے لگان اور مالگذاری میں کاشت کار کی سہولت کو پیش نظر رکھتے ہوئے تخفیف لگان کو اسوہ بنایا جائے اور یہ تو کسی حال میں بھی جائز نہیں سمجھا گیا کہ لگان یا مالگذاری کی شرح زمین کی حیثیت سے بڑھ کر مقرر کر دی جائے اور ایسا کرنے کو وہ ظلم و عدوان سمجھا ہے۔ تخفیف لگان ۱۰ اور کاشت کار کی سہولت اسلام کے معاشی نظام میں کیا اہمیت رکھتی ہے۔ ذیل کے احکام واقعات مفصل جواب دے سکتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد یہود خیبر سے معاہدہ کا معاملہ کر کے ان کی زمینوں کو انہی کی ملکیت میں چھوڑ دیا اور جب پیداوار کے وقت حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو وصولیابی کے لئے بھیجا تو انہوں نے یہود سے صاف صاف لفظوں میں یہ فرمایا۔

مجھے نبی اکرمؐ نے اس لئے نہیں بھیجا کہ میں تمہارے مال کو ناحق ہضم کر جاؤں بلکہ اس لئے بھیجا ہے کہ تمہارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان معاہدہ کے مطابق پیداوار کو تقسیم کروں اور تم کو پورا اختیار ہے کہ اگر یہ پسند کرتے ہو کہ ہم عملداری کو کے اس کا تخفیض کر دوں اور نصف نصف بانٹ دوں تو میں حاضر ہوں اور اگر یہ سمجھتے ہو کہ خود عملداری اور نکلوت کر کے نصف نصف کر دو تو مجھے یہ بھی منظور ہے یہ سن کر یہودی کاشت کار کہنے لگے کہ یہی وہ عدل و انصاف ہے جس کی وجہ سے زمین و آسمان قائم ہیں۔

مصر میں فراغت کے زمانے میں مالگذاری کے حسب ذیل اصول مقرر تھے:

- ۱۔ خراج نقد اور پیداوار دونوں شکل میں لیا جاسکتا ہے۔
- ۲۔ چند سالوں کی پیداوار کا اوسط نکال کر اس کے لحاظ سے جمع بندی کی تشخیص کی جائے۔
- ۳۔ بندوبست چار سالہ ہو۔
- رومیوں نے جب مصر پر قبضہ کیا تو دوا اور باتوں کا اضافہ کیا۔
- ۴۔ خراج مالگذاری کا لگان کے علاوہ غلہ کی ایک بہت بڑی مقدار باہر تخت قسطنطنیہ کے لئے وصول کی جائے۔
- ۵۔ خرچ کی رسد کے لئے غلہ یہیں سے لیا جائے۔



حضرت عمرؓ نے ان پانچ اصولوں میں سے انصاف کے پیش نظر ترمیم و اصلاح کی، اور حسب ذیل قاعدے مقرر کر دیئے۔

۱۔ خراج نقد و پیداوار دونوں شکلوں میں وصول ہو سکتا ہے۔ مگر اس میں لگان دینے والے کی سہولت کا لحاظ ضروری ہوگا۔

۲۔ تشخیص کا دستورہ بالا قاعدہ مقرر کرنا اور چند سالوں کا اوسط نکال کر جمع کرنا کاشت کاروں کی معاشرتی زندگی کے اعتبار سے سخت ظلم ہے بلکہ تشخیص لگان، زمین کی حیثیت اور پیداوار کی نوعیت کے پیش نظر طریقہ سے ہونی چاہیئے۔

۳۔ بندوبست سے متعلق کوئی خاص وقت مقرر کرنا نہ حکومت کو مفید ہے نہ رعایا کو، بلکہ حسب موقع کاشتکاروں اور مالکان زمین کی سہولت کا لحاظ کر کے کیا جائے۔

۴۔ لگان کے علاوہ کچھ اور وصول کرنا ظلم ہے۔

۵۔ لہذا رومیوں کے دونوں قاعدوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔

حتیٰ کہ حضرت امیر معاویہ کے زمانہ میں حرمین کو جو غنہ بھیجا جاتا تھا۔ اس کی قیمت حکومت پائی پائی اپنے پاس سے ادا کرتی تھی۔

(ا) عسری اراضی کی اقسام =

۱۔ سارے عربوں کی زمین جس کی حدود شام، کوفہ سے دورین تک ہیں۔ رسول پاکؐ اور خلفائے راشدین کے عہد میں خراج نہیں لگایا گیا تھا۔

۲۔ ایسے تمام مسلمان جو اپنی مرضی سے حلقہ بگوش اسلام ہوئے ہوں اور زمین ان کے قبضہ میں رہی ہو عشر لگتا ہے۔

۳۔ ایسی ساری زمین جو طاقات سے فتح کی گئی ہو اور مسلم آرمی کے درمیان منقسم ہوئی۔

۴۔ مسلمانوں کی مستعمرات (رہائش گاہ) (Hadhah) جو کہ باغات میں تبدیل ہوئیں۔

۵۔ موات۔ (Wast lands) جو کہ امام کی مرضی سے ترقی یافتہ (Developed)

اس کا اطلاق صرف مسلمانوں پر ہوگا۔

(ب) خراجی زمین (۱) عراق کا سوا در جو کہ طولاً، عرضاً حدیض (Hadithah)

سے آبادان اور کوفہ اور حالون کی ندیوں تک ہے۔

۲۔ مصر، چونکہ اس کی فتح کے بعد حضرت عمرؓ نے خراج نافذ کر دیا تھا۔



3- شام - مصر کا خراج دراصل کرایہ تھا۔ کیونکہ زمین سرکاری جائیداد بن گئی تھی اور اس کے کوئی صحیح وارث نہ رہے تھے۔

4- ایسی تمام اراضی جو کہ فورس سے فتح ہوئی۔ فوج میں تقسیم نہ کی گئی اور اصل مالکوں کے پاس ہی رہی یا کسی دوسرے علاقے سے لانے گئے غیر مسلم کو دی گئی۔

5- ایسی زمین جو کہ مسلمان حاکم اور نان بلیورز (Non-believers) کے مابین بھوتہ سے آئی۔ جیسا کہ نجران۔

6- موت - زمین جو کہ حکومت کی اجازت سے ذمیوں نے آباد کی۔

7- ذمیوں کی رہائش گاہیں جو کہ باغات میں تبدیل ہوئیں۔

8- موت کی زمین جو مسلمانوں نے آباد کی بشرطیکہ وہ خراجی پانی سے سیراب ہوتی ہو اور خراج دالے ضلع میں واقع ہو۔

غوامل جو کہ خراجی گنجائش یا وسعت (Capacity) کو متعین کرتے ہیں:-

زمین کی کوالٹی، فصل کی قسم، طریق آبپاشی، زمین کا منڈیوں اور شہروں سے فاصلہ ہے۔ خراج کی تشخیص زمین کے مزروعہ پورشن، یا ایریا سے یا پیداوار سے کی جاتی ہے۔

چند ضروری نکات = (Points)

1- خراج سال میں صرف ایک بار وصول کیا جاتا ہے خواہ کئی فصلیں ہوں۔

2- خراجی زمین پر کوئی عشر نہیں لگتا۔

3- اگر ساری فصل قدرتی آفات، سیلاب، زلزلہ باری، وغیرہ سے ضائع ہو جائے تو کوئی خراج نہیں لگتا۔

4- اگر کاشتکار زمین کو کاشت کرنے کی طاقت رکھتا ہو مگر کاشت نہ کرے تو خراج لگے گا۔

5- گاؤں کے مکانوں اور دوسری رہائش گاہوں Druellings پر خراج نہیں لگتا۔

6- اگر مالک اپنی زمین فروخت کر دے تو خراج بذمہ خریدار ہوگا۔

7- المادہ کی کے مطابق اگر زمین بغیر کرایہ کے لینا (Lease) پر دی جائے تو خراج (ٹیکس) مالک سے وصول ہوگا۔

8- ٹیکس ملتے وقت انسان اور حسن سلوک ملحوظ خاطر رہے گا۔ نیز آسانی کی خاطر اقساط میں ادا ہوتا ہے۔



- ۹۔ خراج پیشگی بھی ادا کیا جاسکتا ہے اور فلڈ کی صورت میں واپسی۔  
 ۱۰۔ اگر دشمن زمین خراب کر دیں تو دوبارہ خراج نہ لیا جائے گا۔ ریکورنگ (Recovering) حکومت کرائے گی۔

۱۱۔ پہلے ضلع والا پیمانہ ہی بنیاد ہوگی۔

- ۱۲۔ پیمانہ بحساب 60 کیوبیٹس کی جڑیپ۔ ہر کیوبٹ 7 کانرب کے برابر جو کہ مٹھی بھر اندازاً  $\frac{1}{4}$  6۔  
 ۱۳۔ اگر آبپاشی اور فوائد وہی ہوں تو کوئی کمی بیشی نہیں ہوگی۔  
 ۱۴۔ اگر زمین کو موٹی لکڑی سے ڈھانپ لیا جائے تو خراج نہیں لگے گا۔

## معدنی قطعات

ایسے قطعات جن میں ..... اللہ تعالیٰ نے دھاتیں، جواہرات

اور دوسری قسم کی اشیاء پیدا کی ہیں اقطاع معدن کہلاتی ہیں

اسلام میں معدنیات قدرت کا مشترکہ عطیہ ہیں جن میں قوم کے ہر فرد کو مساوی حقوق ملکیت حاصل ہیں۔ گو نظری طور پر ہر شخص کو مالکانہ حق حاصل ہے۔ تاہم ملکیت زمین کے ان پوشیدہ خزانوں سے استفادہ نہیں کر سکتا۔ اور بعض قسم کی معدنی دولت تو ایسی ہے کہ اسے حاصل کرنے کے لیے نہ صرف زمین کے اندر میلوں کھودنے کی ضرورت پڑتی ہے بلکہ ساتھ ہی کثیر سرمایہ، بہترین مہارت، تکنیکی اور اعلیٰ انتظامی صلاحیت درکار ہوتی ہے۔ اس کی بنیاد پر فقہاء نے کانوں کی دو اقسام قرار دی ہیں۔ ایک ظاہری،

Apparent اور دوسری باطنی Non-apparent۔ معدن ظاہری سے مراد وہ کانیں ہیں جن کی چیزیں ظاہر اور کھلی ہوں۔ جیسے سمرہ، نمک، ڈامران سے متعلق پانی کی طرح حکم ہے۔ یعنی کسی آدمی کو جاگیر نہیں دی جاسکتی۔ سب لوگ برابر برابر فائدہ اٹھائیں (مادری احکام السلطانیہ) معدن باطنی سے مراد وہ کانیں Mines ہیں جن کی اشیاء پوشیدہ ہوں۔ جیسے سونا، چاندی،

نہا، پتیل، لوہا وغیرہ۔ ان میں سے نکلے ہوئے مادے کو کچلا کر صاف کرنے کی ضرورت ہو یا نہ ہو۔ جاگیر میں دینے کے رد قول ہیں۔ ایک یہ کہ جائز ہے دوسرا یہ کہ رسول اکرمؐ کا فرمان جو ملال بن حارث مزی کے نام سے پیش کیا جاتا ہے۔ "ما جلاہ مدینہ نے مزی کو قبیلہ کی کانوں کا ٹھیکہ دیا جو بلندی پر ہیں اور جو لپٹی میں ہیں۔ اور وہاں جہاں کھیتی ہو سکتی ہے انہیں کسی مسلمان کا حق نہیں (ابوداؤد۔ مؤطا امام مالک)۔

امام مالک کے نزدیک ہر قسم کی معدنیات مشترکہ ملک ہیں (محل ابن حزم)۔ گویا دوسری قسم والی کسی واحد فرد کی ملک نہیں ہو سکتیں۔



ان تمام تشریحات اور تصریحات کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ اسلام نے لگان اور معدنیات کے بارے میں جو حدود مقرر کر دی ہیں ان سے کسی صورت میں بھی انحراف ممکن نہیں اور مسلمانوں کو ان احکام پر عمل پیرا ہونے میں پس و پیش یا تساہل سے کام نہیں لینا چاہیے۔

اسلام چونکہ جائز استفادہ اور انتفاع کا داعی ہے۔ اس لیے وہ ناجائز سختی اور ظلم کا سخت مخالف ہے۔ اسلام سے قبل اور خلافت راشدہ کے بعد کاشتکار اپنی حاجت اور ضرورت معیشت کے باعث ہموارہ زمیندار کے ستم کاشتکار بننا اور اسی کے رحم و کرم پر گزارہ کرتا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ ان کا خاص خیال رکھتے تھے۔ ایک بار وہ ملک شام سے واپس آ رہے تھے۔ کچھ آدمیوں کو رستے میں کھڑے دیکھا دینا کرنے پر معلوم ہوا کہ اس وقت ادائیگی جزیہ سے معذور ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اس ظالمانہ روش پر باز پرس کی اور فرمایا:

”وہ انہیں چھوڑ دو اور تکلیف نہ دو اس لیے کہ آپؐ نے فرمایا لوگوں کو عذاب میں نہ ڈالو اس لیے جو دنیا میں انسانوں کو عذاب دیتے ہیں۔ اللہ قیامت کے روز عذاب میں مبتلا کرے گا۔“

اسی طرح ایک مرتبہ سعید بن عامر والی نے خراج بھیجنے میں دیر کی تو حضرت عمرؓ ناراض ہوئے۔ سعید نے کہا ”آپؐ نے حکم دے رکھا ہے کہ کاشتکاروں پر چار دینار سے زیادہ لگان نہ لگائیں۔ سو ہم پابند ہیں اور ان کی آمدنی آنے تک تاخیر کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا میں تجھے زندگی بھر معزول نہیں کروں گا۔“

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے والی کو فہ کو والا نامہ تحریر فرمایا:

[ اور آباد زمینوں پر مقرر خراج سے ہر گز زیادہ نہ لو اور جو بھی دسول کہ و اہل زمین سے نرمی اور دلبوئی سے کرو ]

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں۔ اسے ہارون! کسی شخص کو بھی لگان کے سلسلہ میں زد و کوب نہ کیا جائے اور نہ ہی ایک پیر پر کھڑا کیا جائے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض ایسی ذلیل حرکات کرتے ہیں۔ اہل خراج کو پیٹتے ہیں۔ گردنوں میں گھڑے لٹکاتے ہیں۔ دھوپ میں کھڑا کرتے ہیں۔ انہیں قید کر دیتے ہیں حتیٰ کہ وہ نماز بھی نہ پڑھ سکیں۔ حالانکہ یہ تمام باتیں اللہ کے نزدیک بہت بڑا جرم ہیں اور اسلام انہیں بدترین مجتہد ہے۔ مزید براں اسلامی رو سے بیکار لینا بدترین ظلم اور زیادتی ہے۔

محلی ابن حزم میں تصریح ہے کہ فزارعہ میں کاشتکار سے زمین کی کاشت سے متعلق کاموں کے علاوہ اور کوئی خدمت بغیر معاوضہ کے مثلاً تعمیر مکان، اس کی مرمت، صفائی یا نوکری کرانا ناجائز ہے تاہم انسانی ہمدردی کے طور پر ایک دوسرے کی معاذرت اور مدد کی جاسکتی ہے۔ مگر اس میں لینڈ لارڈ والی رعونت و خشونت کا شائبہ تک نہ پایا جاتا ہو۔



# باب (۲۵)

## بیت المال

اسلام کے معاشی نظام کو جو دئے کار لانے کے لئے حکومت ربانی کے لئے خزانہ سرکاری کا وجود ضروری ہے اور اس خزانہ کے محفوظ مقام کو بیت المال کہتے ہیں اور اگرچہ کبھی کبھی بیت المال کا اطلاق وسعت کے ساتھ پورے مالی نظام پر بھی کر دیا جاتا ہے تاہم عام اصطلاح کے مطابق مرکزی خزانہ کے محفوظ مقام پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

مرکزی بیت المال کی صوبہ دار اور ضلع دار شاخیں بھی ہوتی ہیں اور ان سے مقامی ضروریات کی کفالت مرکز کے احکام کے مطابق انجام پاتی ہے۔ بیت المال قلم و خلافت کی ان تمام آمدنیوں کا حاصل ہوتا ہے جو اسلامی احکام کے مطابق خزانہ سرکاری میں داخل ہونی چاہئیں اور اسی طرح وہ ان تمام مصارف کا بھی کفیل ہے۔ جو حاجات و ضروریات اجتماعی و انفرادی کے پورا کرنے کے لئے ضروری قرار دیئے جاتے ہیں۔ اسی لئے بیت المال کی آمدنی اور اس کے مصارف کے اصولوں کو اسلامی نظام حکومت میں متعین کر دیا گیا ہے۔ البتہ ان کی تفصیلات اور اصول کے ماتحت جزئیات کا انطباق خلیفہ اور اس کی مجلس شوریٰ کے ہاتھ میں ہے۔

اصولی طور پر ان مدات کی فہرست اس طرح دی جاسکتی ہے :

مداتِ صرف	مداتِ آمدنی
۱۔ زناہ عامہ -	۱۔ عشر
۲۔ وظائف تعلیمی و فوجی و	۲۔ خراج
انفرادی -	۳۔ جزیہ
۳۔ مصارفِ ثمانیہ -	۴۔ زکوٰۃ
۴۔ شجرہ ہائے حکومت کے	۵۔ وقف
مصارف -	۶۔ اموال
	۷۔ صدقات
	۸۔ فنی
	۹۔ خمس
	۱۰۔ غرائب
	۱۱۔ کراہ الارض
	۱۲۔ عشور



یعنی مسلمانوں کی مملوکہ اراضی کے ایک بڑے حصہ کی سالانہ مال گزاری عشر کہلاتی ہے اور زمینوں کی اراضی کی سالانہ مالگزاری کا نام خراج ہے۔ اسی طرح سرکاری اراضی کی آمدنی "کراء الارض" لگان کے نام سے موسوم ہے اور مسلمانوں کے اموال نفوذ، اموال تجارت اور بہائم کے ریوڑ پر عائد شدہ سالانہ مقررہ ٹیکس کو "زکوٰۃ" اور غیر مقررہ صدقات کہا جاتا ہے۔ اور زمینوں پر سالانہ مقررہ ٹیکس کو جزیہ کہتے ہیں اور بغیر جنگ کے حاصل شدہ مال کو فسی کہا جاتا ہے اور جنگ کے ذریعے حاصل شدہ مال غنیمت کا مقررہ حصہ اور معدنیات اور پوشیدہ خزانہ کی مقررہ رقم خمس کے عنوان سے معنون ہے، اور مستامن حربی یا زمی یا مسلمان کے اموال تجارت کی درآمد یا آمد کے محصول کو عشر کہتے ہیں اور زناہ عامہ اور وقتی ضروریات کے لئے عائد شدہ ٹیکسوں کا نام فرائب ہے اور سرکاری معدنیات اور متفرق آمدنی کو اموال فاضلہ کہتے ہیں اور مذہبی اوقاف کی آمدنی اموال وقف سے موسوم ہے۔

یہ تمام مدات بیت المال کی آمدنی شمار ہوتی ہیں اور بیان کردہ انواع مصارف پر خرچ کی جاتی ہیں اور اسی طرح اسلام کے معاشی نظام کا اہم جز قرار پاتی ہیں۔ لہذا ان مدات کی مختصر مگر ضروری تفصیل محتاج بیان ہیں تاکہ بیت المال کے آمد و صرف کی تشریح میں مدد مل سکے۔

بیت المال سے متعلق مدات کی تشریح سے قبل اس حقیقت کو جاننا ضروری ہے کہ اسلام کا نظام اجتماعی سوسائٹی کے جن افراد پر حاوی ہے ان کی تفصیلات کیا ہیں۔ اسلام ایک ایسا مذہب نہیں ہے جو صرف چند روحانی اور اخلاقی عبادات کی تعلیم دے کر شخص یا جماعت کو متراض اور زائد ہر شب زندہ دار بنادینا چاہتا ہے۔ بلکہ وہ ایک ایسے انقلاب کا داعی ہے جو عبادات و اخلاق کی برتری کے ساتھ ساتھ نظام اجتماعی کے ہر شعبہ پر حاوی ہو اور اس لئے اس نے حکومت سیاست معیشت غرض زندگی کے ہر شعبہ میں ایک نئے قسم کا انقلاب برپا کر دیا ہے۔

اسلام کے مطابق مذہب، سوسائٹی اور سماج کے بنائے ہوئے چند قوانین کا نام نہیں ہے کہ وہ حالات اور رجحانات کا تبدیلی کے ساتھ بدلتے رہیں بلکہ وہ چند ایسے بنیادی اصولوں کے مجموعہ کا نام ہے جو خالق کائنات کے فرمودہ ہیں اور جن میں تبدیلی کا مطلق امکان نہیں ہے مثلاً خدا کی ہستی اور توحید خالص کا اقرار رسالت کتب سماوی، ملائکہ اللہ، آخرت، حشر و نشر، اور جزاء و سزا پر اس کے بنائے ہوئے نظریہ کے مطابق ایمان و اعتقاد۔

اسلام حکومت کے متعلق یہ اعلان کرتا ہے کہ کائنات انسانی میں کسی انسان یا انسانی جماعت



کو براہِ راست یہ منصب حاصل نہیں کہ وہ حاکمیت مطلقہ کا دعویٰ کرے بلکہ خدائے تعالیٰ جس طرح خالق کائنات ہے اسی طرح حاکم اعلیٰ الاطلاق بھی ہے اور حکومت بلا شرکتِ غیر صرف اسی کے لئے ہے۔ البتہ خلیفہ خدا کی زمین میں اس کی حکومت کی نیابت انجام دیتا ہے اور خدائے تعالیٰ کا خلیفہ اور نائب کہلاتا ہے اسی لئے واضح قوانین کا مسئلہ اس کے اور جمہور کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ بلکہ صرف خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

اور اسی طرح وہ معاشرت و معیشت کے اساسی اصول بیان کرتا ہے اور اعتقادات عبادات، معاملات، سیاسیات و عمرانیات اور معاشیات سے متعلق ان مجموعی اساسی، اور بنیادی اصول کے نظام اجتماعی کا ہی نام ”دین اسلام“ ہے جو فرد اور جماعت دونوں کی افرادی اور اجتماعی رہنمائی کا نہایت کفیل ہے اور دنیا کے تمام نظام ہائے اجتماعی سے الگ اپنی شاہراہ مستقیم اور ایک انقلاب عظیم کا داعی اور مفاد ہے۔

جب یہ اپنے نقشہ کے تمام خانوں کو پورا کرتا ہوا دنیا کے سامنے آتا ہے تو بلاشبہ مذہب حکومت سیاست معاشرت غرض ہر شعبہ زندگی میں انسانوں کے بنائے ہوئے نظاموں سے الگ ایک نظام پیش کرتا ہے اور اگرچہ وہ بار بار یہ اعلان کرتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کا یہ پسندیدہ نظام اسلام کائناتِ انسانی کی رشد و ہدایت کے لئے کوئی انوکھا اور اجنبی نظام نہیں ہے بلکہ اس کی صداقت کی یہ آواز آدم سے لے کر رسول پاک کے ذریعے کائنات کو سنائی جاتی رہی ہے تاہم اس کو قبول کرنے میں دنیا انسانی رد و حصول پر تقسیم ہو جاتی ہے۔ ایک جماعت اس نظام اسلام کے سامنے سر تسلیم خم اور اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی کو اس کے سپرد کر دیتی ہے۔ اس جماعت کے افراد کو مسلم کہتے ہیں۔

دوسری جماعت اس سے انحراف کرتی ہے اس جماعت کے افراد کافر کہلاتے ہیں۔ جس جماعت نے اپنے متوازی نظام کے باوجود اسلام کے اقتدار سے مغلوب ہو کر کوئی معاہدہ یا صلح کا معاملہ کر لیا ہے تو وہ غیر مسلم ہونے کے باوجود ”معاہدہ“ اور ”مسلم“ کہلاتی ہے۔ جو جماعت خلافت کے متوازی نظام رکھتی ہے۔ اگر اسلامی اقتدار سے ٹکراتی رہتی ہے تو وہ عربی کہلاتی ہے اس کو ”داد الحرب“ کہا جاتا ہے۔

مندرجہ بالا دونوں جماعتوں کے اگر بعض افراد تجارت یا بعض قسبی ضروریات کے لئے خلیفہ کی اجازت سے دارا اسلام میں آتے ہیں اور چند روز قیام کرتے ہیں تو ان کو مسافر کہتے ہیں۔



جو جماعت اسلام کے اقتدار اعلیٰ نے سکست کھا کر اسلامی نظام کو قبول کرتی ہے وہ زکوٰۃ کہلاتی ہے۔  
الحاصلہ - اسلام کے معاشی نظام اور اس کے سرکاری خزانہ بیت المال کا کسی نہ کسی صورت میں ان  
جماعتوں کے افراد کے ساتھ گہرا تعلق اور اس آمدنی اور خرچ کے ساتھ کسی نہ کسی طرح ان کی وابستگی ہے۔  
تشریح مدات

عشر : عشر اس حد مقررہ کا نام ہے جو زکوٰۃ کی طرح زمین کی پیداوار پر واجب ہوتا ہے، اور  
دربارہی میں سے لیا جاتا ہے اگر عشری زمین بارانی ہے تو اس زمین کی پیداوار سے دسواں حصہ لیا جاتا  
ہے۔ اگر چاہی ہے تو اس کی پیداوار سے بیسواں حصہ لیا جاتا ہے۔

### خراج

خراج زمینوں پر خلیفہ جو محصول مقرر کرتا ہے اس کو خراج کہا جاتا ہے۔

### زکوٰۃ

ساڑھے باون تولہ چاندی، ساڑھے سات تولہ سونا مالی تجارت اور مکانوں کے تجارتی  
کاروبار پر ایک سال پورا گزر جائے تو اس حال میں سے چالیسواں حصہ خدا کی راہ میں دنیا زکوٰۃ  
کہلاتا ہے۔ اس کا بیت المال میں داخل کیا جانا ضروری ہے۔

### صدقات

صدقات کے ادا کی دو شکلیں ہیں۔ ایک انفرادی اور دوسری اجتماعی۔ انفرادی یہ کہ خیرات  
کرنے والا خود اپنے ہاتھ سے صدقہ کرے اور اجتماعی یہ کہ مال صدقہ کو خلیفہ یا نائب خلیفہ کے  
سپردہ کر دے اور وہ بیت المال میں داخل کر کے مستحقین پر صرف کرے۔ صدقات واجبہ بیت المال  
کا حق ہے۔

فنی : اگر مسلمانوں کے لشکر سے کفار مغلوب ہو کر بغیر جنگ کئے مال چھوڑ بھاگیں یا جنگ کے بعد  
ان کی زمینوں کو مقررہ ٹیکس پران ہی کی مقبوضہ رہنے دیا جائے۔ یا ان پر جزیہ لگا دیا جائے اس حاصل  
شدہ مال کو فنی کہتے ہیں۔ فنی کا مال بیت المال کا حق ہے۔

### خمس

مال غنیمت کی تقسیم اور رکاز سے نفع حاصل کرنے سے پہلے ان میں سے پانچواں حصہ نکالنا  
ضروری ہے، اور یہ حکومت کے بیت المال کا حق ہے۔ اس کو خمس کہتے ہیں۔

ضرائب : زکوٰۃ اور صدقات کے علاوہ جو ٹیکس اعتبار اور اہل ثروت پر حکومت کی



جانب سے عائد کئے جاتے ہیں۔ ان کا نام ضرائب ہے۔ یہ رقمیں بھی بیت المال میں جمع ہوتی ہیں۔  
کراء الارض : حکومت کی جن زمینوں کو سالانہ اجرت (لگان) مقرر کر کے کاشت کے لئے دیتے ہیں۔  
 ان سے وصول شدہ محاصل کا نام کراء الارض ہے۔

عشور : کسٹم ڈیوٹی کو عشور کہا جاتا ہے۔ یہ مسلمان کے مال تجارت میں سے چالیسواں اور زمی کے اسباب تجارت سے پیسواں اور حرہ کے مال تجارت سے دسواں حصہ لیا جاتا ہے۔

وقف : جو اشیاء منقولہ ذاتی ملکیت سے نکال کر فی سبیل اللہ دے دی جائیں۔ وہ اسلامی اصطلاح میں وقف کہلاتی ہیں اور اوقاف کی تمام آمدنی بیت المال کا حق ہوتی ہے۔

اموال فاضلہ : مندرجہ بالا آمدنی کے طریقوں کے علاوہ جو بھی متفرق آمدنیاں بیت المال کی ملک قرار دی جائیں۔ ان سب کو اموال فاضلہ کہتے ہیں۔ مثلاً کوئی زمی مر جاتا ہے وہ لاوارث ہو تو اس کا مال بیت المال کا حق ہے۔ اسی طرح اگر کوئی زمی بغاوت کرے تو اس کا تمام مال ضبط ہو کر بیت المال کی ملکیت ہو جاتا ہے۔

### مصارف بیت المال

اسلامی فقہ میں تصریح ہے کہ بیت المال کے محاصل کو چار مختلف شعبوں میں تقسیم کر کے چار بیوت المال قائم کرنے چاہئیں۔ مگر یہ چاروں مرکزی بیت المال کے تحت رہیں گے پچا پچہ چار گانہ کی تفصیل اس طرح مذکور ہے۔

- ۱۔ مال غنیمت، کنز اور رکاز خمس اور صدقات سے تعلق رکھتا ہے۔
- ۲۔ زکوٰۃ عشر اور مسلمان تاجروں سے وصول شدہ عشر سے اور
- ۳۔ خراج جزیرہ غیر مسلم تجار سے وصول کردہ عشر فی کراء الارض اور ضرائب سے
- ۴۔ اموال فاضلہ سے متعلق ہے۔

پہلے اور دوسرے شعبے کے مصارف مضاف ثنائیہ ہیں جن کو قرآن عزیز کی ان آیات میں بیان کیا گیا ہے۔

”اور معلوم رہے کہ جو کچھ تم کو غنیمت ملے کسی چیز سے سوائے اللہ کے واسطے ہے

اور ان میں سے پانچواں حصہ اور رسول کے واسطے اور اس کے قرابت والوں کے واسطے اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کے واسطے اگر تم کو یقین ہے۔ اللہ پر اور اس چیز پر جو ہم نے تماری اپنے بندہ پر نصیب کے دن جس دن بھڑکیں۔ دونوں فرجیں



(انفال - ۵)

اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

”زکوٰۃ اور صدقات تو بے مفلسوں کا محتاجوں کا اور زکوٰۃ کے کام پر جانے والوں کا جن کا دل پر چانا منظور ہے اور گردنوں کے تھپڑانے کے لئے اور ان کے لئے جو نادان کے بوجھ سے دبے ہوئے ہیں اور اللہ کے راستے میں، اور مسافروں کے لئے مقرر ہے۔ خدا کی جانب سے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔“

(توبہ - ۸)

دونوں آیات کا مصرف ثمانیہ متعین ہیں جن کا مکمل بیان دوسری آیات میں مفصل ہے۔ یہ حنفی مذہب کی تفسیرات میں امام شافعیؒ اور دوسرے ائمہ کی تفسیرات بھی اسی کے قریب

ہیں۔

تیسرے شعبے کے مصارف ہر قسم کے وظائف اور شعبہ ہائے حکومت کے نظم و انتظام کے اخراجات ہیں اور چوتھے شعبے کے مصارف رنہ عامہ لاوارث بچوں کی پرورش اور دیگر امور خیر ہیں۔ ایک شعبہ دوسرے شعبے سے قرض لے سکتا ہے اور جب تک اس دوسرے میں آمدنی نہ ہو۔ دوسرے شعبوں سے اس شعبے کی کفالت کی جاسکتی ہے۔

الحاصل بیت المال کے محاصل کو اہل مصرف پر خرچ کرنے کے لحاظ سے اولوالامر کے اختیارات اس طرح منقسم ہیں کہ زکوٰۃ اور عشر جیسے محاصل کے لئے وہ صرف محافظ ہے اور منقوص اہل مصرف پر ہی خرچ کر سکتا ہے۔ فنی اور خراج جیسے محاصل میں وہ اپنی رائے اور مجلس شوریٰ کے مشورہ سے مصارف خدانت اور مستحقین کی ضرورت کے پیش نظر خرچ کر سکتا ہے۔





## باب ۲۱

## انفرادی معیشت

اسلام کے معاشی نظام میں فرد سے متعلق جو احکام معیشت ہیں ان پر عمیق نظر ڈالنے کے بعد یہ چلتا ہے کہ اس سلسلے میں تین چیزیں فطری طور پر سامنے آتی ہیں۔ (۱) کیا کمائیں (۲) کیا خرچ کریں (۳) کس پر خرچ کریں۔ چنانچہ اسلام نے ان تینوں فطری سوالات کو حل کرنے کے لئے انفرادی معیشت کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ پہلے حصہ میں انسان کو جدوجہد کی ترغیب اور کسب معاش کے لئے حرکت کی دعوت دی ہے اور یہ بتایا ہے کہ انسان کو اپنی معاش خود اپنے ہاتھوں کی محنت سے کمانا چاہیے۔ کیونکہ جہود کی زندگی موت کے مترادف ہے اور اس کو حیات کہنا بے معنی ہے اور نہ اس طریق زندگی کو توکل کی زندگی کہا جاسکتا ہے اور باقی تین حصوں میں ان ہی سوالات کو حل کیا گیا ہے جو معیشت کے مسئلہ میں فطری طور پر سامنے آتے ہیں۔

## کسب معیشت کے لئے ترغیبات

انفرادی مسائل معیشت میں سب سے پہلی منزل کسب معیشت اور ابتغاء رزق کی منزل ہے۔ قرآن عزیز کہتا ہے کہ ہر انسان کو اپنی استعداد کے مطابق معیشت کے لئے جدوجہد کرنا ضروری ہے دنیا میدان عمل ہے۔ یہاں جہود و جہود موت کے مترادف ہے۔ اس کارگاہ ہستی میں خدا تعالیٰ نے سامان رزق کے ذخیرے جمع کر دیئے ہیں مگر تلاش و سعی شرط ہے۔

”پس جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل کو تلاش کرو۔“ (جمہ - ۲)

”جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو وہ تمہاری روزی کے مالک نہیں ہیں سو تم تلاش کرو اللہ کے پاس سے روزی۔“ (عنکبوت - ۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ حلال معیشت کا طلب کرنا اللہ کے فریضہ عبادت کے بعد سب سے بڑا فریضہ ہے۔ آپ نے فرمایا بعض گناہوں میں سے ایسے گناہ ہیں جن کا کفارہ صرف طلب معیشت کی فکر اور جدوجہد میں کاوش ہی سے ہو سکتا ہے۔

سید مرتضیٰ زبیدی مشرح احیاء العلوم میں حضرت عمرؓ کے اس ارشاد کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔



” یعنی ہر انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ جائز اسباب معیشت میں سے کسی سبب اور وسیلہ کو ضرور اختیار کرے کہ جس سے وہ رزق کو حاصل کر سکے۔“

### کسب معاش کے اساسی اصول :

ان آیات و احادیث کے پیش نظر جب ایک شخص کسب معاش کے لئے قدم اٹھائے، تو کیا اس کو یہ آزادی حاصل ہے کہ وہ اپنی معیشت کے حصول میں جو طریقہ بھی چاہے اختیار کرے۔ لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ اس انفرادی جدوجہد میں اس کو چند ایسے اصولوں کا پابند بنایا گیا ہے جو نظام معیشت کو فاسد ہونے سے بچاتے ہیں اور صاحب معیشت کی زندگی کو معاشی رفاهیت کے ساتھ دینی اور اخلاقی رفعت عطا کرتے ہیں۔ چنانچہ اس کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنی انفرادی معیشت میں ہمیشہ دو اصول پیش نظر رکھے۔ ایک یہ کہ جو حاصل کیا جائے وہ حلال ہو اور دوسرے یہ کہ جن طریقوں سے حاصل کیا جائے وہ ”طیب“ ہوں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ كَلُمُوا مَتَىٰ فِي الْأَرْضِ حَلَالٌ طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا

خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُوْعُدُوْهُ مُبِيْنٌ ۝۲۱

بقرہ : ۲۱

ترجمہ : اے لوگو جو کچھ زمین میں ہے اس میں سے حلال طیب کھاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو بلاشبہ وہ تمہارے لئے کھلا ہوا دشمن ہے۔

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ ۝۱۹

اعراف : ۱۹

اور ”نبی“ حلال رکھتے ہیں تمہارے لئے پاک چیزیں اور حرام کرتے ہیں نجس چیزیں۔

ان آیات میں حلال اور طیب پر دو اصول کا ذکر کرتے ہوئے سخت تاکید کی گئی ہے کہ شیطان کے قدموں کی پیروی نہیں کرنی چاہیے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ جو شے معیشت کے لئے حاصل کی گئی ہے وہ اپنی ذات میں بھی اور حصول کے طریقوں میں بھی نفس کو پاک رکھتی اور خباثت نفس سے بچاتی ہو۔ نیز اس سے دوسرے افراد امت کے لئے معاشی فتنہ نہ پیدا ہوتی ہو اور ظلم و سرکشی اور معاشی دستبرد کے وہ جراثیم نہ پھیلتے ہوں کہ جن سے مذموم سرمایہ داری فروغ پاتی ہو اور عام انسانی دنیا کو فلاکت و مسکنت کے قہر بلاکت میں ڈالتی ہو پس اگر آمدنی اور وسائل آمدنی میں ان امور کا پورا لحاظ رکھا گیا تو اس کو اسلامی نقطہ نظر سے طیب کہا جاتا ہے

جو شے ناحق لی گئی اور صحیح طریقہ کار سے حاصل نہیں کی گئی بلکہ با، رشوت، قمار، ظلم،

غصب، دھوکا، خیانت اور چوری جیسے ناپاک ذرائع سے حاصل کی گئی وہ بھی حرام ہے۔ پس



ہر غیبت شے حرام ہے۔

قرآن عزیز اور احادیث نبوی نے حلال اور طیب کے خلاف حرام اور غیبت کی بعض اقسام بھی تفصیل کے ساتھ شمار کرائی ہیں اور بعض کو صرف اصولی طور پر بیان کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے :

”تم پر حرام کر دیا گیا مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور وہ جانور جس پر اللہ کے سوا کسی غیر کا نام پکارا گیا ہو، اور گلا مردھا ہو، اور پتھر یا لاکھی سے مارا ہو اور اوپر سے گرا کر مارا ہو، اور دوسرے جانور کے سینگ سے زخم کھا کر مارا ہو اور دندے کا پھاٹا ہو مگر یہ کہ تم نے اس کی زندگی میں ہی ذبح کر لیا ہو، اور جو بٹوں کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، اور تم پر حرام کر دیا گیا کہ تم پانسوں کے ذریعے حصے بانٹو۔ یہ سب تمہارے لئے گناہ ہیں۔“ (مائدہ - ۱)

”بلاشبہ شراب اور جوا اور بت اور پانسے ناپاک ہیں کارِ شیطان سے ہیں پس ان سے بچو تا کہ تم فلاح پاؤ۔“ (مائدہ - ۱۲)

”نبی اکرمؐ نے مردوں کو منع فرمایا ریشمی لباس سے اور موٹے ریشم کے لباس سے اور ریشمی گدوں پر بیٹھنے سے اور ارغوانی رنگ سے۔“

”آپؐ نے ارشاد فرمایا جس شخص نے دنیا میں فخر و غرور کا لباس پہنا اللہ تعالیٰ اس کو قیامت میں ذلت کا لباس پہنائیں گے۔“

حضرت خدیفہ فرماتے ہیں ہم کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا کہ ہم سونے اور چاندی کے برتن میں نیں یا کٹائیں اور منع فرمایا ریشم اور دیا پہننے اور اس کے بچھڑوں پر بیٹھنے سے۔

”جس انسان کا گوشت پوست ظلم اور سود سے بنا ہے تو اس جہم کے لئے جہنم کی آگ زیادہ بہتر ہے۔“

بہر حال کسب معاش میں اسلامی نظام معیشت یہ ضروری قرار دیتا ہے کہ حاصل کردہ شے حلال ہو حرام نہ ہو اور طیب ہو غیبت نہ ہو اور حلال و طیب اور حرام و غیبت کے معنی و مفہوم کی توضیح و تشریح بھی بیان کر دی گئی تاکہ ان اصولوں کے سمجھنے اور پیش نظر رکھنے میں کسی قسم کی دقت اور گنگناہک پیدا نہ ہو۔

پس اگر ایک شخص ان تمام اساسی امور کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنی معاشی زندگی میں جدوجہد کر کے وسائل معاش بہم پہنچاتا ہے تو بلاشبہ اسلامی نظام معیشت میں اس کی یہ کمائی ”معیشتِ صالحہ“ کے نام سے موسوم ہے۔



## مصارف کے بنیادی اصول

کسب معاش کے بعد دوسرا مسئلہ صرف و خرچ کا ہے۔ اس میں تین مسائل زیر بحث ہیں ایک یہ کہ کیا خرچ کیا جائے؟ کس قدر خرچ کیا جائے؟ کن پر خرچ کیا جائے؟  
 کیا خرچ کیا جائے؟ اس کا جواب کسب معاش کی بحث میں دیا جا چکا ہے یعنی ایک شخص نے حلال اور طیب سے جو کمایا ہے وہی اس کا سرمایہ معیشت ہے اور وہی اس کا قائل ہے کہ زندگی کی نشوونما میں کام آئے۔

کس قدر خرچ کیا جائے؟ اس کا جواب قرآن عزیز نے جو کچھ دیا ہے وہ دو حصوں پر تقسیم ہے ایک کا تعلق انفرادی زندگی سے ہے اس کے متعلق ارشاد ہے:

كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا ط

”کھاؤ اور پیو اور اعتدال سے تجاوز نہ کرو۔“  
 وَلَا تُبْذِرْ تَبْذِيرًا هَٰذَا الْمُبْذِرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيْطَانِ ط  
 ”اور فضول خرچی ہرگز نہ کرو۔ بلاشبہ اخراجات میں حد سے تجاوز کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔“

ان ہر دو آیات میں اپنی جائز اور حلال کمائی کے صرف کرنے کو دو شرطوں کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے۔ ایک یہ کہ ”اسراف“ نہ ہو اور دوسری یہ کہ تبذیر نہ ہو۔ علامہ مالدردی اسراف اور تبذیر کے باہمی فرق پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”مقدار خرچ میں حد سے تجاوز کرنا اسراف ہے اور یہ ثبوت ہے ان عام شدہ حقوق کی مقدار سے جہالت کا جو اس کے ذمہ ہیں اور کیفیت یعنی مواقع صرف و خرچ میں حد سے تجاوز کا نام تبذیر ہے اور یہ شہادت ہے ان مواقع صرف سے نادان بننے کی جو صحیح اور حق مواقع ہیں۔“

اور مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ قرآن میں تبذیر کی تفسیر تحریر فرماتے ہیں:

”اور خدا کا دیا ہوا مال فضول بے موقع مت اٹاؤ۔ فضول خرچی یہ ہے کہ معاشی

اور لغویات میں خرچ کیا جائے یا مباحات میں بے سوچے سمجھے اتنا خرچ کر دے

جو آگے چل کر تقویتِ حق اور ارتکابِ حرام کا سبب بنے۔“

الحاصل: صرف و خرچ میں اسراف اور تبذیر معیشت فاسدہ کی علامات ہیں۔ اس لئے



اقتصاد اور میانہ روی اختیار کرنا ضروری ہے مثلاً عام حالات میں ہرگز نہیں ہونا چاہیے کہ خرچ آمدنی سے بڑھ جائے اور پھر حاجت کے وقت دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلا کر پڑے بلکہ حتی الامکان اس کی سعی کرنی چاہیے کہ ان تمام اجتماعی حقوق کی ادا کے ساتھ ساتھ جو غنی ہونے کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے اس پر عائد کئے ہیں۔

اپنی اور اہل و عیال کی حاجات و ضروریات کے لئے کچھ پس انداز ہو۔ نیز یہ بھی نہیں ہونا چاہیے کہ بخل اور تقیر کو کام میں لائے اور خود اپنے اہل و عیال کے لئے عطاء الہی کے باوجود معیشت کو تنگ کرے چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے :

”آمد و صرف میں میانہ روی معاشی زندگی کی خوش گواری کا نصف حصہ ہے۔“

”حضرت کعب فرماتے ہیں جب میں نے اپنے کل مال کو صدقہ کر دینے کا ارادہ کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے مال میں سے کچھ بچا لو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر رہے گا۔ تب میں نے عرض کیا کہ خیبر کی زمین میں جو میرا حصہ ہے وہ میں نے بچا لیا ہے۔“

ایک مالدار شخص کے اس سوال پر کہ میں اپنا کل مال خدا کی راہ میں ذریعہ وصیت دے ڈالتا ہوں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے ورثاء کو صاحب مال چھوڑنا اس سے بہتر ہے کہ وہ محتاج رہ جائیں اور بھیک مانگتے پھریں۔ اس کے لئے تنائی مال میں وصیت کر دینا کافی ہے (

اللہ تعالیٰ نے جب اتفاق کا حکم دیا تو اسراف سے منع فرما دیا اور میانہ روی کی تلقین فرمائی۔

جیسا کہ دوسری آیت میں بہت صراحت کے ساتھ اس کا حکم فرمایا ہے۔ ارشاد ہے :

وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَوْ يُسِرُّوْا وَلَوْ يَخْتَرُوْا ۖ

فرقان: ۶

”اور ایمان والے وہ لوگ ہیں کہ جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور

نہ بخل اختیار کرتے ہیں۔“

امام رازی آیت ”وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَوْ يُسِرُّوْا وَلَوْ يَخْتَرُوْا“

کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں۔

اسراف اور تقیر کے متعلق مفسرین نے مختلف وجوہ بیان کی ہیں ان میں سے قوی تر یہ ہے کہ



اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کا یہ وصف بیان کیا ہے کہ وہ معیشت کے معاملہ میں میانہ روی اختیار کرتے ہیں نہ بے جا غلو کرتے ہیں اور نہ بے محل بخل برتتے ہیں۔ اسی لئے قرآن عزیز میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس طرح مخاطب کیا گیا ہے۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا  
كُلَّ الْبَسْطِ ط

(نبی اسرائیل - ۳)

اور اپنے ہاتھ کو نہ اپنی گردن کے ساتھ ہی باندھ لو۔

(یعنی بخل نہ کرو) اور نہ بالکل ہی کھول دو۔ (یعنی اسراف نہ کرو)

ان تمام حوالہ جات کا حاصل یہ ہے کہ انصوص قرآنی اور حدیثی معیشت میں صرف و خرچ کے متعلق یہ چند باتیں بنیادی طور پر ضروری قرار دیتی ہیں:

۱۔ صرف مال میں نہ اسراف درست ہے نہ تبذیر اور نہ تقصیر اور تینوں اغاظ کا مفہوم اسلامی اصطلاح کے مطابق مراد ہے نہ کہ صرف لغوی معنی کے مطابق۔

۲۔ میانہ روی ہی معیشت کی عادلانہ راہ ہے اور صالح اجتماعی نظام معیشت کے لئے ایک ذریعہ ہے۔

۳۔ فرد چونکہ جسم جماعت کا ایک عضو ہے۔ اس لئے اس کی انفرادی آمدنی پر اجتماعی معیشت کے حقوق بھی عائد ہیں اور جس قدر وہ کماتا ہے اسی نسبت سے یہ حقوق اس پر زیادہ ہو جاتے ہیں اور اسلامی اصطلاح میں اس کا نام انفاق فی سبیل اللہ ہے۔

۴۔ انفرادی معیشت میں اپنی اور اپنے اہل و عیال کی قوت لایموت اور سائر عورت باس اور ضرورت رہائش کے مطابق مکان تمام حقوق سے مقدم اور فرضِ اولین ہے۔

۵۔ اگر صاحبِ نصاب ہے تو سب سے پہلے صدقاتِ واجبہ کا ادا کرنا اس کے ذمہ فرض ہے گویا اس صورت میں اجتماعی حق، انفرادی حق پر مقدم ہے۔

۶۔ صدقاتِ واجبہ کی ادا کے باوجود انفرادی مال پر کچھ اور بھی اجتماعی حقوق عائد ہیں اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے اگر بیت المال کا خزانہ ہر شخص کی انفرادی معیشت کے لئے پورا نہ ہو سکے تو خلیفہ بہ جبر اہل دولت سے مال حاصل کر کے اس کمی کو پورا کر سکتا ہے۔ اگرچہ وہ اربابِ دولت صدقاتِ واجبہ کی اداسے سبکدوش ہو چکے ہوں۔

۷۔ عام انسانی حالات میں صدقاتِ نافذ ایسی حالت میں ادا کئے جائیں کہ اپنے اور اہل عیال کے لئے مال کا ایک حصہ محفوظ رہے تاکہ وہ مفلس اور تلاش ہو کر نہ رہ جائیں۔



## باب ۲۲

### اسلام اور عدل اجتماعی

انسان کو اللہ تعالیٰ نے جس احسن تقویم پر پیدا کیا ہے اس کے عجیب کرشموں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ عریاں فساد اور بے نقاب فتنے کا طرف کم ہی راغب ہوتا ہے اور اس بنا پر شیطان اکثر مجبور ہوتا ہے کہ اپنے فتنہ و فساد کو کسی نہ کسی طرح فلاح و خیر کا دھوکا دینے والا لباس پہنا کر انسان کے سامنے لائے۔ آج جتنی غلطیوں اور حماقتوں میں شیطان اس کو مبتلا کر رہا ہے۔ وہ سب کسی نہ کسی پُر فریب نعرے اور کسی نہ کسی جھوٹے لباس کے سہارے مقبول ہو رہی ہیں۔

اسی دھوکوں میں سے ایک بہت بڑا دھوکا وہ ہے جو موجودہ زمانے میں اجتماعی عدل کے نام سے بنی نوع انسان کو دیا جا رہا ہے۔ شیطان پہلے ایک مدت تک دنیا کو حریت فرد، اور فراخ دلی کے نام سے دھوکا دیتا رہا اور اس کی بنیاد پر اس نے اٹھارھویں صدی میں سرمایہ داری اور لادینی جمہوریت کا ایک نظام قائم کرایا۔ ایک وقت اس نظام کے غلبے کا یہ حال تھا کہ دنیا میں اسے انسانی ترقی کا حرف آخر سمجھا جاتا تھا۔ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ حیات انسانی کے لئے اگر کوئی نظام ہے تو بس وہ یہی سرمایہ داری نظام اور یہی لادینی جمہوریت ہے جو مزب میں قائم ہے۔ لیکن دیکھتے دیکھتے وہ وقت بھی آگیا جب ساری دنیا یہ محسوس کرنے لگی کہ اس شیطانی نظام سے زمین کو ظلم و جور سے بھر دیا ہے۔ پھر کچھ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ وہی شیطان ایک دوسرا فریب اجتماعی اور اشتراکیت کے نام سے بنا لایا اور اب اس جھوٹ کے لباس میں وہ ایک دوسرا نظام قائم کر رہا ہے۔ یہ نیا نظام اس وقت تک دنیا کے متعدد ملکوں کو ایک ایسے ظلم عظیم سے لبریز کر چکا ہے جس کی کوئی نظیر انسانی تاریخ میں نہیں پائی جاتی لیکن اس کے فریب کا یہ زور ہے کہ بہت سے دوسرے ملک اسے ترقی کا حرف آخر سمجھ کر قبول کرنے کے لئے تیار ہو رہے ہیں۔ ابھی اس فریب کا پردہ پوری طرح چاک نہیں ہے۔

مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ ان کے پاس خدا کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت میں ایک دائمی وابدی ہدایت موجود ہے جو انہیں انسانی و سادس پر متنبہ کرنے اور زندگی کے تمام



معاملات میں ہدایت کی روشنی دکھانے کے لئے آمد تک کافی ہے مگر یہ مساکین اپنے دین سے جاہل اور استعمار کی تہذیبی و فکری تاخت سے بری طرح مغلوب ہیں۔ اس لئے ہر وہ نعرہ جو دنیا کی غالب قوموں کے کمپ سے بلند ہوتا ہے۔ اس کی ہدائے بازگشت فوراً ہی یہاں سے بلند ہوئی شروع ہو جاتی ہے۔

اسلام اور عدالت اجتماعیہ

اسلام ہی وہ دین حق ہے جو خالق کائنات نے انسان کی ہدایت کے لئے نازل فرمایا ہے۔ اسلام ہی میں عدالت اجتماعیہ ہے۔ انسانوں کے درمیان عدل قائم کرنا اور یہ طے کرنا کہ ان کے لئے کیا چیز عدل ہے اور کیا عدل نہیں ہے۔ انسانوں نے خالق و رب ہی کا کام ہے دوسرا کوئی نہ اس کا مجاز ہے کہ عدل و ظلم کا معیار تجویز کرے اور نہ دوسرے کسی میں یہ اہلیت پائی جاتی ہے کہ حقیقی عدل قائم کر سکے۔ انسان اپنا آپ مالک اور حاکم ہے کہ وہ اپنے لئے معیار عدل خود تجویز کر لینے کا مجاز ہو۔ کائنات میں اس کی حیثیت خدا کے مملوک اور رعیت کی ہے۔ اس لئے معیار عدل تجویز کرنا اس کا اپنا نہیں بلکہ اس کے مالک اور فرمانروا کا کام ہے۔ پھر انسان خواہ کتنے ہی بلند مرتبے کا ہو اور خواہ ایک انسان نہیں بہت سے بلند مرتبہ انسان مل کر ہی اپنا ذہن استعمال کر لیں۔ ہر حال انسانی علم کی محدودیت اور عقل انسانی کی کوتاہی و نارسائی اور انسانی عقل پر خواہشات و تقصیبات کی دستبرد سے کسی حال میں بھی مضر نہیں ہے۔ اس وجہ سے اس کا کوئی امکان نہیں ہے کہ انسان خود اپنے لئے کوئی ایسا نظام بنا سکے جو درحقیقت عدل پر مبنی ہو۔ انسان کے بنائے ہوئے نظام میں ابتداءً بظاہر کیسا ہی عدل نظر آئے۔ بہت جلد ہی عملی تجربہ یہ ثابت کر دیتا ہے کہ فی الحقیقت اس میں عدل نہیں ہے۔ اسی وجہ سے ہر انسانی نظام کچھ مدت تک چلنے کے بعد ناقص ثابت ہو جاتا ہے اور انسان اس سے بیزار ہو کر ایک دوسرے احقاقیک تجربے کی طرف پیش قدمی کرنے لگتا ہے حقیقی عدل صرف اسی نظام میں ہو سکتا ہے جو ایک عالم الغیب و الشہادہ اور مبرور و قدوس ہستی نے بنایا ہے۔

عدل ہی اسلام کا مقصود ہے اور اسلام آیا ہی اس لئے آیا کہ عدل قائم کرے۔ اللہ تعالیٰ

فرمایا ہے :

”ہم نے اپنے رسولوں کو روشن نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ انسان انصاف پر قائم ہو اور ہم نے لوہا نازل کیا جس میں سخت طاقت اور لوگوں کے لئے فرامد ہیں تاکہ اللہ یہ معلوم کرے کہ کون سب سے دیکھے اس کی اور اس کے



رسولوں کی مدد کرتا ہے یقیناً اللہ قوی اور زبردست ہے۔

یہ در باتیں ہیں جن سے اگر ایک مسلمان غافل نہ ہو تو وہ کبھی عدالت اجتماعیہ کی تلاش میں اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ کر کسی دوسرے ماخذ کی طرف توجہ کرنے کی غلطی نہیں کر سکتا جس لمحے اسے عدل کی ضرورت کا احساس ہو گا اسے لمحے اسے معلوم ہو جائے گا کہ عدل اللہ اور اس کے رسول کے سوا کسی کے پاس نہ ہے اور نہ ہو سکتا ہے اور وہ یہ بھی جان لے گا کہ عدل قائم کرنے کے لئے اس کے سوا کچھ کرنا نہیں ہے کہ اسلام پورا کا پورا اسلام، بلا کم و کاست اسلام، قائم کر دیا جائے۔ عدل اسلام سے الگ کسی چیز کا نام نہیں ہے۔ اسلام خود عدل ہے اس کا قائم ہونا اور عدل کا قائم ہو جانا ایک ہی چیز ہے۔

### عدل اجتماعی :

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ عدل اجتماعی درحقیقت ہے کس چیز کا نام ؟

عدل اجتماعی درحقیقت جس چیز کا نام ہے وہ یہ ہے کہ افراد خاندانوں قبیلوں، برادریوں، اور قوموں میں سے ہر ایک کو مناسب آزادی بھی حاصل ہو۔ اور اس کے ساتھ ظلم و زیادتی کو روکنے کے لئے مختلف اجتماعی اداروں کو افراد پر اور ایک دوسرے پر اقتدار بھی حاصل رہے اور مختلف افراد و جماعتوں سے وہ خدمت بھی لی جاسکے جو اجتماعی فلاح کے لئے ہے۔

اسلام میں اس امر کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ کوئی شخص یا انسانوں کا کوئی گروہ انسانی زندگی میں عدل کا کوئی فلسفہ اور اس کے قیام کا کوئی طریقہ بیٹھ کر خود گھڑے اور اسے باجبر لوگوں پر مسلط کر دے اور کسی بولنے والی زبان کو حرکت نہ کرنے دے۔ یہ مقام ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو تو کیا، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی حاصل نہ تھا۔ اسلام میں کسی ڈکٹیٹر کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے صرف خدا ہی کا یہ مقام ہے کہ انسان اس کے حکم کے آگے بے چون و چرا سر جھکا دیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی اس کے حکم کے تابع تھے اور ان کے حکم کی اطاعت صرف اس لئے فرض تھی کہ وہ خدا کی طرف سے حکم دیتے تھے نہ کہ معاذ اللہ اپنے نفس سے گھڑ کر کوئی فلسفہ لے آتے تھے۔ رسول اور خلفائے رسول کے نظام حکم میں صرف شریعت الہیہ تنقید سے بالاتر تھی۔ اس کے بعد ہر شخص کو ہر وقت ہر معاملے میں زبان کھولنے کا پورا حق حاصل تھا۔

### فرد کی آزادی کی حدود

اسلام میں اللہ تعالیٰ نے خود وہ حدود قائم کر دیئے ہیں جن میں افراد کی آزادی کو محدود ہونا چاہیے۔ اس نے خود متعین کر دیا ہے کہ ایک فرد مسلم کے لئے کون کون سے افعال حرام ہیں جن سے اس کو بچنا



چاہیئے اور کیا کچھ اس پر فرض ہے جسے اس کو ادا کرنا چاہیئے کیا حقوق اس کے دوسروں پر ہیں اور کیا حقوق دوسروں کے اس پر ہیں۔ لیکن ذرائع سے ایک مال کی ملکیت کا اس کی طرف منتقل ہونا جائز ہے اور کون سے ذرائع سے ایک مال کی ملکیت کا اس کی طرف منتقل ہونا جائز ہے اور کون سے ذرائع ایسے ہیں جن سے حاصل ہونے والے مال کی ملکیت جائز نہیں ہے۔ افراد کی بھلائی کے لئے معاشرے پر کیا فرائض عائد ہوتے ہیں اور معاشرے کی بھلائی کے لئے افراد پر خاندانوں اور برادریوں پر اور پوری قوم پر کیا پابندیاں عائد کی جاسکتی ہیں اور کیا خدمات لازم کی جاسکتی ہیں۔ یہ تمام امور کتاب و سنت کے اس مستقل دستور میں ثبت ہیں جن پر کوئی نظر ثانی کرنے والا نہیں ہے اور جس میں کسی کو کمی و بیشی کر دینے کا حق نہیں ہے۔ اس دستور کی رو سے ایک شخص کی انفرادی آزادیوں پر جو پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں ان سے تجاوز کرنے کا تو وہ حق نہیں رکھتا۔ لیکن ان حدود کے اندر جو آزادی اس کو حاصل ہے۔ اسے سلب کر لینے کا بھی کسی کو حق نہیں ہے۔ کسب اموال کے جن ذرائع اور صرف مال کے جن طریقوں کو حرام کر دیا گیا ہے ان کے وہ قریب نہیں بھٹک سکتا اور پھٹکے تو اسلامی قانون اسے مستوجب سزا سمجھتا ہے۔ لیکن جو ذرائع حلال ٹھہرائے گئے ہیں۔ ان سے حاصل ہونے والی ملکیت پر اس کے حقوق بالکل محفوظ ہیں اور اس میں تصرف کے جو طریقے جائز کئے گئے ہیں ان سے کوئی اس کو محروم نہیں کر سکتا۔ اسی طرح معاشرے کی فلاح کے لئے جو فرائض افراد پر عائد کر دیئے گئے ہیں ان کے ادا کرنے پر تو وہ مجبور ہے۔ لیکن اس سے زائد کوئی بار جبراً اس پر عائد نہیں کیا جاسکتا۔ الا یہ کہ وہ خود رضا کارانہ ایسا کرے اور یہی حال معاشرے اور ریاست کا بھی ہے کہ افراد کے جو حقوق اس پر عائد کئے گئے ہیں انہیں ادا کرنا اس پر اتنا ہی لازم ہے جتنا افراد سے اپنے حقوق وصول کرنے کے اسے اختیارات حاصل ہیں۔ اس مستقل دستور کو اگر عملاً نافذ کر دیا جائے تو ایسا مکمل عدل اجتماعی قائم ہوتا ہے جس کے بعد کو کوئی شے مطلوب باقی نہیں رہ جاتی یہ دستور جب تک موجود ہے اس وقت کوئی شخص خواہ کتنی ہی کوشش کرے مسلمانوں کو ہرگز اس دھوکے میں نہیں ڈال سکتا کہ جو اشتراکیت اس نے کسی جگہ سے مستعار لے لی ہے وہی عین اسلام ہے یا وہ اسلامی سوشلزم ہے۔

اسلام کے اس دستور میں فرد اور معاشرے کے درمیان ایسا توازن قائم کیا گیا ہے کہ نہ فرد کو وہ آزادی دی گئی ہے جس سے وہ معاشرے کے مفاد کو نقصان پہنچا سکے اور نہ معاشرے کو یہ اختیارات دیئے گئے ہیں کہ وہ فرد سے اس کی وہ آزادی سلب کر سکے جو اس کی شخصیت کے نشوونما کے لئے ضروری ہے



## انتقال دولت کے شرائط

اسلام ایک فرد کی طرف دولت کے انتقال کی صورت میں صورتیں معین کر دیتا ہے۔ وراثت، ہبہ، کسب۔ وراثت صرف وہ معتبر ہے جو کسی مال کے جائز مالک سے اس کے وارث کو شرعی قاعدے کے مطابق پہنچے۔ ہبہ یا عطیہ صرف وہ معتبر ہے جو کسی ملک کے جائز مالک نے شرعی حدود کے اندر دیا ہو۔ اور اگر یہ عطیہ کسی حکومت کی طرف سے ہو تو وہ اسی صورت میں جائز ہے جب کہ وہ کسی صحیح خدمت کے صلے میں یا معاشرے کے مفاد کے لئے اطلاق حکومت میں سے مصروف طریقے پر دیا گیا ہو۔ نیز اس طرح کا عطیہ دینے کی حقدار بھی وہ حکومت ہے جو شرعی دستور کے مطابق شوریٰ کے طریقے پر چلائی جا رہی ہو، اور جس سے محاسبہ کرنے کی قوم کو آزادی حاصل ہو رہا کسب تو اسلام میں صرف وہ کسب جائز ہے جو کسی حرام طریقے سے نہ ہو۔ سرقہ، غصب، ناپ تول میں کمی بیشی، خیانت، رشوت، غبن، قحبہ گری، احتکار، سود، ہوا، دھوکے کا سودا، منکرات کی صفت، تجارت اور اشاعتِ فاحشہ کرنے والے کاروبار کے ذریعہ سے کسب اسلام میں حرام ہے۔ ان حدود کی پابندی کرتے ہوئے جو دولت بھی کسی کو ملے وہ اس کی جائز ملک ہے۔ قطع نظر اس سے کہ وہ کم ہو یا زیادہ ایسی ملکیت کے لئے نہ کی کی کوئی حد مقرر کی جاسکتی ہے نہ زیادتی کی۔ نہ اس کا کم ہونا اس بات کو جائز کر دیتا ہے کہ دوسروں سے چھپ کر اس میں اضافہ کیا جائے اور نہ اس کا زیادہ ہونا اس امر کے لئے کوئی دلیل ہے کہ اسے زبردستی کم کیا جائے۔ البتہ جو دولت ان جائز حدود سے تجاوز کر کے حاصل ہوئی ہو اس کے بارے میں یہ سوال اٹھانے کا مسلمانوں کو حق پہنچتا ہے کہ اس دولت کے بارے میں پہلے قانونی تحقیق ہونی چاہیے۔ پھر اگر ثابت ہو جائے کہ وہ جائز ذرائع سے حاصل نہیں ہوئی ہے تو اسے ضبط کرنے کا اسلامی حکومت کو پورا حق پہنچتا ہے۔

## تصرف دولت پر پابندیاں

جائز طریقے پر حاصل ہونے والی دولت پر تصرف کے بارے میں بھی فرد کو بالکل کھلی چھوٹ نہیں دے دی گئی ہے بلکہ اس پر کچھ پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں تاکہ کوئی فرد اپنی ملکیت میں کسی ایسے طریقے پر تصرف نہ کر سکے جو معاشرے کے لئے نقصان دہ ہو یا جس میں خود اس فرد کے دین و اخلاق کا نقصان ہو۔ اسلام میں کوئی شخص اپنی دولت کو فسق و فجور میں صرف نہیں کر سکتا۔ شراب نوشی اور قمار بازی کا دروازہ اس کے لئے بند ہے وہ آزاد انسانوں کو بچا کر انہیں لونڈی غلام بنانے اور ان کی بیع و خرید کرنے کا بھی کسی کو حق نہیں دیتا کہ دولت مند لوگ اپنے گھروں کو خریدی ہوئی لونڈیوں سے بھر لیں۔ اسراف



اور حد سے زیادہ عیش و عشرت کر داور تمہارا ہمسایہ رات کو بھوکا سوئے۔ اسلام صرف مشروع اور  
مصرف طریقے پر ہی دولت سے متمنع ہونے کا آدمی کو حق دیتا ہے اور اگر ضرورت سے زائد دولت  
کو مزید دولت کمانے کے لئے کوئی شخص استعمال کرنا چاہے تو وہ کسب مال کے صرف حلال طریقے  
ہی اختیار کر سکتا ہے۔ ان حدود سے تجاوز نہیں کر سکتا جو شریعت نے کسب پر عائد کر دی ہیں۔

**معاشرتی خدمت :**

پھر اسلام معاشرے کی خدمت کے لئے ہر اس فرد پر جس کے پاس نصاب سے زائد مال جمع  
ہو زکوٰۃ عائد کرتا ہے۔ نیز وہ اموال تجارت پر زمین کی پیداوار پر۔ مویشی پر اور بعض دوسرے اموال  
پر بھی ایک خاص شرح سے زکوٰۃ مقرر کرتا ہے۔ آپ دنیا کے کسی ملک کو لے لیجئے اور حساب لگا کر دیکھ لیجئے  
کہ اگر شرعی طریقے کے مطابق وہاں باقاعدہ زکوٰۃ وصول کی جائے تو کیا چند سال کے اندر وہاں ایک  
شخص بھی حاجات زندگی سے محروم رہ سکتا ہے۔

اس کے بعد جو دولت کسی ایک فرد کے پاس مرکوز ہو گئی ہو۔ اسلام اس کے مرنے میں  
اس دولت کو دراشت میں تقسیم کر دیتا ہے تاکہ یہ ارتکاز ایک دائمی اور مستقل ارتکاز بن کر نہ رہ جائے۔

### استیصالِ ظلم

اس کے علاوہ اسلام اگرچہ اس کو پسند کرتا ہے کہ مالک زمین اور مزارع یا کارخانہ دار اور مزدور کے  
درمیان خود باہمی رضامندی سے معروف طریقے پر معاملات طے ہوں اور قانون کی مداخلت کی ضرورت  
پیش نہ آئے۔ لیکن جہاں کہیں ان معاملات میں ظلم ہو رہا ہو وہاں اسلامی حکومت مداخلت کرنے کا پورا حق رکھتی  
ہے اور قانون کے ذریعے سے انصاف کے حدود قائم کر سکتی ہے۔

### قومی ملکیت کے حدود

اسلام اس امر کو حرام نہیں کرتا کہ کسی صنعت یا کسی تجارت کو حکومت اپنے انتظام میں چلائے۔ اگر  
کوئی صنعت یا تجارت ایسی ہو جس کی اجتماعی مصلح کے لئے ضرورت تو ہو مگر افراد اس کو چلانے کے لئے  
تیار نہ ہوں یا افراد کے انتظام میں اس کا چلنا اجتماعی مفاد کے خلاف ہو تو اسے حکومت کے انتظام میں  
چلایا جاسکتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی صنعت یا تجارت کچھ افراد کے ہاتھوں میں ایسے طریقوں سے چل رہی  
ہو جو اجتماعی مفاد کے لئے نقصان دہ ہوں تو حکومت ان افراد کو معاوضہ دے کر وہ کاروبار اپنے ہاتھ میں  
لے سکتی ہے اور کسی دوسرے مناسب طریقے سے اس کے چلانے کا انتظام کر سکتی ہے۔ ان تدابیر کے  
اختیار کرنے میں کوئی مانع شرعی نہیں ہے لیکن اسلام اس بات کو ایک اصول کی حیثیت سے قبول نہیں کرتا  
کہ دولت کی پیداوار کے تمام ذرائع حکومت کی ملک ہوں اور حکومت ہی ملک کی واحد صنایع و تاجروں



## اور مالک اراضی ہو۔ بیت المال میں تصرف کے شرائط

بیت المال کے بارے میں اسلام کا یہ قطعی فیصلہ ہے کہ وہ اللہ اور مسلمانوں کا مال ہے اور کسی شخص کو اس پر مالکانہ تصرف کا حق نہیں ہے مسلمانوں کے تمام امور کی طرح بیت المال کا انتظام بھی قوم یا اس کے آزاد مائندوں کے مشورے سے ہونا چاہیے جس شخص سے بھی کچھ لیا جائے اور جس مصرف میں بھی مال صرف کیا جائے۔ وہ جائز شرعی طریقے پر ہونا چاہیے۔ اور مسلمانوں کو اس پر محابے پر پورا حق ہے اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر عدالت اجتماعیہ صرف مومنی عدل ہی کا نام ہے تو کیا یہ معاشی عدل جو اسلام قائم کرتا ہے۔ ہمارے لئے کافی نہیں ہے؟ کیا اس کے بعد کوئی ضرورت ایسی باقی نہیں رہ جاتی جس کی خاطر تمام افراد کی آزادیاں سلب کرنا لوگوں کے احوال ضبط کرنا اور ایک پوری قوم کو چند آدمیوں کا غلام بنادینا ہی ناگزیر ہو؟ آخر اس امر میں کیا چیز مانع ہے کہ ہم مسلمان اپنے ملکوں میں اسلامی دستور کے مطابق خالص شرعی حکومتیں قائم کریں اور ان میں خدا کی پوری سرایت کو بلا کم و کاست نافذ کر دیں۔ جس روز بھی ہم الیا کریں گے۔ صرف یہی نہیں کہ ہمیں اشتراکیت سے کسب فیض کی کوئی ضرورت باقی نہ رہے گی بلکہ خود اشتراکیت ذرہ مالک کے لوگ ہمارے غلام زندگی کو دیکھ کر یہ محسوس کرنے لگیں گے کہ جس روشنی کے بغیر وہ تاریکی میں بھٹک رہے تھے وہ ان کی آنکھوں کے سامنے موجود ہے۔





## باب نمبر ۲۳

### انسان کا معاشی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل

انسان کا معاشی مسئلہ یہ ہے کہ تمدن کی رفتار ترقی کو قائم رکھتے ہوئے کس طرح تمام انسانوں کو ان کی ضروریات زندگی بہم پہنچانے کا انتظام ہو اور کس طرح سوسائٹی میں ہر شخص کو اپنی استعداد اور قابلیت کے مطابق ترقی کرنے اور اپنی شخصیت کو نشوونما دینے اور اپنے کمال لائق تک پہنچنے کے مواقع حاصل رہیں۔

قدم ترین زمانہ میں انسان کے لئے معاش کا مسئلہ قریب قریب اتنا ہی سہل تھا جتنا حیوانات کے لئے ہے۔ خدا کی زمین پر بے شمار سامان زندگی پھیلا ہوا ہے۔ ہر مخلوق کے لئے جس قدر رزق کی ضرورت ہے وہ بافراط ہوتا ہے۔ ہر ایک اپنا رزق تلاش کرنے کے لئے نکلتا ہے اور جا کر خزانے رزق میں سے حاصل کر لیتا ہے کسی کو نہ اس کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے اور نہ اس کا رزق کسی دوسری مخلوق کے قبضہ میں ہے تقریباً یہی حالت انسان کی بھی تھی کہ گیا اور قدرتی رزق خواہ وہ پھلوں کی شکل میں ہو یا شکار کے جانوروں کی شکل میں حاصل کر لیا۔ قدرتی پیداوار سے بدن ڈھانکنے کا انتظام کر لیا۔ زمین جہاں موقع دیکھا ایک سر چھپانے اور پھر رہنے کی جگہ بنالی۔ لیکن خدا نے انسان کو اس لئے پیدا نہیں کیا تھا کہ وہ زیادہ مدت تک اسی حالت میں رہے۔ اس نے انسان کے اندر ایسے فطری راعیات رکھے تھے کہ وہ انفرادیت چھوڑ کر اجتماعی زندگی اختیار کرے اور اپنی صنعت سے اپنے لئے ان ذرائع زندگی سے بہتر ذرائع پیدا کرے جو قدرت نے مہیا کئے تھے۔ عورت اور مرد کے درمیان دائمی تعلق کی فطری خواہش انسانی بچے کا طویل مدت تک ماں باپ کی پرورش کا محتاج ہونا اپنی نسل کے ساتھ انسان کی گہری دلچسپی اور خونی رشتوں کی محبت یہ وہ چیزیں تھیں جو اسے اجتماعی زندگی پر مجبور کرنے کے لئے خود قدرت ہی نے اس کے اندر رکھ دی



تھیں اسی طرح انسان کا خود پیداوار پر قانع نہ ہونا اور زراعت سے اپنے لئے خود غلہ پیدا کرنا پتوں سے جسم ڈھانکنے پر قانع نہ ہونا اور اپنی صنعت سے اپنے لئے لباس تیار کرنا غاروں اور بھٹوں میں رہنے پر مطمئن نہ ہونا اور اپنے لئے خود مکان بنانا اپنی ضروریات کے لئے جسمانی آلات پر اکتفا نہ کرنا اور بھر لکڑی لوہے وغیرہ کے آلات ایجاد کرنا یہ بھی فطرت ہی نے اس کے اندر ودیعت کیا تھا اور اس کا بھی لازمی نتیجہ یہی تھا کہ وہ رفتہ رفتہ متمدن ہو۔ پس اگر انسان متمدن ہوا تو اس نے کوئی جرم نہیں کیا۔ بلکہ عین اس کی فطرت کا تقاضا تھا۔

تمدن کی پیدائش کے ساتھ چند چیزیں ناگزیر تھیں۔

ایک یہ کہ انسان کی ضروریات زندگی بڑھیں اور ہر شخص خود اپنی تمام ضروریات فراہم نہ کر سکے بلکہ اس کی کچھ ضرورتیں دوسروں سے اور دوسروں کی اس سے متعلق ہوں۔ دوسرے یہ کہ ضروریات زندگی کا مبادلہ عمل میں آئے اور رفتہ رفتہ مبادلہ اشیاء کا ایک واسطہ مقرر ہو جائے۔

تیسرے یہ کہ اشیائے ضرورت تیار کرنے کے آلات اور حمل و نقل کے وسائل میں اضافہ ہو اور جتنی نئی چیزیں انسان کے علم میں آئیں ان سب سے وہ فائدہ اٹھانا چلا جائے۔

چوتھے یہ کہ آدمی کو اس امر کا اطمینان حاصل ہو کہ وہ چیزیں جن کو اس نے خود اپنی محنت سے حاصل کیا ہے وہ آلات جن سے وہ کام کرتا ہے۔ وہ زمین جس پر اس نے گھر بنایا ہے وہ جگہ جس میں وہ اپنے پیشہ کا کام کرتا ہے یہ سب اسی کے قبضہ میں رہیں گی اور اس کے بعد ان لوگوں کی طرف منتقل ہوں گی جو دوسروں کی نسبت اس سے قریب تر ہیں۔

اس طرح مختلف پیشوں کا پیدا ہونا، خرید و فروخت، اشیاء کی قیمتوں کا تعین، روپے کا معیار قیمت کی حیثیت سے جاری ہونا۔ بین الاقوامی لین دین اور درآمد برآمد تک نوبت پہنچانے نئے آلات و وسائل پیدائش کا استعمال میں آنا اور حقوق ملکیت و وراثت کا وجود میں آنا یہ سب عین مقتضائے فطرت تھا اور ان میں سے کوئی چیز بھی گناہ نہ تھی کہ اب اس سے توبہ کرنے کی ضرورت ہو۔

مزید برآں تمدن کے نشوونما کے ساتھ یہ بھی ضروری تھا کہ

۱۔ مختلف انسانوں کے قوتوں اور قابلیتوں کے درمیان جو فرق خود فطرت نے رکھا ہے اس کی وجہ سے بعض انسانوں کو اپنی اصلی فہمت سے زیادہ کمانے کا موقع مل جائے اور بعض اپنی



ضرورت کے مطابق اور بعض اس سے کم کمائیں۔

- ۲۔ وراثت کے ذریعہ سے بھی بعض کو زندگی کا آغاز کرنے کے لئے اچھے وسائل مل جائیں اور بعض کم وسائل کے ساتھ اور بعض بے وسیلہ کارزار حیات میں قدم رکھیں۔
- ۳۔ قدرتی اسباب سے ہر آبادی میں ایسے لوگ موجود ہیں جو کسب معاش کے کام میں حصہ لینے اور اسباب زندگی کے مبادلہ میں شریک ہونے کے قابل نہ ہوں۔ مثلاً بچے، بوڑھے، بیمار معذور وغیرہ۔

- ۴۔ بعض انسان خدمت لینے والے اور بعض خدمت انجام دینے والے ہوں اور اس طرح آبادی صفت و تجارت اور زراعت کے علاوہ نوکری اور مزدوری کی صورتیں بھی پیدا ہو جائیں۔
- یہ سب بھی بجائے خود انسانی تمدن کے فطری مظاہر اور قدرتی پہلو ہیں۔ ان صورتوں کا رد نہ کرنا بھی اپنی جگہ کوئی برائی یا گناہ نہیں ہے کہ ان کے استیصال کی فکر کی جائے۔ تمدن کی خرابی کے دوسرے اسباب سے جو برائیاں پیدا ہوئی ہیں ان کے اصل سبب کو نہ پا کر بہت سے لوگ گھبرا اٹھتے ہیں۔ اور کبھی شخصی ملکیت کو، کبھی روپے کو، کبھی مشین کو، کبھی انسانوں کو فطری نامساوات کو اور کبھی خود تمدن ہی کو کوڑے مارنے لگتے ہیں۔ لیکن درحقیقت یہ غلط تشخیص اور غلط تجویز علاج ہے۔ انسانی فطرت کے تقاضے سے تمدن میں جو نشوونما ہوتا ہے اور اس نشوونما سے فطرتاً جو صورتیں رونما ہوتی ہیں ان کو روکنے کی ہر کوشش نادانی ہے اور اس کے نتیجہ میں فلاح کی بجائے تباہی و نقصان کا زیادہ امکان ہے۔ انسان کا اصل معاشی مسئلہ یہ نہیں ہے کہ تمدن کی ترقی کو کس طرح روکا جائے یا اس کے قدرتی مظاہر کو کس طرح بدلا جائے بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ تمدن کے نشوونما کی فطری رفتار کو برقرار رکھتے ہوئے اجتماعی ظلم و بے انصافی کو کیسے رد کیا جائے اور فطرت کا یہ منشاء کہ ہر مخلوق کو اس کا رزق پہنچے کیونکر پورا کیا جائے اور ان رکاوٹوں کو کس طرح دور کیا جائے جس کی بدولت بہت سے انسانوں کی ترقی اور قابلیتیں محض وسائل کے فقدان کی وجہ سے ضائع ہو جاتی ہیں۔

### معاشی انتظام کی خرابی کا سبب

نظام معیشت کی خرابی کا نقطہ آغاز خود غرضی کا ہند اعتدال سے بڑھ جانا ہے۔ پھر دوسرے رذائل اخلاق اور ایک ناسد نظام سیاست کی مدد سے یہ چیز بڑھتی اور پھیلتی ہے۔ یہاں تک کہ پورے معاشی نظام کو خراب کر کے زندگی کے باقی شعبوں میں بھی اپنا زہر پھیلایا اثر پھیلا دیتی ہے۔ شخصی ملکیت اور بعض انسانوں کا بعض کی بہ نسبت بہتر معاشی حالت میں ہونا یہ دونوں عین فطرت کے



مقتضیات تھے اور بجائے خود ان میں کوئی خرابی نہ تھی۔ اگر انسان کی تمام اخلاقی صفات کو توازن کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملتا اور خارج میں بھی ایک ایسا نظام سیاست موجود ہوتا جو زور و قوت کے ساتھ عدل قائم رکھتا تو ان سے کوئی خرابی پیدا نہ ہو سکتی تھی لیکن جس چیز نے انہیں خرابیوں کی پیدائش کا ذریعہ بنا دیا وہ یہ تھی کہ جو لوگ نظری اسباب سے بہتر معاشی حیثیت رکھتے تھے وہ خود غرضی، تنگ نظری، بداندیشی، بخل، حرص، بددیانتی اور نفس پرستی میں مبتلا ہو گئے۔ شیطان نے انہیں یہ سمجھایا کہ تمہاری اصلی ضرورت سے زائد جو وسائل معیشت تمہیں ملتے ہیں اور جن پر تمہیں حقوق مالکانہ حاصل ہیں۔ ان کے صحیح و معقول مصرف صرف دو ہیں۔ ایک یہ کہ ان کو اپنی آسائش، آرامش و لطف تفریح اور خوش باشی میں صرف کرد۔ دوسرے یہ کہ ان کو مزید وسائل معیشت پر قبضہ کرنے کے لئے استعمال کرو اور بن پرے تو انہیں کے ذریعہ سے انسانوں کے خدا اور ان کا تاج بھی بن جاؤ۔

پہلی شیطانی تعلیم کا نتیجہ یہ ہوا کہ دولت مندوں نے جماعت کے ان افراد کا حق ماننے سے انکار کر دیا جو دولت کی تقسیم میں حصہ پانے سے محروم رہ جاتے ہیں یا اپنی اصلی ضرورت سے کم حصہ پاتے ہیں۔ انہوں نے یہ بالکل جائز سمجھا کہ ان لوگوں کو فاقہ کشی اور خستہ حالی میں چھوڑ دیا جائے۔ ان کی تنگ نظری نے یہ نہ دیکھا کہ اس وجہ سے انسانی جماعت کے بہت سے افراد جرائم پیشہ بنتے ہیں۔ جہالت اور دفاست اخلاق میں مبتلا ہوتے ہیں۔ جسمانی کمزوری اور امراض کا شکار ہوتے ہیں۔ ان کی ذہنی و جسمانی قوتیں نشوونما پانے اور انسانی تہذیب و تمدن کے ارتقا میں اپنا حصہ ادا کرنے سے رہ جاتی ہیں اور اس سے وہ سوسائٹی بحیثیت مجموعی نقصان اٹھاتی ہے جس کے وہ خود بھی ایک فرد ہیں۔ اسی پر بس نہیں بلکہ ان دولت مندوں نے اپنی اصلی ضروریات پر بے شمار اور ضروریات کا اضافہ کیا اور بہت سے انسانوں کو جن کی قابلیتیں تمدن و تہذیب کی بہتر خدمات کے لئے استعمال ہو سکتی تھیں۔ اپنے نفس شریک کی خود ساختہ ضرورتوں کے پورا کرنے میں استعمال کرنا شروع کر دیا۔ ان کے لئے زنا ایک ضرورت تھی جس کی خاطر فاحشہ عورتوں اور قمار خانوں اور ریلوئوں کا ایک لشکر فراہم ہوا۔ اس کے لئے غنا بھی ایک ضرورت تھی جن کی خاطر گویوں، پنچنیوں، سازندوں اور آلات موسیقی تیار کرنے والوں کی ایک اور فوج تیار کی گئی۔ ان کے لئے بے شمار قسم کی تفریحات بھی ضروری تھیں جن کی خاطر مسخروں، نقالوں، ایکٹروں اور ایکٹرسوں۔ داستان گوؤں، مصوروں اور نقاشوں اور بہت سے فضول چیزیں وروں کا ایک اور گروہ کثیر مہیا کیا گیا۔ ان کے لئے شکار بھی ضروری تھا جس کی خاطر بہت سے انسان کوئی بھلا کام کرنے کے بجائے اس کام پر لگائے گئے کہ جنگلوں میں جانوروں



کو ہانکتے پھرے۔ ان کے لئے سرد و نشاط اور خود رتنگی بھی ایک ضرورت تھی جس کی خاطر بہت سے انسان شراب و کونین، افیون اور دوسرے مسکرات کی فراہمی میں مشغول کئے گئے۔ غرض اس طرح ان شیطانوں کے بھائیوں نے صرف اتنے پر ہی اکتفا نہ کیا کہ بے رحمی کے ساتھ سوسائٹی کے ایک بڑے حصہ کو اخلاقی درد عانی اور جسمانی تباہی میں مبتلا ہونے کے لئے چھوڑ دیا ہو بلکہ مزید ظلم یہ کیا کہ ایک اور بڑے حصہ کو صحیح اور مفید کاموں سے ہٹا کر بیہودہ اور ذلیل اور نقصان دہ کاموں میں لگا دیا اور تمدن کی رفتار کو راہِ راست سے ہٹا کر ایسے راستوں کی طرف پھیر دیا۔ جو انسان کو تباہی کی طرف لے جانے والے ہیں۔ پھر معاملہ اسی پر ختم نہیں ہو گیا۔ انسانی سرمایہ کو ضائع کرنے کے ساتھ انہوں نے مادی سرمایہ کو بھی غلط طریقے سے استعمال کیا۔ ان کو محلات، کوٹھیلیں، گلستانوں، تفریح گاہوں، ناچ گھر و وغیرہ کی ضرورت لاحق ہوئی جتنی کہ مرنے کے بعد زمین میں لیٹنے کے لئے بھی ان کم بختوں کو ایکڑوں زمین، اور عالیشان عمارتوں کی حاجت درپیش ہوئی اور اس طرح وہ زمین وہ سامان تعمیر اور وہ انسانی محنت جو بہت سے بندگان خدا کے لئے سکونت کا انتظام کرنے کے لئے کافی ہو سکتی تھی۔ ایک ایک عیاش آدمی کے مستقر اور مستودع پر صرف ہو گئی ان کو زبوروں، نفیس لباسوں۔ اعلیٰ درجہ کے آلات و ظروف زمینیت و آرائش کے سامانوں، شاندار سواریوں اور نہ معلوم کن کن چیزوں کی ضرورت پیش آئی۔ حتیٰ کہ ان ظالموں کے دروازے بھی قیمتی پردوں کے بغیر ننگے رہ جاتے تھے۔ ان کی دیواریں بھی سلیکٹرڈ اور ہزاروں روپے کے قالین اور ڈھنا چاہتی تھی ان کے کتوں کو بھی محمل کے گدوں اور سونے کے پٹے کی ضرورت تھی۔ اس طرح وہ بہت سا مواد اور وہ کثیر انسانی عمل جو ہزار ہا انسانوں کا تن ڈھلکنے اور پیٹ بھرنے کے کام آ سکتا تھا۔ ایک ایک شخص کی نفس پرستی کے لئے وقف ہو گیا۔ یہ تو شیطانی رہنمائی کے ایک حصہ کا نتیجہ تھا۔ دوسری رہنمائی کے نتائج اس سے بھی زیادہ خراب نکلتے۔ یہ اصول کہ اپنی اصلی ضرورت سے زائد جو وسائل معیشت کسی انسان کے قبضہ میں آ گئے ہوں ان کو وہ جمع کرنا چاہئے اور پھر مزید وسائل معیشت حاصل کرنے کے لئے استعمال کرے۔ اقل تو بدایتہ غلط ہے۔ ظاہر ہے کہ خدا نے معیشت کے اسباب جو زمین پر پیدا کئے ہیں۔ یہ مخلوق کی حقیقی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے پیدا کئے ہیں۔ تمہارے پاس خوش قسمتی سے اگر کچھ زیادہ اسباب آ گئے ہیں تو یہ دوسروں کا حصہ ہے جو تم تک پہنچ گیا اسے جمع نہ کرو۔ اپنے گرد پیش دیکھو جو لوگ سامان زلیست میں سے اپنا حصہ حاصل کرنے کے قابل نظر نہیں آتے یا اسے حاصل کرنے میں ناکام رہ گئے ہیں یا جنہوں نے اپنی ضرورت سے کم پایا ہے سمجھ لیں کہ یہی وہ لوگ ہیں جن کا حصہ تمہارے



پاس پہنچا ہے وہ حاصل نہیں کر سکے تو تم ان تک پہنچا دو۔ یہ صحیح کام کرنے کے بجائے اگر تم مال جمع کرتے جاؤ تو یہ غلط ہو گا۔ حصولِ معاش کی سعی میں تم اپنے وقتِ محنت اور قابلیت کا جتنا حصہ اپنی ضرورتِ زندگی فراہم کرنے کے لئے صرف کرتے ہو تو وہ صحیح اور محقولِ مصرف میں صرف ہوتا ہے مگر اس واقعی ضرورت سے زائد ان چیزوں کو اس کام میں صرف کرنے کے معنی یہ ہیں کہ تم معاشی حیوان بلکہ دولت پیدا کرنے کی مشین بن رہے ہو۔

پس عقل اور فطرت کے لحاظ سے یہ اصول ہی سرے سے غلط ہے جو شیطان نے اپنے شاگردوں کو سکھایا ہے لیکن اس اصول پر جو عملی طریقے بنے ہیں وہ تو اس قدر قابلِ لعنت اور ان کے نتائج اتنے ہولناک ہیں کہ ان کا صحیح تخمینہ بھی مشکل ہے۔

زائد از ضرورت وسائلِ معیشت کو مزید وسائلِ قبضہ میں لانے کے لئے استعمال کرنے کا دو صورتیں ہیں۔

ایک یہ کہ ان وسائل کو سود پر قرض دیا جائے۔

دوسرے یہ کہ انہیں تجارتی اور صنعتی کاموں میں لگایا جائے۔

یہ دونوں طریقے اپنی نوعیت میں کچھ ایک دوسرے سے مختلف ضرور ہیں لیکن دونوں کے مشترک عمل کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سوسائٹی دو طبقوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ ایک وہ قلیل طبقہ جو اپنی ضرورت سے زیادہ وسائلِ معاش رکھتا ہے اور اپنے وسائل کو مزید مسائل کھینچنے کے لئے وقف کر دیتا ہے۔ دوسرا وہ کثیر طبقہ جو اپنی ضرورت کے مطابق یا اس سے کم وسائل رکھتا ہے یا بالکل نہیں رکھتا۔ ان دونوں طبقوں کے مفاد نہ صرف یہ کہ ایک دوسرے کے خلاف ہوتے ہیں بلکہ لا محالہ ان کے درمیان کشمکش اور نزاع برپا ہوتی ہے اور یوں انسان کا معاشی انتظام جس کو فطرت نے مبادلہ پر مبنی کیا تھا۔ محاربہ پر قائم ہو کر رہ جاتا ہے۔

پھر یہ محاربہ جتنا بڑھتا جاتا ہے۔ مالدار طبقہ تعداد میں کم اور نادار طبقہ زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ کیونکہ اس محاربہ کی نوعیت ہی کچھ اس قسم کی ہے کہ جو زیادہ مالدار ہے وہ اپنے مال کے زور سے کم مالدار لوگوں کے وسائل بھی کھینچ لیتا ہے اور اسے نادار طبقہ میں دھکیل دیتا ہے۔ اس طرح زمین کے اسبابِ معاش روز بروز کم اور کم تر حصہ آبادی کے پاس سمٹتے چلے جاتے ہیں اور روز بروز زیادہ اور زیادہ حصہ آبادی محلس یا مالداروں کا دستِ نگر ہوتا جاتا ہے۔

ابتداءً یہ محاربہ چھوٹے پیمانہ پر شروع ہوتا ہے۔ پھر بڑھتے بڑھتے یہ ملکوں اور قوموں تک



پھیلتا ہے۔ یہاں تک کہ ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے کر بھی ہلے مرنے فسزید ہی کی صدا لگاتا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ جب ایک ملک کا عام دستور یہ ہو جاتا ہے کہ جن لوگوں کے پاس اپنی ضرورت سے زائد مال ہو وہ اپنے فاضل مال کو نفع آور کاموں میں لگا دیں اور یہ دولت اشلے ضرورت کی تیاری پر صرف ہو تو ان کی لگائی ہوئی پوری رقم کا فائدہ سمیت وصول ہونا اس بات پر موقوف ہے کہ جس قدر اشیا ملک میں تیار ہوتی ہیں وہ سب کی سب اسی ملک میں خریدی جائیں مگر عملاً ایسا نہیں ہوتا اور درحقیقت ایسا ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ ضرورت سے کم مال رکھنے والے اس فکر میں ہوتے ہیں کہ جتنی آمدنی ہو اس میں سے ایک حصہ پس انداز کر کے نفع آور کاموں میں لگائیں۔ اس لئے وہ اپنا سب مال خریداری پر صرف نہیں کرتے۔ اس طرح لازمی طور پر تیار کردہ مالی کا ایک حصہ فروخت ہوئے بغیر رہ جاتا ہے۔ جس کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ مالداروں کی لگائی ہوئی رقم کا ایک حصہ بازیافت ہونے سے رہ گیا اور یہ رقم ملک کی حرفت کے ذمہ قرض رہی۔ یہ صرف ایک حکم کا مال ہے۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ایسے جتنے حکم ہوں گے ان میں سے ہر ایک میں مالدار طبقہ اپنی حاصل شدہ آمدنی کا ایک حصہ پھر نفع آور کاموں میں لگاتا چلا جائے گا اور جو رقمیں بازیافت ہونے سے رہ جاتی ہیں۔ ان کی مقدار ہر حکم میں بڑھتی چلی جائے گی اور ملک کی حرفت پر ایسے قرض کا بار دوگنا، چوگنا، ہزار گنا ہو چلا جائے گا۔ جس کو خود وہ ملک کبھی ادا نہیں کر سکتا۔ اس طرح ایک ملک کو دیوالیہ پن کا جو خطرہ لاحق ہوتا ہے۔ اس سے بچنے کی کوئی صورت اس کے سوا نہیں کہ جتنا مال ملک میں فروخت ہونے سے رہ جائے یعنی ایسے ملک تلاش کئے جائیں جن کی طرف یہ ملک اپنے دیوالیہ پن کو منتقل کر دے۔

یوں یہ محاربہ ملکی حدود سے گزر کر بین الاقوامی دائرے میں قدم رکھتا ہے۔ اب یہ ظاہر ہے کہ کوئی ایک ملک ہی ایسا نہیں ہے جو اس شیطانی نظام معیشت پر چل رہا ہو بلکہ دنیا کے اکثر ممالک کا یہی حال ہے کہ وہ اپنے آپ کو دیوالیہ پن سے بچانے کے لئے یا بالفاظ دیگر اپنے دیوالے کو کسی اور ملک پر ڈال دینے کے لئے مجبور ہو گئے ہیں۔ اس طرح بین الاقوامی مسابقت شروع ہو جاتی ہے۔ اور وہ چند صورتیں اختیار کرتی ہے۔ اولاً ہر ملک بین الاقوامی بازار میں اپنا مال بیچنے کے لئے کوشش کرتا ہے کہ کم سے کم لاگت پر زیادہ سے زیادہ مال تیار کرے۔ اس غرض سے کارکنوں کے معاد صے بہت کم رکھے جاتے ہیں اور اس معاشی کاروبار میں ملک کی عام آبادی اتنا کم حصہ پاتی ہے کہ اس کی اصلی ضروریات بھی پوری نہیں ہوتیں۔ ثانیاً ہر ملک اپنے حدود میں اور اپنے حلقہ اثر میں



دوسرے ملک کا مال آنے پر بندش عائد کرتا ہے اور خام پیداوار کے جتنے وسائل اس کے زیر اختیار ہیں ان پر بھی پیرے بٹھاتا ہے تاکہ دوسرا ملک ان سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔ اس سے بین الاقوامی کشمکش پیدا ہوتی ہے جس کا انجام جنگ پر ہوتا ہے۔ ثالثاً، ایسے ملک جو اس دیوالیہ پن کی مصیبت کو اپنے سر چپکے جانے سے روک نہیں سکتے۔ ان پر لٹیرے ٹوٹ پڑتے ہیں اور صرف اپنے ملک کے بچے کچھے مال ہی کو ان میں فروخت کرنے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ جس دولت کو خود اپنے ہاں نفع آور کاموں پر لگانے کی گنجائش نہیں ہوتی اسے بھی ان ممالک میں بے جا کر لگاتے ہیں۔ اس طرح آخر کار ان ممالک میں بھی وہی مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے جو ابتداءً خود روپیہ لگانے والے ملکوں میں پیدا ہوا تھا یعنی جس قدر روپیہ وہاں لگایا جاتا ہے وہ سارے کا سارا وصول نہیں ہو سکتا اور اس روپے سے جتنی بھی آمدنی ہوتی ہے اس کا ایک بڑا حصہ پھر مزید نفع آور کاموں میں لگا دیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ ان ملکوں پر قرض کا بار اتنا بڑھتا چلا جاتا ہے کہ اگر خود ان ملکوں کو بیچ ڈالا جائے تب بھی کل لکائی ہوئی رقم بازیافت نہیں ہو سکتی۔ ظاہر ہے اگر یہ حکم یونہی چلتا رہے تو بالآخر تمام دنیا دیوالیہ ہو جائے گی اور روئے زمین پر کوئی خطا ایسا باقی نہ رہے گا جس کی طرف اس دیوالیہ پن کی دھیت کو منتقل کیا جاسکے۔ حتیٰ کہ پھر ضرورت پیش آئے گی کہ مشرقی اور مریخ اور عطارد میں روپیہ لگانے اور زائد مال کو کھپانے کے لئے مارکیٹ تلاش کئے جائیں۔

اس عالمگیری کاروبار میں بینکروں آرٹھتیوں اور صنعت و تجارت کے رئیسوں کی ایک مٹھی بھر جماعت تمام دنیا کے معاشی اسباب و وسائل پر اس طرح حاوی ہو گئی ہے کہ ساری نوع انسانی ان کے مقابلہ میں بالکل بے بس ہے۔ اب کسی شخص کے لئے یہ قریب قریب ناممکن ہو گیا ہے کہ اپنے ہاتھ پاؤں کی محنت سے اور اپنی قابلیت سے کوئی آزادانہ کام کر سکے اور خدا کی زمین پر اسباب زندگی موجود ہیں ان میں سے خود کوئی حصہ حاصل کر سکے۔ چھوٹے تاجر، چھوٹے صناع، چھوٹے زراعت چتر لوگوں کے لئے آج دنیا کے عرصہ حیات میں ہاتھ پاؤں مارنے کی گنجائش باقی نہیں رہی ہے سب کے سب مجبور ہیں کہ معاشی کاروبار کے ان بادشاہوں کے غلام اور نوکر اور مزدور بن کر رہیں۔ اور یہ کم سے کم سامانِ زلیات کے معاوضے میں ان کے جسم و دماغ کی ساری قوتیں اور ان کا سارا وقت بے لیتے ہیں جس کی وجہ سے لوری نوع انسانی بس ایک معاشی حیوان بن کر رہ گئی ہے۔ بہت کم خوش قسمت انسانوں کو اس معاشی کشمکش میں اتنی فرصت نصیب ہوتی ہے کہ اپنے اخلاقی، عقلی و روحانی ارتقاء کے لئے کچھ کر سکیں اور اپنی شخصیت کے ان عناصر کو بھی نشوونما دے سکیں جو تلاش معاش کے سوا دوسری پاکیزہ تر اغراض کے لئے خدا نے ان کے اندر وداعت کئے تھے۔



درحقیقت اس شیطانی نظام کی بدولت معاشی کشمکش اس قدر شخصی ہو جاتی ہے کہ زندگی کے تمام دوسرے شعبے اس سے ماؤٹ و معطل ہو جاتے ہیں۔

انسان کی مزید بے بسی یہ ہے کہ دنیا کے اخلاقی فلسفے سیاسی نظامات اور قانونی اصول بھی اس شیطانی نظام معیشت سے متاثر ہو گئے۔ مشرق سے مغرب تک ہر طرف اخلاقی معلمین کفایت شعاری پر زور دے رہے ہیں۔ جتنا کمانا اتنا ہی خرچ کر دینا ایک حماقت اور اخلاقی عیب سمجھا جاتا ہے اور ہر شخص کو یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ اپنی آمدنی میں سے کچھ نہ کچھ پس انداز کر کے بینک میں ڈپازٹ رکھے یا انشورنس پالیسی خریدے یا کمپنیوں کے شیئرز حاصل کرے گویا جو چیز انسانیت کو تباہ کرنے والی ہے۔ وہی اخلاق کی نظر میں معیارِ خوبی بن گئی ہے۔ یہی سیاسی طاقت تو وہ عملاً بالکل ہی ایک شیطانی نظام کے قبضے میں آ چکی ہے۔ وہ بجائے اس کے کہ اس ظلم سے انسان کو بچائے ظلم کا آلہ کار بنی ہوئی ہے اور ہر طرف حکومت کی گدلیوں پر شیطان کے ایجنٹ بیٹھے نظر آتے ہیں۔ اسی طرح دنیا کے قوانین بھی اسی نظام کے زیر اثر مرتب ہوتے رہے۔ ان قوانین نے عملاً افراد کو پوری آزادی دے رکھی ہے کہ جس طرح چاہیں جماعت کے مفاد کے خلاف اپنی معاشی اغراض کے لئے جدوجہد کریں۔ ردِ پیہ کمانے کے طریقوں میں جائز اور ناجائز کا امتیاز قریب قریب مفقود ہے۔ ہر وہ طریقہ جس سے کوئی شخص دوسروں کو لوٹ کر یا تباہ کر کے مالدار بن سکتا ہو، قانون کی نظر میں جائز ہے۔ شراب بنائے اور پیچھے بد اخلاقی کے اڈے قائم کیجئے۔ شہوانی فلم بنائے فحش مضامین لکھیئے۔ جذبات کو بھڑکانے والی تصویریں شائع کیجئے۔ سٹے کا کاروبار پھیلائیے۔ سو خواری کے ادارے قائم کیجئے۔ قمار بازی کا نئی نئی صورتیں نکالئے۔ غرض جو چاہے کیجئے۔ قانون نہ صرف آپ کو اس کی اجازت دے گا بلکہ الٹا آپ کے حقوق کی حفاظت کرے گا۔ پھر خود دولت اس طریقے سے سمٹ کر ایک شخص کے پاس جمع ہو گئی ہو۔ قانون یہ چاہتا ہے کہ وہ اس کے مرنے کے بعد بھی ایک ہی جگہ سمٹی رہے چنانچہ اولاد اکبر کے وارث ہونے کا طریقہ اور بعض قوانین میں مقبضی بنانے کا طریقہ اور مشترک خاندان کا طریقہ ان سب کی غرض یہی ہے کہ خدا نے ایک سانپ جب مرے تو دوسرا سانپ اس پر بٹھا دیا جائے اور اگر بد قسمتی سے اس سانپ نے کوئی سپولیہ نہ چھوڑا ہو تو کہیں اور سے ایک سپولیہ حاصل کیا جائے۔ تاکہ دولت کے اس سٹاؤ میں فرق نہ آنے پڑے۔ یہ اسباب ہیں جن سے نوعِ انسانی کے لئے یہ مسئلہ پیدا ہوا ہے کہ خدا کی اس زمین پر ہر شخص کو سامانِ زیست ہمہ پہنچانے کا انتظام کس طرح کیا جائے اور ہر شخص کو اپنی استعداد کے مطابق ترقی کرنے اور شخصیت کو نشوونما دینے



## کے مواقع کیسے ملیں اشتراکیت کا تجویز کردہ حل :

اس مسئلہ کے حل کی ایک صورت اشتراکیت نے تجویز کی ہے اور وہ یہ ہے کہ پیدائش دولت کے وسائل افراد کی ملکیت سے نکال کر جماعتی ملکیت بنا دیئے جائیں اور ضروریات زندگی کو افراد پر تقسیم کرنے کا انتظام بھی جماعت ہی کے سپرد ہو۔ بظاہر یہ حل نہایت معقول نظر آتا ہے لیکن اس کے عملی پہلوؤں پر آپ جس قدر غور کریں گے۔ اسی قدر آپ پر اس کے نقائص کھلتے چلے جائیں گے۔ یہاں تک کہ آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ آخر کار اس کے نتائج بھی اتنے ہی خراب ہیں جتنے اس بیماری کے نتائج ہیں جس کا علاج کرنے کے لئے اسے اختیار کیا گیا ہے۔ یہ بالکل ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ وسائل پیدائش سے کام لینے اور پیداوار کو تقسیم کرنے کا انتظام خواہ نظری طور پر پوری جماعت کے حوالے کر دیا جائے مگر عملاً یہ کام ایک مختصر مئی ہیئت انتظامیہ ہی کے سپرد کرنا ہوگا۔ یہ مختصر کردہ ابتداء جماعت ہی کا منتخب کردہ سہی لیکن تمام ذرائع پیدائش اس کے قبضے میں ہوں گے اور اسی کے ہاتھوں سے لوگوں تک پہنچ سکیں گے تو تمام آبادی اس کی مٹھی میں بے بس ہو جائے گی۔ اس کی رضا کے خلاف ملک میں کوئی دم تک نہ مار سکے گا۔ اس کے مقابلے میں کوئی ایسی منظم طاقت ابھر ہی نہ سکے گی جو اس کو منصب اقتدار سے ہٹا سکے۔ اس کی نظر کسی سے پھر جانے کے منفی یہ ہوں گے کہ وہ فقور دار بندہ اس سرزمین میں زندگی بسر کرنے کے تمام وسائل سے محروم ہو جائے کیونکہ سارے وسائل پر اس مختصر کردہ کا تسلط ہوگا۔ مزدور میں اتنا زور نہ ہوگا کہ اس کے انتظام سے ناراض ہو کر اسٹرائیک کر دے کیونکہ وہاں بہت سے کارخانہ دار نہ ہوں گے بلکہ ایک ہی کارخانہ دار ہوگا۔ اور وہی حکمران بھی ہوگا۔ اس کے خلاف کسی رائے عام کی ہمدردی بھی حاصل نہ کی جاسکے گی۔ اس طرح یہ صورت جس نتیجہ پر جا کر ختم ہوگی وہ یہ ہے کہ تمام سرمایہ داروں کو کھا کر ایک بڑا سرمایہ دار تمام کارخانہ داروں اور زمینداروں کو کھا کر ایک بڑا کارخانہ دار اور زمیندار لوگوں پر مسلط ہو جائے اور وہی بیک وقت زار اور قیصر بھی ہو۔

اول تو یہ اقتدار ایسا مطلق اقتدار ہے جس کے نشے میں بہک کر ظالم و جابر بننے سے روک جانا انسان کے لئے بہت مشکل ہے خصوصاً جب کہ وہ اپنے اوپر کسی خدا کا اور اس کے سامنے جواب دہی کا اعتقاد بھی نہ رکھتا ہو تاہم اگر یہ مان لیا جائے کہ ایسے اقتدار مطلق پر قابض ہونے کے بعد بھی یہ مختصر کردہ آپ سے باہر نہ ہوگا اور عدل و انصاف ہی کے ساتھ کام کرے گا۔ تب بھی ایسے



ایک نظام میں افراد کے لئے اپنی شخصیت کو نشوونما دینے کا کوئی موقع نہیں ہو سکتا۔ انسانی شخصیت اپنے ارتقاء کے لئے سب سے بڑھ کر جس چیز کی محتاج ہے وہ یہ ہے کہ اسے آزادی حاصل ہو۔ کچھ وسائل کا اس کے اپنے ہاتھ میں ہوں جنہیں وہ اپنے اختیار سے استعمال کر سکے اور ان وسائل پر اپنے رجحان کے مطابق کام کر کے اپنی مخفی قوتوں کو ابھارے اور چمکائے مگر اشتراکی نظام میں اس کا کوئی امکان نہیں اس میں وسائل افراد کے اختیار میں بلکہ جماعت کی ہیئت انتظامیہ کے ہاتھوں میں چلے جاتے ہیں اور وہ ہیئت انتظامیہ جماعتی مفاد کا جو تصور رکھتی ہے اسی کے مطابق ان وسائل کو استعمال کرتی ہے۔ افراد کے لئے اس کے سوا چارہ نہیں کہ اگر وہ ان وسائل سے استفادہ کرنا چاہیں تو اس نقشہ کے مطابق کام کریں بلکہ اسی نقشہ کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالے جانے کے لئے ان منتظمین کے سپرد کر دیں جو انہوں نے جماعتی مفاد کے لئے تجویز کیا ہے۔ یہ چیز عملاً سوسائٹی کے تمام افراد کو چند انسانوں کے قبضہ میں اسی طرح دے دیتی ہے کہ گویا وہ سب بے روح مواد خام ہیں اور جیسے چمڑے کے بوتے اور لوہے کے پرزے بنائے جاتے ہیں۔ اسی وہ چند انسان مختار ہیں کہ ان بہت سے انسانوں کو اپنے نقشہ کے مطابق ڈھالیں اور بنائیں۔

انسانی تمدن و تہذیب کے لئے اس کا نقصان اس قدر زیادہ ہے کہ اگر بالفرض اس نظام کے تحت ضروریات زندگی انصاف کے ساتھ تقسیم ہی ہوں تو اس کا فائدہ اس نقصان کے مقابلے میں ہیچ ہو جاتا ہے۔ تمدن و تہذیب کی ساری ترقی منحصر ہے اس پر کہ مختلف انسان جو مختلف قسم کی قوتیں اور قابلیتیں لے کر پیدا ہوتے ہیں۔ ان کو پوری طرح نشوونما پانے پھر اپنا اپنا حصہ اس مشترک زندگی میں ادا کرنے کا موقع ملے۔ یہ بات ایسے نظام میں حاصل نہیں ہو سکتی جس کے اندر انسانوں کو پلاننگ کیا گیا ہو۔ چند انسان خواہ وہ کتنے ہی لائق اور کتنے ہی نیک اندیش ہو بہر حال اتنے علیم و خیر نہیں ہو سکتے کہ لاکھوں اور کروڑوں آدمیوں کی خلقی قابلیتوں اور ان کے فطری رجحانات کا صحیح اندازہ کر سکیں اور پھر ان کے نشوونما کا ٹھیک ٹھیک راستہ معین کر سکیں۔ وہ اس میں علم کے اعتبار سے بھی غلطی کریں گے اور جماعتی مناد یا جماعتی ضروریات کے متعلق جو تخمینہ ان کے ذہن میں ہو گا اس کے لحاظ سے بھی یہ چاہیں گے کہ ان کے زیر اثر انسانوں کی جتنی آبادی ہو وہ ان کے نقشہ پر ڈھال دی جائے۔ اس سے تمدن کی گونا گونی ختم ہو کر ایک بے روح یکسانی میں تبدیل ہو جائے گی۔ اس سے تمدن کا فطری ارتقاء بند اور ایک طرح کا مصنوعی اور جعلی ارتقاء شروع ہو جائے گا۔ اس سے انسانی قوتیں ٹھٹھرتی چلی جائیں گی اور بالآخر ایک شدید ذہنی اور اخلاقی انحطاط



رد نما ہوگا۔ انسان بہر حال چین کی گھاس اور بیل بوٹے نہیں ہیں کہ ایک مالی انہیں کاٹ چھانٹ کر مرتب کرے اور اسی کے نقشہ پر بڑھتے اور گھٹے رہیں۔ ہر آدمی اپنا ایک تشخص رکھتا ہے جو اپنی فطری رفتار پر بڑھنا چاہتا ہے تم اس کی یہ آزادی سلب کر دگے تو وہ تمہارے نقشہ پر نہیں بڑھے گا بلکہ بغاوت کرے گا یا مرجھا کر رہ جائے گا۔

اشتراکیت کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ وہ معاش کے مسئلہ کو مرکزی مسئلہ قرار دے کر پوری انسانی زندگی کو اس کے گرد گھما دیتی ہے۔ زندگی کے کسی مسئلہ پر بھی اس کی نظر محدود تحقیقی نظر نہیں ہے۔ بلکہ سارے مسائل کو وہ ایک گہرے معاشی تعصب کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ مابعد الطبیعیات اخلاق، تاریخ، سائنس، علوم عمران، غرض ہر چیز اس کے دائرے میں معاشی نقطہ نظر سے مغلوب متاثر ہے اور اس یک رخ پن کی وجہ سے زندگی کا پورا توازن بگڑا جاتا ہے۔

### فاشزم کا حل

پس درحقیقت اشتراکی نظریہ انسان کے معاشی مسئلہ کا کوئی صحیح فطری حل نہیں ہے بلکہ ایک غیر فطری مصنوعی حل ہے۔ اس کے مقابلے میں دوسرا حل فاشزم اور نیشنل سوشلزم نے پیش کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ مسائل معیشت پر شخصی تصرف تو باقی رہے مگر جماعتی مفاد کی خاطر اس تصرف کو ریاست کے مضبوط کنٹرول میں رکھا جائے۔ لیکن عملاً اس کے نتائج سے کچھ زیادہ مختلف نظر نہیں آتے۔ اشتراکیت کی طرح یہ نظریہ بھی فرد کو جماعت میں گم کر دیتا ہے اور اس کی شخصیت کی آزادانہ نشوونما کا کوئی موقع باقی نہیں چھوڑتا۔ مزید برآں جو ریاست اس شخصی تصرف کو قابو میں رکھتی ہے۔ وہ اتنی ہی مستبد اور جابر و طاہر ہوتی ہے جتنی اشتراکیت ریاست۔ ایک بڑے ملک کو تمام حرفت کو اپنے پیچھے اقتدار میں رکھنے اور اپنے دیئے ہوئے نقشہ پر کام کرنے کے لئے مجبور کرنے اور جس ریاست کے ہاتھ میں ایسی طاہرہ طاقت

ہو اس کے ہاتھ میں ملک کی آبادی کا بے بس ہو جانا اور حکمرانوں کا غلام بن کر رہ جانا بالکل یقینی ہے

### اسلام کا حل

اسلام نے تمام مسائل حیات میں اس قاعدے کو ملحوظ رکھا ہے کہ زندگی کے جو اصول فطری ہیں۔ ان کو جوں کاتوں برقرار رکھا جائے اور فطرت کے راستے سے جہاں انحراف ہوا ہے وہیں سے اس کو موڑ کر فطرت کے راستے پر ڈال دیا جائے۔ دوسرا اہم قاعدہ جس پر اسلام کی تمام اجتماعی اصلاحات مبنی ہیں وہ یہ ہے کہ صرف خارجی طور پر نظام تمدن میں چند ضابطے جاری کرنے ہی پر اکتفا نہ کیا جائے



بلکہ سب سے زیادہ زور اخلاق اور ذہنیت کی اصلاح پر صرف کیا جائے تاکہ نفس انسانی میں خرابی کی جڑ کٹ جائے۔ تعمیر اساسی قاعدہ جس کا نشان آپ کو تمام اسلامی نظام شریعت میں ملے گا یہ ہے کہ حکومت کے جبر اور قانون کے زور سے صرف وہیں کام لیا جائے جہاں الیا کرنا ناگزیر ہو۔ ان تین قاعدوں کو ملحوظ رکھ کر اسلام زندگی کے معاشی شعبہ میں ان تمام غیر فطری طریقوں کو زیادہ سے زیادہ اخلاقی اصلاح اور کم سے کم حکومتی مداخلت کے ذریعہ مٹاتا ہے جو شیطانی اثر سے انسان نے اختیار کئے ہیں۔ یہ امر کہ انسان اپنی معاش کے لئے جدوجہد کرنے میں آزاد ہو۔ یہ بات کہ آدمی اپنی محنت سے جو کچھ حاصل کرے اس پر اسے حقوق مالکانہ حاصل ہوں اور یہ کہ انسانوں کے درمیان ان کی قابلیتوں اور ان کے حالات کے لحاظ سے فرق و تفاوت ہو۔ ان سب چیزوں کو اسلام اس حد تک تسلیم کرتا ہے۔ جس حد تک یہ منشاء فطرت کے مطابق ہیں۔ پھر وہ ان پر ایسی پابندیاں عائد کرتا ہے جو انہیں حد فطرت سے متجاوز اور ظلم دے انصافی کا موجب نہ بننے دیں۔

اسلام نے انسان کے اس حق کو تسلیم کیا ہے کہ خدا کی زمین میں وہ اپنی طبیعت کے رجحان اور اپنی استعداد و قابلیت کے مطابق خود اپنی زندگی کا سامان تلاش کرے لیکن وہ اس کو یہ حق نہیں دیتا کہ وہ اپنی معاش حاصل کرنے کے لئے اخلاق کو خراب کرنے والے یا تمدن کے نظام کو بگاڑنے والے ذرائع اختیار کرے۔ وہ کسب معاش کے ذرائع میں حلال اور حرام کی تمیز قائم کرتا ہے اور نہایت تفصیل کے ساتھ چن چن کر ایک ایک نقصان رساں طریقے کو حرام کر دیتا ہے۔ اس کے قانون میں شراب اور دوسری نشہ آور چیزیں نہ صرف بجائے خود حرام ہے بلکہ ان کا بنانا، بیچنا، خریدنا، رکھنا سب حرام ہے۔ وہ زنا اور رقص و سرود اور اسی قسم کے دوسرے ذرائع کو بھی جائز ذرائع کسب معاش تسلیم نہیں کرتا۔ وہ تمام ایسے وسائل معیشت کو بھی ناجائز ٹھہراتا ہے جن میں ایک شخص کا فائدہ دوسرے لوگوں کے یا سوسائٹی کے نقصان پر مبنی ہو۔ رشوت، چوری، ہمار، سٹہ، دھوکے اور فریب کے کاروبار اشیائے ضرورت کو اس غرض سے روک رکھنا کہ قیمتیں گراں ہوں۔ معاشی وسائل کو کسی ایک شخص یا چند اشخاص کا اجارہ قرار دینا یا دوسروں کے لئے جدوجہد کا دائرہ تنگ ہوا ان سب طریقوں کو اس نے حرام ٹھہرایا ہے۔ نیز کاروبار کی ایسی تمام شکلوں کو اس نے چھانٹ چھانٹ کر ناجائز قرار دیا ہے جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے نزاع پیدا کرنے والی ہوں یا جن میں نقصان بالکل بخت و اتفاق پر مبنی ہو یا جن میں فریقین کے درمیان حقوق کا تعین نہ ہو۔ اگر آپ اسلام کے اس تجارتی قانون کا تفصیلی مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ آج جن طریقوں سے لوگ



کر ڈپٹی اور ارب پتی بنتے ہیں۔ ان میں سے بیشتر طریقے وہ ہیں جن پر اسلام نے سخت قانونی بندشیں عائد کر دی ہیں۔ وہ جن وسائل کسبِ معاش کو جائز ٹھہراتا ہے ان کے دائرے میں محدود رہ کر کام کیا جائے تو اشخاص کے لئے بے اندازہ دولت سمیٹتے چلے جانے کا بہت کم امکان ہے۔ جائز ذرائع سے انسان جو کچھ حاصل کرے اس پر اسلام اس شخص کے حقوقِ ملکیت کو تو تسلیم کرتا ہے مگر اس کے استعمال میں اسے بالکل آزاد نہیں چھوڑتا بلکہ اس پر بھی متعدد طریقوں سے پابندیاں عائد کرتا ہے۔ ظاہر ہے اس کمائی ہوئی دولت کے استعمال کی تین ہی صورتیں ممکن ہیں یا اس کو خرچ کیا جائے یا اسے مزید نفع آور کاموں پر لگایا جائے یا اسے جمع کیا جائے۔ ان میں سے ایک ایک پر اسلام نے جو پابندیاں عائد کی ہیں ان کی مختصر کیفیت مندرجہ ذیل ہے۔

خرچ کرنے کے جتنے طریقے اخلاق کو نقصان پہنچانے والے ہیں یا جن سے سوسائٹی کو نقصان پہنچتا ہے وہ سب ممنوع ہیں۔ جوئے میں دولت نہیں اڑائی جاسکتی۔ شراب نہیں پی جاسکتی۔ زنا نہیں کی جاسکتی۔ گانے بجانے اور ناچ زنگ اور عیاشی کی دوسری صورتوں میں روپیہ نہیں بہایا جاسکتا۔ ریشمی لباس نہیں پہنا جاسکتا۔ سونے اور جواہر کے زیور نہیں پہن سکتے۔ تصویروں سے دیواروں کو مزین نہیں کیا جاسکتا۔ غرض یہ کہ اسلام نے ان تمام دروازوں کو بند کر دیا ہے۔ جن سے انسان کی دولت کا بیشتر حصہ اس کی اپنی نفس پرستی پر صرف ہو جاتا تھا۔ وہ خرچ کی جن صورتوں کو جائز رکھتا ہے وہ اس قسم کی ہیں کہ آدمی بس ایک اوسط درجہ کی شستہ اور پاکیزہ زندگی اختیار کرے۔ اس سے زائد اگر کچھ بچتا ہے تو اسے خرچ کرنے کا راستہ اس نے یہ تجویز کیا ہے کہ اسے نیکی اور بھلائی کے کاموں میں رفاع عام میں اور ان لوگوں کی امداد میں صرف کیا جائے جو معاشی دولت میں سے اپنی ضرورت کے مطابق حصہ پانے سے محروم رہ گئے ہیں۔ اسلام کے نزدیک بہترین طرزِ عمل یہ ہے کہ آدمی جو کچھ کمائے اسے اپنی جائز اور معقول ضرورتوں پر خرچ کرے۔ اس صفت کو اسلام نے بلند ترین اخلاق کے معیاروں میں داخل کیا ہے اور ایک آئینل کی حیثیت سے اس کو اس زور کے ساتھ پیش کیا ہے کہ جب کبھی سوسائٹی پر اسلامی اخلاقیات کا اثر غالب ہوگا۔ اجتماعِ زندگی میں وہ لوگ زیادہ عزت کی نگاہ سے دیکھے جائیں گے جو کمائے اور خرچ کر دیں ان کو اچھی نگاہ سے نہ دیکھا جائے گا جو دولت کو سمیٹ سمیٹ کر رکھنے کی کوشش کریں یا کمائی ہوئی دولت کے بچے ہوئے حصے کو پھر سے کام میں لگانا شروع کر دیں۔

تاہم مجرد اخلاقی تعلیم کے ذریعے سے اور سوسائٹی کے اخلاقی اثر اور دباؤ سے غیر معمولی



حرص اور طمع رکھنے والے لوگوں کی کمزوریوں کا بالکل استیصال نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے باوجود پھر بھی ایسے بہت سے لوگ باقی رہیں گے جو اپنی ضرورت سے زیادہ کمائی ہوئی دولت کو پھر مزید امداد ضرورت دولت کمانے میں لگانا چاہیں گے۔ اس لئے اسلام نے اس کے استعمال کے طریقوں پر چند قانونی پابندیاں عائد کر دی ہیں۔ اس بھی ہوئی دولت کے استعمال کا یہ طریقہ کہ اسے سود پر چلا یا جائے اسلامی قانون میں قطعی حرام ہے۔ اگر آپ اپنا مال کسی کو قرض دیتے ہیں تو خواہ اس نے وہ قرض خرچ کے لئے لیا ہو یا دسید و معاش پیدا کرنے کے لئے بہر حال اس سے صرف اپنا اصل مال ہی واپس لینے کے حقدار ہیں۔ اس طرح اسلام ظالمانہ سرمایہ داری کی مکر توڑ دیتا ہے۔ اس سب سے بڑے ہتھیار کو کند کر دیتا ہے جس کے ذریعہ سے سرمایہ دار محض اپنے سرمایہ کے بل پر اس پاس کی معاشی دولت کو سمٹتا چلا جاتا ہے۔ رہا فاضل دولت کے استعمال کا یہ طریقہ کہ اسے انسان خود اپنی تجارت یا صنعت و حرفت یا دوسرے کاروبار میں لگائے یا دوسروں کے ساتھ نفع و نقصان کا شریک ہو کر سرمایہ فراہم کرے تو اسلام اسے جائز رکھتا ہے اور اس سے جو نائد از ضرورت دولت اشخاص کے پاس سمٹ جاتی ہے۔ اس کا علاج دوسرے طریقوں سے کرتا ہے۔

اسلام نے نائد از ضرورت دولت جمع کرنے کو معیوب قرار دیا ہے۔ اس کا مطالبہ یہ ہے کہ جو کچھ مالی تمہارے پاس ہے تو اسے اپنی ضروریات خریدنے پر صرف کرو یا دوسروں کو دو کہ وہ اس سے اپنی ضروریات خریدیں اور اس طرح پوری دولت برابر گردش میں آتی رہے لیکن اگر تم ایسا نہیں کرتے اور جمع کرنے پر ہی اصرار کرتے ہو تو تمہاری اس جمع کردہ دولت میں سے از روئے قانون ڈھائی فیصد سالانہ رقم نکلوائی جائے گی اور اسے ان لوگوں کی اعانت پر صرف کیا جائے گا جو معاشی جدوجہد میں حصہ لینے کے قابل نہیں ہیں یا سعی و جہد کرنے کے باوجود اپنا پورا حصہ اپنے سے محروم رہ جاتے ہیں ماسی بغیر کا نام نہ کہ وہ ہے اور اس کے انتظام کی صورت جو اسلام نے تجویز کی ہے وہ یہ ہے کہ اسے جماعت کے مشترک خزانہ میں جمع کیا جائے اور خزانہ ان تمام لوگوں کی ضروریات کا کفیل بن جائے جو مدد کے حاجت مند ہیں یہ دراصل سوسائٹی کے لئے انشورنس کی بہترین صورت ہے اور ان تمام خرابیوں کا استیصال کرتی ہے جو اجتماعی امداد و معاونت کا کوئی باقاعدہ انتظام نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ سرمایہ داری نظام میں جو چیز انسان کو دولت جمع کرنے اور اسے نفع آور کاموں میں لگانے پر مجبور کرتی ہے اور جس کی وجہ سے لائف انشورنس وغیرہ کی ضرورت پیش آتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہر شخص کی زندگی اس نظام میں اپنے ہی ذرائع پر منحصر ہے۔



اسی طرح سرمایہ داری نظام میں جو چیز محنت پیشہ لوگوں کو سرمایہ داروں کا زر خرید غلام بن جانے اور ان کی شرائط پر کام کرنے کے لئے مجبور کرتی ہے وہ بھی یہی ہے کہ جو کچھ اس کی محنت کا معاوضہ سرمایہ دار دیتا ہے اسے لینا اگر غریب آدمی قبول نہ کرے تو فاقہ کرے اور نہنگا بھرے۔ اسلام زکوٰۃ اور بیت المال کے ذریعے ان ساری خرابیوں کا استیصال کرتا ہے۔ بیت المال ہر وقت آپ کی پشت پر ایک مددگار کی حیثیت سے موجود ہے۔ آپ کو فکر فرا کی ضرورت نہیں۔ جب آپ حاجت مند ہوں تو بیت المال میں جائے اور اپنا حق لے آئیے۔ بیت المال کی موجودگی میں آپ کے لئے فاقے اور برہنگی اور بے سائیگی کا کوئی خطرہ نہیں۔

زکوٰۃ کے علاوہ جو ایک نئی تعبیر سمیٹی ہوئی دولت کو پھیلانے کے لئے اسلام نے اختیار کی ہے وہ قانون وراثت ہے اسلام کے سوا دوسرے قوانین کا رجحان اس طرف ہے کہ جو دولت ایک شخص نے زندگی بھر سمیٹی ہے وہ اس کے مرنے کے بعد سمیٹی رہے مگر اس کے برعکس اسلام یہ طریقہ اختیار ہے کہ جس دولت کو ایک شخص سمیٹ کر قید کرتا رہا ہے اسے مرتے ہی پھیلا دی جائے اسلامی قانون میں بیٹے بیٹیاں، باپ، ماں، بیوی، بھائی، بہن سب ایک شخص کے وارث ہیں اور ایک ضابطہ کے مطابق سب پر میراث تقسیم ہونی ضروری ہے۔ قریبی رشتہ دار موجود نہ ہوں تو دور پرے کے رشتہ دار تلاش کئے جائیں اور ان میں یہ دولت پھیلائی جائے گی۔ اگر رشتہ دار نہ ہوں تو یہ دولت املا مال میں داخل کر دی جائے گی۔ اس طرح کوئی شخص خواہ کتنی دولت جمع کرے اس کے مرنے کے بعد دو تین پشتوں کے اندر وہ سب کی سب چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر پھیل جائے گی اور دولت پر عطاء و تدبیر پھیلانے میں تبدیل ہو کر رہ جائے گی۔

اسلامی معاشی نظام کے قیام کا انحصار اس پر ہے کہ ہم ایک عالم الغیب قادر مطلق خدا پر ایمان لائیں اور اپنے آپ کو اس کے سامنے جوابدہ سمجھیں۔ موت کے بعد آخرت کی زندگی کو مانیں اور آخرت میں عدالت الہی کے سامنے اپنے پورے کارنامہ حیات کے جانچے جانے اور اس جانچ کے مطابق جزا اور سزا پانے کا یقین رکھیں اور یہ تسلیم کریں کہ خدا کی طرف سے محمد نے جو ضابطہ قانون و اخلاق ہم تک پہنچایا ہے اس کا ایک جز معاشی نظام بھی ہے وہ بے کم و کاست خدا ہی کی ہدایت پر معنی میں اور اگر اس عقیدے اور نظام اخلاق اور اس پورے ضابطہ حیات کو جو ان کاتوں نے لیں تو نہ اسلام معاشی نظام معاشی ایک دن بھی اپنی صحیح سپرٹ کے ساتھ نہ چل سکے گا اور نہ اس سے کوئی معتد بہ فائدہ اٹھا سکیں گے۔



## باب نمبر ۲۲

### قیمتوں کا تعین

بازار میں کسی شے کی فطری قیمت کا تعین اس شے کی رسد اور طلب دونوں کے برابر ہونے پر منحصر ہے۔ طلب کا تعلق خریداروں سے ہے۔ اگر کسی شے کی قیمت گر جائے تو وہ اس چیز کو زیادہ خریدتے ہیں یعنی اس شے کی طلب بڑھ جاتی ہے اور اگر اس شے کی قیمت چڑھ جائے تو خریدار اسے کم مقدار میں خریدتے ہیں۔ اس طرح اس شے کی طلب گھٹ جاتی ہے جہاں تک رسد کا تعلق ہے تو اس کا انحصار فروخت کرنے والوں پر ہے۔ جب کسی شے کی قیمت چڑھ جاتی ہے تو اس شے کو زیادہ مقدار میں بیچنے کے لئے بازار میں لاتے ہیں اور اگر گر جائے تو وہ رسد کی مقدار کم کر دیتے ہیں۔ اس طرح رسد بڑھتی گھٹتی رہتی ہے۔ رسد و طلب کی ان دونوں طاقتوں کے باہم ملنے سے توازن قائم رہتا ہے۔ رسد کے بڑھنے سے قیمت گر جاتی ہے اور طلب کے بڑھنے سے قیمت چڑھ جاتی ہے۔ رسد و طلب کے توازن سے شے کی جو قیمت مقرر ہوگی اسے متوازن قیمت کہا جائے گا اور یہی قیمت کسی شے کی فطری قیمت ہوگی۔

### مصنوعی گرانہ کی وجوہ :

تاجر رسد و طلب کی من مانی نفع اندوزی کی فکر میں رہتے ہیں۔ ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ رسد و طلب کو باہمی فطری روش پر قائم نہ رہنے دیا جائے۔ ان کی یہ بھی کوشش ہوتی ہے کہ کسی طرح ان کی اشیاء کی قیمت روز بروز زیادہ سے زیادہ ہوتی چلی جائے اور اسی نسبت سے ان کے منافع کی شرح بڑھتی رہے۔ اس مقصد کی خاطر جہاں وہ اشیاء کی طلب بڑھانے کے لئے غلط اور مبالغہ آیز اشتہار بازی عیب دار مال کو اچھا بنا کر پیش کرنے اور گھٹیا مال کو بظاہر بلند معیار بنا کر سامنے لانے کے طریقے اختیار کرتے ہیں وہاں نت نئے طریقوں سے ان اشیاء کی رسد گھٹانے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ مال کو روک رکھنا، مال کا کچھ حصہ ضائع کر دینا، اشیاء کا معیار گرا دینا اور سماجی ضرورت سے کم مقدار میں مال تیار کرنا وغیرہ۔ یہ وہ ذرائع ہیں جن کے ذریعے اشیاء کی رسد میں خاطر خواہ کمی ہو سکتی ہے۔ پناچ من مانی نفع اندوزی کے ریسے تاجر اور صنعت کار ان تمام ذرائع کو اپنے کام میں لاتے ہیں اور مصنوعی گرانہ پیدا کرنے کا موجب بنتے ہیں۔



اسلام میں اس رویہ کو سخت ناپسند کیا گیا ہے۔ ارشادِ نبوی ہے :  
 ”جو شخص اشیاءِ خوردنی اس مقصد کے لئے ذخیرہ کرتا ہے کہ وہ نایاب اور مہنگی ہو جائیں  
 وہ گنہگار ہے۔“

سرمایہ دارانہ اور اشتراکی خیالات سے متاثر ہو کر بعض مسلم عالموں نے بھی ایسی دلیلیں و دینی مشروعات  
 کر دی ہیں جن کے مطابق اسلام اپنا کوئی اقتصادی یا معاشی نظام نہیں رکھتا۔ یہ تصور جو اصل میں ایک غلط فہمی  
 ہے۔ اسلامی اقدار اور اس کے فلسفہ حیات کو ٹھیک طور پر نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے  
 کہ اسلام ہی ایک دین ہے جس نے انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں سے متعلق بنیادی اصول بیان کئے ہیں۔  
 چونکہ اسلام کے یہ اصول آفاقی ہمہ گیر اور بنیادی ہیں اور یہ تمام زبانوں کے لئے موزوں ہیں۔ اس لئے  
 جس معاشی نظام کی بنیاد ان اصولوں پر قائم ہے۔ وہ نہ صرف ہر چیز کی وضاحت ضروریات کے گراف کی  
 شکل میں کرتا ہے یا روزمرہ کی گوشت یا مچھلی کی منڈی کی پالیسی واضح کرتا ہے۔ بلکہ اس سے کہیں زیادہ  
 اسلام نے اپنے پیروکاروں کے لئے معمول کی معاشی زندگی کی رہنمائی کے لئے ایک وسیع نظام قائم کیا ہے۔  
 جس کی بنیاد معاشی مساوات اور انصاف پر رکھی گئی اس وسیع نظام کے اندر رہتے ہوئے ہم ہر ایک نقطے  
 نکال سکتے ہیں۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ معاشی زندگی میں اسلام ترقی پذیر اور متحرک ہے۔ لہذا اس امر کا  
 حیران باکل نہیں ہونا چاہیے کہ اسلام نے معاشرہ کو اشیاء کی قیمتیں مقرر کرنے کے بے شمار اصول دیئے ہیں۔  
 اگر ان اصولوں کو ٹھیک طرح عمل میں لایا جائے تو آجکل جو مسائل چیزوں کی قیمتوں کے تقرر میں پیش آتے  
 ہیں سب دور ہو جائیں گے۔

مشہور انگلش مصنف ایچ۔ جی۔ ویلز لکھتا ہے :

”اسلام نے ایک ایسا معاشرہ پیدا کیا جو ان تمام معاشروں کے مقابلے میں جو  
 پہلے گزرے دور دراز تک پھیلے ہوئے ظلم اور سماجی لوٹ کھسوٹ سے زیادہ  
 آزاد تھا۔“

ایک آزاد معاشی نظام میں اجناس کی طلب و رسد اشیاء کی قدرتی قیمت مقرر کرتی ہے، جو  
 رسد کی کمی کے مطابق موثر رسد کا تعین کرتی ہے قیمتوں کے تقرر کا مسئلہ رسد و طلب میں عدم توازن سے  
 پیدا ہوتا ہے۔ اس عدم توازن کا بڑا سبب منڈی میں غیر موزوں مقابلے کی موجودگی ہے۔ اگر اشیاء  
 فروخت کرنے والوں کی تعداد محدود ہو اور شے کی قلت ہو تو یہ نامکمل مقابلہ کلاتا ہے۔ اگر شے پیدا  
 کرنے والوں اور خریدنے والوں کی بہتات ہو اور شے با فراط ہو تو اسے مکمل مقابلہ کہا جاتا ہے۔



مکمل مقابلے کی صورت میں اشیاء کی قیمتیں رسد و طلب کے توازن سے مقرر ہوتی ہیں۔ لیکن ایسی منڈی کا وجود ایک مفروضہ یا خیالی بات ہے۔ اس طرح اجارہ داری بھی شاذ و نادر ہی حقیقی زندگی میں موجود ہوتی ہے۔ عام حالات میں ہمارا سامنا بالعموم غیر مکمل مقابلے سے ہوتا ہے۔ اس نظام کے تحت انفرادی اداروں یا کارخانوں کی پیداوار کا تعین کم از کم لاگت اور کم از کم آمدنی کے مطابق ہوتا ہے

قیمتوں کے اسلامی نظریے کی بنیاد

اسلامی نظریے کے مطابق اشیاء کی قیمتیں اتنی زیادہ نہیں ہونی چاہئیں جو معاشرے کی اکثریت کی قوت خرید سے زیادہ ہو۔ اس نظریے میں کوئی تضاد یا اختلاف نہیں ہے۔ ایک اسلامی ریاست میں قیمتوں پر کنٹرول یا انضباط کا رجحان خود معاشرے کے اندر سے پیدا ہوتا ہے۔ لہذا اس کا اثر دیر پا اور فیصلہ کن ہوتا ہے جب کہ سرمایہ دارانہ اور اشتراکی ریاست میں یہ اصول سماج پرادر سے ٹھٹھانے جاتے ہیں۔ خواہ معاشرہ انہیں خاطر خواہ اور موثر طریقے سے قبول کرے یا نہ کرے تاہم نظریاتی طور پر خامیوں سے پاک ایک مثالی اسلامی ریاست کا تصور ممکن ہے۔ لیکن یہ مقصد ناقابل حصول ہے کیونکہ انسان کامل ہے اور نہ کامل ہو سکتا ہے۔ معاشرے میں ان خامیوں کو تسلیم کرنے کے باوجود سرمایہ دارانہ معاشرہ قیمتوں کے تعین میں کم سے کم لاگت اور کم از کم منافع کے تصور کی تائید نہیں کر سکتے۔ اجارہ دارانہ مقابلے میں ہم کم سے کم لاگت اور کم سے کم منافع کے نظریے پر ضرورت سے زیادہ زور دینے کے عادی ہو جاتے ہیں اور ان اداروں کے نظریہ اوسط کی پیروی نہ کرنے کے رجحان کو کم اہمیت دیتے ہیں۔ اسلامی نظریہ میں کم از کم یا محدود نظریے کے مقابلے اوسط کے تصور کو تسلیم کرنے کا زیادہ رجحان ہوتا ہے۔ مختلف لوگوں کی صلاحیتوں اور قابلیت میں فرق ہوتا ہے اس لئے اس فرق کو دور کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس لئے مساوات کا تقاضا ہے کہ حاصل کا تعلق سعی و کوشش سے ہے۔ قرآن مجید میں ہے

”الانسان کو دہی کچھ ملتا ہے جس کی اس نے کوشش کی“

حقیقت یہ ہے کہ اسلامی معاشرے میں مناسب قیمت ایک رعایت نہیں بلکہ ایک بنیادی حق ہے جسے ریاست نافذ کرتی ہے اگر اسلامی ریاست کے تجدیدی رجحان کی تکمیل ہو جائے تو قیمت کے تعین کا معاملہ درست طریقے سے ہو جائے کیونکہ قیمت کے اسلامی نظریہ کی بنیاد سرمایہ دارانہ معاشرہ میں اجارہ دارانہ رجحان کی بجائے تعاون اور صحت مند مقابلہ پر ہے۔ اس سے مراد ایک ایسا مقابلہ ہے جو سٹربازی، ذخیرہ اندوزی اور ناجائز تجارت وغیرہ سے آزاد اور پاک ہو، اور



عوام کی رائے کے مطابق ایک مرتبہ موزوں قیمت کا تعین ہو جائے۔

قیمتوں کا اسلامی نظریہ پیدا کاروں اور صارفین کو استحصال کی اجازت نہیں دیتا۔ پاکستان جیسی علیٰ جلی ریاست میں اشیاء پیدا کرنے والے کم و بیش منظم ہیں لیکن صارفین غیر منظم ہیں۔ لہذا ریاست کا فرض ہے کہ ان لوگوں کی تعلیم و تربیت کرے اور اشیاء پیدا کرنے والوں کی سوسلہ افزائی کے لئے ان کے مطالبہ کے مطابق اشیاء کی قیمتوں پر کنٹرول کرے تاکہ اسلامی تقاضے پورے ہو جائیں تاہم زندگی کی بنیادی ضرورتوں کی چیزوں کی قیمتوں کی سطح عام آدمی اور محنت کش لوگوں کی پہنچ میں رکھنے کے لئے ایک اسلامی ریاست کے لئے لازم ہے کہ وہ چند ایک قلیل المیعا اقدامات کرے جیسے:

- (ا) ریاست بعض *Cash crops* بعض *Non cash crops* کو خریدے تاکہ کاشت کاروں کو اپنی پیداوار کی صحیح یا جائز قیمت وصول ہو جائے۔
- (ب) اناج کی راشننگ اور ضروری اشیاء صرف کی بہم رسانی کے لئے مالی امداد دے۔
- (ج) اشیاء پیدا کرنے والوں اور صرف کرنے والوں کے درمیان اپنی زیر نگرانی مذاکرے اور مباحثے منعقد کرائے جن کا واضح مقصد یہ ہونا چاہیے کہ ان میں اسلامی قوانین سوداگری پر عمل کرنے کا جذبہ پیدا ہو۔

علاوہ ازیں وہ مندرجہ ذیل کی طرح کے طریق المیعا اقدامات کرے۔

- (ا) مناسب قیمتیں مقرر کرنے والے ایک ایسے ادارے کا قیام جسے وسیع اختیارات حاصل ہوں اس ادارے میں پیدا کاروں کے نمائندے صارفین کے نمائندے سرکاری ماہرین اور اسلامی فقہ دان شامل ہوں۔

- (ب) ریاست کی زیر نگرانی سارے ملک میں صارفین کی ایسی انجمنیں قائم کی جائیں جن کی بنیاد "منافع نہ نقصان ہو"۔

- (ج) ریاست کی منصوبہ کاری کے دائرے میں وسیع پیمانے پر اشیاء صرف کا بندوبست کیا جائے۔
- سب سے آخر میں اسلامی ریاست کے سامنے بڑا حل طلب سوال یہ ہے کہ وہ کسی ایسے مستقل ادارے کا بندوبست کرے جس کی بنیاد اسلام کے اصولوں پر ہو جو خود بخود معاشرے کی تمام معاشی برائیوں کو دور کرنے کی فکر کرے۔



Behaviour of the firm under  
the influence of Islam.

## اسلامی معیشت میں ردیہ فرم

سرمایہ داری نظام معیشت میں ہر فرد کو قانون کی حدود میں رہ کر آزادی حاصل ہوتی ہے کہ وہ روزی کمانے کے لئے جس قسم کی چاہے معاشی حدود چاہے یا کاروبار اختیار کرے۔ کاروبار کو ایک شخص تنہا چلا سکتا ہے اور دوسروں کے ساتھ مل کر بھی اسی طرح کے ادارے کو فرم کہا جاتا ہے۔

فرم کے ردیہ کو مندرجہ ذیل حالات میں دیکھا جاسکتا ہے۔

۱۔ فرم کا ردیہ جدید معاشیات کی حدود میں

۲۔ فرم کا ردیہ اسلامی معاشیات کے ضمن میں

## جدید معاشیات میں فرم کا ردیہ

ہر فرم کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کا منافع زیادہ سے زیادہ ہو۔ اس مقصد کو پانے کے لئے

فرم تین طریقے اختیار کر سکتی ہے۔

۱۔ فرم اپنی قیمت فروخت کم کر دے۔

۲۔ اپنی لاگت کم کر دے۔

۳۔ فرم اپنی پیداوار زیادہ سے زیادہ کر دے۔

معیشت خواہ کسی قسم کی بھی ہو اسے مندرجہ ذیل چار باتوں کے بارے میں فیصلہ کرنا پڑتا ہے۔

۱۔ کون سی اشیا پیدا کی جائیں۔

۲۔ کتنی مقدار میں پیدا کی جائیں۔

۳۔ کارخانہ کس جگہ لگایا جائے۔

۴۔ کس طرح اشیا پیدا کی جائیں۔

۵۔ کن کے لئے پیدا کی جائیں۔

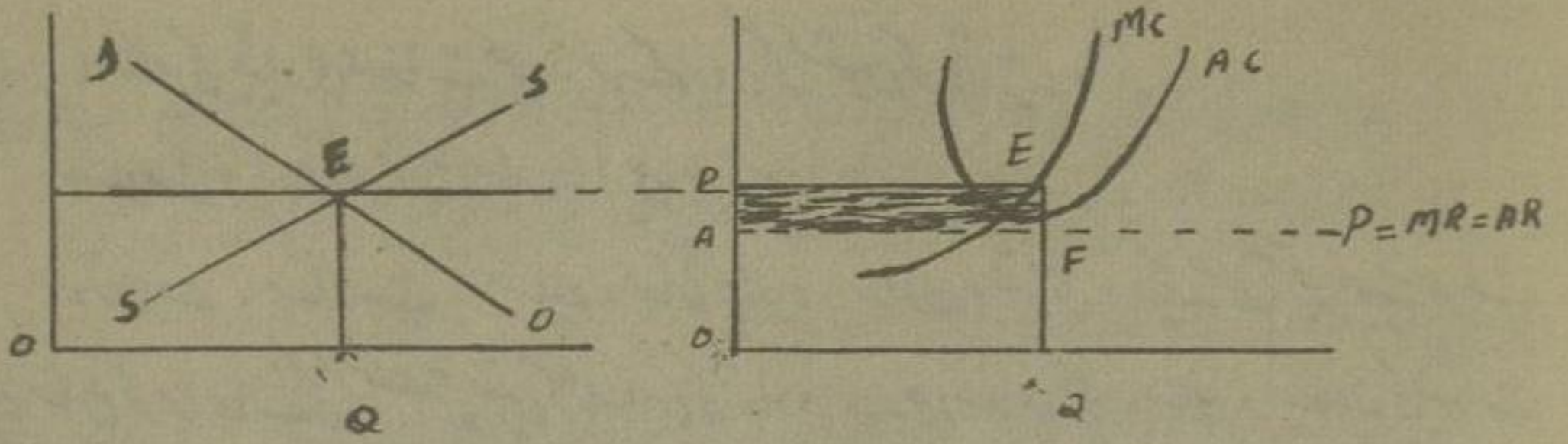
## مکمل مقابلہ کے تحت قیمت کا تعین

مکمل مقابلہ کے تحت اشیا کی قیمتیں رسد و طلب کے توازن سے مقرر ہوتی ہیں۔

مکمل مقابلہ کے تحت فرم کے رسد و طلب کے خطوط ایک دوسرے کو جس نقطہ پر قطع کرتے

ہیں۔ وہ اس کا نقطہ توازن کہلاتا ہے۔





مندرجہ بالا ڈائیگرام میں رسد و طلب کے خطوط نقطہ E پر ایک دوسرے کو قطع کرتے ہیں۔  
 یہاں پر قیمت ساکن ہے اور قیمت کا خط ہی فرم کی مختتم اور اوسط وصولی کا خط ہے۔ فرم کے لئے  $OQ$   
 مقدار پیدا کرنا فائدہ مند ہے۔ یہاں فرم کا منافع زیادہ سے زیادہ ہے لہذا قیمت  $OP$  مقرر ہوتی ہے۔  
اجارہ داری کے تحت قیمت :

اجارہ داری کے تحت ہر فرم کا مدعا یہ ہوتا ہے کہ اس منافع زیادہ سے زیادہ ہو اس مقصد  
 کے لئے وہ اس وقت تک اشیاء پیدا کرتی ہے جب تک اس کی اوسط وصولی اس کی مختتم وصولی سے  
 زیادہ رہے اور مختتم مصارف مختتم وصولی برابر ہوں۔ یہی اجارہ دارانہ فرم کا نقطہ توازن ہو گا۔  
 اجارہ دارانہ فرم مصارف پیدائش کی کم سے کم سطح آنے سے پہلے ہی مزید اشیاء پیدا کرنا بند کر دیتی ہے  
 تاکہ کم پیداوار سے زیادہ سے زیادہ قیمت وصول کر سکے اور منافع زیادہ سے زیادہ حاصل کر سکے۔  
اسلامی معیشت میں فرم کا رویہ

اسلامی معاشیات میں آجر کا مقصد سرمایہ دارانہ نظام میں آجر کے مقصد سے مختلف ہوتا ہے۔  
اسلامی فلسفہ حیات :

اس کائنات کا ایک ہی خدا ہے مدہی سارے نظام کو چلا رہا ہے۔ اس کے نظام میں کسی  
 قسم کی بنادے نہیں ہے۔ ایک مسلمان آجر اس بات کو ذہن میں رکھتا ہے کہ اسلامی نقطہ نظر سے زمین  
 اور اس کی سب چیزیں خدا نے بنی نوع انسان کے لئے بنائی ہیں۔ اس لئے ہر فرد کا یہ پیدائشی حق ہے  
 کہ وہ ان چیزوں کو حاصل کرے۔

انسان اور اس کی زندگی کا مقصد :

انسان خدا تعالیٰ کا بندہ ہے اس کا کام یہی ہے کہ اپنے خالق کی اطاعت اور بندگی کرے۔  
 انسان زندگی کے ہر کام کے لئے خدا کے سامنے جوابدہ ہے اور یہ جواب دہی اس دنیا میں نہیں بلکہ آخرت  
 میں ہونی ہے۔ ہر انسان کی سعی و کوشش یہی ہونی چاہیے کہ وہ آخرت کی جواب دہی میں خدا کے  
 سامنے کامیاب ہوں۔



اسلام کی بنیادی صفات بھی فرم کے رویہ کو متعین کرتی ہیں۔

اسلام کی بنیادی صفات مندرجہ ذیل ہیں :

انصاف ، مساوات ، احسان ، بھائی چارہ ، تعاون ، تقویٰ ۔ ایک مسلم آجر ہمیشہ صرف اپنے منافع کو بڑھانے کی کوشش نہیں کرتا۔ اس کی سادہ سی وجہ اسلام کے احسان و انصاف کی صفات میں وہ ہمیشہ اپنے ذہن میں انصاف کی شدید خواہش رکھتا ہے۔ اسلامی اقدار اس کی معاشی مقبولیت پر کم ہی حدود نافذ کرتی ہیں اور ان حدود کے اندر وہ کردہ اپنے منافع کو جہاں تک ممکن ہو سکے زیادہ کر سکتا ہے۔ ایک آجر کو اپنے ذہن میں احسان و تعاون کے احساسات رکھنے چاہیئیں۔ ایک مسلم آجر اپنے منافع کے کچھ حصہ کو معاشرتی بھلائی کے لئے قربان کر سکتا ہے۔ مختصراً اسلام کے کاروباری محرکات کے پہلوؤں کو اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ اسلام کے نظریہ انصاف کی مکمل اطاعت

۲۔ معاشرے کی خدمت کا خواہش یعنی آجر معاشی فیصلے کرتے وقت دوسرے لوگوں کی فلاح کو پیش نظر رکھتا ہے مقررہ حدود کے اندر وہ کر منافع کو بڑھانا جدید معاشیات کے مقاصد میں منافع کو زیادہ سے زیادہ کرنا بہت اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ تحفظ ، استحکام ، تسلسل اور اچھی شہرت کی بجائے اب منافع کا محرک زیادہ اہم ہو گیا ہے۔ لیکن حال ہی میں کچھ تحقیقات اس پر کی گئی ہیں کہ لوگ منافع طاقت اور بلند معیار زندگی حاصل کرنے کے لئے لیتے ہیں۔ وہ منافع کو زیادہ سے زیادہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور منڈی میں سب آجروں پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ آج کے جدید آجر کے ذہن میں ایک بہت بڑے کاروباری ادارے کے مالک ہونے کا خیال اور سب آجروں میں کون اول عزیز ہے۔ اس کے منافع کو زیادہ سے زیادہ کرنے کا باعث بنتے ہیں۔ لیکن جہاں تک اس دلیل کا تعلق ہے اس میں یہ ہے کہ جہاں تک اسلام نے منافع کے غیر معمولی حصول کو منع فرمایا ہے۔ اسی طرح طاقت شان اور غرور بھی غیر اسلامی چیزیں ہیں اور یہ دلیل ہمیشہ درست نہیں رہتی۔ جب ایک کارپوریشن اتنی بڑی ہو جاتی ہے کہ لوگ اس کے کردار کے بارے میں مائے دیں تو اگر اس کاروباری ادارے کا نام اور شہرت نہیں ہوئی تو لوگ معاشرے میں اس کے کردار کے بارے میں شک و شبہ میں مبتلا ہوں گے اور یہ خطرناک ناکامی کا سبب بن سکتا ہے۔ عوام عام طور پر ان چیزوں کا بہت خیال رکھتے ہیں۔

جس طرح ایک آجر کم یا زیادہ منافع حاصل کرتا ہے اس طرح اسے نقصان کا سامنا بھی



کرنا پڑتا ہے۔ اسلام کی نظر میں ایک فرم کو کم از کم اتنا منافع ضرور رکھنا چاہیے جس سے وہ نقصان کے دور میں گزارہ کر سکے یعنی تسلی بخش منافع اور حدود کے درمیانی منافع کو تسلی بخش منافع کہتے ہیں۔

۳۔ حلال و حرام کا تصور سرمایہ داری معیشت اور جدید معاشیات میں ایک فرم منافع کو زیادہ سے زیادہ کرنے کے لئے حرام و حلال کے تصور سے نا آشنا ہوتی ہے۔ ان کا مقصد صرف ردیہ کو زیادہ سے زیادہ کرنا ہوتا ہے لیکن ایک مسلم آجبر اشیاء کو پیدا کرتے ہوئے اس بات کو پیش نظر رکھتا ہے کہ وہ صرف حلال اشیاء پیدا کرے۔ جن سے لوگوں کی بنیادی ضروریات پوری ہوں جو ملک کے متوسط اور غریب طبقہ کے مطابق ہوں۔ اس طرح وہ ناجائز ذرائع سے حاصل کی گئی دولت کو بھی استعمال نہیں کرتا اور نہ ہی اپنی اشیاء کو ناجائز ذرائع (سمگلنگ / ذخیرہ اندوزی) سے فروخت کر کے زیادہ منافع حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کی نظر میں خدا اور رسول کی خوشنودی مقصود ہوتی ہے۔ اور وہ جانتا ہے کہ اس کے ہر فعل کو خدا دیکھ رہا ہے اور آخرت میں اسے اپنے اعمال کا جواب دینا ہے اس لئے وہ حرام اشیاء کی پیداوار سے گریز کرتا ہے۔

### خوش حالی کا محرک

ایک مسلم آجبر کا بنیادی محرک لوگوں کی خوشحالی اور کامیابی حاصل کرنا ہے یعنی ایسی اشیاء پیدا کرے جن سے لوگوں کی فلاح میں اضافہ ہو۔ وہ لوگوں کی معاشی ضروریات سے بے خبر نہیں ہوتا۔ جب ایک آجبر اسلامی روح کے ساتھ کام کرتا ہے تو وہ اپنی آجرائز سرگرمیوں کو لوگوں کی معاشرتی طلب کے ساتھ ملانے کی کوشش کرتا ہے۔

مادی سے اقتدار کے بجائے انسانی اقتدار کو پیش نظر رکھتا ہے۔

۱۔ سب سے پہلے وہ لوگوں کی ضروریات زندگی سستے داموں سے مہیا کرتا ہے تاکہ غریب لوگ زیادہ سے زیادہ ضروریات زندگی سے مستفید ہو سکیں۔

۲۔ وہ یہ دیکھتا ہے کہ فرائض پیدائش کس شعبے میں استعمال ہو رہے ہیں۔ اگر ان کا رجحان نفسیات کی طرف ہو تو وہ انہیں زیادہ معاشرتی شعبے کی طرف موڑتا ہے۔

۳۔ وہ لوگوں کو تمدن اور ثقافت کی اشیاء کی طرف راغب کرتا ہے، اور اس سلسلے میں وہ اشتہار بازی سے کام لیتا ہے اور قیمت کم کر دیتا ہے۔

یہ تمام بحث تو مکمل مقابلہ کے تحت تھی۔ اب فرم کا ردیہ اجارہ داری، اجارہ دارانہ مقابلہ



اور دو جبارہ اور چند جبارہ کے تحت کیا ہوتا ہے۔

### اجارہ داری

اگر کسی شے کی مجموعی رسد کا غالب حصہ صرف ایک فرم ہتیا کرتی ہو اور اس شے کا کوئی قریبی بدل بھی موجود نہ ہو تو اسے اجارہ داری کہا جاتا ہے یعنی اس کی پیدا کردہ اشیاء کی متقاطع لچک بہت کم ہو۔  
اجارہ داری کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ مکمل مقابلے کی طرح اجارہ دار لے منڈی کی رائج قیمت کا پابند نہیں ہوتا۔ منڈی میں واحد آجر سونے کی وجہ سے اپنی پیداوار کی جو چاہے قیمت مقرر کر سکتا ہے۔ کیونکہ زیادہ سے زیادہ منافع اس کا اولین مقصد ہوتا ہے۔ اس لئے وہ ایسی قیمت پر اشیاء فروخت کرتا ہے جس سے اس کا خالص منافع زیادہ سے زیادہ ہو۔

لیکن ایک بات قابل غور ہے کہ اجارہ دار مناسب حد کے اندر رہ کر اپنی قیمت اور رسد کو کنٹرول کر سکتا ہے۔ اجارہ دار کی قیمت مکمل مقابلے کی نسبت زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن پیداوار مکمل مقابلے کے مقابلے میں بہت کم ہوتی ہے۔

زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کے محرک کا معیشت کے ساتھ تعلق ہے کہ اس سے کم رسد اور زیادہ قیمت یعنی افراط زر جیسے سماج دشمن نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک اجارہ دار اپنی مرضی کے مطابق اپنی شے کے معیار کو متاثر کرتا رہتا ہے۔ لیکن چونکہ اس چیز کا کوئی قریبی غنم البدل نہیں ہوتا ہے اس لئے صاف کوڑ بچا ہتے ہوئے بھی وہ چیز خریدنا پڑتی ہے۔  
اجارہ دارانہ رویہ اسلام کی رو سے

ہم فرض کرتے ہیں کہ ایک اجارہ دار جو اپنی اجارہ داری سے پوری طرح فیض یاب ہو رہا ہے۔ اسلامی اصولوں سے گہرے طور پر متاثر ہوتا ہے اب وہ آج اپنے منافع کے زائد از معیار کو زیادہ دیر تک قائم نہیں رکھ سکے گا کیونکہ یہ اسلامی اصولوں کی خلاف ورزی ہوگی۔

- ۱۔ سب سے پہلے تو یہ ہے کہ منافع کا زیادہ سے زیادہ محرک ہی غیر اسلامی ہے۔
- ۲۔ دوسرا یہ کہ اجارہ داری سے لوگوں کی ضروریات مناسب طور پر پوری نہیں ہوتیں اس لئے اجارہ داری کی پالیسی معاشرے کے لئے نقصان دہ ہوتی ہے۔

### اجارہ دار کے اقدامات

اسلامی نظام معیشت میں اجارہ دار سب سے پہلے اشیاء کی قیمت کم کرے گا اور تسلی بخش منافع کمانے کی کوشش کرے گا۔



۲۔ اجارہ دار دوسری فرموں کو داخلے کی اجازت دے گا۔ اس طرح اسلامی اصولوں کی روشنی میں زیادہ سے زیادہ خدمت کر سکے گا۔

### دو جارہ اور چند جارہ فروخت

دو جارہ سے مراد ہے کہ جب رسد مہیا کرنے والی فرموں کی تعداد دو ہو اور چند شخصی جارہ سے مراد ہے جب فروخت کرنے والے اداروں کی تعداد

ان دونوں صورتوں میں فرموں کی تعداد کم ہوتی ہے۔ اس لئے اگر کوئی فرم گاہک کھینچنے کے لئے قیمت کم کر دے تو دوسری فرمیں بھی انتقاماً قیمت کم کر دیتی ہیں۔ ان میں قیمت کم کرنے Price War کی دوڑ دھوپ ہوتی ہے۔ اپنی خصوصیات کے لحاظ سے یہ دونوں صورتیں کافی حد تک اجارہ داری سے ملتی ہیں فرموں کے منافع جات زیادہ سے زیادہ ہوتے ہیں اور جب وہ ایک گروپ کی صورت میں کام کرتے ہیں تو از سر نو اجارہ داری قائم کر لیتے ہیں۔

اسلام کی رو سے ان پر جو اثرات رونما ہوتے ہیں وہ اجارہ داری جیسے ہی ہیں۔  
۱۔ قیمتیں کم ہو جاتی ہیں۔ اس کے نتیجے میں اب فرمیں زیادہ سے زیادہ منافع کا محرک نہیں رہتی ہیں۔ بلکہ ان کے اندر احسان انصاف کے احساسات پیدا ہوتے ہیں۔



اور دو جبارہ اور چند جبارہ کے تحت کیا ہوتا ہے۔

### اجارہ داری

اگر کسی شے کی مجموعی رسد کا غالب حصہ صرف ایک فرم ہیہا کرتی ہو اور اس شے کا کوئی قریبی بدل بھی موجود نہ ہو تو اسے اجارہ داری کہا جاتا ہے یعنی اس کی پیدا کردہ اشیاء کی متقاضی لچک بہت کم ہو۔  
اجارہ داری کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ مکمل مقابلے کی طرح اجارہ دار کے منظمی کی رائج قیمت کا پابند نہیں ہوتا۔ منظمی میں واحد آجر سونے کی وجہ سے اپنی پیداوار کی جو چاہے قیمت مقرر کر سکتا ہے۔ کیونکہ زیادہ سے زیادہ منافع اس کا اولین مقصد ہوتا ہے۔ اس لئے وہ ایسی قیمت پر اشیاء فروخت کرتا ہے جس سے اس کا خالص منافع زیادہ سے زیادہ ہو۔

لیکن ایک بات قابل غور ہے کہ اجارہ دار مناسب حد کے اندر رہ کر اپنی قیمت اور رسد کو کنٹرول کر سکتا ہے۔ اجارہ دار کی قیمت مکمل مقابلے کی نسبت زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن پیداوار مکمل مقابلہ کے مقابلے میں بہت کم ہوتی ہے۔

زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کے محرک کا معیشت کے ساتھ تعلق ہے کہ اس سے کم رسد اور زیادہ قیمت یعنی افراط زر جیسے سماج دشمن نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک اجارہ دار اپنی مرضی کے مطابق اپنی شے کے معیار کو متاثر کرتا رہتا ہے۔ لیکن چونکہ اس چیز کا کوئی قریبی غنم البدل نہیں ہوتا ہے اس لئے صاف کوڑے پھرتے ہوئے بھی وہ چیز خریدنا پڑتی ہے۔

### اجارہ دارانہ رویہ اسلام کی رو سے

ہم فرض کرتے ہیں کہ ایک اجارہ دار جو اپنی اجارہ داری سے پوری طرح فیض یاب ہو رہا ہے۔ اسلامی اصولوں سے گہرے طور پر متاثر ہوتا ہے اب وہ آج اپنے منافع کے نامداز معیار کو زیادہ دیر تک قائم نہیں رکھ سکے گا کیونکہ یہ اسلامی اصولوں کی خلاف ورزی ہوگی۔

۱۔ سب سے پہلے تو یہ ہے کہ منافع کا زیادہ سے زیادہ محرک ہی غیر اسلامی ہے۔

۲۔ دوسرا یہ کہ اجارہ داری سے لوگوں کی ضروریات مناسب طور پر پوری نہیں ہوتیں اس لئے اجارہ داری کی پالیسی معاشرے کے لئے نقصان دہ ہوتی ہے۔

### اجارہ دار کے اقدامات

اسلامی نظام معیشت میں اجارہ دار سب سے پہلے اشیاء کی قیمت کم کرے گا اور تسلی بخش منافع کمانے کی کوشش کرے گا۔



۲۔ اجارہ دار دوسری فرموں کو داخلے کی اجازت دے گا۔ اس طرح اسلامی اصولوں کی روشنی میں زیادہ سے زیادہ خدمت کر سکے گا۔

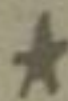
### دو جارہ اور چند جارہ فروخت

دو جارہ سے مراد ہے کہ جب رسد مہیا کرنے والی فرموں کی تعداد دو ہو اور چند شخصی جارہ سے مراد ہے جب فروخت کرنے والے اداروں کی تعداد

ان دونوں صورتوں میں فرموں کی تعداد کم ہوتی ہے۔ اس لئے اگر کوئی فرم گاہک کھینچنے کے لئے قیمت کم کر دے تو دوسری فرمیں بھی انتقاماً قیمت کم کر دیتی ہیں۔ ان میں قیمت کم کرنے Price War کی دوڑ دھوپ ہوتی ہے۔ اپنی خصوصیات کے لحاظ سے یہ دونوں صورتیں کافی حد تک اجارہ داری سے ملتی ہیں فرموں کے منافع جات زیادہ سے زیادہ ہوتے ہیں اور جب وہ ایک گروپ کی صورت میں کام کرتے ہیں تو از سر نوا جارہ داری قائم کر لیتے ہیں۔

اسلام کی رو سے ان پر جو اثرات رونما ہوتے ہیں وہ اجارہ داری جیسے ہی ہیں۔

۱۔ قیمتیں کم ہو جاتی ہیں۔ اس کے نتیجے میں اب فرمیں زیادہ سے زیادہ منافع کا محرک نہیں رہتی ہیں۔ بلکہ ان کے اندر احسان انصاف کے احساسات پیدا ہوتے ہیں۔





## محنت اور اجرت کا اسلامی معیار

محنت اور اجرت کے معیار سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ اسلامی معیشت میں اس کے اہم اصول کیا ہے ؟  
محنت عار نہیں :

اسلام میں محنت یا کوئی حرفت عار نہیں بلکہ ہنر سیکھنا اور سکھانا اور محنت کر کے رزق حلال کمانا اور پیداواری عمل میں حصہ لینا ایک مسلمان کے لئے قابلِ فخر بات ہے۔ عظمت محنت کا ثبوت قرآن و حدیث سے بخوبی ملتا ہے۔

سورۃ انبیاء کی آیت نمبر ۸۷ میں اللہ نے اپنے ایک برگزیدہ نبی حضرت داؤد علیہ السلام پر اپنے جن خاص نعمات کا ذکر فرمایا ہے ان میں سے ایک یہ تھا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زرہ بنانا سکھایا تھا۔ قرآن شریف کی متعلقہ آیت کا ترجمہ ہے۔

ترجمہ : اور ہم نے اسے (داؤد علیہ السلام کو) تمہارے لئے زرہ سازی کا علم سکھایا تاکہ تمہاری لڑائی میں تمہیں بچائے پس کیا تم شکر کرنے والے ہو۔

حضور نبی اکرم صلیم نے جو تمام جانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے اور راست بازی جن کی نمایاں ترین صفت تھی۔ آپ کا ارشاد ہے کہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کھانا کسی نے کبھی نہیں کھایا۔ آپ نے مزید فرمایا :

اَلْكَافِرُ يَجِبُ جَيْبُ اللّٰهِ

ترجمہ : محنت کار اللہ کا دست ہوتا ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ محنت کار کو اپنے ہاتھ کی کمائی اور اپنے کام پر فخر کرنا چاہیئے۔ اور کسی محنت کار کو اس کے پیشے کی بنا پر معتبر خیال نہیں کرنا چاہیئے۔ اسلام میں فضیلت کا اصل معیار تقویٰ ہے۔



## ۲۔ آزاد معیشت:

دوسرا اہم اصول جو معیشت کے بارے میں اسلام پیش کرتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ کسی ملک میں معاشی سرگرمیوں کے مختلف راستے تمام افراد ملک کے لئے یکساں کھلے ہونے چاہیے تاکہ وہ اپنی صلاحیتوں اور معاشی استعداد یعنی سرمایہ، مہر اور محنت کو جس راستے میں چاہیں خرچ کر سکیں بشرطیکہ وہ راستہ شریعت نے حرام نہ کر دیا ہو۔ مثلاً سود کا کاروبار یا شراب بنانے یا بیچنے کا کاروبار حرام قرار دیا گیا، چنانچہ شریعت کے مقرر کردہ حرام و حلال کو ملحوظ رکھتے ہوئے کوئی راستہ یا دائرہ کار نہ تو کسی فرد یا طبقے کے لئے بند ہونا چاہیے اور نہ ہی مخصوص ہونا چاہیے۔ اس طرح اسلام شریعت کے حدود و قیود کے ساتھ ایک حد تک آزاد معیشت کا قائل ہے۔ وہ سوشلزم یا کمیونزم کی طرح معیشت پر حکومت کی اجارہ داری کا قائل نہیں۔ اور نہ ہی سرمایہ داری نظام کی طرح بلا قید آزاد معیشت کا قائل ہے جس میں سرمایہ داروں کو غریبوں کا خون تک چوس لیتے اور ہر قسم کا ضرر رساں کاروبار کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ اس کے مقابلے میں اسلام ایک متوازن اور معتدل نظام کا تصور دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے۔ ہمارے سرمایہ داروں اور آجروں کو آزاد معیشت کے اسلامی اصول کے ساتھ ساتھ ان حدود و قیود کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے جو اسلام نے اس سلسلے میں عائد کی ہیں۔

## ۳۔ منصفانہ اجرت کی ضمانت

اسلام ہر محنت کار کو چاہے وہ ادنیٰ درجے کی محنت صرف کرنے والا ہی کیوں نہ ہو۔ کفالتی معیار کا معاوضہ حاصل ہونے کی ضمانت دیتا ہے۔ کفالتی معیار اجرت کا تصور اور حکومت کی طرف سے اس کی مضبوط ضمانت کا نظام سب سے پہلے اسلام نے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ کفالتی معیار اگر اخلاقی طور پر ضابطہ جذبے سے ملحوظ رکھا جائے تو حکومت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کم از کم اجرت مقرر کرنے کے لئے ضروری قانون سازی کرے۔

## ۴۔ ضمایع حق کی تلافی

اسلامی نظام میں کسی فرد کو چاہے وہ اپنے سرمائے یا اثر و موثر کی بدولت کتنا ہی با اثر کیوں نہ ہو اسے یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی زبردست حقدار کا کوئی حق کلی طور پر یا اس کا کوئی حصہ ضائع کر دے یا ادا نہ کرے۔ اگر وہ ایسا کرے تو اس کے انسداد وہ تلافی کے لئے اسلامی معاشرے میں مناسب اور موثر قوانین، ان قوانین کے اجراء کے لئے ضروری ادارے اور زیر دستوں کے حقوق کے حصول کے لئے عملی جدوجہد کے راستے موجود ہوتے ہیں۔ ان قوانین اور ان اداروں کے موثر ہونے



کے بارے میں وقتاً فوقتاً جائزہ لیا جانا رہنا چاہیے۔

### ۵۔ معذوروں کی کفالت :

اسلام ایک ایسا عادلانہ نظام ہے جس میں معذور حادثات کے نتیجے میں بیکار ہو جانے والوں، بے روزگار، ضرورت سے کم آمدنی پانے والوں، یتیم اور بیواؤں کے لئے پورا معاشرہ، اسکی حکومت اور اس کا اقتصادی نظام کفالت کا ضامن ہے۔

### ۶۔ متوازن نظام :

اسلام ایک ایسا نظام ہے جس میں فرد کا حق ملکیت اور سرمایہ و دولت کا استعمال شرعی اصول و احکام سے محدود ہوتا ہے۔ یہ کمینڈو اور سرمایہ دارانہ نظام کی افراط و تفریط سے پاک نظام ہے اور خالق کائنات نے اسے ایک ایسا نہایت متوازن نظام بنایا ہے کہ اس نظام کے اندر اجتماعی اختیارات اور اقدار بھی فرد کے معاملات میں تصرف کرتے ہوئے شریعت کے حدود کی پابند ہوتی ہیں یعنی فرد اور حکومت اپنے لئے مقررہ حدود کے اندر رہ کر کام کرتے ہیں اور نہ فرد حکومت کے لئے وجہ پریشانی بنتا ہے اور نہ حکومت فرد پر ظلم کا ذریعہ بنتی ہے۔ ایسے ہی نظام کے اندر زیادہ سے زیادہ پیداوار کی توقع کی جاسکتی ہے اور ایسے ہی نظام کو اختیار کرنے سے سازگار ماحول پیدا ہو سکتا ہے۔

اسلامی معیشت کے ان موٹے موٹے اصولوں کے منکرے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں اجرت کے تصور کی وضاحت کی جائے۔

### (۱) منصفانہ اجرت :

اسلامی نقطہ نظر سے ایک انسان کی دماغی اور ذہنی محنت عام اجناس خرید و فروخت کا طرح کی کوئی چیز نہیں ہے کہ جس کے لئے ایک مقررہ قیمت اور ایک سٹینڈرڈ نرخ طے کر لیا جائے اور پھر اسے اپنی مرضی کے مطابق استعمال کر لیا جائے۔ محنت کوئی ایسی شے نہیں ہے کہ جسے اس کا مالک اپنے سے الگ کر کے بیچ دے یا کرایہ پر دے اور خود کسی دوسری طرف مصروف کار ہو جائے بلکہ وہ اپنی پوری شخصیت کو کسی کاروبار کی صنعت کی تحویل میں دے دیتا ہے۔

اسلام کی نظر میں یہ انسان خداوند تعالیٰ کا اشرف المخلوقات ہے اور اس کا خلیفہ اور دنیا میں اس کا نائب ہے۔ اس لئے اسلام کا نظام معیشت اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ انسان کے ساتھ محض ایک بازاری جسس کی طرح اور ایک اقتصادی مشینری کے ایک بے جس پرزے کی طرح معاملہ



نہ کیا جائے بلکہ اس کی پوری شخصیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کے جذبات و احساسات، اس کے انسانی شرف، مختلف ردیوں کے مقابلے میں اس کے ردِ عمل، بعض چیزوں سے اس کی فطری نفرت کے جذبات اور کیفیات اور اس کے ارادہ و اختیار سے کئے جانے والے اس کے فیصلوں کا بھی احساس کیا جائے اور ان سب کو اچھی طرح پیشِ نظر رکھا جائے۔

اگر ایک محنت کار کو اس کے جائز انسانی شرف کی سطح پر رکھ کر اس کے ساتھ منصفانہ معاملہ کیا جائے تو وہ بھی گہرے جذباتِ اخوت و تعاون کے ساتھ اپنے پورے وجود اور اپنی پوری صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے پیداوار میں اضافے کا یقیناً موجب ہوگا کہ  
مزدور خوش دل کُنہ کار بیش

### اصول تعاون

محنت و اجرت کے اسلامی اصولوں میں سے ایک اہم اصول "اصول تعاون" ہے۔ اجیر و مستاجر کے معاملے میں اسلام کی اقتصادی حکمتِ عملی کے جس اصول کو لازماً بروئے کار لانا چاہیے وہ "اصول تعاون" ہے۔ اہل سرمایہ اور اہل محنت کو آپس میں بھائیوں کی طرح معاملہ کرنا چاہیے۔

کیونکہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ کا تقاضا ہے کہ صنعت دکار و بار میں مقرر شدہ روزانہ یا ماہانہ اجرت کو یہی کسی محنت کار کی خدمت کا تمام تر معاوضہ قرار نہ دیا جائے بلکہ اس کے ساتھ حسن سلوک کا بھی معاملہ کیا جائے۔ اور اس کے فائدے کی مزید راہیں بھی نکالی جائیں تاکہ وہ دل و جان سے مطمئن ہو کر ایک مثبت جذبے کے ساتھ دل لگا کر کام کرے۔

حضرت شاہ ولی اللہ نے اس پہلو کی وضاحت کرتے ہوئے تعاون کے ساتھ بر کی اصطلاح کو بھی استعمال کیا جائے۔

اسلام کے اس جامع اور وسیع تر تصورِ اجرت کے تقاضوں کو دو بڑے بڑے حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) ٹھوس، باضابطہ اور معین شدہ اجرت

(۲) تقاضائے بر (حسن سلوک کی بنا پر معاملہ)

پہلے حصے یعنی ٹھوس اور باضابطہ مقرر شدہ اجرت کو منصفانہ معیار پر لانے کے لئے حسب ذیل تین شرائط کا ہونا ضروری ہے۔

(الف) کم سے کم درجے کی محنت کا اتنا معاوضہ تو ضرور ہونا چاہیے کہ وہ ایک اوسط افراد



کے خاندان کے کفالتی معیار کو پورا کرے۔ یعنی ایک شخص اپنی اور اپنے کنبے کی بنیادی ضروریات کو پورا کر سکے۔ کفالت کا ایک معیار جو مقرر کر دیا جائے وہ ہمیشہ کے لئے نہیں ہونا چاہیے بلکہ ہر سال یا دو تین سالوں کے بعد اس پر بنیادی ضروریات کی اشیاء کی قیمتوں کے اتار چڑھاؤ کے مطابق نظر ثانی کرنی چاہیے۔

(ب) محنت کار کا مزید استحقاق جو اس کے کام کی نوعیت اس کی فنی مہارت اس کے اوقات کار، مقدار پیداوار، معیار پیداوار اور اس کی پیدا کردہ چیز سے نفع حاصل کرنے کے پیمانے کے تناسب سے ہونا چاہیے۔

(ج) مذکورہ بالا دو شرائط کے اندر اجرت کا تعین عام حالات میں اجیر و مستاجر کی آزاد مرضی سے ہونا چاہیے۔ جہاں یہ آزاد مرضی مفقود ہو وہاں حکومت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ قانون سازی کے ذریعے صورت حال کی اصلاح کر دے۔

دوسرے حصے یعنی تقاضائے بر (حسن سلوک) کے سلسلے میں احکام شریعت حسب ذیل تدابیر اختیار کرنے کی رہنمائی کرتے ہیں۔

دالہ، محنت کار کے ہاتھوں سے جو مال تیار ہوتا ہے اس کا کچھ نہ کچھ حصہ اسے مفت یا ارزاں قیمت پر فراہم کیا جائے۔ یعنی سوشلسٹ ممالک میں عام استعمال کی ایسی چیزیں مثلاً کمڑیاں تیار کی جاتی ہیں جو صرف برآمد کے لئے ہوتی ہیں۔ اسلام باشندگان ممالک یا مصنوعات کے تیار کرنے والوں کو سوشلزم کی طرح مجبور نہیں رکھتا بلکہ اسے مالک کی اجازت کے ساتھ استعمال کرنے کی آزادی دیتا ہے۔

(ج) ہر محنت کار اور اس کے اہل و عیال کو اقامتی، طبی، تعلیمی، تفریحی اور اس نوع کی دوسری سہولتیں اور مراعات دی جائیں اور اگر آجریا صنعت کار یہ سہولتیں از خود دینے کا انتظام نہ کرے تو حکومت قانوناً اس کے لئے لازم کرے کہ وہ یہ سہولتیں اجیروں کو بہم پہنچائے۔

(ج) تقسیم منافع : تقسیم منافع کے موقع پر محنت کار کو کچھ رقم بونس کے طور پر ضرور دی جائے۔  
(د) بونس شیرز میں حصہ دیا جائے : نقد بونس کے علاوہ محنت کاروں کو بونس شیرز کی صورت میں کاروبار کی ملکیت میں مناسب حصہ بھی دیا جائے، اور یہ حصہ سال بہ سال بڑھتا رہے تاکہ وہ خیر خواہی اور شوق کے ساتھ کام کر سکیں۔

(د) مصائب و مشکلات خصوصاً حادثات کے مواقع پر مخصوص ذمہ سے مالی اعانت یا قرض حسنہ حاصل



کرنے کی سہولت بھی دی جائے۔

(۱) مالک، محنت کار کے ساتھ میل جول، بات چیت اور نشست و برخاست میں اسلامی اخوت کے مطابق اچھا طرز عمل اختیار کرے۔ بیماری کے موقع پر گھر جا کر بیمار پر سہی کرے اور موت کے موقع پر تعزیت اور اظہار ہمدردی کرے۔ ان سب باتوں پر کچھ خرچ نہیں آتا لیکن یہ محنت کار کا دل جیتنے والی باتیں ہوتی ہیں۔

مزدور تنظیمیں :

اسلامی نظام معیشت کا ایک اہم اصول یہ ہے کہ کوئی بالادست قوت کسی زیر دست کی حق ماری نہ کرے لیکن تاریخ شاہد ہے کہ اخلاق سے بے پرواہ یا اخلاقی منزل کا شکار انسان اور خدا کے خوف سے عاری انسان ایک ایسی پچیدہ اور بعض اوقات خوفناک مخلوق بن جاتا ہے اور اگر وہ کسی دوسرے انسان پر بالادست ہو تو وہ دوسرے زیر دست انسان کی حق ماری کے ہزاروں راستے نکال لیتا ہے۔ اس حق ماری کا علاج کرنے کے لئے ملازمین اور محنت کاروں کو یہ حق دیا جانا چاہیے کہ وہ اپنے اوپر ہونے والے ظلم و زیادتی کے خلاف احتجاج کر سکیں۔

خود قرآن نے یہ حق انسان کو دیا ہے کہ وہ ظلم و زیادتی پر احتجاج کرے بلکہ جتنا ظلم اس پر ہوا ہے اتنا ہی وہ بدلہ لے سکے۔ اگرچہ معاف کرنے کا اجر بھی بیان فرما دیا ہے۔

مزدور تنظیموں کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ مسائل صرف مزدوروں تک ہی نہیں رہتے ہیں بلکہ آجر تک پہنچ جاتے ہیں اور اس کے بعد وہ معاشرے کے کارفرما لوگوں بالخصوص حکومت تک پہنچ جاتے ہیں جس کے نتیجے میں وہ جلد حل ہو جاتے ہیں۔

اسلام میں چونکہ محنت کوئی عار نہیں ہے بلکہ محنت کر کے رزق حلال کمانا اور قوم کے اجتماعی پیداواری عمل حصہ لینا ایک مسلمان کے لئے قابلِ فخر بات ہے۔ چنانچہ شریعت کی قائم کردہ حدود میں روزی کمانے کے لئے محنت کرنا ہر فرد کے لئے ضروری ہے۔

محنت کا ایک دائرہ وہ ہے جس میں کوئی فرد آزادانہ محنت کر کے روزی کماتا ہے نہ وہ آجر ہوتا ہے نہ اجیر۔ یہاں آجر و اجیر کے باہمی تعلق کی کوئی صورت موجود نہیں ہوتی ہے۔ چنانچہ آجر و اجیر کے تعلقات کے ضمن میں کسی قسم کے مسائل پیدا ہی نہیں ہوتے ہیں لیکن یہاں بھی ضروری ہے کہ فرد اپنی محنت کا جائز اور صحیح معاوضہ وصول کرے۔

محنت کی دوسری صورت وہ ہے جہاں ایک شخص اپنی صلاحیت اور دقت کسی آجر کے



سپرد کر کے اس سے معاوضہ حاصل کرتا ہے۔

محنت کے اس زمرے میں ہی آجر اور اجیر کے باہمی تعلقات اور عوض معاوضے کے مسائل پیدا ہوتے ہیں جنہیں حل کرنے کے لئے کچھ قواعد و ضوابط کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ یہ اصول و ضوابط ہر ملک اپنے معروضی حالات کی مطابقت میں وضع کرتا ہے اور یہ بھی اس ملک کی (لیبر یا لیبی) کہلاتی ہے۔ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے یہیں زندگی کے جملہ شعبوں میں رہنمائی صرف قرآن ہی سے لینی چاہیے یہ ہمارا علی فرض ہے چنانچہ ایک اسلامی حکومت کے اندر مزدوروں کے حقوق کے لئے قرآن و سنت سے رہنمائی حاصل کرنی چاہیئے۔

اس سلسلے میں چند احادیث ہیں :

بخاریؒ کی ایک حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ”تین طرح کے لوگ ایسے ہیں کہ جن سے قیامت کے دن بٹنے والا میں خود ہوں گا۔ ایک وہ شخص جس نے میری قسم کھا کر کسی کو زبان دی اور پھر اپنے وعدے سے پھر گیا۔ دوسرا جس نے کسی آزاد شخص کو بیچ کر اس کی قیمت وصول کی اور تیسرا جس نے کسی مزدور کو مزدوری پر بلایا اور اس سے پورا کام لینے کے بعد اس کو اجرت ادا نہ کی۔“

اس حدیث سے واضح ہو جاتا ہے کہ اجرت کی عدم ادائیگی کس قدر سنگین معاملہ ہے اور اگر وہ دنیا میں نڈیا نہ لگیا ہے تو آخرت میں سخت محاسب ہوگا۔

ایک دوسری حدیث میں رسول خدا صلعم نے فرمایا۔

”محنت کار پر اتنا ہی بوجھ ڈالو جتنا وہ اٹھا سکے اور اگر بھاری کام کراؤ تو خود اس کی مدد کرو۔“

(ابن حبان)

یعنی اگر ضرورت یا مجبوری کے تحت کارکن پر کام کا زیادہ بوجھ ڈالا جائے تو اس کے مطابق اس کی مدد کی جائے۔ مدد کے مفہوم میں یہ بات بھی شامل ہے کہ مالک اپنے ملازم یا مزدور کا ہاتھ بٹلے۔ اور یہ بات بھی شامل ہے کہ اسے زائد سہولتیں مثلاً بہتر اذکار آلات مہیا کئے جائیں اور یہ بات بھی شامل ہے کہ سخت کام کی اجرت زیادہ دی جائے اس طرح اخوت کی فضا پیدا ہوتی ہے۔

حضور صلعم نے فرمایا :

”یہ لوگ تمہارے بھائی ہیں جو تمہارے ماتحت کام کرتے ہیں پس جو تم خود کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ۔ جو کچھ خود پہناؤ ان کو پہناؤ۔“



حضورِ معلم کا ایک اور قول بہت مشہور ہے اور یہ اسلامی تحریک محنت کا اصل اصول ہے۔  
نبی آخر الزمان صلعم نے ارشاد فرمایا :

”مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کی مزدوری اس کو دے دو“ ابن ماجہ  
ایک اور دوسری روایت میں مزدوری کی بجائے اس کا حق اس کو دے دو کے الفاظ آئے ہیں۔  
اس حدیث میں جہاں آجر کے لئے یہ ہدایت کہ وہ مزدور کو پسینہ خشک ہونے سے پہلے مزدوری ادا  
کر دے وہاں اس میں اجیر کے لئے بھی یہ بات پوشیدہ ہے کہ اسے جہاں کام پر لگایا جائے وہاں  
وہ دل لگا کر کام کرے اور اپنا پسینہ تک بہائے تاکہ پیداوار کے بن عمل کی ذمہ داری اس پر ڈالی  
گئی ہے وہ اسے بطریق احسن پوری کرے۔ وہ پہلے اپنا پسینہ بہا کر اپنے آپ کو رسول خدا کے اس ارشاد  
کے مصداق بنائے اور پھر اس کا آجر حضور کے اس ارشاد پر عمل کرتے ہوئے بلا تاخیر اس کی معمولی  
اجرت ہی نہیں بلکہ اس کا پورا حق ادا کرے۔

اسلام میں حقوق و فرائض کا ایک متوازن نظام پایا جاتا ہے۔ اس لئے جہاں حقوق کے حصول  
کی جدوجہد ہو وہاں فرائض کی ادائیگی کا احساس پیدا کرنا بھی اسلامی ملک کی تحریک محنت کا شکار ہونا چاہیے۔  
محنت و اجرت کے بارے میں احادیث سے اٹوالی

رسول صلعم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے تین قسم کے انسان ایسے ہیں جن سے قیامت کے  
روز میں خود جھگڑوں گا اور جن سے میں جھگڑوں گا اس کو مغلوب و مغلوبہ کر کے چھوڑ دوں گا اور ان میں سے ایک  
وہ شخص ہے جو مزدور سے کام تو پوری طرح لیتا ہے اور اس کی مناسب اجرت نہیں دیتا۔

کام لینے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ (آزاد ہو یا غلام) دونوں قسم کے اجیروں سے اس حد  
تک کام لے کہ وہ اچھی طرح انجام دے سکیں اور بقدر طاقت کام لینا چاہیے اور اتنی محنت نہیں لینی چاہیے کہ  
ان کی صحت وغیرہ کو نقصان پہنچے۔

رسول خدا نے ممانعت فرمائی کہ مزدور اور اجیر کو اس کی اجرت طے کئے بغیر کام پر لگا دیا جائے۔

رسول خدا نے فرمایا کہ مالدار کا مالدار کے باوجود دوسرے کے ادائے حق میں تاخیر کرنا ظلم ہے۔

رسول خدا نے فرمایا بہترین کمائی مزدور کی کمائی ہے بشرطیکہ وہ خیر خواہی اور بھلائی کے ساتھ کام والے کا کام انجام دے۔

حافظ محمد عسقلانی اور شیخ بدر الدین حبیبی جلیل القدر محدثین فرماتے ہیں۔ کسی سے خدمت اور کام لیکر

اس کی واجب اجرت نہ دنیا اسی معنی میں ہے کہ کسی آزاد شخص کو فروخت کر کے اس سے ہمیشہ پیدا کرنا اس لئے کہ جب

اس نے بغیر عرصہ کے اپنی منفعت کو پورا کر لیا تو گویا اس شخص کی ذات کو فروخت کر کے اس کو روزی بنا لیا اور

اس لئے کہ بغیر اجرت دیئے خدمت لے لینا گویا اس کو اپنا غلام سمجھ لینا ہے۔



## انفرادی ملکیت کی حدود

اسلام لوگوں کو ذاتی ملکیت سے نہیں روکتا اور وہ ایسے اقتصادی نظام کو تسلیم نہیں کرتا جس میں اشخاص و افراد کو اشیاء منقولہ کے علاوہ زمین اور ذرائع پیداوار پر کسی حیثیت اور کسی حالت میں بھی حق ملکیت حاصل نہ ہو۔ اس طریق کار کو غیر فطری اور ایسے نظام کو ناقص اور غیر مطمئن نظام سمجھتا ہے۔

قرآن عزیز نے جن جن مقامات پر اتفاق اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دی۔ ان میں افراد و اشخاص کی ملکیت کو تسلیم کرتے ہوئے ترغیب دی ہے۔

”اور اس نے مال کو باوجود اس کی محبت کے رشتہ داروں یتیموں، محتاجوں، مسافروں، مانگنے والوں کو اور گردنوں کو آزاد کرانے کے لئے دیا۔“ (البقرہ - ۲۲)

وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ

اور ان کے مالوں میں سائلوں اور تنگدستوں کا حق ہے۔

اس نوع کی آیات قرآن مجید میں بکثرت ہیں جن میں انفرادی ملکیت تسلیم کرنے میں اشیاء منقولہ و غیر منقولہ یا ذرائع پیداوار میں سے کسی کی کوئی تخصیص نہیں ہے اور ان میں سے کسی کے درمیان بکثرت نفس ملکیت کوئی فرق نہیں بیان کیا گیا۔

تاہم وہ ذاتی ملکیت کے اصول کو تسلیم کرنے کے باوجود اس کی تحدید ضرور کرنا چاہتا ہے اور اس ملکیت میں اس قسم کی وسعت دنیا پر گزینہ نہیں کرتا جس کی بدولت اس کے اقتصادی نظام کی بیان کردہ اساس و بنیاد پر زوڑ پڑے اور اس کا اصل مقصد فوت ہو جائے۔ اس لئے وہ تمام اشیاء کے بارے میں بنیادی طور پر یہ حکم دیتا ہے کہ وہ مباح الاصل ہیں یعنی وہ کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہیں بلکہ خالق کائنات نے ان کو تمام افراد انسانی کے لئے یکساں طور پر نائدہ اٹھانے کے لئے مخصوص کیا ہے۔

ارشادِ باری ہے :-

”خدا تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جس نے تمہارے لئے وہ سب کچھ پیدا کیا ہے



جو زمین میں موجود ہے۔ (بقرہ - ۳)

دوسری آیات قرآنی، احادیث نبوی اور روایات فقہی اس اذنِ عام کی تشریح کرتی ہیں یعنی یہ بتلاتی ہیں کہ کونسی چیزیں انفرادی ملک نہیں بن سکتیں اور کونسی غنمی اور بن سکتی ہیں۔

ان ہی تشریحات و تخصیصات سے یہ حقیقت بھی سامنے آ جاتی ہے کہ اسلام نے اپنے نظام میں بعض اشیاء کو عام فائدہ کی خاطر سب کے لئے یکساں طور پر مباح قرار دیا ہے اور اس لئے ان اشیاء کے متعلق کسی فرد واحد یا چند افراد جماعت کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ مفاد عامہ کے خلاف ان کو ان کے تخلیقی مقام پر اس طرح اپنے قبضہ و تصرف میں لیں کہ وہ حکومت کو مقررہ منافع یا ٹیکس ادا کرنے کے بعد ان اشیاء کے مالک کل اور اجارہ دار بن بیٹھیں۔ البتہ ہر ایک فرد یہ حق ضرور رکھتا ہے کہ ان اشیاء کے مقام وقوع سے وہ اپنی ضرورت کے مطابق جس قدر اپنے قبضہ و تصرف میں لے آئے وہ بلاشبہ اس کی ملکیت سمجھی جائے۔

اس کے برعکس حکومت کا یہ حق ہے کہ وہ ان اشیاء کی افادیت عام کرنے کے لئے ان کا نظم و ضبط اپنے ہاتھ میں لے لے۔ ان کی درآمد کا انتظام کرے اور جمہور کی ملکیت کے نام پر ان میں معاشی نظام کی بہتری کے لئے جس قسم کا تصرف مناسب سمجھے کرے۔

کانیں

مفاد عامہ کے اس سلسلے کی پہلی چیز معدنیات ہیں۔

”ابیض آربی کہتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مارب میں جو نمک کی جھیل تھی اس کو عطیہ کے طور پر مانگا۔ آپ نے اجازت دے دی۔ ایک شخص نے یہ دیکھ کر عرض کیا یا رسول اللہ آپ نمک کا ہمیشہ جاری رہنے والا خزانہ کیوں اس کے حوالے کئے دیتے ہیں۔ آپ نے اس کی اصل حقیقت سے آگاہی کے بعد اسے واپس لے لیا اور دینے سے انکار فرما دیا۔“

”عمر بن عوف مزنی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلال بن عمارت کو مقام مبلیہ کے بلند و پست حصوں کی کانیں عطیہ کے طور پر دے دیں اور مقام قدس کے ان حصوں کو بھی دیا جو کھیتی کے قابل تھے۔ آپ نے اس عطیہ میں کسی مسلمان کا حق ان کو نہیں دیا اور اس کے لئے ان کو فرمان لکھ دیا۔“

یہ بالترتیب دو صحیح احادیث رسول ہیں جن کو اساس و بنیاد قرار دے کر مجتہدین امت نے اسلام



کے معاشی نظام میں معادن سے متعلق احکام بیان فرمائے ہیں۔ شارحین حدیث اور فقہانے اس سلسلہ میں جن تفصیلات کو نقل کیا ہے ان کا حاصل یہ ہے

معدنیات کی دو قسمیں ہیں ایک معدن ظاہر اور دوسری معدن باطن۔ معدن ظاہر ان معدنیات کو کہتے ہیں جن کا خزانہ یا تو سطح زمین پر ظاہر اور موجود ہو یا زمین میں اس طرح پائی جاتی ہوں کہ اگر چھوٹی سی محنت یا خرچ کر کے ان کو برآمد کر لیا جائے تو وہ مٹی یا پتھر کے ساتھ ان کے اجزاء کی حیثیت میں مخلوط و مربوط نہ ہوں بلکہ زمین میں خزانہ کی حیثیت میں موجود ہوں مثلاً نمک، مٹی، کاتیل، پٹرول، تارکول وغیرہ اور معدن باطن ان معدنیات کو کہتے ہیں جو نہ تو پہاڑ کی سطح ظاہر پر موجود ہوں نہ ان اجزاء کی طرح زمین اور پہاڑ کے اندر موجود ہوں بلکہ زمین اور پہاڑ کے اندر ذرات زمین یا پتھر کے اجزاء کی حیثیت میں مستور ہوں اور جن کے حاصل کرنے اور پتھر یا زمین کے اجزاء سے جدا کر کے صاف کرنے میں کافی محنت اور سرمایہ کی ضرورت پیش آتی ہے۔ پس اگر پہلی قسم کی معدنیات ہیں تو وہ کسی حال میں بھی نہ شخص واحد یا مخصوص جماعت کی ملک بنائی جاسکتی ہیں اور نہ ان کو بطور اجارہ کسی کو دیا جاسکتا ہے بلکہ وہ عوام کی ضروریات اور فائدہ کے لئے مساویانہ حیثیت رکھتی ہیں اور ان سے بلا معاوضہ ہر شخص کو استفادہ کا حق حاصل ہے۔ گویا اصطلاحی بول چال میں وہ پبلک کی نمائندہ حکومت کی ملکیت اور مفاد عامہ کے لئے وقف ہے۔

چنانچہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ حدیث اول کی شرح میں فرماتے ہیں:

یہ ایک صاف بات ہے کہ جو کانیں معدن ظاہر ہیں۔ ان کی درآمد میں زیادہ محنت کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ ان کا کسی ایک مسلمان کو بخش دینا عامۃ المسلمین اور ان کی ضروریات کے لئے تنگی، اور مصرت کا باعث ہے۔ اس لئے ان کا عطیہ جائز نہیں اور یہ حدیث اس حقیقت کو واضح کرتی ہے جس کو اوپر بیان کیا گیا ہے کہ معدن ظاہرہ موجود کا نفع اور فائدہ کسی ایک شخص کو عطیہ نہیں کیا جاسکتا۔ اور ماہر عدل ہمیشہ جیتے رہنے اور زخم ہونے والے پانی کو کہتے ہیں۔ اور کتب فقہ میں بھی یہ تصریح موجود ہے اور جانتا چاہیے کہ امام کے لئے جائز نہیں ہے کہ ایسی کسی چیز کو عطیہ کر دے کہ جس کے فائدے سے عامہ مسلمین مستغنی نہ ہوں یعنی معادن ظاہرہ کو کہ جن کا جوہر اللہ تعالیٰ نے زمین کے جوہروں میں سے ظاہر صورت میں ودیعت کیا ہے مثلاً نمک، سرسہ، تالکول اور مٹی کے تیل کی کانیں۔ غرض ماری سے متعلق حدیث کے پیش نظر جمہور علماء اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ معدنیات ظاہرہ مفاد عامہ کے لئے ہیں۔ اس لئے وہ کسی کو بطور اجارہ کے دی جاسکتی ہیں اور نہ بطور عطیہ



کے بلکہ حکومت کے ہاتھوں میں رہیں گی اور ہر شخص کو اس کی ضرورت کے مطابق اس سے استفادہ کا حق ہوگا۔ اور اگر دوسری قسم کی معدنیات ہیں تو جب کہ ان کی درآمد بہت زیادہ محنت اور کافی سرمایہ کی محتاج ہے پس ان کے متعلق حکومت مجاز ہے کہ ان کا ان کو مفاد عامہ کے قابل بنانے کے لئے خواہ اپنے قبضہ و اختیار میں رکھے اور مناسب سمجھے تو اجارہ ہر دے کہ ان کے فائدے تو عام بنائے یا شخص واحد اور مخصوص جماعت کی ضروریات کی کفالت کے لئے بطور عطیہ کر دے جیسا کہ نبی اکرمؐ نے بلال بن حارثؓ کو قبیلہ کی معاون عطیہ کر دیں لیکن شرط یہ ہے کہ وہ اس عطیہ کو اپنی ضرورت کے لئے کام میں لائے اور بیکار معطل نہ چھوڑ دے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو کل یا جز جس حصہ کو بھی بیکار چھوڑتا ہے امام کو اختیار ہے کہ اس کے قبضہ سے وہ حصہ نکال کر دوسرے کو عطیہ کر دے یا حکومت کے ہاتھ میں دالیں لے لے۔ چنانچہ قاضی ابوالیوسف رحمہ کتاب الخراج میں حضرت بلال بن حارثؓ ہی کے ان عطایا سے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

میرے اہل مدینہ کے شیوخ میں سے ایک شیخ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال بن حارثؓ مرنے کو سمندر اور خشتی کے درمیان وادی کو بطور عطیہ کے دے دیا تھا مگر جب عمر بن خطابؓ کا زمانہ آیا تو انہوں نے بلالؓ سے فرمایا کہ تم میں یہ طاقت نہیں ہے کہ اتنے بڑے علاقے کو کام میں لا سکو۔ پس حضرت عمرؓ نے یہ پسند فرمایا کہ معاون قبیلہ کو ان کے ہاتھ سے نکال کر باقی حصہ زمین کو ان کے پاس بطور عطیہ باقی رہنے دیں۔

اور خطابؓ رحمۃ اللہ امام شافعی کے مسلک کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

جس علاقہ کو غنیفہ اسلام نے اسلحہ کی طاقت سے حاصل کیا ہے اگر وہاں کوئی زمین افتادہ و بیکار پڑی ہے۔ اور کسی مسلمان یا معاہدہ کی ملکیت نہیں ہے تو امام اس کو بطور عطیہ کے دے سکتا ہے۔ پس اگر امام نے کسی کو بطور عطیہ کے زمین کا کوئی حصہ دے دیا اور اس نے اس کو آباد کر لیا تو وہ ہمیشہ کے لئے اس کی ملک ہوگا اور اگر امام نے کسی کو معدن کا کوئی حصہ عطیہ کر دیا تو اس کو دیکھا جائے گا۔ اگر وہ معدن ظاہر ہے جسے مٹی کا تیل یا تار کول تب امام کا یہ عطیہ ناجائز ہوگا۔ اس لئے کہ ان اشیاء کے موافق خود بخود حاصل ہیں اور لوگوں کا ان اشیاء کے ساتھ ہر وقت کا واسطہ ہے لہذا جو بھی اس میں سے جس قدر اپنی ضرورت کے لئے حاصل کرے وہ اسی کا ہے اور کسی کو اس پر تنہا ملکیت کا دعویٰ نہیں ہو سکتا کہ وہ اس طرح دوسروں پر ترجیح حاصل کرے اور اگر سونا، چاندی، تانبا اور اس قسم کے دوسرے جواہرات کہ کانیں ہیں جو زمین میں اس طرح پوشیدہ ہیں کہ مٹی یا پتھر



کے اجزاء کی طرح ان میں مخلوط اور پیوست ہیں اور بغیر کافی محنت و مشقت کے ان کا مٹی اور پتھر سے جدا کر لینا ممکن نہیں ہے تو ان معادن کا عطیہ درست ہے البتہ اگر جاگیر حاصل کرنے والا اس کو معطل چھوڑ دے یا اس کو برآمد نہ کرے تو اس کا مالک نہیں رہ سکتا اور نہ دوسروں کو اس سے فائدہ اٹھانے کے لئے روک سکتا ہے جب تک وہ اس میں کام کر سکتا ہے کرے ورنہ عامہ مسلمان کے حق میں دستبردار ہو جائے۔ ان تمام حوالجات کا حاصل یہ ہے کہ معادن تو الگ رہے۔ اگر معمولی زمین بھی بطور جاگیر کسی کو دی جائے تو حسب ذیل شرائط کا پیش نظر رہنا از بس ضروری ہے ورنہ تو یہ عمل اسلامی احکام میں ظلم اور ناجائز ہوگا۔

- ۱۔ وہ زمین نہ کسی مسلمان کی اور نہ کسی معابد کی ملک ہو اور نہ ان میں سے کسی کے قبضہ میں ہو۔
- ۲۔ نہ اس میں زراعت کے اور نہ تعمیر کے آثار پائے جاتے ہوں اور نہ کسی اہل بستی کے مفاد عامہ کے لئے مٹی ہو نہ چراگاہ ہو اور نہ قبرستان کی زمین ہو نہ سوختہ حاصل کرنے کی جگہ ہو اور نہ ریلوڑوں کے بٹھنے یا پھرنے کے کام آتی ہو۔
- ۳۔ اس سے مفاد عامہ کو نقصان نہ پہنچتا ہو۔

۱۰ اور امام کو اس عمل اقطاع کی اجازت صرف اس لئے دی گئی ہے کہ کوئی زمین بنجر باقی نہ رہے اور معطل رہنے کی وجہ سے محصولات زمین کم نہ ہوں کہ بیت المال گھاٹے میں رہے۔ چاندی، سونا، لوہا، کوئلہ، پٹرول، پٹرول قسم کی کانیں اقتصادی نظام پر بہت زیادہ اثر انداز ہیں اور وجہ معیشت کی جان ہیں۔ اس لئے موجودہ دور میں اسلام کے معاشی نظام سے متعلق احکام کی روشنی میں یہ دعویٰ باسانی کیا جاسکتا ہے کہ ان سب کو شخصی ملکیت نہیں بلکہ جماعتی یعنی حکومت کی ملکیت ہونا چاہیے تاکہ مفاد عامہ باطل ہو کر مفاد خاصہ میں تبدیل نہ ہو جائے۔

پس اگر اقتصادی نظام میں قدرت کی بخشی ہوئی یہ دولت ایک یا چند اشخاص کے ہاتھ میں دے دی جائے اور حکومت اور ان کے درمیان اس سرمایہ داری کی تقسیم اجارہ داری کے نام سے کر دی جائے تو ظاہر ہے کہ ملک کی باقی آبادی اس کے استغناء سے بڑی حد تک محروم رہ جائے گی، اور یقیناً اس راہ سے ایک خاص جماعت میں **دُولَةُ الْغَنِيِّ** اور **يَكُونُ وَدَّتِ** **الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ** کا منظر نظر آنے لگے گا۔

چنانچہ جس دور میں بھی اس اصول کے خلاف ان کانوں کو کسی ملی یا وطنی حکومت نے اجارہ داری کے سسٹم پر چلانے پر کوششیں کی۔ اس کو نہ صرف اپنے اقتصادی نظام میں شدید نقصان ہوا بلکہ اس کمزوری



سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اجنبی اجارہ داروں نے اس قوم کو تباہ کرنے اور غلامی کی لعنت میں گرفتار رکھنے کا بہترین ذریعہ اکثر اسی کو بنایا۔ اس زمانہ میں بھی یورپ و ایشیا کی حکومتوں کے بیشتر کاروبار ایسے ہی مٹھی بھر سرمایہ داروں اور دولت کے اجارہ داروں کے رحم و کرم پر چل رہے ہیں۔

منڈیوں میں ارزانی، گرانی، سکو کے طلائی و نقری معیار اور درآمد و برآمد کے معاہدات پر ان ہی کا قبضہ و تسلط ہے اور حکومت نے جابرانہ اور قاہرانہ استعماریت کی طرح میں مفاد عامہ کو ان کے ہاتھوں تباہ و برباد کرنے کے لئے چھوڑ دیا ہے اور اگر تاریخ کی شہادت غلط نہیں ہے تو بلا خوف تردد کہا جاسکتا ہے کہ مہاجنوں اور بینکروں کی اس دستبرد کی ابتداء اسی قسم کی اجارہ داری اور ملکیت کی زمین منت ہے۔ پس اسلام اس قسم کی عام بد حالی کو اپنے نظام میں کس طرح برداشت کرنے کو آمادہ ہو سکتا ہے۔ البتہ اس سلسلہ میں اسلام کا معاشی نظام اس قدر انفرادیت کو ضرور تسلیم کرتا ہے کہ اگر کسی شخص کے ذاتی مکان یا صحرائی زمین میں کوئی وفینہ نکل آیا یا کان کا کوئی حصہ برآمد ہو گیا اور اس نے محنت کر کے کچھ حاصل کر لیا تو یہ اس کی ملکیت شمار ہوگی اور اس کو دولت قرار دے کر اس پر زکوٰۃ یا خمس عائد کر دیئے جائیں گے۔ فقہاء اسلام نے اس کی تفصیلات اس طرح بیان فرمائی ہیں۔

وفینہ اگر اسلامی دور سے تعلق رکھتا ہے تو اس کا حکم لفظ کا ہے۔ اگر غیر اسلامی دور کی علامات موجود ہیں یا کوئی علامت نہیں ہے تو اس پر خمس واجب ہوگا۔

معنیات میں سے تین قسم کے حاصلات ہوتے ہیں :

- ۱۔ سیال نہ ہوں لیکن آگ پر رکھنے سے پگھل جائیں مثلاً سونا، چاندی پتیل وغیرہ۔
- ۲۔ سیال ہوں مثلاً پٹرول، مٹی کا تیل، تارکول وغیرہ۔
- ۳۔ نہ سیال ہوں نہ آگ پر رکھنے سے پگھل سکتی ہوں مثلاً زرد، ہیرے وغیرہ۔

پس یہ اگر ذاتی مکان میں یا ذاتی زمین میں برآمد ہوئیں تو ان پر حکومت کا کوئی مطالبہ نہیں اگر عسری، خراجی زمین یا صحرا و سیال میں برآمد ہوئیں ہیں تو یہی قسم پر خمس واجب ہے اور باقی دونوں قسموں پر کوئی مطالبہ نہیں ہے۔

امام مالک "معاذن" کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ اگر خلیفہ وقت نے قاہرانہ حبشیت سے کسی ملک پر قبضہ کیا ہے اور مفتوح ملک سے مصالحت اور معاہدات خصوصی کے ذریعہ قبضہ نہیں کیا تو اس ملک میں اگر کانیں برآمد ہوں تو اس زمین کی شخصی ملکیت ساقط ہو کر سلطان کی جانب لوٹ جائے گی، اور حکومت کو اس پر قطعی اختیار حاصل ہوگا کہ وہ مفاد عامہ کے پیش نظر جس قسم کا تصرف کرنا چاہے کرے



خواہ اس کی برآمد کو اپنے انتظام سے کرائے اور خواہ اس کو عطیہ کے طور پر یا اجارہ پر دے دے۔  
 امام مالکؒ نے فرمایا جس زمین کو خلیفہ نے طاہرانہ فتح کیا ہے۔ اگر اس میں کانیں نکلی آئیں تو وہ  
 زمین سلطان کی جانب لوٹ جائے گی وہ جس طرح چاہے اس میں تصرف کرے اور جو اس میں کان کنی کا کام  
 کرنا چاہے اس کو دے دے۔ یہ اس لئے کہ جن مجاہدین نے اس کو جہاد کر کے فتح کیا ہے۔ وہ زمین اس کی  
 ملکیت نہیں بن جاتی مگر عطیہ اور اجارہ میں یہ شرط ملحوظ ہے گی کہ عامۃ الخلق کے حق پر زور نہ پڑے۔ چنانچہ  
 اندلس کے مشہور فلسفی و فقیہ ابن رشد امام کے اس ارشاد پر اصولی بحث کرتے اور دو قول میں سے ایک  
 قول کو ترجیح دیتے فرماتے ہیں۔

معادن پر خلیفہ ہر قسم کا تصرف کر سکتا ہے اور عطیہ کے طور پر بھی دے سکتا ہے۔ اس کی مثال  
 عہد نبوت میں موجود ہے کہ نبی اکرم نے بلال بن عمارؓ کو قبیلہ کی کان کا ایک حصہ بطور عطیہ کے دے دیا تھا  
 اور دو قول میں سے پہلے قول کی دلیل یہ ہے کہ سونا چاندی جو کانوں کے اندر ہیں زمین پر کسی کے بھی مالکانہ  
 قبضہ سے قبل جو فِ زمین میں موجود ہیں اس لئے زمین کی ملکیت سے معدن کی ملکیت ہرگز لازم نہیں آتی کیونکہ  
 اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد :

إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ط

اسی حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ حق تعالیٰ نے یوں نہیں فرمایا کہ وہ جس کو چاہے زمین کا اور زمین کے  
 اندر جو کچھ موجود ہے اس سب کا مالک بنا دے بلکہ صرف زمین کے مالک بنا دینے کا ذکر فرمایا ہے۔  
 لہذا آیت کے اس ظاہر مفہوم کے پیش نظر از بس ضروری ہے کہ جو فِ زمین میں از قسم معادن سونا چاندی  
 جو کچھ بھی ہے اس پر تمام مسلمانوں کو یکساں حق ہے۔

اجارہ داری کی کمپنیاں :

معنیات سے متعلق اجارہ داری کا معاملہ عموماً کمپنی کی شکل میں نمودار ہوتا ہے اور ملک کا وہ  
 بہترین سرمایہ جو زیادہ سے زیادہ انسانوں بلکہ حکومت کی تمام آبادی کے لئے مفید اور نفع بخش ثابت  
 ہو سکتا تھا اس طرح افراد کے اندر محدود ہو جاتا اور آخر کار بد حالی کا پیش خیمہ بن جاتا ہے۔  
 عہد قدیم و جدید میں جس ملک میں بھی اس قسم کی اجارہ داری پائی جاتی ہے۔ اس سے انکار  
 نہیں ہو سکتا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں اس کی بددلت کارخانہ دار اور مزدور یا سرمایہ اور محنت کے  
 درمیان میدان کارزار گرم ہو گیا ہے اور بعض اوقات حکومتوں کی تباہی بربادی پر ختم ہوا ہے۔ کارل مارکس  
 کا نظریہ اشتراکیت اسی کارہن منت ہے اور روس کا دور اشتراکیت اسی کی جدید پیداوار ہے۔



اگر معنیات کے لئے کمپنی اور شیرز کا یہ حرص انگیز سسٹم بطور اصول اور تجارتی بنیاد کے تسلیم نہ کر لیا جاتا۔ اور ان امور کو مفاد عامہ کے اصول کے پیش نظر حکومت کے اختیارات مجازی کے سپرد کر دیا جاتا تو افراد و تفریط کی راہ سے الگ اسی اعتدال کی راہ پیدا ہو جاتی ہے جس کی جانب اسلام نے اپنے نظام میں توجہ دلائی ہے اور پھر نہ اشتراکیت سے، نہ برتری پھیلیتی اور نہ سماجی نظام سے بد حالی و تباہ کاری۔

لہذا عام حالات میں وہ ایسی کمپنیوں کی حدود افزائی کے لئے تیار نہیں ہے اور بعض مخصوص حالات میں عطیہ یا اجارہ داری کے جواز و باجحت کی شکل میں بھی اس بنیادی اصول کو فراموش کرنا نہیں چاہتا کہ ہر حالت میں مفاد عامہ خطرہ سے محفوظ رہے اور مذموم سرمایہ داری کو سر اٹھانے کے لئے بہانہ ہاتھ نہ آجائے کیونکہ اس قسم کی کمپنیاں جب اپنے تجارتی نظام کو وسیع کرنے کے لئے بین الاقوامی حالات پر نگاہ ڈالتی ہیں تو اپنے خصوصی مفاد کے پیش نظر عام افادہ اور عام لوگوں کے نفع سے آنکھ بند کر کے ملک اور حکومت کے تمام سیاسی، اقتصادی، معاشرتی رجحانات کو اسی ایک رخ پر چلانے کی سعی کرتی ہیں جن سے ان کا ذاتی مقصد فروغ پا سکتا ہے خواہ اس کی بدولت ملک کی عام حالت یا انسانوں کی عام زندگی خطرہ ہی میں کیوں نہ پڑ جائے، اور یہی وہ زہر ہے جو اگرچہ اپنی ابتدائی شکل میں نہایت شیریں مفید اور حیات پرور نظر آتا ہے لیکن آخر ہی آخر خدا کی مخلوق کو گھن کی طرح کھا جاتا ہے اور بالآخر خدا کی اس مخلوق پر موت کی نیند طاری کر دیتا ہے۔

جدید ترقی پذیر دنیا نے تو کمپنیوں کے اس سسٹم ہی سے ترقی اور اقتصادی سر بلندی حاصل کی ہے لیکن انسانی نشو و ارتقاء کے مقصد عظیم "اخوت عامہ" کے پیش نظر باریک بینی سے مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہو گا کہ یہ سب دھوکہ اور فریب ہے۔ اسی سسٹم نے قوموں کے باہمی عداوت، اور استحصال بالجبر کی بنیاد ڈالی ہے۔ اسی نے خود اپنے ملک کی عام آبادی کی چند مخصوص سرمایہ داروں کا غلام بنا کر تباہ کیا اور اسی نے اقتصادی ترقی کے نام سے دنیا کے ہر گوشہ میں بے اطمینانی، خود غرضی اور مہذب ڈاکہ زنی کو عام کر دیا ہے۔

اور اگر ان اشیاء کو مفاد عامہ کے نقطہ نظر سے فروغ دیتی تو یہ صورت کبھی پیدا نہ ہونے پاتی۔ اور ملک میں ایک عام متوسط زندگی کا دور ہوتا اور اطمینان کی زندگی نصیب ہوتی۔ قطعاً مبالغہ نہ ہو گا کہ اگر یہ کہا جائے کہ قانون سے متعلق اگر اسلام کا معتدل اقتصادی نظریہ تسلیم کر لیا جائے جو مخصوص حالات میں بعض بنیادی شرائط کے ساتھ انفرادی ملکیت کو تسلیم کرتے ہوئے حقیقی اجتماع ملکیت کو اساس سمجھتا اور اس طریق عمل کو مفاد عامہ کے لئے ضروری مانتا ہے تو نہ صرف بلکہ میں عام خوشحالی کا دور پیدا ہو جائے گا



بلکہ اس طرح عام رفاہیت تجارت کی فراوانی اور زراعت کی ترقی کے لئے زیادہ سے زیادہ فرائع  
ہیٹا ہو سکیں گے۔

مثلاً جب پٹرول کی کانیں ملک میں برآمد ہوں اور اجارہ دارانہ سسٹم کی کمپنیوں کی بجائے خود  
حکومت کی اپنی سرکاری کمپنی اس کی برآمد کا انتظام کرے تو ظاہر ہے کہ درمیانی ایجنٹ کی من مانی  
زیادہ ستانی سے اس کی قیمت میں موجودہ دور کی طرح ناقابل برداشت گرانی نہیں ہو سکے گی اور  
اس طرح اس کا فائدہ صرف مخصوص سرمایہ داروں تک ہی محدود نہ رہے گا بلکہ عام اور متوسط طبقہ بھی بلند  
ہو سکے گا جس پر ملک کی بہتری کا بہت کچھ مدار ہے اور اس طرح استعمال کے لئے بھی اس کا فائدہ  
عام ہو جائے گا۔

کیا کوئی کاروباری آدمی اس سے انکار کر سکتا ہے کہ اگر آج کوئلہ درمیانی کمپنیوں کے ذاتی منافع  
کے شکار سے نکل کر براہ راست خود حکومت کے ہاتھوں ملک تک پہنچے تو ضروریات کی ہزاروں اشیاء  
جن کی ارزانی اور گرانی کا مدار کوئلہ کی ارزانی اور گرانی پر ہے اس قدر ارزاں ہو جائیں کہ دولت مندوں  
کی طرح عوام اور متوسط بھی ان اشیاء سے کافی فائدہ اٹھا سکیں گے۔

جہازوں اور ریلوے کے ٹکٹ، محصولات اور آلات حمل و نقل کی فراوانی وغیرہ اس ترقی  
کے دور میں بڑی حد تک اسی کی قدر قیمت کے ساتھ وابستہ ہیں اور اسٹیم بجلی کا پورا وجود کوئلہ  
پر موقوف ہے۔ پس اگر کوئلہ ارزاں ہے تو اس کا اثر مذکورہ بالا اشیاء پر پڑتا ہے اور اگر گراں ہے  
تو یہ تمام اشیاء پر اثر انداز ہے لہذا اقتصادی نظام کے مسطورہ بالا نظریہ کا یہ پہلو اس قدر صاف  
ہے کہ کوئی صاحب عقل و فہم اس کی صحت کا انکار نہیں کر سکتا۔

### ملیں اور کارخانے

جب صنعت و حرفت انسانی ہاتھوں سے نکل کر مشینوں اور ملوں کے قبضہ میں چلی جاتی ہے تو سرمایہ دار  
کے لئے جنت کی کھڑکی کھل جاتی ہے اور وہ ملیں اور کارخانے قائم کر کے خدا کے اپنے ہی جیسے بندوں،  
غریبوں اور مزدوروں پر آقا بن جاتا بلکہ ایسا زبانی خدا کی کرنے لگتا ہے۔ وہ مزدوروں کے نام سے ان کی جان و  
مال اور آبرو پر قابض ہو جاتا اور ان انسانوں کو غلاموں کی نہیں بلکہ حیوانوں کی طرح اپنے مفاد کی قربان گاہ پر  
چڑھانے کا عادی بن جاتا ہے۔

اور طرفہ متاثرہ کہ اس دور تہذیب و تمدن کے موجد جو غلامی کو لغت کہتے ہیں اور اس کے خلاف  
بڑھ بڑھ کر بیکجڑ دیتے رہتے ہیں۔ غلامی کے اس اقتصادی حلال کو نہ صرف جائز رکھتے بلکہ اپنی حکومتوں،



اور تہنشاہیتوں کی ترقی کے لئے بہترین ذریعہ سمجھتے ہیں اور اسی لئے اس کو ہر وقت سراہتے اور سرمایہ دار کے اس جال کی بندشوں کو قوانین کی راہ سے اور زیادہ مضبوط کرتے رہتے ہیں اور اس جال کی بندشوں کا حسن و نکھار اس وقت اور زیادہ قابل دید ہوتا ہے جب اس کے جواز کے لئے دھرم اور مذہب کے نام پر غلط حمایت بھی شامل ہو جاتی ہے۔

محنت کی زیادتی حق محنت کی کمی اور عام حقوق انسانی سے محرومی کے بعد اس ریلوڑ کی زبوں حالی دکھتی ہو تو بمبئی کلکتہ کراچی، مدراس، دہلی، کانپور اور شولا پور جیسے تجارتی مقامات میں دیکھئے۔ پہلے آئرز کی چمن زار کوٹھیوں اور خست نظیر بنگلوں پر ایک نظر ڈالئے اور اس کے بعد پھران غلیظ اور نجس چالوں اور کوارٹروں کو دیکھئے جس میں بھیدوں کے ریلوڑ کی طرح مزدور ہیں۔

لیکن قانون فطرت بغیر انتقام لئے کب باز رہتا ہے۔ آخر مزدور سرمایہ دار کی جنگ کے نام سے وہ شعلے بھڑک اٹھتے ہیں جس نے سرمایہ دارانہ نظام کو ہضم کر کے بالآخر ایک قدیم مگر عادلانہ نظام کے لئے زمین ہموار کر دی ہے۔

سرمایہ اور محنت میں توازن

اسلام چونکہ خود دین فطرت ہے اور اس کا نظام کسی انتقام یا رد عمل پر مبنی نہیں ہے، بلکہ نام اور حقیقت دونوں لحاظ سے کائنات انسانی کی عام فلاح و بہبود کا سمہ گیر نظام اور انسانی ضرورت دینی دینوی کے ہر شعبہ میں مستقل انقلابی پیغام ہے۔ اس لئے اس نے اپنے اقتصادی نظام میں اس جگہ بھی مذموم سرمایہ داری کی حمایت نہیں کی بلکہ سرمایہ اور محنت میں ایک ایسا معتدل توازن قائم رکھا ہے کہ اس کے بعد اس جنگ کے لئے کوئی جگہ ہی باقی نہیں رہتی کیونکہ اسے معلوم ہے کہ سرمایہ دار مزدور کو اپنے سرمایہ داری کے جال میں کس راہوں سے پھانسا اور تباہ برباد کر دیتا ہے اور اگر وہ راہیں بند کر دی جائیں تو پھر تعاون اور امداد باہمی کا وہ قانون جو انسان کی جبلت میں دولیت کیا گیا ہے۔ یہاں بھی بغیر اذات و تفریط کے صحیح نقشہ کے مطابق کس طرح باحسن و جود نافذ ہو سکتا ہے۔

۱۔ پہلی گرہ جو اس جال میں مزدور کو پھنسانے کے لئے لگائی گئی ہے وہ اجرت کی کمی ہے وہ نادار ہے، مفلس ہے، بے چارہ ہے، ناقہ کش ہے۔ اس لئے اس کی محنت کا صلہ ایک روپیہ ہونے کے باوجود سرمایہ دار اس کو چار آنے پر راہنی کر لیتا ہے اس لئے کہ وہ بھوکا ہے۔ تن پیٹ دونوں کے لئے عاجز و درماندہ ہے۔ سرمایہ دار خوش ہے کہ اس نے جبر نہیں کیا بلکہ مزدور اپنی مرضی سے اس پر آمادہ ہو گیا اور مزدور یقین رکھتا ہے کہ اگر وہ اس نادار جب



اجرت کو اضطراری طور پر قبول نہیں کرتا تو ناقوں کی بدولت موت کا استقبال لازمی ہے اور یہ کہ دوسرا مزدور مجھ سے زیادہ بد حالی اور اضطرار کی وجہ سے اس سے بھی کم اجرت پر کام کرنے کو تیار نظر آتا ہے۔

(۲) دوسری گروہ یہ لگائی گئی کہ کم سے کم مزدوری میں مزدور سے کام زیادہ سے زیادہ لیا جائے۔ اور وہ اس کو بھی اپنے افلاس اور تنگ حالی بلکہ فاقہ کشی کی خاطر منظور کر لیتا ہے اور اپنی بے چارگی پر آٹھ آٹھ آنسو بہا کر نو دس گھنٹہ یا اس سے بھی زیادہ محنت کر کے سرمایہ دار کو خوش کرتا ہے تب جا کر مشکل چار آنے کا حقدار ہوتا ہے۔

لیکن اسلام اپنے نظام میں مفلس اور صاحب حاجت کی اس رضامندی کو مرضی تسلیم نہیں کرتا اور سرمایہ دار کے ان دونوں پھیندوں کو ظلم قرار دے کر اس ظلم کو پاش پاش کر دیتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے میں قسم کے انسان ایسے ہیں جن سے میں قیامت کے دن جھگڑوں گا اور جس سے میں جھگڑوں اس کو مغلوب و مغہور ہی کر کے چھوڑوں گا۔ ان میں سے ایک وہ شخص ہے جو مزدور سے کام تو پوری طرح لیتا ہے اور اس کے مناسب اس کی اجرت نہیں دیتا۔

(۳) سرمایہ داری کے جال کی تیسری گروہ یہ ہے کہ مزدور کی اجرت معین نہ کرے اور اس کی غربت سے فائدہ اٹھا کر دینی کام پر لگائے اور کام مکمل کرانے کے بعد جو اجرت چاہے دیر سے اسلام نے اس کو بھی ناپسند اور ناجائز کہا ہے اور ایسے معاملہ کو خیانت سے تعبیر کیا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمائی ہے کہ مزدور اور اجیر کو اس کی اجرت طے کئے بغیر کام پر کام پر لگایا جائے۔

۴۔ چوتھی گروہ یہ ہے کہ حق محنت تو مقرر کر دیا جائے لیکن ادائیگی میں من مانی رکاوٹ پریشان کن ترکیبیں اور ظلم و جبر کے ایسے طریقے اختیار کئے جائیں کہ مزدور کو دقت پر اپنے معمولی حق محنت سے بھی فائدہ اٹھانے کا موقع نہ مل سکے۔ اسلام نے اس کا بھی سدباب کیا ہے، اور ایسا کرنے کو بد معاملگی ظلم اور بڑا گناہ قرار دیا ہے اور وہ اپنے اقتصادی نظام میں ایک لمحہ کے لئے بھی سرمایہ دار کے اس ظلم سے درگزر نہیں کرنا چاہتا۔

ارشاد رسول اکرم ہے،

”مالدار کا مال داری کے باوجود دوسرے کے ادائے حق میں تاخیر کرنا ظلم ہے۔“



(۵) پانچویں گروہ یہ ہے کہ مزدور کا حق تلف کرنے اور بہانہ سازی سے سرمایہ داری کو فروغ دینے کے لئے مزدور پر کام خراب کرنے کا الزام لگا کر دیئے ہوئے چند ٹکے بھی جرمانہ کے نام سے واپس لے لئے جائیں گویا بزمِ خودیہ ظالم سرمایہ دار اپنے نقصان کا تاوان انصاف کے نام سے وصول کرتے ہیں۔

اسلام نے اس کو بھی افراط و تفریط سے الگ اعتدال حالت پر لانے کی کوشش کی ہے اور عدل و انصاف کے صحیح اصول پر فہیدہ کیا ہے۔

اسلام اپنے اقتصادی نظام میں مزدوروں اور پیشہوروں کو بھی اربابِ راس المال کے ساتھ زیادتی اور بے جا تھری کرنے سے روکتا ہے اور نہیں چاہتا کہ ایک طرف سے افراد، اور دوسری طرف سے تفریط ہو۔

ارشادِ رسول اکرمؐ ہے کہ بہترین کمائی مزدور کی کمائی ہے بشرطیکہ وہ خیر خواہی اور بھلائی کے ساتھ کام انجام دے۔

ان تمام احکامِ عدل و انصاف کے بعد وہ متاجروں اور اجیروں دونوں کے لئے ایک عام قانون بیان کر کے میزانِ عدل کو مسادی رکھنے کی سعی کرتا ہے۔ شرعِ شریعتِ اسلام میں ہے۔

”اسلام کی سنت یہ ہے کہ لوگوں کو آپس میں مہربانی رحم اور خیر خواہی کے ساتھ معاملہ

کرنے چاہئیں اور وہ یہ کہ اپنے بھائی کے لئے وہی پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ یعنی معاملات میں صرف اپنے فائدے کا بھی خیال رہے۔“

الحاصل سے اسلام اپنے اقتصادی نظام میں صفت و معرفت اور تجارت پر بہت زور دیتا ہے اور جگہ جگہ ایماندار متاجروں کو خدا کی رضا اور جنت کی بشارت سنا تا اور اس کو خوش عیشی اور رفائیت کی راہ بتاتا ہے۔ نیز انبیاء کے پیشے اور کسبِ معاش کے واقعات سنا کر صفت و معرفت کی ترغیب دینا اور گھر گھر دوستی کا رنگری کی حوصلہ افزائی کرتا ہے کیونکہ یہی وہ طریقہ ہے جس سے عوام کی بے روزگاری دور ہوتی ہے۔ اور عام طور پر متوسط خوشحالی کی راہیں کھل جاتی ہیں۔

اسی طرح ملوں اور کارخانوں کی جدید ایجادات کے سلسلہ میں بھی اس کا قانونِ اقتصاد جماعتی فلاح و مہبود کے قوانین سے عاجز و رماندہ نہیں ہے اسی لئے وہ حکم دیتا ہے کہ اس کے نظام میں ان ملوں اور کارخانوں کا استعمال صحیح طور پر تو جب ہی ہو سکتا ہے کہ حکومتِ رفاهِ عام اور



مفاد عامہ کی خاطر ان سے کام لے اور اربابِ دولت کو ایسے مواقع مہیا نہ ہونے دے کہ وہ غریبوں کو اپنی مشینوں کے پرزوں کی طرح سمجھ کر اپنی اغراض کا آلہ کار بنالیں اور اس طرح عام فقر و فاقہ کے ساتھ مخصوص افراد یا گروہ میں دولت کنز بن کر جمع ہو جائے اور اگر ملک میں سے دولت مند حضرات ملک کی دولت میں اضافہ کرنے اور اپنی رفاہیت میں جائز مہتاب پیدا کرنے کے لئے حکومت سے اجازت خواہوں تو حکومت کا فرض ہے کہ وہ مندرجہ بالا شرائط و حدود کے ساتھ اجازت دے تاکہ ازراطہ تفریط سے الگ اس بارہ میں ایسا توازن قائم ہو جائے کہ اربابِ سرمایہ مذموم سرمایہ داری تک نہ پہنچ سکیں۔ اور اجیر و مزدور حیوانوں اور غلاموں کی طرح نہیں بلکہ باہمی اشتراک و تعاون کے ساتھ اپنی معاشی زندگی کو با حسن و جہد حاصل کر سکیں کیونکہ یہ اگر حاصل ہو جائے تو پھر مزدور اور سرمایہ دار کی جنگ کے امکانات خود بخود ختم ہو جاتے ہیں۔

رہے مزدوروں اور غریبوں کے حفظانِ صحت و خوراک و لباس کی آسائش بچوں کی تعلیم وغیرہ معاملات سوان کے لئے اسلام کا ایک ہی فیصلہ ہے کہ حکومت بغیر ابرو و غریب پبلک کا تمام قسم کی جائزاد واجب ضروریات کی کفیل اور ذمہ دار ہے۔

### انفرادی عیش و تنصہم !

یوں تو ہر شخص اپنے روپے پیسے اور ذرائع آمدنی کو انفرادی ملکیت کی بنیاد پر اپنی راحت اور اپنے عیش پر صرف کرنے میں مجاز ہے۔ لیکن اگر یہی اختیار و اجازت حد اعتدال سے نکل کر اس غلط راہ پر پڑ جائے کہ عورتوں میں زیور کی کثرت، زیب و زینت کے لئے گراں قیمت کی اشیاء کی خریداری، فیشن کی دلدادگی اور مردوں میں اسراف و نمائش سے متعلق عام ضروریات انسانی سے الگ خارج از اعتدال تفریحی اخراجات کا ایسا ہمہ گیر شوق و ذوق پیدا ہو جائے کہ قوم کی قوم اس میں مبتلا نظر آنے لگے اور یہاں تک نوبت پہنچ جائے کہ بازاروں میں عام حاجات کی اشیاء کے مقابلے میں بناوٹی حسن اور زیبائش کی اشیاء کا لین دین بڑھ جائے۔ اہل صنعت و حرفت کی نظر ان ہی امور کی دیدہ زیبی اور لطافت آفرینی میں محو اور مصروف ہو جائے۔ تجارت کی تجارت کا فروغ صرف اسی پر رہ جائے۔ مردوں کی محنت کا ثمرہ دولت اسی پر خرچ ہو جانے اور عام ضروریات کی تجارت خام اجناس کی زراعت اور رفاہ عام کی صنعت و حرفت کی سادہ بزاری کی نظر ہونے لگے تو سمجھ لینا چاہیے کہ اس قوم کا اقتصادی جہاز گرداب ہلاکت میں گھر چکا ہے اور آج نہیں تو کل تو اس کے لئے تخت کی جگہ تختہ اور زلفیت و کمخواب کی جگہ ٹاٹ و پلاٹ بھی میسر نہیں آئے گا۔



پس ملک کی ایسی خستہ حالت کو روکنا اور اس کے انفرادی اختیارات کی اس آزادی پر غلطی اور آئینی پابندیاں عائد کرنا اور اس ملک کی اقتصادی زندگی کو تباہی بربادی سے بچانا حکومت کے اہم فرائض ہیں سے ہے اسی لئے اسلام نے اگرچہ ذرائع آمدنی اور آمدنی کی بہت سی مشقوں میں انفرادی حق ملکیت کو تسلیم کیا ہے لیکن ساتھ ہی اس کا منشا اور خواہش یہ ہے کہ اختیار کی یہ باگ اس قدر بڑھ چکی رہے دی جائے جس کی بدولت عام انسانی دنیا اقتصادی بدعالی میں گرفتار نہ ہو جائے اور صرف چند لاکھ انسانوں کی سرمایہ دارانہ عیش پسندی کی مرفیات میں ڈوب کر خدا کی عام مخلوق ہلاکت و تباہی کے گھاٹ اتر جائے۔

لہذا اسلام نے ایسے تمام ذرائع کا سد باب بھی ضروری سمجھا اور اس کی اصلاح کے لئے بھی مختلف قدم اٹھائے جن میں سے بعض کا ذکر شاہ ولی اللہ نے ان سطور میں کیا ہے۔

”اور یہ مرض عجمی تمدن پر چھایا ہوا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں یہ بات ڈالی کہ وہ اس مرض کا اس طرح علاج کریں کہ اس ماسد تمدن کا مادہ ہی ہمیشہ کے لئے منقطع ہو جائے۔ اس لئے آپ نے دیکھا کہ اس تمدن کی زیادہ تر بنیاد مردوں کو طرح طرح کے ریشمی اور حریری لباس کی نزاکت کے ذوق گانے والی عورتوں کے شوق اور سونے کے زیورات کی مہتاب اور چمک دمک کے عشق میں سونے کا سونے کے ساتھ کمی زیادتی کے لین دین پر قائم ہے۔ لہذا آپ نے ان باتوں اور اسی قسم کی دوسری چیزوں کی ممانعت کر دی اور حکم دے دیا کہ اس مصنوعی اور تباہ کن عشق پسندی کو ختم ہونا چاہیئے اور سادہ زندگی کو اختیار کرنا چاہیئے۔“

## زکوٰۃ :

اسلام کے معاشی نظام کا اعتدال یہ حکم دیتا ہے کہ دولت جمع اور ذخیرے کے لئے نہیں ہے بلکہ تقسیم اور گشت کے لئے ہے تاکہ افراد کے درمیان دولت کا توازن صحیح رہے۔

اس سلسلہ میں سب سے اہم قانون زکوٰۃ کا قانون ہے اور اس لئے اس کی ادا صرف رضا کارانہ اصول پر نہیں بلکہ قانون فرض کی شکل پر قائم ہے اور جو لوگ اس فرض کی ادائیگی کو تباہی کرتے اور اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے۔ ان کے لئے قانونی سزا کے علاوہ آخرت کے سخت عذاب سے بھی ڈرایا گیا ہے۔



”اور جو لوگ خزانہ بناتے ہیں سونے اور چاندی کو اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو آپ ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے جس دن کے آگ دھکائیں گے۔ اس مال پر دوزخ کی پھر واغیں گے۔ اس مال سے ان کی پیشانیاں پہلو اور پشت (اور کما جائے گا) اب مزہ چکھو اس مال کے خزانہ کرنے کا۔

(سورۃ توبہ - ۵)

زکوٰۃ کے لغوی معنی طہارت پاکیزگی کے ہیں کیونکہ یہ دولت کو نہیں اور ناپاک سرمایہ داری سے بچاتی، انسان کے دل و دماغ کو نور و تکبر اور تاریکی و ذہنیت سے پاک کرتی ہے اور اپنی محنت کی کمائی میں جماعتی حقوق کا پاک جذبہ پیدا کرتی ہے۔

اسلام نے ارادہ زکوٰۃ کو فرض قرار دے کر حقیقت صاحب ثروت اور نادار انسانوں کے درمیان ایسا صحیح توازن قائم کر دیا ہے کہ اگر مسلمان بحیثیت جماعت اس فرض کو پورا کریں تو ایک جانب مذموم اور مطلق العنان سرمایہ داری کا خاتمہ ہو جائے اور دوسری جانب فاقہ مست اور غافل برباد فقرا اور مساکین کا وجود باقی نہ رہے اور دنیا ئے انسانی کی تمام زندگی میں ایسا اعتدال پیدا ہو جائے کہ موجودہ طبقاتی جنگ اور معاشی رقابت کے نام سے گردہ بندی منقود ہو کر رہ جائے۔ زکوٰۃ کے اہم فرض سے غفلت برتنے والوں کے متعلق وضاحت کرتے ہوئے سورہ برادۃ میں سخت وعید کا اعلان سنایا گیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كَثِيرٌ مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالتَّهْبِئِينَ لِيَأْكُلُوا أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ بِالْبَاطِلِ وَيُصَدِّدُوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ  
الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ  
أَلِيمٍ (توبہ، ۵)

ترجمہ: اے ایمان والو! اہل کتاب کے بہت سے عالم اور درویش لوگوں کے مال ناحق کھاتے اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور جو لوگ سونے چاندی کو خزانہ بناتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے سو ان کو خبر دے۔ دردناک عذاب کی۔

فرضیت زکوٰۃ میں درمصلحتوں کی رعایت پیش نظر رکھی گئی ہے۔  
(۱) تنزیہ نفس (۲) مدنی و اجتماعی حاجات کا انداز۔



تہذیب نفس سے مراد یہ ہے کہ مال بخل و خود غرضی و عصبی عداوت بد اخلاقیات پیش کرتا ہے اور ان بد اخلاقیوں کے انسداد کا بہترین علاج ”انفاق“ ہے۔ اس سے بخل کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ خود غرضی مٹ جاتی ہے اور عداوت عصبی کی بجائے برادرانہ محبت پیدا ہو جاتی ہے اور یہی عصبی محبت ان تمام اخلاقِ کریمانہ کی اساس و بنیاد ہے جو انسان کو حسن معاملات کا شوگر بناتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان اخلاقِ حسنہ کا پیکر بن جاتا ہے اور اسی کا نام تہذیب نفس ہے اور زکوٰۃ مدنی و اجتماعی حاجات کے انسداد کا بہترین علاج ہے اس لئے کہ نظام مدنی اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتا جب تک کہ مضبوط مالی نظام موجود نہ ہو تاکہ اس کے ذریعہ سے مدنی نظام کے اعلیٰ و ادنیٰ اعمال اور رعایا کے مناسب حال حاجات و ضروریات کو پورا کیا جاسکے۔ نیز فقراء و مساکین، یتیم، یتامی، بیوگان اور اسی قسم کے دیگر حاجت مند دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے اور ذلیل در سوا ہونے سے محفوظ رہیں۔ اور حکومت ان کی پوری کفالت کر سکے اور یہ تمام مشترک ذمہ داریاں اسی طرح پوری ہو سکتی ہیں کہ منجملہ دیگر ذرائع آمدنی کے علاوہ حکومت کی آمدنی کا ایک معقول ذریعہ اہل سرمایہ سے وصولی زکوٰۃ کی شکل میں حاصل ہو!

یہی وجہ ہے کہ فطرت و عقل سلیم کے تقاضے کے مطابق اسلام نے اس ٹیکس کو چار اہنات میں تقسیم کیا ہے :

۱۔ اس مال سے زکوٰۃ لی جائے جس میں اور ترقی کی استعداد ہو اور اس کی تین قسمیں ہیں :

(۱) وہ جانور جو چراگا ہوں میں اہناتہ نسل کے لئے پائے جا رہے ہوں۔

(۲) زراعت

(۳) تجارت

۲۔ ان اشخاص سے لی جائے جو شریعت کی نگاہ میں اہل سرمایہ شمار ہوتے ہیں جن کو قرآن عزیز میں نقد سونا یا چاندی رکھنے والے کہہ کر پکارا گیا ہے۔

۳۔ ان اموال میں لی جائے جو لوگوں کو بغیر محنت و تعب کے آسانی سے حاصل ہو گئے ہوں۔

۴۔ اہل صنعت و حرفت کی صنعت و حرفت پر مقرر کی جائے۔

پھر اسلام نے موسمی حالات، اتفاقی حادثات، عام معاشی ضروریات کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کے لئے ایک مدت معین کی مقدار معین کی نیز ضروریات و حاجات عامہ کو اس ٹیکس سے مستثنیٰ کر دیا۔ دنیا کے تمام سچے مذاہب اگرچہ اپنا دین جس کی خدمت اور حاجت مندوں کی اعانت



کی ترغیب و تعلیم دیتے ہیں لیکن یہ اسلام ہی کی خصوصیت ہے کہ اس نے محض تلمیذ و تلمیذ ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ہی ایک سالانہ ٹیکس کا آئین قائم کر دیا جو اس ضروریات کو پورا کرے اور اس کو اس درجہ اہم قرار دیا کہ نماز کے بعد اس کا ہی درجہ رکھا گیا ہے اور قرآن عزیز میں دونوں کو ایک ہی فہرست میں گنا کر اس کو بھی ایمان کی علامت قرار دیا۔

”ہدایت اور بشارت کا پیغام ہے۔ ان کے لئے جو مومن ہیں کہ جن کے ایمان کی علامت یہ ہے کہ وہ نمازیں پڑھتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ (نمل - ۱)“  
 نیز اس بارہ میں اسلام کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس نے فرضیت زکوٰۃ کی علت کو ان صاف الفاظ میں بیان کر کے

”تاکہ یہ نہ ہو کہ مال و دولت صرف دولت مندوں کے گروہ ہی میں محدود ہو کر رہ جائے۔“  
 یہ بھی بتایا کہ معاشی وسائل میں اس کا مقصد وحید یہ ہے کہ دولت سب میں تقسیم ہوتی رہے اور کسی ایک گروہ کی اجارہ داری میں ہو کر ہی نہ رہ جائے۔

زکوٰۃ عام خیرات کی طرح نہیں ہے بلکہ وہ سرکاری انکم ٹیکس کی طرح ایک ٹیکس ہے جو موجودہ ٹیکسوں کے مقابلہ میں زیادہ وسیع ہے یعنی وہ صرف کاروبار کی آمدنی کی کمی ریشی ہی پر واجب نہیں ہوتا۔ بلکہ اس اندوختہ پر واجب ہوتا ہے جس پر سال موجودہ میں کسی آمدنی کا اضافہ تک نہ ہوا۔ بشرطیکہ اس میں نمو موجود ہو۔

بہر حال زکوٰۃ اجتماعی معاشی نظام کا ایک خاص اور اہم مالی جز ہے۔ اسی لئے اس کے وصول کرنے کا حقیقی اور اصولی طریقہ حکومت کے نظم و انتظام کے ساتھ وابستہ کیا گیا اور اس کی تحصیل کا معاملہ حکومت کے ہاتھ میں دیا گیا ہے یعنی حکومت اپنے گورنروں اور تحصیلداروں کے ذریعہ سے اس کو وصول کرے اور سب المال میں داخل کر کے اس کے صحیح مصارف پر خرچ کرے۔  
صدقات واجبہ :

زکوٰۃ کے علاوہ صدقات کی اسلامی اصطلاح اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ اسلام دولت مند سے زکوٰۃ لینے کے بعد بھی اس کو قومی و اجتماعی انفاق کی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں کرتا۔ بلکہ زکوٰۃ کے علاوہ انفاق کے لئے دوسری راہیں کھولتا اور ان کو صدقات سے تعبیر کرتا ہے۔ صدقات کی دونوں ہیں ایک قافلہ اور دوسری واجبہ، پہلی نوع کا تعلق انسان کی انفرادی زندگی سے ہے کہ وہ حسب مرضی جس چیز میں چاہے حصہ لے اور دوسری نوع پھر در حصوں میں



منقسم ہے۔ ایک انفرادی یعنی کسی متمول فرد کا کسی حاجت مند کی حاجت ردائی پر بذات خود خرچ کرنا مثلاً صدقہ الفطر، غریب والدین کا نفقہ، غریب اولاد کا نفقہ، پس اگر کوئی شخص اس انفرادی اتفاق میں کوتاہی کرتا ہے تو امام کو حق حاصل ہے کہ اس کو اس اتفاق کے لئے مجبور کرے۔ دوسرا اجتماعی یعنی زکوٰۃ کی طرح قوم کی اجتماعی اقتصادی حالت کی بہتری اور حاجت مندوں کی امداد کے لئے بذریعہ حکومت خرچ کرنا مثلاً جادار، فاد عام کے اہم مواقع ہر زکوٰۃ عشر اور خراج کے علاوہ ارباب دولت و ثروت سے حسب تقاضا حقوق اجتماعی وصول کرنا۔

### دولت پر زکوٰۃ کے علاوہ حقوق واجبہ کا مطالبہ :

زکوٰۃ کے علاوہ بھی مال پر حقوق واجبہ ہیں اور ان کا جواب اس حد تک اہمیت پذیر ہے کہ اگر کوئی شخص ان حقوق واجبہ سے گریز کرے تو بلاشبہ امام اس کو ادا حقوق پر مجبور کر سکتا ہے۔ اندلس کے مشہور و فقیہ ابو محمد ابن حزمؒ اپنی شہرہ آفاق کتاب الملئ میں تحریر فرماتے ہیں۔ ”ہر ایک شہر کے ارباب دولت پر فرض ہے کہ فقراء اور حاجت مندوں کی حاجت ردائی کا سامان کریں اور اگر نہ کریں تو ان کو اس ادائیگی فرض پر خلیفہ اور امام مجبور کر سکتا ہے اور اگر اموال بیت المال ان کی کفالت کے لئے کافی نہ ہوں۔“ پس ایسی صورت میں ان کی ضروریات کی کفالت سے متعلق از بس ضروری ہے کہ بقاد حیات کے لئے خورد و نوش گرمی اور سردی کے موسموں کے مناسب لباس پہننے کے لئے ایسے مکان کا انتظام ہر فرد کے لئے تمیہ کیا جائے جو بارش، دھوپ، تیش اور سیلاب جیسے حوادث سے محفوظ رکھ سکے۔

ارباب دولت کے اس فرض کے عام ہونے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد مبارک ہے قرابت والوں کو اور مسکین اور مسافروں کا حق۔ نیز اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اس کے لئے برہان ہے اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو اور قرابت والوں، یتیموں، مسکینوں، قرابتی ہمسایوں، اجنبی بڑبڑوں دوستوں، مسافروں اور غلاموں اور باندیوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔

پس یہ آیات ہیں جن سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دولت مندوں پر مساکین، مسافروں اور افراد ملک مین کا حق واجب مقرر فرمایا ہے اور ساتھ ہی قرابت والوں کا حق بھی اور والدین کے اور اہل قرابت مساکین ہمساہ اور افراد ملک مین کے ساتھ حسن سلوک کو فرض کیا اور احسان کا اولین تقاضا ان حقوق کی ادائیگی ہے جن کو ہم نے ابھی خوراک، لباس، رہائش کے سلسلہ میں



بیان کیا ہے اور اس میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ جو شخص ان حقوق کے ادار فرض سے باز رہتا ہے۔ وہ گناہ کا مرتکب ہے۔  
ارشادِ ربّانی ہے :

” اہل جنت دریافت کریں گے تم کو جہنم تک کس عمل نے پہنچایا تو جہنمی کہیں گے  
اس بات نے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور مساکین اور محتاجین کی ضروریات خورد و نوش  
کو پورا نہیں کرتے تھے۔“

ارشادِ رسولِ کرم ہے :

” جو شخص انسانوں پر رحم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر بھی رحم نہیں فرماتا۔“

آپ نے مزید فرمایا جس کے پاس ضرورت سے فاضل سواری ہو اس کو چاہیے کہ جس  
کے پاس سواری نہیں ہے اس کو دے دے اور جس کے پاس اپنی اصل حاجت سے زائد  
خورد و نوش وغیرہ کا سامان ہو اس کو چاہیے کہ زائد اس شخص کو دے دے جس کے پاس سامان  
خورد و نوش نہیں۔ حضرت ابوسعید فرماتے ہیں کہ آپ مختلف اقسام اموال کو شمار کر کے اسی  
طرح فرماتے رہے حتیٰ کہ ہم نے سمجھ لیا کہ حاجت سے زائد مال پر ہمارا اپنا کوئی حق نہیں ہے۔  
حاجت مند کے لئے درست ہے کہ وہ اس مال دار سے لڑ کر زبردستی ضرورت کی مقدار  
مال پر قبضہ کر لے پس اگر اس نے قبضہ کر لیا تو سرمایہ دار مارنے والے پر قصاص آئے گا۔ اگر سرمایہ دار  
اس آدینش میں مارا گیا تو اللہ تعالیٰ کی مہیٹکار کو پہنچا اس سے کہ اس نے اس حق کو ادا کرنے سے  
انکار کیا۔ جو اس کے ذمہ فرض تھا۔ اس صورت میں اس مالدار شخص کا حکم ظالم باغیہ کا حکم ہے چنانچہ  
ان کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

” اور اگر مسلمانوں میں سے ایک فریق دوسرے فریق پر بغاوت کرے تو باغی فریق

سے اس وقت تک جنگ کرتے رہو کہ وہ خدا کے حکم کی وفا پر آ جائے۔“

اور ظاہر ہے کہ صاحب حق کے مقابلہ میں حق و فرض کا منکر باغی ہے۔

غرض اسلام نے جن بنیادی حقوق کا اعلان کیا ہے اور نظام عمل میں جس طرح اس کی تشکیل کی  
ہے۔ عام بحالی کے انسداد، طبقاتی جنگ کے سد باب اور رفاہیت عام کے قیام کے  
لئے اس سے بہتر حل اور کیا ہو سکتا ہے۔ اسلام کے پیش کردہ حل میں نہ طبقاتی جنگ کے وجود پذیر  
ہونے کا اندیشہ ہے نہ دولت و غربت کے درمیان موجودہ تضاد کی صورت صفحہ شہود پر آ سکتی ہے۔



## قانون وراثت

مذموم سرمایہ داری اور اکنائز کی ایک بدترین شکل یہ ہے کہ دولت ایک جگہ جمع ہوتی رہے اور مرنے کے بعد بھی وہ ورثہ میں تقسیم نہ ہو بلکہ اسٹیٹ کی شکل میں ایک ہی جگہ محفوظ رہے۔ موجودہ زمانے کے تعلقے اگر ورثہ میں تقسیم ہوتے رہتے تو آج ایک تعلقہ بھی نہ ہوتا اور ایک ریاست بھی نظر نہ آتی بلکہ تقسیم ہو کر دولت کے یہ خزانے ہزاروں لاکھوں بلکہ کروڑوں انسانوں کے درمیان چلتی پھرتی چھاؤں کی طرح نظر آتی۔ ریاست اور تعلقہ کا یہ مذموم طریقہ جو سرمایہ داری کی اصل بڑ ہے۔ اسلام سے پہلے بھی دوسری اقوام میں رائج تھا۔ اور آج بھی دنیا کے اکثر حصوں میں رائج ہے۔ اس لئے اسلام کے انقلابی پیغام دوسری اصلاحات کے ساتھ ساتھ اس میں بھی اصلاح کا فیصلہ کیا اور اس قدیم طریقہ کو اقتصادی تباہی کا پیش خیمہ بتایا۔ اس کو مٹا کر اس کی جگہ قانون وراثت کو قائم کیا۔

اسلام نے تمام اقوام کے ترقی پذیر اقتصادی نظریات اور سرمایہ دارانہ سسٹم کے خلاف صدیوں پیشتر اعلان جہاد کیا۔ قانون وراثت کے ذریعے تقسیم دولت کی راہ کھول دی :

”مردوں میں مال میں حصہ ہے جو مال باپ اور رشتہ دار چھڑیں۔ بھڑا ہوا بہت اس میں خدا کا مقرر کیا ہوا حصہ ہے۔“ (سورۃ نساء - ۲۰)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی کتاب کے مطابق اپنا مال ان لوگوں میں تقسیم کرو جن کا حق مقرر کر دیا گیا ہے۔

اسلامی قانون وراثت میں تقسیم دولت کا جو طریقہ ہے وہ ایسا معقول اور مدبرانہ ہے کہ اگر صحیح طور پر اس کو اختیار کیا جائے اور سوسائٹی میں اس کا رواج عام ہو جائے تو نہ اس سے سرمایہ دارانہ دولت پیدا ہونے کا امکان باقی رہتا ہے کہ جس سے تعلقہ اور اسٹیٹ بنتے ہیں اور نہ افراد و اشخاص کے درمیان افلاس و فساد کشی کو فروغ حاصل ہو سکتا ہے اور ایک کے ہاتھ سے نکل کر دوسرے کے ہاتھ میں پہنچتے رہنے کی وجہ سے کم و بیش ہر ایک فرد کو فائدہ بخشتے رہتے ہیں۔

مفکر اسلام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ پر نہایت اور لطیف مقالہ ”حجۃ اللہ ابانہ میں“ الفرائض کے عنوان سے لکھا ہے جو ناقابل مراجعت ہے۔ اس مقالہ کی تمہید کے چند جملوں کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

”خود کو بلاشبہ عقل و حکمت کا تعاقب نہ کرے کہ انسانوں کے درمیان یہ طریقہ لازمی اور ضروری ہونا چاہیے کہ اہل قبیلہ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کریں۔ درود مندی



وہی خواہی کا ثبوت دیں اور ایک دوسرے کے نفع و نقصان کو اپنا ذاتی نفع و نقصان سمجھیں اور یہ بات ایسی خلقت اور جبلت کے بغیر ناممکن ہے جس کی پشت پر اس کو مضبوط بنانے کے لئے خارجی اسباب اور اس کو محفوظ رکھنے کیلئے سنت متواتر موجود ہو۔ یہاں جبلت تو اس تعلق کا نام ہے جو باپ بیٹے بھائی بھائی کے درمیان موجود ہے اور اسی طرح دو یا چند عزیزوں کے درمیان ہوا کرتا ہے۔

اور اسباب خارجی، باہمی الفت، راہنمائی، ہنگامی اور سہمدی وغیرہ کا نام ہے اور سنت ان امور کو کہتے ہیں کہ جن کو شریعت کی زبان لوگوں میں رشتہ اخوت پیدا کرنے کے لئے ضروری قرار دیتی ہے کہ صلہ رحمی ضروری اور فرض ہے اور ایسا نہ کرنے والا گنہگار ہے مگر جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ بعض انسانی طبائع برے خیالات اور ہیودہ افکار کے پیچھے لگی رہتی اور صلہ رحمی جیسے عمدہ اوصاف کے خلاف بغاوت کرتی ہیں تو ایسی حالت میں اس بات کی ضرورت ہوتی کہ اس قسم کے امور کو ضروری قرار دیا جائے اور لوگوں کے قبول و انکار سے بالاتر ہو کر ان پر لازم کر دیا جائے۔ مثلاً عیادت مریض مصیبت زدہ کی گلو خلاصی اپنے ذی رحم محرم کو غلامی سے نجات دلانا وغیرہ اس قسم کی معاشرت و نفرت کا سب سے زیادہ اتحقاق اس وقت ہو جاتا ہے جب انسان موت کے کنارے کھڑا ہو۔ اور مال سے بے پرواہ ہو جائے اس لئے کہ ایسے وقت میں اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے مال کو یا اپنی ذاتی معاشرتی اور متری مفید کاموں پر زیادہ سے زیادہ صرف کرے اور پھر اپنی موت کے بعد اپنے اقرباء کے لئے چھوڑ جائے اور اس طرح ان کی اعانت و مدد کرے بہر حال تقسیم دولت کا یہ ایک بہترین طریقہ ہے۔

الغرض سے اسلام نے ایک جانب تو انفرادی ملکیت کو تسلیم کیا اور دوسری جانب اس میں ایسی شرائط اور حدود لگا دیں کہ کسی وقت بھی یہ انفرادی ملکیت اجتماعی معیشت کے لئے موجب تباہی و بربادی نہ ہو سکے۔



## جدید اور اسلامی معاشیات کا موازنہ

*Comparison of Modern and Islamic Economies*

گزشتہ چند ابواب میں مختلف معاشی نظاموں کا تعیناتی ناقدانہ جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ ہر نظام کی خرابیوں اور خامیوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ موجودہ دور میں اکثر ممالک سوشلزم اور کمیونزم کی گور میں لپکے کی کوشش کر رہے ہیں چونکہ سرمایہ دارانہ نظام کو اب فرسودہ خیال کیا جا رہا ہے اور لوگ اس کے مظالم سے تنگ آکر دوسرے نظاموں میں اپنی خلاصی کر دیتے ہیں۔ اسلامی نظام پر عمل درآمد نہیں کیا جا رہا ہے اور مسلمانوں نے اسے نہ صرف نظر انداز کر دیا ہے بلکہ اس کے ساتھ پیوند کاری بھی ایک گروہ کرنے لگا ہے۔ اس باب میں مروجہ نظاموں کا آپس میں مقابلہ کیا گیا ہے تاکہ بہتر اور مکمل نظام پر پوری دلجمعی سے عمل کر کے اپنے دکھوں کا مداوا کیا جاسکے۔

سید فصاحت ہمدانی نے اپنے مضمون ”معاشی مسائل کا اسلامی حل“ میں ان نظاموں پر خوب تبصرہ کیا ہے۔ ان کے خیالات ملاحظہ فرمائیں۔

” (معاشی) جدوجہد میں حصہ لینے والوں کے دو طبقے ہیں۔ ایک تو وہ جو مادہ پرست ہیں اور دوسرے روحانیت کے قائل ہیں۔ مادہ پرستوں کا ارتقاء غالباً اس دور سے ہوتا ہے جب بنی اسرائیل کے لیے من و سلویٰ نازل ہوا تھا اور وہ لوگ اخلاقی پستی کے کھڑے جاگڑے تھے۔ وہ غیر متوثق مصائب میں گھر جانے کے باوجود خدا کے وجود سے منکر نہ تھے اگرچہ بعض منکرین خدا کے وجود کے قائل نہ تھے انہوں نے عجیب و غریب ملحدانہ نظریات پیش کیے اور ان نظریات نے انسانوں کی فکر کو بدل ڈالا وہ خدا پر غور کرنے لگے یہاں تک کہ بہت سے بہک گئے۔ پھر ڈارون نے ایک نظریہ پیش کر ڈالا کہ انسان کی اصل بندر ہے اور وہ ترقی کی منازل سے گزر کر انسان بنا ہے۔ اس کی بدولت انسان کے معاشی اور سماجی معاملات میں کشمکش جاری ہوئی۔

مشہور ماہر نفسیات ڈاکٹر میکڈوگل کہتا ہے کہ انسانی اعمال و افعال کی ذمہ داری اس کی جبلتوں پر ہے۔ عقل بھی جبلتوں کے تابع ہے یوں انسان فکر معاش کا مسئلہ جبلت کا مرکب ہونے منت ہے اور اس میں اخلاقی قدروں کی کمی ہی نہیں بلکہ فقدان ہے۔

فرائیڈ اور بھی اگے نکل گیا تو کہنے لگا کہ انسان جنسی جذبات کی تسکین کے لیے سب کچھ کرتا ہے یعنی مذہب، اخلاقیات، علم و فکر سب ہی جنسی جذبہ کی تسکین کی خاطر ہیں۔ یعنی جنسی جذبہ کو ان سب



سے سکون ملتا ہے یوں اخلاقی قدروں کی وقعت ہی ختم ہو کے رہ گئی۔

کارل مارکس نے مذہبی تصور کو افیون کی گولی سے تعبیر کیا جو انسان کو بے حس اور بے عمل بنا دیتی ہے۔ اسے ترقی کی منزلوں سے روکتی ہے۔ مارکس کی تعلیم کالب لباب یہ ہے کہ خدا کو جنت سے اور امارت کو زمین سے نکال دو۔ یہ بادی تصور ہے جس میں مارکس کا نظریہ حیات پنہاں ہے۔ کہ وسائل معاش کی ترقی ہی وہ چیز ہے جو لوگوں کے باہمی تعلقات پر اثر ڈالتی ہے کیونکہ ہر شخص زیاد سے زیادہ وسائل پر قبضہ جمانا چاہتا ہے۔

اس کے بعد آج کا دور آتا ہے جس میں سرمایہ دارانہ نظام اور کمیونزم (اشتالیٹ) ہے۔ ان کے بن بن ایک گروہ دونوں نظاموں سے کچھ خوبیاں تلاش کر کے ان پر چل رہا ہے۔ کمیونزم میں شخصی آزادی کو کوئی اہمیت نہیں۔ اور وہ معاشرہ اجتماعی طور پر فلاح و بہبود کے لیے گامزن ہوتا ہے۔ اس میں چونکہ ہر شخص کی صلاحیتیں برابر مان لی گئی ہیں اور یوں اخلاقی اقدار پامال ہو گئیں۔ اس نظام میں جبر اور سختی ہے۔ رضامندی نہیں۔ اس میں مل جل کر جو ترقی حاصل کی جاتی ہے۔ وہ قابلِ تعریف ہے۔ یہاں استعمال کے بعد فاضل چیز غیر ترقی یافتہ ملکوں میں کام آتی ہے۔ مگر سন্দوہی ہے کہ اخلاقی اقدار پامال ہو جائیں تو انسانیت ختم ہو جاتی ہے۔

انسان سرمایہ دارانہ نظام میں سرمایہ کا پرستار ہو جاتا ہے۔ سرمایہ دار کا رو بار کرتا ہے شور کا لین دین ہوتا ہے۔ ملک کی دولت غلط طور پر تقسیم ہوتی ہے۔ موجودہ تجارت اور اس کے اثرات کے بارے میں پروفیسر جس ہاروے رابنس کے الفاظ میں سرمایہ دارانہ نظام کی خرابی نظر آتی ہے۔ وہ کہتا ہے (جدید تجارت نے نسل انسانی کے خوش نصیب طبقہ کے لیے ایک قسم کی جنت بنا دی ہے جس پر جنگ کا بڑا اثر پڑا اور جسے بہت سے لوگ اس کے سابقہ حسن بلکہ وقت کی تبدیلی کے ساتھ اس سے زیادہ حسین و جمیل دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ یہ ایک عجیب انسانی کامیابی ہے۔ تجارت قریب قریب ہمارا مذہب بن گئی ہے۔ حکومت اس کا اس طرح تحفظ کرتی ہے جس طرح کلیسا کا کوئی رومی شہنشاہ اور فردوسِ وسطیٰ کے شہزادے بچاتے تھے)۔

اس نظام میں دولتِ خوش ہے اور دوسروں سے بے نیاز ہے یوں بہرہ ریزی کا جذبہ بٹ جاتا ہے۔ بہرہ ریزی مٹی تو اخلاقی برائیوں نے قبضہ جمایا۔ اور یوں سرمایہ دارانہ نظام اور کمیونزم باطل ہو گیا۔ یہ ان دونوں نظاموں کا قصور ہے کہ دولت مند اقوام پسماندہ اقوام کو ان کی محبت، ایمان اور رضامندی حاصل کرنے کے لیے اپنی پیادار سے بچا ہوا دے کر خوش کر دیتی ہیں۔ اور حقیقت میں یہ غلامی ہے۔ انسان







گویا ان کے خیال کے مطابق مذہبی عبادات کو انسان کے معاشی کاروبار سے کیا تعلق و سرکار ہو سکتا ہے۔ یاد رہے یہ سمجھتے ہوں کہ مذہب محض ایک پرسنل (ذاتی) اور شخصی مشغلہ کی حیثیت رکھتا ہے اگر اس صورت میں چاہے تو ہو سکتا ہے مگر زندگی کے مجموعی اور عمومی شعبوں میں اس کی دخل اندازیوں کو برداشت نہیں کیا جاسکتا۔ جیسا کہ آج کل کے مغرب زدہ چند افراد یہی کہتے ہوئے سنے گئے ہیں۔ ان کے سامنے مذہب کوئی اہمیت اور وقعت نہیں رکھتا۔ اور انہی لوگوں نے قوموں کی زندگیاں تباہ و برباد کی ہیں۔ جن کے ناقص ذہن مادیت کے سحر کسی پر ایمان نہیں رکھتے۔

ایک ماہر نقاد نے سرمایہ داری پر ان الفاظ میں ضرب لگائی ہے۔

”و سرمایہ داری کے طوفان بے پناہ نے ہر طرف وہ سراسیمگی پیدا کر دی تھی کہ اچھے اچھوں کے تدم اکھڑ جاتے تھے۔ دولت و افلاس، ثروت و فلاکت، ترقی و تباہی اور آبادی و بربادی کے محیر العقول تضاد نے بے شمار ایسے مسائل پیدا کر دیئے تھے جن کا حل مجھ میں نہ آتا تھا۔“

(اسلامی معاشیات۔ مولانا مناظر احسن گیلانی)

حقیقت یہ ہے کہ اشتراکیت معاشی نظام نہیں بلکہ قدرت کا انتقام ہے۔ کیونکہ یہ سب کو ایک ہی لالچی سے ہانکتا ہے۔ اور جب سرمایہ داری کے سہام تم جو اس قدر بڑھ گئے کہ لوگوں کا جینا و دہر ہو گیا تو ایک انقلاب سے اسے تتر بتر کر دیا گیا۔ دماغی اور جسمانی محنت کی اجرت یکساں ہونی چاہیے۔ (اصول معاشیات) عمال حکومت کی اجرت ایک کاریگر سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے۔ ایک قسم کی خیر فطری تقسیم ہے۔

”سنگ نے [اصول معاشیات] میں اس طرح تندرہ قلمبند کیا ہے۔

”بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اگلوں کا بالجبر تشدد، جیسے اگلوں نے روار کھا تھا۔ صرف زبان اور قلم

ہی کے تشدد تک محدود تھا۔ لیکن پھلوں نے تو پچاتیوں پر چڑھ چڑھ کر تلواروں کی دھار سے اپنے اس غیر فطری فعل میں کامیاب ہونے کی کوشش کی۔ بلکہ صحیح سمجھا جانے یا غلط۔ مگر دنیا میں آزدوں سے دستبرداری کی دعوت دیتے ہوئے کسی زکشی شکل میں آئندہ زندگی ہی میں ہی۔ اگلوں نے ان خواہشوں کی تکمیل کا وعدہ بھی کیا تھا۔ مگر دستبرداری کی اس پچلی کوشش میں توسعی کرنے والوں نے اس وعدہ کی مسرت کو بھی خواہ وہ خیالی ہی کیوں نہ ہو اس سے بھی محروم کر دیا۔

اور میری سمجھ میں تو آج تک یہ بھی نہیں آیا ہے کہ قدرتی قوانین کی جس جنگ نے بالآخر سرمایہ داری کے جہنم میں نسل انسانی کو رکھ لیا تھا۔ اس میں اور یہ جنگ، جو اب لڑی جا رہی ہے اور وہ صفائی و کمالات



تفاوت سے پیدا شدہ مراتب و مدارج کے اختلاف سے ہو رہی ہے ان دونوں میں نتیجہ کے اعتبار سے کیا فرق ہے ؟

سرمایہ داروں کا تو صرف یہی ظلم تھا کہ سب کو نہیں، بلکہ اولادِ آدم کے صرف ایک حصہ کو غربت کی زندگی گزارنے پر انہوں نے مجبور کر دیا تھا۔ لیکن جنہوں نے یہ دیکھ کر سب چونک کر امیر نہیں بن سکتے، اس لیے سب کو غریب بن جانا چاہیے۔ اس اصول کو طے کر کے انہوں نے تو بچائے بعض کے بزرگ و شہیر، سب ہی کو غریب بنانے کا تہیہ کر لیا ہے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ سرمایہ داری کے نظام میں نادار بن کر جیتنے کا موقع آدم کے جن بچوں کو حاصل تھا۔ سرمایہ دشمنی کے اس نظام میں تو ان بد نصیبوں کو جیتنے کے اس حقوق سے بھی محروم کر دینے کی آج دھمکیاں دی جا رہی ہیں۔ یا ہو سکتا ہے کہ کہیں محرم کرنے کا یہ مخوس کاروبار شروع بھی ہو گیا ہو اور میدانِ جنگ کا جو نقشہ بنایا گیا ہے۔ اس کا تو یہ لازمی نتیجہ ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ہر شخص کو صرف اس کی احتیاج کے مطابق ہی دینا چاہیے اور ہر شخص سے بقدر استطاعت کام لینا چاہیے۔

(اسلامی معاشیات - مناظر احسن گیلانی)

اسلام مکمل نظامِ حیات ہے جس کی بنیاد اللہ اور تسلسلِ زلیٰ یعنی موت کے بعد کی زندگی، اچھے اور بُرے اعمال کی جزا و سزا پر ایمان ہے۔ جنابِ رسالتِ ہمارے ہادی و مرہرِ اعظم ہیں جو سب نبیوں اور رسولوں کے سراج ہیں۔ جن پر نبوت ختم ہو گئی۔ کیونکہ آپ نے اس کا حق ادا کر دیا۔ قرآن پاک اس دین کی کتابِ ہدایت ہے۔ اسلامی نظام کے برعکس سوشلزم کا باطل نظام ہے۔ یہ بھی مکمل ہونے کا دعویٰ دار ہے۔

محمد بیو دی کارل مارکس اس کا بانی تھا۔ اس کی کتاب ”سرمایہ“ سے ہدایت تو کجا البتہ گمراہی ضرور ملتی ہے۔

اسلام کی رو سے انسان اشرف المخلوقات ہے۔ اور روئے زمین پر نایاب ہے اسے عقل و شعور سے سرفراز کیا گیا۔ اس کے اندر روحِ چوکی گئی اشیاء کا علم دیا گیا کائنات کی قوتیں اس کی خاطر منحصر کر دی گئیں ہر انسان اپنے افعال کا جواب دہ ہے اسے وہی ملتا ہے جس کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے خلاف اشتراکیت میں انسان محض حیوان ہے اس کی ضروریات فقط خور و نوش، رہائش اور تن ڈھانپنے تک محدود تک ہیں وہ آزادی سے کوئی فیصلہ خود نہیں کر سکتا کیونکہ اس نظام میں فرد کی کوئی اہمیت نہیں۔ انسانوں کو ریوڑوں کی طرح ہانکا جاتا ہے۔ اوقاتِ کار اجرت، پیشہ و غیرہ تک مقرر۔ سوچ پر پیرے، اندازِ فکر پر پابندی، کلام پر قدغن عمل سکھنے میں، غیرت، حریت خود داری، پاسداری، ذہنی، اخلاقی، روحانی ترقی ایسے الفاظ سوشلسٹ نظام میں شرمندہ معنی نہیں ہوتے۔ خاندان باہر جانے تو نو جوان رفیقہٴ حیات اس کی سلامتی کے لیے دعا گو۔ بوڑھی بیوہ کا جوان سال لخت جگر دہلیز سے باہر قدم رکھے تو والدہ کے دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے۔



کیونکہ ہمہ وقت قید و موت کا خطرہ لاحق رہتا ہے۔

اسلام نے مختلف متضاد معاشی نظاموں کے برعکس راہِ اعتدال اختیار کی ہے۔ وہ فرد کو پورے شخصی اور فطری حقوق دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی تقسیم دولت کا توازن بھی قائم رکھتا ہے۔ ہر شخص کو ملکیت رکھنے اور اپنے مال میں چند حدود و قیود کے ساتھ تصرف کا حق بھی بخشتا ہے۔ اقتصادی زندگی میں ہر فرد کا مفاد اور تمام افراد کا اجتماعی مفاد ایک دوسرے کے ساتھ گہرا ربط رکھتا ہے۔ اس لیے دونوں میں مزاحمت کی بجائے موافقت و معاونت ہونی چاہیے۔ اسلام کا مقصد ہے کہ جماعت کے تمام افراد کی اقتصادی ضروریات پوری ہوں۔

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی نظامِ معیشت ہی ایسا ہے جو معاشرے میں توازن برقرار رکھتا ہے بمعاشیات کا ایسا حل پیش کرتا ہے جس سے ہر فرد خوش و خرم رہ سکے۔ اور اس کی بنیادی ضروریات خود بخود پوری ہوتی رہیں۔ زندگی میں بعض لمحات ایسے بھی آتے ہیں جب انسان فاقہ کشی کے باعث انسانیت و رحمانیت تک کو فراموش کر دیتا ہے اور وہ بغاوت و سرکشی پر اتر آتا ہے کیونکہ *A hungry man is an angry man*، یعنی ایک بھوکا آدمی، ناراض شخص کے مترادف ہوتا ہے۔ مگر اسلام ایسی تدابیرِ عمل میں لاتا ہے کہ ایسی نوبت تک نہیں آتی۔ کیونکہ یہ سچا، مکمل اور خدائی مذہب ہے۔ یہ اخلاقی اقدار کی نہ صرف پابندی کرتا ہے بلکہ ان کی محافظت کا سامان بھی کرتا ہے۔ اسلام معاشی مسئلے کو انسان کی فلاح و ترقی کی خاطر ثبوی اہمیت دیتا ہے۔ اس نظام کا مقصد لوگوں کو رب تعالیٰ کی مرضی پر چلانا ہوتا ہے۔ اور اس کی ان گنت عطا کردہ نعمتوں کا صحیح اور جائز استعمال ہے۔

”اس شخص نے فلاح پانی جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کر لیا۔ وہ نامراد ہوا جس نے اسے دبا دیا۔“ (قرآن) یعنی بنیادی مسئلہ تزکیہ نفس ہے جس کی بے شمار مثالیں انبیاء کرام کی زندگی میں ملتی ہیں۔ اسلام میں اعمال کی بنیاد پر جزا و سزا کا تصور پایا جاتا ہے اور موت کے بعد زندگی کا یقین بھی ہے۔ اس سے انسان میں خوفِ خدا راسخ ہوتا ہے اور وہ خود اپنا محاسبہ کرنے کی عملی سعی کرتا ہے۔ اسلام سرمایہ کی غلط تقسیم کا حامی نہیں ہے۔ اور نہ ہی وہ فخر ب اخلاق حرکات و سکنات کی اجازت دیتا ہے۔

انسان روزی کمانے اور دولت سیٹھنے کی دھن میں سرگرداں پھرتا ہے مگر اسے معلوم نہیں کہ روزی رساں تو رب تعالیٰ کی ذاتِ کرامی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔



وَلَكِنْ يَنْزِلُ بِقَدَرِ مَا يَشَاءُ (پ ۲۵ : ۲۷) اور یکن نازل کرتا ہے وہ (اس رزق کو) اس پیمانے پر جس پر چاہتا ہے۔

قدرت ایک خاص پیمانے کے ذریعے رزق عطا کرتی ہے۔

مزید سورۃ الحج میں یوں فرمایا گیا ہے: وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَ خَزَائِنِهِ وَمَا نُنْزِلُكَ إِلَّا بِقَدَرٍ مَعْلُومٍ۔ کوئی چیز نہیں ہے مگر اس کے خزانے ہمارے پاس ہیں اور انہیں نازل کرتے رہتے ہیں۔ ہم ان کو۔ مگر ایک مقررہ پیمانے پر۔

اسی طرح ایک اور مقام پر اس امر کی نشاندہی کی گئی ہے۔ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا۔ اور نہیں ہے کوئی چنے والا مگر اس کی روزی کی ذمہ داری خدا پر ہے، جانتا ہے اس کی قیام گاہ کو بھی اور جہاں سونپا جائے گا۔ اس کو بھی (جانتا ہے)۔

اسی طرح ایک اور جگہ بھی فرمایا گیا ہے۔ ”اور کتنے چنے پھرنے والے ہیں کہ نہیں لادتے پھرتے میں اپنی روزی کو۔ اللہ ہی روزی پہنچاتا ہے۔ ان کو بھی اور تم کو بھی۔ وہی سننے والا اور وہی جانتے والا ہے“ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کا امتحان بھی لیتا ہے۔ اس لیے کبھی رزق میں کشادگی کرتا ہے اور کبھی تنگی کی حالت سے واسطہ پڑتا ہے۔ چنانچہ قرآن مقدس میں بیان کیا گیا ہے کہ:-  
(اور اپنی دو آنکھیں نہ اٹھاؤ ان کی طرف جنہیں جوڑے جوڑے کی شکل میں ہم نے نعمتیں بخشی ہیں۔

یہ سب پست زندگی کی تازگی ہے تاکہ ہم امتحان لیں)

اسی طرح اس مضمون کو ایک اور جگہ پر فرمایا۔ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعَتْ بِهِ آزْدًا وَجَارِئَتْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ۔ اور اپنی دونوں آنکھوں کو نہ اٹھاؤ ان چیزوں کی طرف جن سے جوڑے جوڑے رنگارنگ کی شکل میں ہم نے لوگوں کو مسر فرما دیا اور نہ ہی اس پر غم کھانا۔ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضُكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ۔ اور نہ آرزو کیا کرو اس چیز کی جس کی وجہ سے خدا نے بعض کو بعض پر برتری عطا کی ہے۔

رسول مقبولؐ نے فرمایا: من حس اسلام المرء ترك ما لا يعنيه۔ آدمی کے لیے اسلام کی خوبی کی دلیل یہ ہے کہ لا حاصل اور بنے بیچ باتوں کو ترک کر دے۔  
بلکہ یہاں تک کہہ دیا گیا ہے۔



”دنیا سے تیرے لیے یکانی ہے جس سے تیری بھوک کا ازالہ ہو جائے اور جس سے تیری ستر پوشی ہو جائے اور ان ہی کے ساتھ اگر کوئی ایسی چیز بھی تجھے مل گئی جس کے سائے میں تُو (کسی کا گھر) تو پھر یہ تو ہے ہی، اسی کے ساتھ اگر کوئی سواری بھی تجھے مل جائے تو پھر کیا کہنے؟“ (کنز العمال) سورۃ طہ میں کہا گیا ہے: **وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقٰی**۔ تیرے مالک کی روزی تیرے لیے خیر بھی ہے اور زیادہ باقی رہنے والی بھی ہے۔

آنحضورؐ کی بخاری و مسلم کے حوالے سے جو حدیث ملتی ہے۔ فرمایا ”تم میں سے جس کی نظر ایسے آدمی پر پڑے جسے مال و دولت میں اس پر برتری عطا کی گئی ہو تو چاہیے کہ دیکھے اس وقت ان لوگوں کو جو مال و دولت کے حساب سے اس سے نیچے ہوں“

ایک نہایت اہم امر کی نشاندہی اس طرح کی گئی ہے۔ کہ انسان اپنی ضرورتوں کو خدا کے حضور میں پیش کر سکتا ہے۔ چنانچہ ترمذی کی حدیث میں ہے

(جس شخص پر فاقہ کی مصیبت نازل ہو اگر اپنی اس حاجت کو لوگوں کے پیش کرے گا تو اس کی حاجت پوری نہ ہوگی۔ مگر وہ جس پر فاقہ کی مصیبت نازل ہوئی اور اپنی اس حاجت کو اس نے خدا کے سامنے پیش کیا تو قریب ہے کہ دیر یا سویر اس کے پاس روزی پہنچ کر رہے گی)۔

مگر صد افسوس ہے کہ آج کے مسلمان نے اسلامی تعلیمات کو فراموشی کی بوکھڑ میں ڈال دیا ہے۔ غیرو کے در پہ جہیں سائی کرتا ہے۔ اور دیر یوزہ کا دم بھرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی ضروریات کی تکمیل نہیں ہو پاتی۔ اگر صحیح طور پر احکام محمدیؐ اور ارشادات قرآنی پر عمل کیا جائے تو تمام مصائب و مسائل بہتر طور پر حل ہو سکتے ہیں۔ بالفاظ دیگر انسان توکل کو اپنا شعار بنائے اور اللہ پر بھروسہ کرے کیونکہ:-

**رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ اللَّهُ** کے سوا مشرق و مغرب کا اور کوئی پالنے والا نہیں ہے۔

سورۃ کہف میں یوں ارشاد ہوتا ہے۔

ترجمہ:۔۔ اور رو کے رکھواپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ جو اپنے مالک کو صبح و شام پکارتے ہیں۔ ان لوگوں نے رب کے وجہ (ذات) کو مقصود بنالیا ہے اور اپنی دونوں آنکھوں کو نہ ہٹاؤ ان سے۔ کیا مقصود بنانا چاہتے ہو۔ پست زندگی کے بناؤ سنگار کو، اور ان لوگوں کی اطاعت نہ کرنا جن کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل بنا دیا ہے۔ اور وہ پیچھے لگ گیا ہے وہ اپنی ہوا (من مانی) کے اور ہے بات اس کی حد سے گزری ہوئی۔



اس میں صبر کی ٹینیوں کو مٹانے کی ایک تدبیر بتائی گئی ہے۔ جن لوگوں نے اپنی زندگی کا نصب العین یہ قرار دے رکھا ہے۔ کہ اس لپست زندگی کی زیب و زینت، آرائشوں اور آسائشوں کے حاصل کرنے میں اپنے آخری سانس بھی پورے کریں گے ان کے بارے میں قرآنی قانون اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ ط اور جو اس کمتر زندگی کو مقصد بنا لیتا ہے اور اس کی زینت کو پورا کرتے ہیں ان اعمال کو اس میں اور نہیں کمی کی جاتی ہے، دینے میں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ حیات دنیا اور اس کی آرائش زیبائش کی تحصیل میں جو لوگ محو و مشغول ہو جاتے ہیں اور ساری توانائی کو اسی مقصد کی خاطر صرف کر دیتے ہیں انہیں اپنے عمل کے نتائج سے محروم نہیں رکھا جاتا۔ یاد رہے جائز حد تک آرائش و سجاوٹ کی اجازت ہے۔ ان لوگوں کے بارے میں بیان کیا گیا ہے۔

”یہی وہ لوگ ہیں کہ ان کے لیے آخرت میں نہیں ہے مگر صرف آگ۔ اور نہیں نہیں ہو کر رہ گیا جو کچھ کیا دھرتا تھا۔ انہوں نے دنیا میں اور بے نیچی ہو کر رہ گیا جو کچھ انہوں نے کیا تھا“ اس کے بعد رب تعالیٰ نے صبر کرنے والوں پر نعمت کا ذکر کیا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ۔ یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اور مزید فرمایا۔ اُولٰٓئِكَ عَلٰیہُمْ سَاوَاتُ مِّنْ رَبِّہِمۡ وَرَحْمَةٌ وَّ اُولٰٓئِكَ ہُمُ الْمُصْتَدُوْنَ۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے صلوات نازل ہوتے ہیں اور رحمت اور یہی ہیں جنہوں نے راہ پائی۔

اِنَّہَا یُوَفّٰی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَہُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ۔ اس کے سوا کوئی دوسری بات نہیں کہ صابر وں کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جاتا ہے۔

اسلام میں اشیاء کے استعمال کی اجازت ہے۔ کیونکہ یہ انسان کے مفاد کی خاطر پیدا کی گئی ہیں چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے ”پاک اور حلال چیزیں کھاؤ“ (مائدہ) مگر اسراف و تبذیر سے روکا گیا ہے۔ ”کھاؤ، پیو مگر اسراف نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ مسرفین کو پسند نہیں کرتا“

زیادہ دولت اکٹھی کرنے سے سکون حاصل نہیں ہو سکتا۔ اگر ایسا ہوتا تو دولت مند ممالک امریکہ، برطانیہ، کنیڈا، روس وغیرہ مطمئن ہوتے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ وہ بھی اضطراب اور پریشانی کے



چکر میں پھنسے ہوئے ہیں۔ یہ اللہ کی دین ہے۔ ایک جھونپڑی والا اس نعمت مقررہ سے فیض یاب ہو سکتا ہے۔ اور وہ طمانیت و راحت قلبی کی نردست لازوال سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔ سونے کی جھنکار اور زر کی فنکار کی وادی میں کھیلنے سے یہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ دولت مند طبقہ اس سے نالاں نظر آتا ہے۔ یہ دردناک داستان انہی کی زبان سے سینے۔ شاہ دولت (راک فیلر) سے متعلق یہ لطیف نقل کیا جاتا ہے کہ کسی مجلس میں کامیابی کے عنوان پر بحث ہو رہی تھی۔ اس نے فوراً اٹھ کر تقریر کی:-

”کیا ان کی مراد کامیابی سے دولت کمانا ہے کیا اسی کا نام کامیابی ہے؟ میں کہتا ہوں اور مجھے کہنے کا حق ہے کہ سب سے بڑا مفلس وہی ہے جس کے پاس اس کے سوا اور کچھ نہ ہو۔ میں کہتا ہوں کہ اگر مجھے ابتداء ہی میں اس کا اختیار دیا جاتا کہ کس قسم کی زندگی چاہتا ہوں تو میں اپنے لیے یہ اختیار کرتا کہ میرے پاس کچھ نہ ہو، یا ہو تو بہت تھوڑا، بقدر ضرورت ہو لیکن اس کے ساتھ مجھے بتا دیا جائے کہ میرے جینے کا مقصد کیا ہے؟“ (الہلال، مصری)

ان اعترافات کی گہرائی میں نفسیاتی کیفیات و حالات کے علاوہ اور کونسی اہم شے پوشیدہ ہے۔ اس کے بعد سورہ نمزہ کے ترجمہ کا ایک کچھ ملاحظہ فرمائیے۔

”وہ جو مال جمع کرتا ہے اور گنتا ہے اسے۔ خیال کرتا ہے کہ مال اسے خلود اور دیر پائی عطا کرتا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں، قطعاً وہ الحط میں جھونک دیا جاتا ہے۔ اور یہ الحط (چور چور کر دینے) کیا چیز ہے؟ اللہ کی سلگانی ہوئی آگ ہے۔ دلوں پر چڑھ جاتی ہے اور اس آتش کے پٹ کر بند کر دیئے جاتے ہیں۔ جو لمبے لمبے ستونوں پر کھڑی ہے“

اس سے جمع مال کی سزا ظاہر ہوتی ہے۔ اس لیے زر و جواہر کے بلا ضرورت خرانے جمع کرنا اور خرچ نہ کرنا درست نہیں ہے۔

قرآن مقدس میں مزید وعید سنائی گئی۔ **وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ** اور دوزخ کافروں کو قطعاً گھرے ہوئے ہے۔

**أَحَاطَ بِهِمْ سُرَّاقُهُمْ**۔ اس جہنم کے سرپردوں نے ان کا گھیرا کر لیا ہے۔

امریکہ کے مشہور کروڑ پتی کاریگی نے کہا تھا۔ ”لاکھ پتی (ملینٹر) سمجھی نہیں سکا سکتا“

بخل کی فرقان حمید میں یوں مذمت کی گئی ہے۔

(اور وہ لوگ ہرگز ہرگز خیال نہ کریں جو بخل کرتے ہیں۔ ان چیزوں میں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل

سے دے رکھی ہیں۔ کہ یہ بات (بخل) ان کے لیے بہتر ہے بلکہ بُری ہے یہ ان کے لیے قریب ہے

طوبیٰ والا جائے ان کو ان چیزوں کا جس کے ساتھ وہ بخل کرتے تھے۔ قیامت کے دن



(طوق ڈالا جائے گا)۔

احادیث میں آتا ہے میدانِ حشر میں ان کا مال ایک ایسے سانپ کی شکل میں ہوگا جس کا سر چکنا ہوگا اور جس کے چہرے پر دو سیاہ نشان ہوں گے اور وہ ان ہی نخیلوں کی گردنوں لپٹ پڑے گا اور ان کے دونوں جبڑوں کو پکڑے گا۔ کہے گائیں تیرا مال ہوں۔ تیرا مدفونہ خزانہ ہوں۔

اسی طرح یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ سونے اور چاندی کی تختیاں آگ میں تپائی جائیں گی۔ اور ان کی لوگوں کے پہلو پشیا نیاں اور ٹھپیں ان سے داغی جائیں گی۔ یہ مدت ان لوگوں کو اتنی دراز معلوم ہوگی کہ موجود دنیا کے پیمانہ وقت کے حساب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس ہزار سال بیان فرمائی ہے۔

ان آیات اور ان احادیث کی روشنی میں کنزِ مال کی کوئی حقیقت نہاں نہیں رہتی۔ اور لوگوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ دراصل اسلامی تعلیمات کا مقصد یہ ہے کہ گردشِ زر جاری رہے۔ اس لیے اپنے مال صدقات و خیرات کی صورت میں صرف کرنے کا حکم قرآن مجید میں جا بجا دیا گیا ہے۔ اور جو کوئی جائز رستوں پر خرچ نہیں کرتا اس کی سزا بیان کر دی گئی ہے۔ یعنی جو دولت کو قارون کا خزانہ بنا کر رکھ دیتے ہیں۔

ارشادِ ربّانی ہے (تو آنکہ جب ان پر موت آگئی، تو کہا کہ میرے پروردگار! آپ نے کیوں نہ بہت دی کسی قریب زمانے تک تو پھر میں صدقہ کرتا اور سلمنے والوں میں ہو جاتا)۔

اٹلی کے معروف کرد وڑتی گوئسپ لوگیا نی نے ایک جھیل کے کنارے رشکِ ارم کو ٹھی تعمیر کرا کر اس میں اطمینان کا سانس لینا چاہا۔ مگر پھانسی پڑی ہوئی اس کی لاش دیکھی گئی۔ اور اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا رقعہ پایا گیا۔

”مجھے اپنی طویل زندگی میں تجربہ ہو گیا کہ راحت کی تلاش اگر ہے تو روپے کے ڈھیروں میں نہیں ملتی۔ میں اپنی زندگی کا خاتمہ کر رہا ہوں، اس لیے کہ تنہائی اور افسردگی سے میں تنگ آ گیا ہوں جس وقت نیویارک میں معمولی مزدور تھا اس وقت مجھے مسرت حاصل تھی۔ لیکن آج کر ڈروں کا مالک ہوں مگر میری افسردگی کی انتہا نہیں اور ایسی زندگی پر میں موت کو ترجیح دیتا ہوں“

مولانا عبدالمجید دیابادی نے اخبار (پنج) میں انگلستان کے ماہر و شاطر جمیس و ہائٹ رئیس کے بارے میں رقم طراز فرمایا تھا:-

”ایک دن جب انگلستان میں لوگ سورج گرہن کا میلہ منا رہے تھے دیکھا گیا کہ بند کمرے میں سانس سے خالی ان کی لاش پڑی ہوئی ہے تکیے کے نیچے ایک تھرپتی۔“



۱۔ موت کے دروازے پر قدم رکھتے وقت اپنے آخری مضمون میں اس شخص کے نقطہ نظر سے موجودہ تمدنی زندگی پر تبصرہ کر دوں گا۔ جو سفر آخرت پر روانہ ہو رہا ہے۔ میں نے بادشاہوں تک کی میزبانی کی ہے۔ بڑے بڑے اُمراء اور والیان ریاست سے میری بے تکلفی کا یا رانہ رہا ہے۔ ریاست کے حلقہ میں بھی رہا ہوں۔ ایک قیصر کا مالک بھی رہا ہوں۔ ایک ایک دن میں ساڑھے سات سات پونڈ کی دولت کمائی ہے۔ اخبارات کا حصہ دار رہا ہوں۔ گھوڑ دوڑ کی بازی میں ایک ایک لاکھ پونڈ جیتا رہا ہوں۔ پانچسٹریک اپنی سپیشل ٹرین پر گیا ہوں۔ اس لیے موجودہ تمدنی زندگی پر رائے دینے کا حق رکھتا ہوں۔ آج میں اپنی زندگی کے آخر دن جب کہ ماضی کے سارے نقشے جلدی جلدی میرے پیش نظر ہو رہے ہیں۔ مجھے دکھائی دے رہے ہیں۔ موجودہ تمدن بجز حرص و خواہش نفسانی حب جاہ کے اکھاڑے کے اور کچھ نہیں ہے۔ جذباتِ عالیہ اور قناعت وافرہ اب خواب و خیال میں ہیں اور ان کی جگہ ایک نفرت انگیز منگامہ برپا ہے۔ ایک طرف شہوتِ جاہ، شہوتِ زر، شہوتِ زن کا زور ہے دوسری طرف بولشویک دنیا تخلیق جدید کے خبط میں مبتلا ہے۔ ہر شخص پر دھن سوار ہے کہ محنت کم کرے اور روپیہ زیادہ ملے اور گلچھرے اڑانے کو ملیں۔ زر پرستی کی اس شدت کو دیکھ کر روح لرز اٹھتی ہے۔ دل دھڑک رہا ہے میں خدا کے آگے جھکتا ہوں۔ اسی سے لو لگتا ہوں۔ میں قمار بازی کی معصیت میں مبتلا رہا ہوں۔ اس کی سزا مجھے مٹی چاہیے۔ (پنج جولائی ۱۹۲۷ء بحوالہ اسلامی معاشیات)

اس کے بعد آیت قرآنی ملاحظہ ہو۔

وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا۔ اور جو میری یاد سے

کترایا تو اس کے لیے ضیق اور تنگی سے پر معیشت ہے۔ محنت و مشقت کے ساتھ یادِ الہی بھی جاری رہنی چاہیے۔ کیونکہ اس سے آرام مل سکتا ہے اور برکت بھی ہوتی ہے۔

الَّا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ۔ یعنی رب جلیل کے ذکر سے ہی سکونِ خاطر حاصل ہو سکتا ہے۔ اونچے اونچے بنگلوں، بجائے ہوئے گلوں، آراستہ ایوانوں اور پر شوکت سوار یوں کے درمیان خدمِ شتم کی فوج ظفر موج میں بھی یہ کیفیت طاری ہوتی ہے۔

۲۔ زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

یا

۳۔ غضب کی الجھنیں ہیں، زندگی، بس بس میں باز آیا

باطمینان دم لینے کی بھی فرصت نہیں ملتی



غالب نے اس کا نقشہ یوں کھینچا ہے۔

۱۔ قید حیات و بند غم اصل دونوں میں ایک ہیں  
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

اسی طرح اسد یوں گویا ہے کہ :-

۲۔ غم ہمتی کا اسد کس سے ہو جز مرگ و سلاج

شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر مہ نے تک

ان اشعار سے دنیا کی بے ثباتی اور مایوسی پکٹی ہے۔

قرآن کریم میں یا د الہی سے انحراف کی پاداش میں اس دوسری مخفی سزا کا ذکر ملتا ہے۔

وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَنِ نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ  
قَرِينٌ۔ اور جو خداوند تعالیٰ کی یاد سے آنکھیں چراتا ہے تو پھر ہم ایک شیطان کو اس کے پیچھے لگا دیتے

ہیں اور وہ اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔ (زخرف ع ۳)۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر حال میں صبح و

شام، چلتے پھرتے، سفر میں حضر میں اللہ تعالیٰ کی یاد شامل رہنی چاہیے۔ اور کسی لمحہ بھی اس سے غفلت

نہیں برتنی چاہیے۔ اپنا فرض ادا کرتے وقت ذکر اللہ کرتے رہنے سے ”ایک پتھ دو کاج“ کے مصداق

ثواب دارین جی حاصل ہوتا رہتا ہے۔ اور اپنا کام بھی مکمل ہو جاتا ہے۔

اگر انسان اپنا مطلب نظر بنالے کہ دنیاوی امور کی انجام دہی کے ساتھ دینی کام کی تکمیل بھی ہوتی

رہے تو سونے پہاگر کے مترادف ہو گا۔ یاد رہے مسلمان کا ہر قول و فعل شرعی حدود کے اندر عباد

کا درجہ رکھتا ہے۔

الحاصل یہ کہ اسلام دنیاوی معاشیات کے ساتھ ساتھ روحانی اور اخلاقی معاشیات پر بھی

خوب زور دیتا ہے۔ تاکہ اس زندگی میں کامرانی کے ساتھ توشہ آخرت کا سامان بھی تیار ہو جائے۔

اور یہی مقصود کائنات بھی ہے۔

فسطائیت اور نازیت اپنے بانیوں کی موت کے ساتھ ہی دفن ہو گئے۔ اور ان دونوں نظاموں

کا وسیع چرچا نہ ہو سکا۔

اشتراکیت اور اشتالیت میں ایک ہی خاندان کی اولاد ہونے سے کوئی خاص مناقشت و منافرت

نہیں ہے۔ البتہ سرمایہ داریت (کیپٹلزم) اور ان کے درمیان سخت گشتی ہو رہی ہے۔ اور ایک دوسرے

کو پھپھارنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ اسلام ایک طرفہ تماشہ دیکھ رہا ہے۔ کیونکہ اس کے پیروکاروں نے



خود در خود اعتقاد نہیں سمجھا۔ حالانکہ حقیقت، فضیلت اور حقانیت کے لحاظ سے تمام مذاہب سے ارفع و اعلیٰ اور اکمل ترین مذہب ہے۔ یہ نہ صرف نظریاتی حیثیت سے فائق ہے بلکہ عملیاتی (عمل کی) رُو سے بھی ترجیحیت کا حامل ہے۔ زیر نظر چند صفحات میں ہم دیکھیں گے کہ اس کی برتری ہی کے کون سے اہم اور چیدہ اسباب ہیں اور وہ کس حد تک درست ہیں؟

## فوقیت کے عوامل

Factors of Superiority

۱۔ **خُدائی نظام** | ہر وہ دین یا طریق زلیست جو انسان کو فارغ البالی اور رفاہیت کے ساتھ مسرور و شادمان زندگی بسر کرنے کی تعلیم نہ دیتا ہو، انسان کے ناپختہ ذہن کی پیداوار ہے۔ خدا اور اس کے رسولوں کے نزدیک قابل قبول نہیں اور وہ اللہ کا پسندیدہ طریقہ حیات نہیں ہو سکتا۔ اسلام خدائی نظام ہے۔ مگر اس کے مقابلے میں دوسرے تمام نظام ہائے زندگی چند انسانی دماغوں کی فکر سی کاوش کا نتیجہ ہیں۔ اگرچہ ان کا مقصد بھی مفاد عامہ ہے۔ مگر وہ صرف زندگی کے چند پہلوؤں کو لیتے ہیں اور باقی کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ مگر اسلام ہر جہت کی ترقی کا خواہاں ہے اور یہ چاہتا ہے کہ اس کے ماننے والے نہ صرف اس عارضی زندگی میں کامیاب ہوں بلکہ عقبیٰ میں بھی سرخرو ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہر مرحلہ پر ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ تاکہ انسان بالخصوص مسلمان کے پائے ثبات میں لغزش نہ آنے پائے۔ اور اسی لیے وہ ارحم الراحمین کس قدر مہربان ہے۔ ارشادِ رب العزت ہوتا ہے:

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ - (الاعراف ۹۶) اور یقیناً بتیوں والے اگر مان لیں اور پرہیزگاری اختیار کریں تو ہم ضرور آسمان سے اور زمین سے ان پر برکتوں کو کھول دیں۔

سبحان اللہ کیا طرز استدلال ہے؟ زمین و آسمان کی برکتیں جو ہمارے معاشی فوائد کی تعبیر ہے۔ انہیں ایمان و تقویٰ کی قوت سے بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ ان سے انسانی زندگی کتنی پاک اور شگفتہ ہو جاتی ہے۔ قرآنی اصطلاح میں اس کا نام حیاتِ طیبہ ہے اور وعدہ کیا جاتا ہے:-

مَنْ عَمِلْ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً







سے قاصر ہے۔ یہ بیت المال کی آمدنی کا بہترین اور مستقل ذریعہ ہے۔ موجودہ دور کے گونا گوں  
محاصل کسی لحاظ سے بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ بلکہ یہ ایک قیمتی ماڈل ہے۔ دوسرے یکسوں میں  
مختلف انواع کی تباہیوں پائی جاتی ہیں۔ مگر یہ تمام نقصان سے پاک و صاف ہے۔ اس کے مصارف  
کا حتمی تعین اللہ نے اپنی مقدس کتاب میں کر دیا ہے۔ ان میں رد و بدل قطعاً ناممکن ہے انہیں مصارف  
ثمانیہ سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ ہر صاحب نصاب پر فرض ہے اور جب تک مکمل ادائیگی نہ کی جائے  
مال طہارت کا درجہ حاصل نہیں کر سکتا۔ نیز غریبوں کی کفالت کا اس سے معقول بند و بست ہو جاتا ہے  
اس وجہ سے بھی اسلام کا معاشی نظام دوسرے نظاموں سے برتر ہے۔

اسلامی اور جدید معاشیات میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ اسلام نے ایسے کاروبار  
کو جس میں سود کا احتمال ہو حرام قرار دیا ہے مگر موجودہ معاشیات میں یہ ایک  
قسم کی ریڑھ کی ہڈی کا درجہ رکھتا ہے۔ اس کی بنیاد ظلم و ستم پر رکھی گئی ہے۔ اور یہ کسی انسان کی مجبوری  
کا احساس تک نہیں رکھتا۔ کسی ضرورت مند کو اپنی حاجت پورا کرنے کی خاطر سود کا سہارا لینا پڑتا ہے۔  
اور اس کے بغیر قرض کا حصول جوئے شیر لانے سے کمتر نہیں ہے۔ اسلام نے نہ صرف اس سے سختی سے  
روکا ہے بلکہ ایسا مذہب کا رو بار کرنے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ یہ معاشرہ کو دیکھ کی طرح چاٹ  
لیتا ہے۔ اور اس کے پھیلے ہوئے جرائم کو نکالنا بڑے معرکے کا کام ہے۔ اگرچہ سود کی ترویج سے وسیع  
پیمانہ پر پروریجیکٹ شروع کیے جاتے ہیں۔ اور حکومتیں بھی اس کے بغیر مشکل گزارہ کر سکتی ہیں تاہم

یہ سوسائٹی کے لیے ناسور ہے۔ اور اس نے تمدنی زندگی کے تانے بانے کو مفلوج کر کے رکھ دیا  
ہے۔ اسی لیے اسلامی حکومت میں اس کی ممانعت ہوتی ہے۔ سودی نظام نے بہت سے دشوار  
مسائل کھڑے کر دیئے ہیں۔ اور اسی لیے بیشتر ممالک سرگرداں اور نالاں ہیں۔ ایسے نظام سے ہمدردی،  
موافقت اور بھلائی کے جذبات ختم ہو جاتے ہیں۔ بلکہ حرص و آواز، فریب اور جعل سازی جیسی حرکات  
کے لیے میدان ہموار ہوتا ہے۔ دور حاضر میں ان کی کہاں کمی ہے؟ اور اسی لیے معاشرہ دور ابتلاء سے  
گزر رہا ہے۔ اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ بینکنگ کو بغیر سود کے چلانے کا فوری بند و بست کیا  
جائے۔ تاکہ متوازن معاشرہ قائم کیا جاسکے۔

اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو مادہ پرستی کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ لوگوں  
میں کریم و بلند ملک اور تشکیل سیرت کا احساس راسخ کرتا ہے۔ کیونکہ اصل

4۔ اعلیٰ اخلاق



چیز یہی ہے جس سے انسان اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہو سکتا ہے۔ آنحضرتؐ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا آپؐ چلتے پھرتے قرآن تھے۔ اسی طرح آپؐ نے فرمایا میں لوگوں کو مکارم اخلاق سکھانے آیا ہوں۔ اچھی صفات اور حمیدہ اوصاف سے ہی ایک انسان توقیر و عزت حاصل کر سکتا ہے۔ رب تعالیٰ کو وہی شخص زیادہ محبوب ہوتا ہے جو زیادہ متقی ہو۔ اور یہ شخص اسی صورت میں ممکن ہے جب اسلامی احکام کی پابندی کی جائے۔ اور خلاف شرع گفتگو اور کاموں سے اجتناب برتا جائے۔

قیامت پر یقین رکھنا اور سزا و جزا کو ماننا شرائط ایمان سے ہے جو شخص خداوند تعالیٰ کے وجود کا قائل نہ ہو اس کی ذات اور صفات کو نہ ماننا ہو جیسا کہ کمیونسٹوں کے خیالات ہوتے ہیں وہ لوگ تو موت کو بھی ایک قسم کا کھیل گردانتے ہیں بھلا ایسی قوم مسلمانوں کا مقابلہ کر سکتی ہے جو ربؐ کی الوہیت و وحدانیت کے نہ صرف پرستار ہیں بلکہ اس کی ہستی لافنا کے شیدائی و ربی ہیں اور یہ اسی کی برکت کا ثمرہ تھا کہ ایک بادیشین قوم چند سالوں میں ساری دنیا پر غالب آگئی۔ اور اس کی سطوت و طاقت کے ڈنکے بجنے لگے۔ قیصر و کسریٰ کے محلات میں لرزہ طاری ہو گیا۔ اور ان کے ایوانوں اور مہمانوں کے کنگرے ٹپنے لگے مسلمان ربؐ کے علاوہ کسی سے مرعوب نہیں ہوتا۔ تاہم خوفِ آخرت اس کے ایمان و ایقان کا جزو لاینفک ہے۔

اسلامی قوانین تعزیریہ سکڑے ہیں۔ عصری تقاضوں اور زمانہ کی منہنگامی تبدیلوں کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ یہ خدائی قواعد و ضوابط ہیں اور انسانی ذہن کی اُچھ اور خصائص کو سامنے رکھ کر بنائے گئے ہیں۔ چاہے بنی نوع انسان چاند کو منہ کر رہے کی کمندیں ڈال رہا ہو اور چاہے ہزار سال پیچھے چلا جائے۔ یہ قوانین اہل ہیں اور ہر انسان اپنی مرضی اور حاجت کے مطابق نہیں ڈھال سکتا۔ جیسا کہ چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت کا ہاتھ کاٹ دیا جائے (المائدہ)۔ شرابی کے لیے ۵۰ کوڑوں کی سزا مقرر ہے۔ زانیہ مرد اور زانیہ عورت کو رجم کر دیا جائے یا غیر شرابی شدہ ہونے کی بنا پر سو کوڑے لگائے جائیں۔ یہ اللہ کی مقرر شدہ حدود ہیں۔ کسی بیشی ممکن نہیں۔ اسی طرح دیگر معاشرتی قوانین کے نفاذ سے دنیا موجودہ سینکڑوں جرائم سے محفوظ ہو سکتی ہے۔ اور اسلام ستا اور آسان انسان مہیا کرتا ہے۔

ڈاکٹر گستاؤلی بان کی فرانسیسی کتاب *Civilization Des Arabes* اردو ترجمہ "تمدن عرب" میں سید علی بگرامی (مترجم) فرماتے ہیں۔

[یہ سادہ ضوابط شاید اس قدر منصفانہ ہوں جیسے ہمارے (فرانس میں) کے پیچیدہ ضوابط کی کارروائی



ہے۔ لیکن ان کا بہت بڑا فائدہ یہ ہے۔ کہ ان میں فریقین مقدمہ کا وقت ضائع نہیں ہوتا۔ اور ان پر ویسی تباہی نہیں جیسی ہماری عدالتوں کی مقدمہ بازی سے آتی ہے۔ اگرچہ فیصلے مختصر ہوتے ہیں۔ لیکن مونا یہ نہایت منصفانہ ہیں۔ انصاف کا خیال عربوں میں اعلیٰ درجہ کا ہے۔ نہ فقط اس وجہ سے کہ قرآن میں انصاف من جملہ ترین خصائص انسانی کے بھسا گیا ہے۔ بلکہ اس وجہ سے بھی کہ ان کی ابتدائی حالت میں اس عدل کی بجائے ضرورت تھی۔]

اگر آج کا مسلمان بھی قرآن و سنت پر عمل پیرا ہو جائے تو یہ مقدمہ بازی اور لوٹ کھسوٹ جلد ختم ہو سکتی ہیں۔ زر اور وقت دونوں کی بچت ہو سکتی ہے۔

7۔ ہمہ گیر ہمدردی | اسلام ایک مکمل ضابطہ زندگی ہے۔ اس لیے یہ ہمہ گیر ترقی اور بھلائی کو پیش نظر رکھتا ہے۔ دیگر نظاموں پر اس لحاظ سے سبقت لے گیا ہے۔ کہ یہ زندگی کے تمام مسائل اقتصادی، سیاسی، معاشرتی، ثقافتی تمدنی، تعلیمی اور عالمی تک حل کرنے کی عملی اور عٹوس تجاویز پیش کرتا ہے۔ پھر ان پر سختی سے عمل درآمد کرتا ہے۔ وہ ایک پلیٹ فارم تیار کرتا ہے۔ جو سب کی ترقی اور عروج کے یکساں مواقع میسر کرنے کی ہمہ جہتی سکیم تیار کرتا ہے۔ یہ چونکہ فطرتی قوانین کا سہارا لیتا ہے۔ اس لیے ارتقاء کے مواقع زیادہ روشن اور واضح ہوتے ہیں۔

اشتراکیت اور سرمایہ داری معاشی پہلو کو حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر اس میں بھی پوری طرح کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔

8۔ احترام انسانیت | اسلام میں آبرو، مال اور جان کی حفاظت کے ساتھ ساتھ عزت نفس اور احترام آدم کا سبق بھی دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے ”جس نے ایک جان کو موت سے بچا یا گویا اس نے ساری مخلوق کو بچا یا اور جس نے ایک جان کو بے قصور قتل کیا گویا اس نے ساری مخلوق کو مار ڈالا“ اس نے بڑا احترام آدمیت کا اور کونسا درس ہو سکتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ قتل کا بدلہ قتل ہے۔ اگرچہ بعض حالات میں قصاص اور معافی کی بھی اجازت ہے۔ اسی طرح کان کے بدلے کان، ناک کے بدلے ناک اور آنکھ کے بدلے آنکھ کا بدلہ لینے کی اجازت ہے۔ اس میں بھی انسان کی عزت اور احترام کا نتیجہ نکلتا ہے۔

اس کے خلاف کیونکہ ہم میں انسانوں کو گناہ جرموں کی طرح کاٹا جاتا ہے۔ گویا ان کے خیال میں انسان کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ اسی طرح سرمایہ داری میں بھی ناجائز ذرائع سے دولت جمع کرنے کی دھن میں ناحق خون بھی کیے جاتے ہیں۔ لوگوں کی عزت سے ہولی کھیل جاتی ہے۔ انسانیت کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ دو فریقوں کے درمیان رقابت کی آتش آن واحد میں بھڑک اٹھتی ہے جس میں انسانیت کو جلا یا جاتا



ہے۔ اور اس کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں کی جاتی۔

اسلام میں حلال و حرام کی بہت زیادہ اہمیت

## ۹۔ حِلّت و حرمت میں فرق

ہے۔ اس لیے احتیاط ضروری ہے۔ دیگر اقوام

میں ان چیزوں کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔ انگریز سٹور کا گوشت کھاتے ہیں اس لیے بے حیائی

فحاشی اور بے غیرتی کا دور دورہ ہے۔ شرم و حیا ترستی ہے لوگوں میں حرمت کا مادہ نہ ہونے کے برابر ہے

مگر اسلام میں ایسا نہیں ہے۔

آپؐ نے فرمایا حلال اور حرام واضح ہیں۔ اسی طرح آپؐ سے اس طرح سوال کیا گیا: یَا نَبِیَّ اللہِ

لِمَ تَحَدِّمُ مَا أَحَلَّ اللہُ لَكَ۔ (التحریم ۲۱)۔ اے نبیؐ آپ اس چیز کو کیوں حرام کرتے ہیں جسے

اللہ نے آپؐ کے لیے حلال کیا ہے۔

علامہ ابو بکر بن الجصاص کہتے ہیں۔ ان لافضیلة فی امتناع اکلمہا (ص 452)

جن چیزوں کو اللہ حلال فرما چکا ہے۔ ان کے کھانے سے پرہیز کرنے میں کوئی فضیلت حاصل نہیں۔

## ۱۰۔ اعتدال پسندی = Moderation

اسلام نے افراط و تفریط سے بچ کر راہ اعتدال کو پسند کیا ہے۔ یعنی فضول خرچی سے روکا گیا ہے

اور اس طرح بخل سے بھی منع کیا ہے۔ اور اس کی معاشیات میں بہت زیادہ اہمیت ہے۔ قارونؑ

خزانے جمع کرنا اور خرچ نہ کرنا قوم اور ملک پر بہت زیادہ ظلم کے مترادف ہے۔ اور معاشی اصولوں

کے بھی منافی ہے۔ کیونکہ اس سے ترقی میں جمود اور ٹھہراؤ پیدا ہو جاتا ہے۔

دولت کمانے میں نہ صرف جائز ذرائع کی فراخ دلی

## ۱۱۔ جائز و ناجائز میں امتیاز

سے اجازت دی گئی ہے بلکہ ترغیب بھی ملتی ہے

مگر وہاں ناجائز وسائل معیشت سے سختی سے روکا گیا ہے۔ جائز کے ساتھ طیب کو پسند کیا گیا ہے

نیز ناجائز کے ساتھ خبیث کی پرزور مذمت کی گئی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ موجودہ معاشیات میں اس قسم

کی تمیز بالکل ختم ہے اور یہی سبب ہے کہ دنیا ذہنی و اقتصادی بحرانوں سے دوچار ہو جاتی ہے۔

ارشادِ گرامی ہوتا ہے۔ واسع علی اہلک و عیالک حلالاً فان ذلک

جہاد فی سبیل اللہ۔ (ترجمہ) اور چاہیے کہ اپنے اہل و عیال کے لیے طلبِ حلال کی کوشش

کرو۔ کہ یہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد ہے۔ یہاں معاشی جدوجہد میں طلبِ حلال کو سبیل اللہ سے تعبیر

کیا گیا ہے۔ اس سے بڑی اہمیت کی راہیں اور کیا ہو سکتی ہیں۔



## ۱۵۔ خیرات و صدقات | آیات قرآنی اور احادیث نبوی سے خیرات و صدقات

کی وضاحت اور فضیلت پر روشنی پڑتی ہے اگرچہ

ادائیگی زکوٰۃ کے بعد مسلمان کا مال پاک ہو جاتا ہے۔ تاہم بار بار خیرات کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ حتیٰ کہ یہاں تک آتا ہے۔

آپؐ نے فرمایا وہ پختہ مسلمان نہیں جس کے ہمسائے رات کو بھوکے سو جائیں۔ کس قدر غریب و مساکین کی کفالت اور اعانت کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اسی طرح قرآن مقدس میں آتا ہے ”وہ پوچھتے ہیں کہ کتنا خرچ کریں؟ آپؐ تباہیوں جو تمہاری ضرورت سے پس انداز ہو جائے“ یعنی وہ سب کا سب اللہ کی مخلوق کی خبر گیری اور روزی کی خاطر صرف کیا جاسکتا ہے۔ کیا کوئی دوسرا دنیا کا معاشی یا مذہبی نظام ایسی واضح مہین اور روشن حقیقت کا اظہار کر سکتا ہے۔ یقیناً اس کا دامن ایسی اٹل پٹری پر گرنے سے قاصر رہے گا۔ یہ شرف صرف اسلام ہی کو بخشا گیا ہے۔ کیونکہ رب غفار اس کا خالق و مالک ہے اور وہ اسے دوسرے تمام نظاموں سے فہمیز دیکھنے کا آرزو مند ہے۔

برٹرنیڈ رسل جو کسی زمانے میں سوشلزم کا بڑا حامی تھا۔ اس کے ناقدین میں شمار ہونے لگا اور اس بڑے پتہ کی بات کہی ہے۔

[سوشلزم دراصل نفرت، حقارت، عداوت اور حد پر مبنی ایک منافقانہ نظام ہے۔ مارکس نے انسان کے جذبات کو ابھار کر ایک نہایت جاندار طاقتور، پراثر تحریک بنا دیا لیکن یہ تحریک یا منفی عمل انسانی معاشرے کے لیے کوئی مثبت نتائج برآمد نہ کر سکا۔ مزید کہتا ہے کہ اس نے ان جذبات کو منظم کر کے ایک نظریہ کی شکل دی۔ یہ لازم نہیں کہ یہ محسوسات صرف معاشی قوتوں کے باعث پیدا ہوتے ہوں]۔

نیز نقاد مزید کہتے ہیں کہ طبقاتی تقسیم نہایت مبہم اور غیر واضح اصطلاح ہے۔ اور مارکس جو طبقات کی تقسیم کرتا ہے وہ کوئی مستقل اور پائدار قوت نہیں۔ انسانی معاشرے کو مشینوں کے انداز میں بے جا مادوں کی صورت میں تقسیم کرنا کس طرح درست ہے؟ مارکس کے نزدیک دو طبقوں (پرولتاریہ بورژوا) کے ساتھ تیسرا خطہ طبقہ منظم اور مضبوط حکومت کا بھی پیدا ہو چکا ہے جو کسی کو حرکت کرنے کی مہلت تک نہیں دیتا۔ اشتراکیت اور اشتعالیت کی ہم اسے مذہب اخلاق اور اطوار کے خلاف سمجھ کر مخالفت نہیں کرتے بلکہ خالص اقتصادی معاشرتی اور تاریخی نقطہ نظر سے بھی وہ اصول غلط ہیں جن پر ان کی عمارت کی ساری تعمیر اٹھائی گئی ہے۔ اسی طرح سرمایہ داری کے اصول بھی فطرتی



رجحانات کی صحیح عکاسی نہیں کرتے۔ اور یہی سبب ہے کہ وہ بھی ناکام ہو چکا ہے۔  
غیر اسلامی تمام نظام نامکمل اور ناقص ہیں یہ انسانی نارسا ذہن کی پیداوار ہے۔ افرنگی عیاری اور  
قلا بازی کا مظہر ہیں۔ غیر فطری واقعات کی جولانگاہ ہے مصنوعی خیالات کی تخلیق ہے۔ لہذا یہ ہمارے  
دکھوں کا مداوا نہیں ہمارے عوارض کا درماں نہیں۔ ہمارے قومی وسائل کے مطابق مسائل کا حل نہیں  
بلکہ یہ کسی بہتر مکمل مضبوط اور احسن نظام کے متلاشی ہیں۔ اشتراکیت زندگی کے ہر پہلو کا بنظر غائر مطالعہ  
نہیں کرتی۔ اگر کسی ازم "ISM" سے دلچسپی ہے تو اسلام مزم کہہ لیں۔ یا اشتراکیت اور اشتمالیت  
کے وزن پر اسلامیت کا نام رکھ لیں۔

اگر آپ نئی نسل میں پیاروں کی سنگینی، بہار جیسی رنگینی، طوفانوں کے سوز و ملامت، آندھیوں کی  
بلاخیزی، بادِ صبا کی شوخی، بجلی کے زور، آبشاروں کے شور، اشجار کی رفعت، آفتاب جیسی تہات  
ماہتاب جیسی چمک اور ستاروں کی ماند و مک پیدا کرنے کے متمنی ہیں تو اسلامی نظام ہی اپنا ناپڑے گا  
ورنہ اشتراکیت جیسی جہالت، سرمایہ داریت جیسی حماقت اور اشتمالیت جیسی ظلمت سے ہی پالا پڑا  
رہے گا۔ اور یہ نئی پود تن آسانی، سہل انگاری اور عیش کوشی ہی میں پر دان چڑھے گی۔ قومی سفینہ حل  
مراد سے ہمتار نہیں ہو سکے گا اور گومر مقصود غنقا ہو جائے گا۔

اسلام معاشرتی و مذہبی زندگی کی حقیقی لذتوں سے لبریز کرتا ہے۔ اصل راحتوں اور مسرتوں  
سے سرفراز کرتا ہے۔ ملکی استحکام و سلامتی کا ضامن اور قومی اتحاد و یک جہتی کا پاسبان ہے خوش  
حالی و شادابی اور طمانیت و رفاہیت کی دولت لازم و مال سے مالا مال کرتا ہے۔ سیرت و کردار و اخلاق و  
اطوار کا رفیع و اعلیٰ مقام پہ فائز کرتا ہے۔ تمام دشواریوں، مصائب و آلام کا مفید علاج تجویز کرتا ہے  
المنتصرین زندگی کے ہر گوشہ پر محیط ہے۔

جو مکمل دوروں سے کھل نہ سکا اور فلسفیوں سے حل نہ ہوا

وہ راز مکمل والے نے بتلادیا چند اشاروں میں

اسلام صاحب کمال اور کاشف جمال بناتا ہے حقیقت پسندانہ افکار، ابر و منذانہ نظریات کا  
حامل بناتا ہے۔ عزت و معرفت کا شیدائی اور تحقیق و جستجو کا اشتیاق اجاگر کرتا ہے۔ وقتی ضروریات اور ملی  
تقاضوں سے ہم آہنگی کا درس دیتا ہے۔ کیونکہ یہ خلائی نظام ہے۔ نام نہاد جمہوریت اس کی دست بستہ  
کینز ہے۔ اس لیے ہمیں شمس فلک سے منہ موڑ کر چرخِ فرش پر نظر نہیں رکھنی چاہیے۔ کیونکہ ہم کے آپنچل  
میں پناہ ڈھونڈنے والو! اسلام کے دامنِ عریض میں غایت حاصل کرو۔ سوشلزم کے ظلمت کدہ



میں جھٹکنے والو! اسلام کے آفتاب جہاں تاب سے ضوفشانی حاصل کر دے۔ سرمایہ داری کے سہارے  
 جینے والو! اسلام کے سایہ عاطفت میں نشیمن بناؤ۔ بناوٹی مساوات کے لبادہ میں غریبوں، مسکینوں  
 کا خون چوسنے والو! اسلام کے چشمہ فیض رساں سے آتش تشنگی بجھاؤ۔ اسی کے طفیل تمہاری دنیا ستر  
 گی اور اسی کے وسیلے تمہاری عاقبت نور سے گی۔

ہر درد مند دل کو رونا میرا رلا دے      بے ہوش جو پڑے ہیں شاید انہیں جگا دے





# باب ۲۸

## اسلامی حکومت کے بعض فرائض = Functions of an Islamic State

ہر حکومت کے ذمہ چند اہم فرائض کی ادائیگی ہوتی ہے۔ اور اگر حکومت پوری دیانتداری اور حکمت عملی سے انہیں سرانجام دے تو رعایا خوشحال اور پرامن زندگی گزار سکتی ہے۔ اس کے برعکس اگر فرائض بے چینی اور اضطراب کا عالم بن جاتا ہے۔ اصل حاکم اللہ کی ذات گرامی ہے۔ تاہم وہ اپنی مخلوق کی جہلانی اور ترقی کے لیے نیابت کائنات کے انسانیت کے سر پر فائز کرتا ہے۔

”وہ خدا ملک کا ملک ہے جس کو چاہتا ہے دیدیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔“

(آل عمران) ایک اور مقام پر یوں فرمایا ہے۔

”بلاشبہ زمین اللہ ہی کے لیے ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کو وارث کر دیتا ہے۔ اور انجام مقیموں کے لیے ہی ہے“ (اعراف)۔

مَلِكِ النَّاسِ إِلَهِ النَّاسِ (الناس) وہ (خدا) انسانوں کا بادشاہ ہے۔ انسانوں

کا خدا ہے۔

الَّا إِلَهُ الْحَكْمُ (انعام) خبردار رہو ”حکم“ اسی ”خدا“ کا ہے۔

يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ (ص) اسے داؤد! ہم نے تم کو زمین میں

اپنا نائب بنا کر بھیجا ہے۔

اسی طرح یوں کہا گیا ہے۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً۔ بے شک میں زمین میں خلیفہ

(نائب) بنانے والا ہوں۔

اسلام کے نظام حکومت میں خلیفہ کی شخصیت نمایاں ہے۔ مگر ذاتی اور پارٹی کے اقتدار کی خاطر

نہیں بلکہ قلم و خلافت کے ہر فرد کی خدمت کے لیے ہے۔ اسلام کا طرز حکومت قدیم و جدید طریقہ ہائے

حکومت میں کسی کے ساتھ تعبیر نہیں کیا جاسکتا بلکہ وہ ان سب سے الگ ایک روشن نظام ہے جس میں

عدل و انصاف کی یکسانیت اور افراد امت کی خدمت اصل اساس ہے۔ وہ ایک ایسا شوروی سسٹم

ہے جس میں خلیفہ (سربراہ) راہ حق کا رہنما بھی ہے اور مخلوق خدا کا خادم بھی۔ وہ نیابت الہی کے اعلیٰ منصب



سے اگرچہ تمام افراد ملت کا دال ہے مگر اس کے عزل و نصب میں افراد امت و خیل میں اور مہات امور میں شوری کا پابند ہے۔ اور صاحب الرائے کی شادرت اس کا عزم ہے۔ بغرض اسلام نے (خلافت) کا ایسا نقشہ پیش کیا ہے جس میں امیر و مامور، خلیفہ و جماعت، دولت مند و غریب کے درمیان ایک لمحہ کے لیے بھی حاکم و محکوم کا علاقہ قائم نہیں ہونے پاتا اور مساوات عام کو بنیاد بنا کر شخصی و جماعتی اقتدار کی جنگ کا خاتمہ کر دیتا ہے۔ اطاعت امیر کے لیے یوں حکم دیا گیا ہے۔

[ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اور حکام کی اطاعت کرو جو تم میں سے ہوں (نساء) اور اللہ کی پیروی کرو اور اس کے رسول کی اور آپس میں جھگڑا نہ کرو، ایسا کرو گے تو تمہاری قوت ست پڑ جائے گی اور ہوا اکھڑ جائے گی ] (انفال)۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا تین آدمی اگر طویل میدان میں بھی موجود ہوں تو ان کے بغیر اس بات کے کہ اپنے میں سے ایک کو امیر بنالیں زندگی گزارنا جائز نہیں ہے۔ (مسند احمد - مشکوٰۃ)

ریاست کا کام صرف الیکشن کے ذریعے یا کسی اور طریقہ سے صرف حکومت قائم کرنا نہیں ہے بلکہ بیشتر امور کی انجام دہی ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں قسم خدا! اگر میں زندہ رہا تو اہل عراق کی بیوہ عورتوں کو الیا کر جاؤں گا کہ میرے بعد وہ کسی امیر کے پاس حاجت مند بن کر پیش نہ ہوں۔

ابورواحہؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے اپنے مال کو ایک مرتبہ تحریر فرمایا ”تمام لوگوں کو اپنے نزدیک برابر سمجھو۔ ان میں قریب اور بعد اساف اور حق کے معاملہ میں یکساں ہیں۔ رشوت لینے اور اپنی خواہش کے تابع احکام دینے سے بچو۔ اور اگر غصہ میں کسی سے جائز مواخذہ کرو تو حق پر قائم رہو اور ان کی ایک ساعت میں بھی حق کے خلاف نہ ہونے پائے۔ (اشہر مشاہیر الاسلام)۔

حضرت عمرؓ کا رعایا کی زندگی کو خوشحال بنانے اور ان کے ہر قسم کے حقوق کی نگہداشت کرنے کی انتہائی آرزو کے سلسلہ میں راتوں کو انکشاف حالات کی خاطر گشت کرنا ایک معروف واقعہ ہے۔ کیا آج کا کوئی حاکم ایسی دہشتہ مثال قائم کر سکتا ہے؟ یہ تو بندایوانوں اور ایرکنڈیشنڈ بنگلوں سے باہر نکلنا گوارہ نہیں کرتے۔ چہ جائیکہ لوگوں کے حالات معلوم کر کے ان کی داری سی کریں۔ حضرت عمرؓ اسے بھی کافی نہیں سمجھتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے۔

”اگر میں زندہ رہا تو انشاء اللہ شب کا گشت تمام قلمرو میں پورے سال کیا کروں گا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ ہر قسم کی کوشش کے باوجود لوگوں کی بعض حاجات یقیناً پوری ہونے سے رہ جاتی ہوں گی کیونکہ وہ مجھ تک نہیں پہنچ سکتے۔ اور عمال شاید ان کو مجھ تک نہ پہنچاتے ہوں۔ اور اس لیے دو ماہ مہر کا دورہ



کروں گا۔ دو مہینے بحرن کا اور اسی طرح کوفہ و بصرہ وغیرہ کا۔ (طبری عن الحسن)

مگر ان کے دورے عہدِ حاضر کے فرمانرواؤں کی مانند تقریریں اور نعروں تک محدود نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ وہ لوگوں کے مسائل پوری دانشمندی سے حل کرتے تھے اور یہ خصوصی نوعیت کے ہوتے تھے۔

اسلامی ریاست نظریاتی اور اصولی ہوتی ہے۔ اس کی بنیاد نہ رنگ پر ہے اور نہ نسل پر ہے نہ محض معاشی مفاد کا اشتراک اس کی اساس ہے۔ اور نہ صرف سیاسی الحاق۔ یہ اسلامی نظریہ حیات کی علمبردار ہوتی ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک نظریاتی ریاست ہے جو ایک ایسے اصول کی داعی ہے جو تمام انسانوں کے لیے یکساں ہیں۔ (المحید)۔

اب اسلامی ریاست کے چند اہم فرائض کے نشاندہ کیے جاتے ہیں۔

۱۔ جان و مال کی حفاظت

کسی شخص کی جان، مال اور ناموس پر نہ تو خود حکومت ہاتھ ڈالے اور نہ ہی کسی دوسرے کو ایسا کرنے

کی اجازت دے۔

آپ کا ارشاد ہے۔ پس یہ وہ مسلم ہے جس کی جان و مال کی محافظت کا ذمہ اللہ نے لیا ہے تو خبردار اللہ کے ساتھ اس کی دی ہوئی ضمانت میں غداری نہ کر دے۔ مسلمان کی ہر چیز مسلمان پر حرام ہے اس کا خون، مال اور آبرو۔ (بخاری مسلم) یعنی کوئی مسلمان بغیر اجازت کے دوسرے مسلمان کی چیز نہیں لے سکتا بغیر مسلم شہریوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ اہل ذمہ کے متعلق یوں ارشاد ہوا۔ ”جو کوئی ہمارا ذمی ہو اس کا خون ہمارے خون کی طرح اس کی دیت ہماری دیت کی طرح اس کا مال ہمارے مال کی طرح ہو جائیگا۔“

۲۔ ذاتی ملکیت

حکومت کا فرض ہے کہ کسی شہری کی نجی ملکیت میں بے جا مداخلت نہ کرے بلکہ اس کی حفاظت کرے

قاضی امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق امام (حکومت کا سربراہ) کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی ثابت شدہ حق کے بغیر کسی شخص کے قبضہ سے اس کی کوئی شے نکلے۔

۳۔ آزادی

ہر شہری کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ آزادی کی فضا میں زندگی گزارے اور حکومت اس کا یہ حق سلب نہ کرے۔ اسلام کا اصول ہے لایوسر

رجل فی الاسلام بغیر عدل۔ اسلام میں کوئی شخص بغیر عدل کے قید نہیں کیا جاسکتا (موطا)۔ ایک مرتبہ رسول مقبولؐ ایک شخص نے اپنے ہمسایوں کے بارے میں پوچھا جو شبہ



کی بنا پر گرفتار کر لیے گئے تھے۔ آپ نے دو مرتبہ سن کر سکوت فرمایا: تاکہ کوئی گرفتاری کی معقول وجہ ہے تو معلوم ہو جائے اور جب کوئی چیز سامنے نہ آتی تو ارشاد ہوا اس کے ہمسایوں کو رہا کر دو۔ (ابوداؤد) اسی طرح رائے اور مسلک کی بھی آزادی ہو۔ ہر فرد کو اپنے عقیدہ اور مذہب کے مطابق عبادت کرنے کی آزادی ہو۔ بے جا مداخلت نہ کی جائے۔

#### 4۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

ایک اچھی اسلامی ریاست کا فرض ہے کہ اپنے رعایا کو ایسے کاموں سے منع

کرنے جن کے کرنے سے اللہ نے روکا ہے اور ایسے احکام جن کے بارے میں اللہ نے فرمان دیا ہے کرنے کا حکم صادر فرمایا جائے یعنی خلاف شرع کاموں سے سختی سے روکا جائے۔ جیسا کہ زنا، شراب کشی اور قتل وغیرہ مسلمانوں کو صحیح اسلامی رنگ میں ڈھالنے کی پوری کوشش ہونی چاہیے۔ نیز اشاعت اسلام اور تبلیغ کا باقاعدہ اہتمام ہونا چاہیے۔ اسلامی شغائش کی پابندی کر لی جائے تاکہ اسلام کو تقویت حاصل ہو اور لادینیت نہ پھیل سکے۔ اعلیٰ اخلاق قائم ہو۔

#### 5۔ مساوات

تمام شہریوں کو برابر کے حقوق حاصل ہوں کسی کو دوسرے پر برتری حاصل نہ ہو۔ خون رنگ، نسب، زبان، پیشہ معاشی مقام کی بنا پر شہریوں کے درمیان امتیاز نہ ہو۔ عزت و اشرف صرف علم و حلم اور تقویٰ کے باعث ہر ملکہ ہے۔ ہر شعبہ زندگی میں تمام کے لیے ایک جیسے مواقع حاصل ہوں۔

#### 6۔ عدل و انصاف

تمام شہریوں کو سنا انصاف حاصل ہو کسی پر کوئی زیادتی یا ظلم نہ کیا جائے۔ اگر دو فریقوں کے درمیان کوئی تنازع یا جھگڑا پیدا ہو جائے تو عدل کے ذریعے طے کیا جائے۔

#### 7۔ تعلیمی ضروریات

اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ ایک ایسی تعلیم پالیسی وضع کرے جس کے مطابق ہر قسم کی تعلیمی ضروریات پوری ہو سکیں کیونکہ علم ایک ایسی دولت ہے جس کی وساطت سے تمام دشواریوں پر کنٹرول کیا جاسکتا ہے۔ علم ایک ورثہ ہے جو قوم اس سے پہنچتی رہتی ہے وہ مصائب کے جنور میں اسیر ہو جاتی ہے۔ ایک ایسا نظام تعلیم درکار ہے جو مسلمانوں کے تہذیبی خزانہ کا آئینہ دار ہے۔ ایسی تعلیم ضروری ہوتی ہے جس سے اسلامی روایات اور گزشتہ کارنامے اجاگر ہو سکیں۔ ایک ایسا مضبوط نظام تعلیم ہو جو علوم متداولہ کی تحصیل کے ساتھ ساتھ اسلامی تعلیمات قرآن و حدیث کی روشنی میں بچہ کا بندوبست کر سکے۔ بچے ہوؤں کو صراطِ مستقیم



پہ گامزن کر سکے۔ دنیاوی ترقی کے ہمراہ دینی ارتقاء کا بھی اہتمام کرتا ہو۔ تمام افراد کے لیے یکساں تعلیمی مواقع فراہم کیا ہو۔ یک جہتی اور ہم آہنگی کا منظر ہو۔ ارفع و اعلیٰ تعلیمی معیار ہو۔

معاشی ضروریات کا پورا کرنا بھی حکومت کی بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ ہر شخص کے لیے روزی، رہائش، لباس

## 8۔ اقتصادی کفالت

وغیرہ کا فراہم کرنا ریاست کے اولین فرائض میں شامل ہے۔ اور جب تک یہ بنیادی احتیاجات پوری نہ ہو سکیں، سرہ مطمئن اور خوش حال نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح طبی سہولیات اور روزگار کے ذرائع مل کر نہ بھی حکومت وقت کا فرض ہوتا ہے۔ اپاہج، ضعیف، محتاج اور غریب کی دستیاری کرنا حکومت کے فرائض میں شامل ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ خلافت راشدہ کے انقلابی دور میں اکثر ایسے لوگوں کے وظائف مقرر تھے جس سے معاشرہ آسودہ حال اور خوشحال تھا۔ لوگوں کو فقر و فاقہ کا کوئی غم نہیں ہوتا تھا۔

غربت و افلاس اور ظلم و جور کو رفع دفع کرنے میں پورے وسائل پیدائش برکے کار لانے نہایت ضروری ہیں۔ حضور اکرمؐ کا فرمان ہے کہ فقر و غربت انسان کو کفر کی طرف لے جاسکتے ہیں۔ اے اللہ! مجھے کفر اور غربت دونوں سے محفوظ رکھ۔ چونکہ ریاست اسلامی فلاحی اور اصلاحی ہوتی ہے۔ اس لیے محنت اور جدوجہد سے حلال و پاک کمان کے لیے اسلام نے بہت ہی زور دیا ہے۔ ہر شخص اپنی جائز ضرورتوں کو پورا کرنے کے ساتھ ریاست اور دوسرے لوگوں کے حقوق بھی ادا کرے۔ جو دولت جمع کرتے ہیں اور انسانی بہبود کے لیے خرچ نہیں کرتے۔ ان کے لیے دردناک عذاب کی وعید آئی ہے۔ اسی لیے زکوٰۃ کی وصولی بھی ضروری قرار پائی ہے۔

بخاری و مسلم کی متفقہ حدیث میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا جو مال چھوڑے اس کے وارثوں کا

حق ہے۔ اور جو ذمہ داریوں کا بار چھوڑے وہ ہمارے ذمہ ہے۔

کتاب الخراج میں امام ابو یوسفؒ ایک صحابیؓ کی زبان سے یہ اصول بیان کرتے ہیں۔ خدا کی قسم! ہم نے اس سے انصاف نہیں کیا اگر جوانی میں اس سے فائدہ اٹھایا اور بڑھاپے میں اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ چنانچہ عیاں ہے کہ اسلامی ریاست کے باشندوں میں سے کوئی بھی محروم المعیشت نہ رہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ حکومت ذرائع پیدائش کے مواقع سب کے لیے مہیا کرے ایسا نہ ہو کہ دولت فقط چند ہا سوسائیں مرکوز ہو جائے اور اکثریت کے برعکس نان جو میں تک ترستی رہے۔ لوٹ کھسوٹ، دھاندلی اور حقوق ملی کا ازالہ کرنا حکومت کا کام۔ - بیشتر فسادات رزق میں عدم مساوات



نے باعث ابھرتے ہیں۔

ارباب زمانہ حاضرہ عقل کے ناخن آتا کہ اسلامی نظام حیات، سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام کے بنیادی اہم اصول کے فرق کو ملاحظہ فرمائیں۔ اور دیکھیں کہ شخصی آزادی و ضمانت کس میں پوشیدہ ہے حضرت خالد جبرہؓ کے غیر مسلموں سے معاہدہ کر رہے ہیں اور اس پر دستخط فرما رہے ہیں کہ جو شخص بوڑھا ہو جائے گا یا کسی آفت کا شکار ہو جائے گا یا غفلت ہو جائے گا۔ اس سے جزیہ وصول کرنے کی بجائے مسلمانوں کے بیت المال سے اس کی اور اس کے کنبہ کی کفالت کی جائے گی۔

ملک میں امن و امان قائم رکھنا بھی حکومت کی ذمہ داری ہے تاکہ عوام  
**۹۔ امن و امان**  
 الناس آرام و سکون سے زندگی بسر کر سکیں۔ ملکی دفاع کی خاطر ایک منظم اور تربیت یافتہ فوج کا موجود ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح اندرون ملک اچھی پولیس کا ہونا بھی ضروری ہے۔ نیز انتظام سلطنت کو اچھی بنیادوں پر استوار کرنے کے لیے فعال، دیانتدار اور مستعد انتظامیہ، قانونیہ اور عدلیہ کا وجود بھی ضروری ہے کیونکہ ان کے بغیر انصاف مہیا نہیں ہو سکتا۔

یقیناً تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں کسی کو کسی پر  
**۱۵۔ مجلس شوریٰ کی تشکیل**  
 فوقیت نہیں ہے۔ حکومت خدا اور رسولؐ کی طرف سے عوام کے حقوق ادا کیگی کی ذمہ دار ہے۔ اسلامی ریاست کا نظام نہ تو آمرانہ ہے اور نہ اس میں مملکت کا شاہ پایا جاتا ہے اور نہ ہی دور جدید کی جمہوریت کا دلدادہ ہے بلکہ یہ ایک اپنا منفرد اور گیکانہ سٹم رکھتا ہے۔ یہ شوریٰ جمہوری مزاج کی حامل ہے اس مجلس کا نام قومی اسمبلی رکھ لیں یا سینٹ رکھ کہہ لیں۔ انھوں نے فتح مکہ کے بعد جو خطبہ دیا اس کے الفاظ یہ ہیں۔

”تم سب آدمؑ کی اولاد ہو، آدمؑ مٹی سے تھے۔ نسب کے لیے کوئی فخر نہیں۔ کسی عرب کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں۔ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ قانون کی نگاہ میں امیر و غریب، شاہ و گدا، عورت و مرد، آقا و غلام اپنا اور غیر سب برابر ہیں۔“

مشورہ کرنا سنت ہے اس لیے مجلس مشاورت کو خاص اہمیت حاصل ہے حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں میں نے نبی کریمؐ سے بڑھ کر کسی کو اپنے اصحابؓ سے مشورہ کرنے والا نہیں پایا۔

تمہارے بہترین امام و قائد وہ ہیں جو تمہیں چاہتے ہوں اور جن کو تم چاہتے ہو تم انہیں رعایاں دیتے ہو وہ تم کو رعایاں دیتے ہوں۔ اور بدترین راہنما وہ ہیں جن کو تم ناپسند کرتے ہو اور وہ تمہیں ناپسند کرتے ہوں۔ تم ان پر لعنت بھیجتے ہو اور تم ان پر لعنت کرتے ہو۔



ایسی مجلس شورٰی قائم کی جائے جو قانون سازی میں مہارت رکھتی ہو اور لوگوں میں سیاسی شعور پیدا کر سکے۔ نیز متوازن معاشرہ کے لیے رستہ ہموار ہو سکے۔ جو دینی خدمات سرانجام دینے میں منہمک و سرشار ہو۔ اس قسم کی مقننہ (Legislature) ہی کارآمد ثابت ہو سکتی ہے۔

اسلام کے معاشی نظام میں حکومت پر براہِ راست جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں جو فرائض عائد ہوتے ہیں ان کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ اب مختصر طور پر بعض ان ذمہ داریوں کا تذکرہ بھی کر دینا مناسب ہے جو نظامِ اسلامی میں قانون کی حیثیت نہیں رکھتیں بلکہ ترغیب و تلقین اور اخلاقی خطابت کے لئے پبلک کو ان کی جانب توجہ دلائی جاتی ہے اور یہ ذہنیت پیدا کرنے کی سعی کی جاتی ہے کہ افرادِ ملت میں سے ہر شخص کی زندگی جس طرح انفرادیت رکھتی ہے۔ اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ اس میں اجتماعیت کا فروہونے کی ذمہ داری عائد ہے۔ اس لئے اس کو زندگی کے کسی ایک لمحہ میں بھی اپنی انفرادیت میں اس طرح گم نہ ہو جانا چاہیے کہ اجتماعیت کا فرد ہونے کی حیثیت سے جو ذمہ داریاں اس پر عائد ہیں وہ نظرِ تغافل ہو جائیں اور اس کی تمام مالی جدوجہد اور اس کی کامرانی جماعت کے افراد کی مالی ترقی کے لئے مفید و نافع ثابت ہو اور رفیع و تنگی کا باعث نہ بنے۔

قرآن عزیز نے اس حقیقت کو اپنے خاص انداز میں ”انفاق فی سبیل اللہ“ کا نام بخشا ہے۔ انفرادیت کے وہ تمام طریقے جن میں ایک دوسرے کو کسی نہ کسی طرح مالی مدد مل سکتی ہے، ”انفاق“ کی حدود میں شامل ہیں۔ چنانچہ یہ انفاق واجب بھی ہے اور نفل بھی ہے جو اس جگہ زیرِ بحث ہے۔ انفاق کی اس دوسری قسم میں ایک حاجت مند کی حاجت روائی کے لئے مالی عطا بھی انفاق کی ایک شکل ہے اور مالک بنائے بغیر منفعت کے خیال سے بے پرواہ اور یکسو ہو کر مالی مدد کرنا بھی انفاق ہی کے شعبہ میں داخل ہے۔

چنانچہ صدقاتِ نفل، وقف، وصیت اور مہرِ حقِ فاضل کی پہلی شکل کی جزئیات میں شمار ہیں۔ اور قرضِ حسنہ، عاریت اور امانت انفاق کی دوسری صورت سے تعلق رکھتی ہیں۔ علمِ الاخلاق میں اس قسم کی اعانت و امداد کو ایثار اور قربانی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

### صدقاتِ نفل

اسلام کے معاشی نظام میں انفرادی صدقات کو بھی اہمیت حاصل ہے۔ زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ کے علاوہ بھی اسلام نے حاجتمندوں کو وقتی حاجت کے انسداد کے لئے ضروری عطایا کو عملِ کبہہ کر ترغیب دی ہے اور دنیا و آخرت کے آخرت و ثواب کو نعم البدل بنا کر قرآن عزیز اور احادیث نے اس کے متعلق جگہ جگہ پر انگیزہ اور آمادہ کیا ہے اور چونکہ اس کا تعلق انفرادی عطایا سے ہے اور یہ اخلاقِ حسنہ اور اعمالِ نیک کی ایک کڑی ہے۔ اس لئے اس میں در اخلاقی خطرات کے پیش آ جانے کا اندیشہ تھا ایک یہ کہ معطی اپنے دیئے کا احسان جتائے اور حاجت مند کو نادام اور ضررِ مسار



کر کے اس کو اذیت پہنچائے۔ دوسرے یہ کہ اس کا یہ انفاق رضا الہی اور غرباء کی حاجت روائی کے لئے نہ ہو بلکہ دکھاوے اور نمائش کے لئے ہو۔ چنانچہ ان دونوں کے انداد کے لئے نفس امارہ کی زحمتوں اور انانیت و خودی پر شدید کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔

”اے ایمان والو! اپنے صدقات و خیرات کو احسان بتا کر اور ایذا دے کر ضائع مت کرو۔ اس شخص کی طرح جو اپنا مال لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرتا ہے اور نہ اللہ پر یقین رکھتا ہے اور نہ آخرت کے دن پر۔“

(بقرہ - ۲۶۷)

### اوقات :

انفاق فی سبیل اللہ کے اخلاق و مسائل میں سے ایک بہترین وسیلہ وقف بھی ہے۔ اس لئے اسلام کے معاشی نظام نے اس کے اجراء اور توسیع کے لئے بہت زیادہ ترغیب دی ہے اور صحابہؓ نے اس کا عملی مظاہرہ کر کے اس کو مستحکم اور مضبوط بنا دیا ہے۔

ایک شخص اپنی پیدا کی ہوئی یا دوسرے ذرائع سے حاصل کی ہوئی دولت کو اگرچہ اپنی ضروریات سے فاضل سمجھتا ہے۔ پھر بھی دولت کی محبت اور سرمایہ کی فراہمی کا عشق اکثر و بیشتر اس کو حاجت مندوں کی اعانت اور جماعت کے غریب افراد کی امداد کی جانب کسی طرح متوجہ نہیں ہونے دیتا۔ لیکن جب اس کا آخری وقت آتا ہے اور وہ موت کے فولادی پنجہ کی گرفت میں آکر مغلوب ہو جاتا ہے تو با حسرت و یاس اس دولت سے منہ موڑنے پر مجبور ہوتا ہے۔

مگر اس صبح و شام پیش آنے منظر کے باوجود دولت میں سرشار دولت مندوں کو وقت سے پہلے اس کا تصور بھی نہیں آتا اور یتامی، بیوگان اور دوسرے حاجت مندوں کی فریادیں اس کی ہوس کے مستحکم قلعوں کی دیواروں سے ٹکرا ٹکرا کر موت کے گھاٹ اتر جاتی ہیں۔ اس لئے اسلام اہل ثروت کے اجتماعی حقوق سے تغافل کو دور کرنے اور جذبات عالیہ اور اخلاق حسنہ کی روح پیدا کرنے کے لئے توجہ دلاتا ہے کہ اہل ثروت کی فاضل دولت کو کار خیر میں صرف کرنے اور اجتماعی حیات کو فروغ دینے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ انسان موت کے فولادی پنجہ کی گرفت میں آنے سے قبل بحالت صحت و تندرستی اور بقاء ہوش و حواس اپنی دولت کا ایک حصہ صدقہ جاریہ کر دے۔ اسی کا نام ”دقت“ ہے۔

چنانچہ قرآن عزیز میں ہے اس قسم کے انفاق اور اجتماعی افادیت کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:



لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ۝

ترجمہ: "تم ہرگز خیر اور بھلائی کو نہیں پہنچ سکتے۔ جب تک (خدا کی راہ میں) اس چیز کو خرچ نہ کرو جو تمہارے لئے سب سے پیاری اور عزیز ہے۔"

دال عمران - ۱۷

اور داعی انقلاب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس قانون کی تشریح اس طرح فرمائی ہے  
 "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب انسان  
 مرجاتا ہے تو اس کے تمام عمل ختم ہو جاتے ہیں مگر تین مستثنیٰ ہیں۔ ایک صدقہ جاریہ۔ دوسرا علم نافع،  
 تیسرا نیک اولاد جو اس کے لئے ہر وقت دعا گورہے۔"

وقف کی صحیح تعریف یہ ہے کہ جو جائیداد یا کوئی شے خدا کے نام پر وقف ہو اس کی آمدنی فقراء  
 مساکین، مسافر، قرض خواہ، ذوی القربی، یتامیٰ پر صرف کی جائے اور اس کو نہ کوئی فروخت کر سکتا ہے  
 نہ ہبہ کر سکتا ہے اور نہ وہ واقف کے ورثا میں تقسیم ہو سکتی ہے۔

وقف اگر جائیداد اور اراضی کی شکل میں ہے تو وہ عینف اور حاکم کے ان تصرفات اور مداخلت  
 سے آزاد رہتا ہے جو مصالح وقف کے خلاف ہو اس لئے نہ لغیر مصالح وقف کے اس میں تبدیلی درست  
 ہے اور نہ اس پر کوئی ایسا عمل کیا جاسکتا ہے جو اس کی آمدنی اور ذرائع آمدنی میں کمی کا باعث ہو، یا  
 اس کو تباہ و برباد کرنے کا باعث ہو۔

وقف میں سب سے زیادہ یہ پیش رکھنا چاہیے کہ واقف کی بیان کردہ جائز اغراض کو شریعت  
 کے صاف اور صریح احکام کی طرح پوری کرنا از بس ضروری ہے البتہ عرف عام بعض بعض اوقات  
 کبھی حکم عام میں تخصیص پیدا کر سکتا ہے۔

بہر حال لگان و مالگذازی کے طے شدہ مالیہ کے علاوہ وقف کی اصلاح و مصالح سے الگ  
 اس پر مزید ٹیکس لگانے اور باعث نقصان قبو دعائد کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے اس لئے کہ وہ  
 کسی کی ذاتی جائیداد یا شخصی ملکیت نہیں رہتا بلکہ ترغاب عام کا ایک قائم و دائم سرمایہ بن جاتا ہے۔

وقف کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وقف اہل اور دوسری وقف خیری۔ وقف اہل میں اولاد اقربا  
 کے نام بھی وقف ہوتا ہے اور ساتھ ہی امور خیر کے لئے بھی اور وقف خیری میں صرف امور خیر ہی  
 کے لئے وقف کیا جاتا ہے۔ بہر حال وقف میں تاہید شرط ہے۔ (یعنی وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہو غاص  
 وقف میں محدود نہ ہو)



## ہمبہ :

اجتماعی معاشی نظام ہمبہ بھی ایک مفید طریق کار ہے بشرطیکہ واجب کا مقصد نیک ہو، اور حقوق اللہ اور حقوق العباد میں سے کسی کی حق تلفی پیش نظر نہ ہو۔ اس لئے کہ اس کی انادیت کی شکل یہ ہے کہ ایک متمول شخص اگر اپنے ذاتی حقوق اور اجتماعی حقوق سے سبکدوشی کے بعد بھی فاضل مال پاتا ہے تو اس کے لئے یہ مناسب ہے کہ وہ اس فاضل پر بخشی کو حاجت مندوں کی حاجت میں صرف کرے اور اخلاقی راہ سے بھی اجتماعی خدمت سے منہ نہ موڑے اور اس اتفاق کی جہاں اور مختلف راہیں ہیں۔ ان میں سے ایک راہ یہ ہے کہ وہ نقد یا مال کسی ضرورت مند کو ہمبہ کر دے۔

قانون ہمبہ میں اگرچہ فقیر یا حاجت مند کی شرط نہیں ہے بلکہ غنی اور مالدار کے نام بھی ہمبہ کیا جاسکتا ہے لیکن اسلام کے معاشی نظام میں ہماری بحث ہمبہ کی صرف اسی شق کے ساتھ محدود ہے جس کا تعلق غریب اور اہل حاجت کی غربت و حاجت کے انداد سے ہے۔ حدیث نبوی میں ہمبہ کی ترغیب دیتے ہوئے یہ حکمت بیان کی گئی کہ ہدیہ اور ہمبہ کی عادت ڈالو کہ یہ رسم باہمی محبت و مودت کے قیام و استحکام کے لئے از بس مفید ہے۔ ارشاد مبارک ہے :

”آپس میں ہدیہ یا دیا کرو اور اس طرح محبت کی طرح ڈالو۔“

فقہ اسلامی میں ہمبہ کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے ”کسی شے کو دوسرے کی ملکیت میں

بغیر عوض کے دے دینا۔“

## وصیت :

وصیت بظاہر ایسے امور میں سے ہے جن کے متعلق یہ خیال نہیں ہو سکتا کہ اس کا بھی کوئی تعلق معاشی نظام سے ہو سکتا ہے لیکن اس کی حقیقت واضح ہو جانے کے بعد اقرار کرنا پڑتا ہے کہ بلاشبہ اس کو بھی معاشی نظام میں ایک حد تک دخل ہے اور مفید دخل ہے۔

انسان اپنی زندگی کے لمحات میں موت کی حقیقت سے آگاہ ہونے اور مسلسل مشاہدہ کرتے رہنے کے باوجود اکثر حقوق واجبہ و نافذ سے غافل رہتا ہے۔ لیکن جب یہ یقین ہو جاتا ہے کہ پھر موت نے دبا لیا ہے۔ تب اضطرابی کیفیت کے ساتھ تلاش کرتا ہے کہ اب بھی مکانات کی کوئی شکل ممکن ہے تو اسلامی قانون میں صرف ایک شکل نظر آتی ہے جس کا نام وصیت ہے۔ اسلامی شریعت میں کسی شے کو یا اس کے منافع کو بہ طریق حسن سلوک یا کبہ دنیا یا لکھ دنیا کہ ”میری موت کے بعد فلاں کے لئے ہے“ وصیت کہلاتا ہے مگر چونکہ اس کے مال میں درجہ



کا حق بھی شامل ہو گیا ہے۔ اس لئے شریعت نے نہ صرف تہائی میں وصیت کو جائز اور نافذ قرار دیا ہے اور اس کے علاوہ بھی اور شرائط مقرر فرمادی ہیں مثلاً وارث کے لئے وارث درست نہیں اس لئے کہ وہ بحیثیت وراثت حق دار ہے تو اب اس کے لئے وصیت کرنا گویا دوسرے ورثہ کی حق تلفی کرنا ہے۔ قاتل کے لئے کسی حال میں بھی وصیت درست نہیں ہے اور ان سب شرائط سے مقدم شرط یہ ہے کہ وصیت کرنے والا اس قدر مقروض نہ ہو کہ جس مال کی وہ وصیت کر رہا ہے۔ سب ادا، قرض ہی میں چلا جائے کیونکہ ادا قرض وصیت اور وراثت دونوں پر مقدم ہے۔

غرض وصیت ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعے سے ایک متمول اپنے آخری لمحات حیات میں اور حسن سلوک کے طور پر غربا اور اہل چاجات کو مالی فائدہ پہنچا سکتا ہے اور اوقات اس طریق کار سے اہم اور ضروری اجتماعی کام بخوبی انجام پا جاتے ہیں۔ اس لئے قرآن عزیز نے وراثت کے احکام بیان کرتے ہوئے جگہ جگہ یہ واضح کیا ہے کہ وصیت وراثت سے مقدم ہے۔

قرض حسنہ:

اتفاق فی سبیل اللہ اور تعاون باہمی کے وسائل میں سے ایک مفید اور کارآمد وسیلہ ”قرض حسنہ“ ہے۔ یہ حاجت مند کی وقتی حاجت روائی کا بھی ذریعہ ہے اور غریب اور بے مایہ انسان کو تجارتی زراعتی یا صنعتی کاروبار اکیلے بھی مؤثر وسیلہ ہے۔

قرض حسنہ کی تعریف یہ ہے کہ ایک دولت مند کسی ضرورت مند کی ضرورت کے انسداد اور اس کی حاجت روائی کے لئے اس طرح اپنی رقم سے اس کو فائدہ پہنچائے کہ اس کا کوئی بدلہ اس سے حاصل نہ کرے اور چونکہ یہ اخلاقی مسئلہ ہے اس لئے احادیث میں قرض خواہ کو قرض دار کی دعوت قبول کرنے سے بھی احتیاط کا حکم دیا گیا ہے تاکہ عوض خواہی کا قطعاً سد باب ہو جائے۔ کیونکہ بہت ممکن ہے کہ اگر اس لئے قرض خواہ کی دعوت کرتا یا اس کو ہدیہ پیش کرنا ہے کہ وہ اپنے قرض کا جلد مطالبہ نہ کرے۔ اس حالت میں یہ بھی ایک قسم کا ربا ہو جائے گا۔ لہذا یہ کہ ان دونوں کے درمیان اس معاملہ سے قبل بھی اس قسم کے تعلقات قائم ہوں۔

چونکہ اس معاملہ میں قرض دار کی جانب سے بددیانتی اور وفاء و نیکوئی کے فقدان کا زبردست خطرہ ہے۔ اس لئے اس قسم کی اعانت کو واجب نہیں کہا گیا بلکہ اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام کے وعدوں کے ساتھ صرف اخلاقی ترغیب ہی پر اکتفا کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

”کوئی شخص ہے کہ اللہ کو قرض حسنہ دے اور اللہ تعالیٰ اس کو اپنی مرضی سے چند در چند کرے



ادا کر دے۔ یعنی آخرت کا اجر عطا فرمائے جو دنیوی منافع سے کہیں زیادہ ہے اور اس کے لئے پسندیدہ ثواب ہے۔“

اور ساتھ ہی قرض دار کو بھی سخت تنبیہ کی گئی ہے کہ قرض حسن کے یہ معنی نہیں ہیں کہ قدرت اداء کے باوجود دوسرے کی رقم کو ہضم کر جائے یا تاخیر کر کے قرض دہندہ کو نقصان پہنچائے چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے :

”دینے کی قدرت کے باوجود دوسروں کے حق مطالبہ کی ادار میں تاخیر سبب بڑا ظلم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، قرض کی بروقت واپسی واجب اور قرض ہے۔ آپ نے فرمایا جو چیز کسی نے کسی سے لی ہے جب تک اس کو ادا نہ کر دے اس کا بار ادا اس پر برابر قائم ہے۔“

بہر حال قرض دینے والا اگر دیانتدار اور بددیانت کا لحاظ رکھ کر اس کے لئے اقدام کرنا ہے تو اس کا واجب حق ہے اور قرض لینے والوں کی اخلاقی قوت پر ہی اس کی ترویج کا دار مدار ہے۔

عاریت :

اقتصادی نظام کے اخلاقی شعبہ میں عاریت میں نمایاں جگہ رکھتی ہے۔ کسی شخص کا اپنی ملکیت کے منافع کو بغیر معاوضہ کے دوسرے کی ملکیت بنا دینا ”اسلامی نقطہ نظر سے عاریت کہلاتا ہے عاریت سسٹم کس لئے ہے اس کا جواز اسلامی فقہ میں اس طرح دیا جاتا ہے۔

امت کا اس پر اجماع ہے کہ عاریت نہ صرف جائز ہے بلکہ مستحسن اور مستحب ہے اس لئے کہ اس میں مضطر کی حاجت رعائی اور نادار کی اعانت و اعاد ہے۔

قرآن عزیز میں ان انسانوں کی سخت مذمت کی گئی ہے جو ایسے مضطر اور نادار کی امداد اعانت سے باز رہتے اور اپنی چیز کو عاریت پر دینے سے گریز کرتے ہیں ارشاد ہے :

وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ

اور ان کے لئے بھی ہلاکت ہے جو برتنے کی چیز کو عاریت پر نہ دیں۔

(ماعون )

غرض عاریت، اثبات اور اخلاقی بلندی کا ایک ثبوت ہے جس کے لئے اخلاقی ترغیبات ہی سے کام لیا گیا ہے کیونکہ اس میں چیز کے فنانح ہونے کا خطرہ ہے۔ اس لئے رعایت پر لینے کو الے کو بھی سخت تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ عاریت پر لی ہوئی چیز کو اپنی ملک نہ سمجھے اور ضروری پوری



ہو جانے کے بعد فوراً مالک کو واپس کر دے۔ اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا  
 ”عاریت کی واپسی عاریت لینے والے کے ذمہ ہے“

### امانت :

اگرچہ ظاہر میں لگا ہوں میں اس کا تعلق معاشی نظام سے نظر نہیں آتا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ  
 یہ بھی بعض حالات میں اہم معاشی ضرورت کے پورا کرنے کی کنیل ہے۔ ایک شخص اگر نقد یا مال کسی دوسرے  
 شخص کے پاس امانت رکھتا ہے اور امین کو اس کی ضرورت کے وقت امانت میں تصرف کرنے کی  
 اجازت دے دیتا ہے تو کیا اس سے انکار کیا جاسکتا ہے کہ اس طرح کس قدر اہل حاجات کی  
 ضروری حاجات کو پورا کیا جاسکتا ہے؟ اور جب کہ امانت کے معاملہ میں خیانت کا ہر وقت خوف  
 رہتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ دونوں جانب اخلاقی دباؤ ڈالا جائے۔ ذاتی ضرورت سے فاضل  
 مال رکھنے والوں کو جہاں انفاق فی سبیل اللہ کے دوسرے طریقوں کی ترغیب دی جائے وہاں امانت  
 کو بھی ترغیب دی جائے تاکہ اس بہانہ سے اہل حاجات کی حاجت کو پورا ہونے کی ایک اور سبیل  
 پیدا ہو اور ساتھ ہی امین کو خائن نہ بننے کی ترغیب دی جائے اور عذاب الہی اور دنیا کی رسوائی  
 کا خوف دلا کر صحیح معنی میں امین رہنے پر آمادہ کیا جائے۔ چنانچہ قرآن عزیز میں ان دونوں باتوں  
 کی جانب توجہ دلائی گئی ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَوَدُّ الْأَمْثَالَ تِإِئِ اَهْلَهَا ط  
 ”اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہو کہ جس شخص کے تم امین ہو اس کو مالکِ شے کے

پاس امانت کے ساتھ واپس کر دو۔“

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ ه

”اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔“

”اور اگر کسی شخص نے تمہارے ساتھ خیانت کی ہے تب بھی تم اس کے ساتھ

خیانت نہ کرو۔“ (ترمذی - ابوداؤد)

”جس میں امانت کا مادہ نہیں اس کو ایمان سے بھی حصہ نہیں ملا۔“

(بیہقی فی شعب الایمان)

غرض امانت اجتماعی معاشیات میں ایک خاص مقام رکھتی ہے۔ اس لئے کہ اگر ایک ممتول

اور دولت مند اپنی فاضل دولت کو بغرض حفاظت کسی امین کے پاس امانت رکھتا ہے اور ساتھ



ہی اس کو اجازت دیتا ہے کہ وہ حسب ضرورت اس سے اس شرط کے ساتھ استفادہ کر سکتا ہے کہ بوقت طلب واپس کر دے تو یہ معاملہ قریب قریب موجودہ زمانہ میں بنکوں کے اندر روپیہ داخل کرنے کی مثال بن جاتا ہے البتہ فرق یہ ہے کہ بنک میں روپیہ داخل کرنے پر سود کی ایک مقدار سالانہ ملتی رہتی ہے اور خود بنک بھی اس روپیہ سے سودی کاروبار کرتے رہتے ہیں لیکن امانت بشرط تصرف میں سود کے لین دین دونوں صفر اور نفی کے درجہ میں رہتے ہیں۔

لیس بنک میں سپرد امانت کا نتیجہ تو بینکر کے لئے مذموم سرمایہ داری کی تخلیق نکلتا ہے اور اسلامی نقطہ نظر کے مطابق امانت سے استفادہ اس مذموم طریقہ کا انسداد کر کے صاحب دولت کی دولت کو بھی ہلاکت سے بچاتا اور اصحاب حاجت کی تکمیل حاجات مثلاً تجارت، صنعت و حرفت اور زراعت وغیرہ یا وقتی حصول معیشت کے لئے مدد و معاونت ثابت ہوتا ہے اور بنک سسٹم کی طرح چند افراد میں اکتناز کی راہ سے دولت کو سمیٹ کر عوام کی معاشی تباہی و تنگدستی اور ان کے انلاسن کا باعث نہیں بنتا۔

اسی لئے اسلام کے معاشی نظام میں امانت کے مفید سپہ کو باقی رکھا گیا اور سرمایہ دارانہ نظام کی مضرت کو فنا کرنے کے لئے اس کے ربوی شعبہ کو حرام قرار دیا۔



# باب ۲۹

## مسلم ترقیاتی تنظیم

(Muslim Development Organization) M.D.O.

ہر ملک چاہتا ہے کہ وہ ترقی کی منازل طے کرے عوام خوش حال ہوں معیار زندگی بلند ہو۔ فی کس آمدنی برابر بڑھتی رہے۔ امن و امان کی فضا سازگار ہو۔ اور رفاهیت و فلاحیت کا دور دورہ ہو۔ قومی وقار میں اضافہ ہو۔ عالمی سطح پر قائم و دائم ہو۔

اسلامی ممالک اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی بجائے اور اپنے وسائل سے استفادہ کرنے کی بجائے غیروں کی چوکھٹ پر جھکے ہوئے ہیں۔ کبھی روس کی دیوڑھ گری کرتے ہیں تو کبھی امریکہ کی گود میں پکتے ہیں۔ کبھی برطانیہ کے سانے میں پناہ ڈھونڈتے ہیں تو کبھی کینیڈا کی خوشامد کرتے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ اپنے ملک کو فروغ دینا نہیں چاہتے ہیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے کی بجائے دوسروں کے دست نچھ ہیں۔

اب کسی حد تک اسلامی ممالک کا شعور جاگ رہا ہے اور ان میں یہ احساس پیدا ہو رہا ہے کہ آپس میں متحد ہو جائیں۔ تیسری دنیا کے ممالک بھی باہم گفت و شنید میں مصروف ہیں۔ مگر ابھی تک بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ راقم الحروف نے ۱۹۶۴ء میں اسلامی سربراہی کانفرنس کے موقع پر 'روزنامہ غریب' میں مسلم ترقیاتی تنظیم یا اسلامی اتحاد برائے ترقی کے انعقاد کی تجویز پیش کی تھی۔ اب اس کی تفصیلات پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ یہ تنظیم یو۔ این۔ او کی طرز پر قائم کی جاسکتی ہے۔ بلکہ اسے زیادہ وسیع و عریض بنیادوں پر استوار کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح اسلامی بلاک کی تشکیل و تعمیل کے لیے راہ ہموار ہو سکتی ہے۔ وہ دن دور نہیں ہوگا جب مسلمان دنیا کی عظیم ترین طاقتور اور ترقی یافتہ قوم بن جائے گی۔ مگر اب تو یہ معاملہ ہے کہ اغیار کے کاشانہ پر نظر میں ہیں۔



توں سے تجھ کو امیدیں خدائے ناامیدی مجھے بتا تو سہی اور کافر کی کیا ہے؟  
مجوزہ تنظیم کا ڈھانچہ پیش کرنے سے پیشتر ضروری ہے کہ اس کے اہم مقاصد سپرد قلم کر دیئے  
جائیں۔

## مقاصد = Objectives

اس تنظیم کے حسب ذیل چند مقاصد اور فوائد ہیں۔

۱۔ **باہمی قرب و یگانگت** | اس تنظیم کا ایک اہم مقصد یہ ہے کہ ایک دوسرے کے قریب آنے کا موقع مہیا ہوگا اور غلط فہمی کی تبلیغ دور ہو جائے گی ایک دوسرے کی افہام و تفہیم سے پیشتر مسائل خود بخود حل ہوتے جائیں گے اس طرح تعاون اور اتحاد سے محبت اور ہمدردی کے جذبات پیدا ہوں گے۔ حالات سدھر جائیں گے اسی طرح خیر سگالی اور موافقت چلے۔ حساسات بھی جنم لیں گے

۲۔ **ترقی کا طریقہ** | اس طرح تعاون کی فضا پیدا ہونے سے ترقی کے لیے رستہ ہموار ہوگا۔ چونکہ ایک ملک دوسرے کے ساتھ اتحاد کرے گا اور ایک دوسرے کے وسائل سے متمتع حاصل ہوگا اس لیے ترقی کے مواقع زیادہ فراہم ہوں گے۔ عرب ممالک کے پاس تیل کے وافر ذخائر پائے جاتے ہیں۔ اس لیے ان سے دیگر ممالک کو بھی فائدہ پہنچے گا۔

۳۔ اس تنظیم کے قیام سے ایک بڑا مقصد یہ بھی حاصل ہوگا کہ صحیح اسلامی سپر (Super) اجاگر کی جاسکے۔ اب مسلمان اس عنصر سے قدرے خالی ہیں اس لیے بہت سی دشواریاں حائل ہیں اس سکیم کے نفاذ سے مسلمانوں میں احساس پیدا کیا جائے گا اور اسلامی نظام حیات اپنانے کی بھرپور ترقی دی جائے گی۔ اس سے اخوت اور بھائی چارے کی اساس قائم ہوگی۔ تمام اسلامی ممالک کے باشندے ایک دوسرے کو مسلم بھائی تصور کریں گے۔ پاکستانی، عربی، عجمی کے امتیازات ختم ہو جائیں گے۔ قیام ہو جائے گا۔ عالمی برادری بننے سے دیگر اقوام بھی ان سے تعلقات استوار کریں گے۔

۴۔ **علیحدہ بلاک** | اس تنظیم کے قائم کرنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ ایک علیحدہ بلاک بن جانے کے امکانات پیدا ہوں گے۔ مراجع طوائف کا ہر مسئلہ

جائے گا۔ اور ان کی چودھراہٹ بھی ختم ہو جائے گی۔ اب ساری دنیا کی سیاست و معیشت پر انہی کا قبضہ ہے۔ کیونکہ ان کے پاس دنیاوی زندگی کے سارے لوازمات پائے جاتے ہیں۔ سامان حرب کی بھی کمی نہیں



ہے اور دولت کی فراوانی سے لوگوں کے ضمیر خربے جاتے ہیں۔ اگر یہ تنظیم قائم ہو جائے، اسلامی ممالک اس کے ممبر بن جائیں تو کوئی شبہ نہیں کہ دوسرے غیر مسلم لوگ بھی اس کی طرف رجوع نہ کریں خصوصاً اترق زیر ممالک کے لیے یہ ایک نیک فال متصور ہوگی۔ کیوں کہ ان کی بیشتر ضروریات پوری ہوتی رہیں گی۔

آجکل دنیا مختلف معاشی، سیاسی، قانونی، معاشرتی مسائل کے

## 5- مسائل کا حل

منور ہیں کہ قرار ہے۔ ان کے حل کرنے کے لیے موزوں حالات جنم لیں گے۔ غیروں کی چوکھٹ چبیں سائی کرنے کے لیے مسلمان ایک دوسرے کے مسائل حل کرنے کے لیے ہاتھ بٹائیں گے اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں وہ مسائل حل کرنے میں آسانی اور سہولت رہے گی۔ کیونکہ اسلام معاشرتی زندگی کو چار چاند لگانے کے لیے اسلام صحیح حل پیش کرتا ہے۔ انفرادی اور اضطراب دور ہو جائے گا۔

مسلمان ایک عظیم قوم ہے اس کے طور طریقے اور رسم و رواج بھی دوسری اقوام سے جدا اور منفرد ہیں۔ اس کے ملی تشخص کو اجاگر کرنے

## 6- ملی تشخص کا ابھار

کے لیے ایک ایسی تنظیم یا سکیم کی اشد ضرورت ہے۔ اس سے قومی تشخص کو ابھارنے کے لیے اہم اقدام کرنے ضروری ہیں۔ جب کبھی کوئی قوم اپنی درخشاں روایات اور رہنمائی کارناموں کو متا دیتی ہے۔ تو نہ صرف اس کا تشخص (Identity) گم ہو جاتا ہے۔ بلکہ اس کا وجود بھی ختم ہو جاتا ہے۔ اور وہ اپنے تہذیبی ورثہ سے بھی محروم ہو جاتی ہے جیسا کہ آج کل فرزند ان توحید اپنی وضع قلع اور لباس تک دیورات کا اپنا چکے ہیں۔ اس لیے مامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

اس تنظیم کی تشکیل سے ایک نئی قیادت کے ابھرنے کا امکان پیدا ہوگا۔ اور سارے مسلمان ایک جہت سے

## 7- نئی قیادت کا امکان

تجمع ہو کر اس نئی قیادت کی سرکردگی اور رہنمائی میں ترقی کی طرف گامزن ہوں گے۔ اس دور جدید میں ایک ایسی تہذیب اور متدین شخصیت کی خدمات کی شدت سے ضرورت محسوس کی جا رہی ہے۔ شاہ فیصل پر تمام دنیا کی نظریں لگی ہوئی تھیں اور وہ عالم گیر اخوت و ملیت فارم کے داعی تھے۔ وہ مسلمانوں کو ایک ہی فرنٹ پر دیکھنے کے متمنی تھے مگر موت کے ظالم پنجوں نے اس تنظیم سستی کو دبوچ لیا اور یہ تباہ کن ستارہ ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔ اب بھی ایک بطل جلیل کی ضرورت ہے جو اپنے اعلیٰ کردار، واضح پالیسی اور تدبیر سے مسلمانوں کی کایا پیٹ ڈالے اور ساری دنیا کے سامنے ڈنکے بجا دے۔



## ۸۔ اسلامی نظامِ حیات کا احیاء

مسلمان غیر اسلامی نظریات کے چکر میں پھنسے ہوئے ہیں انہیں اس دلدل سے باہر نکالنے

کے لیے اسلامی نظامِ معاشرت اپنا ناپڑے گا۔ کیونکہ جب تک صحیح اسلامی رنگ غالب نہیں آئے گا وقت تک ترقی کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکے گا۔ اس لیے ضروری ہے کہ مسلمان اپنے مقصدِ راست کو سمجھ کر اسلامی نظام نافذ کرنے کی پوری جدوجہد کریں۔ حالات کی اصلاح محض اسی صورت میں ممکن ہے جب اپنے آپ کو ایک مکمل انسان بلکہ مسلمان کے قالب میں ڈھالا جائے لہذا اس مقصد کے حصول کی خاطر اسلام کو ہی اپنا محافظ و نگہبان گردانا پڑے گا۔

## ۹۔ نئی نسل کی رہنمائی

نژاد نو کو راہِ راست پر لانے کے لیے ضروری ہے کہ سارے مسلمان مل کر ایک لائحہ عمل مرتب کریں اور پھر بدل و جان

اس پرنسپل پر اسی نسل کی کوشش کریں۔ اس قوم کے پاس خدائے بزرگ دہرے کا دیا ہوا آئین موجود ہے۔ اگر مسلمان ان قوانین کی پابندی کریں تو کامرانی ان کے قدم چومے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں بلکہ مشاہدہ اور تجربہ ہے کہ نئی نسل بے راہروی اور بد اعتدالی کا شکار ہو چکی ہے۔ اسے درست کرنے کے لیے مغرب زدہ ذہنیت کو مشرقیت یعنی اسلامی رنگ و ڈھنگ میں ڈھالنے کے ٹک ددو کرنی پڑے گی۔ یہ ایک ایسا مقصدِ عظیم اور گہرا مقصود ہے جس کے لیے تن من اور دھن تک کی بازی لگانے سے بھی گریز نہ کیا جائے۔

## ۱۰۔ اقتصادی نظام نو کی جانب قدم :-

اس تنظیم کے قیام سے نئے عالمی معاشی نظام کے قیام میں مدد ملے گی حقیقت یہ ہے کہ دنیا سرمایہ داری، سوشلزم اور کمیونزم سب نظاموں سے تنگ آچکی ہے۔ ادیبی وجہ ہے کہ ایک نئے نظام کے منتظر ہیں۔ یہ نیا نظام اسلام کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ یہ نظام آج سے تقریباً چودہ صدی قبل پیش کیا گیا تھا۔ مگر خلفائے راشدین کے عہد کے بعد اسے نافذ کرنے کی کوئی ٹھوس اور سنجیدہ کوشش نہیں کی گئی۔ اگر مسلمان اسے اپنائیں تو دیگر اقوام جی اس کی طرف ایک کرانے کی کوشش کریں گی۔ کیونکہ خود رکھنا خود اعتمادی، اخوت، استحصال کا خاتمہ، کمزوروں کی اعانت، غریبوں کی دست گیری، اپنوں سے پیار، اغیار سے سلوک اور مساوات وغیرہ کا درس دیتا ہے۔ اور نئے بین الاقوامی معاشی نظام کے بھی یہی خصوصی مقاصد ہیں۔ لہذا یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اس تنظیم اور اتحاد کے قائم کرنے سے اس نئے نظام کی طرف ایک قدم ہوگا اور اس کی عملی صورت بعد میں بنائی جاسکتی ہے۔



تنظیم کے مقاصد کا تعین کرنے کے بعد شعبہ جاتی تقسیم اس طرح کی جاسکتی ہے۔ وقت اور حالات کے تقاضوں کے مطابق ان میں کمی بیشی کی جاسکتی ہے۔ مختلف اور اہم شعبوں کا خاکہ کچھ یوں ہے :-  
ایک جنرل سیکرٹریٹ ہوگا اور یہ شعبہ اس کی رہنمائی اور سرکردگی میں اپنے اپنے فرائض سرانجام دیں گے۔

## تعلیمی شعبہ

- ۱- مشترکہ تعلیمی پالیسی کا اجراء
- ۲- مشترکہ یونیورسٹیوں کا قیام
- ۳- کورسز کی تدوین نو
- ۴- وفود کا تبادلہ
- ۵- وظائف کا انتظام
- ۶- مروجہ علوم کا ارتباط

## ۲- معاشی شعبہ

- ۱- یکساں حکمت عملی
- ۲- باہمی تجارت کا فروغ
- ۳- مشترکہ کرنسی کا اجراء
- ۴- صنعتوں کا قیام
- ۵- قرضوں کی بلا سود فراہمی
- ۶- تیل کی ترسیل
- ۷- اکانومسٹس (Economists) کا پینل
- ۸- اسلامی ترقیاتی بینک کا جائزہ
- ۹- پسماندگی کا علاج
- ۱۰- انشورنس اور سبجٹ سازی میں مشورہ
- ۱۱- لیبرز کے مسائل



- ۱۲- غیر مسلم ممالک سے تجارتی تعلقات
- ۱۳- مالیاتی حکیم
- ۱۴- منڈیوں کا قیام

### ۳- شعبہ علوم اسلامیہ

- ۱- تفسیر قرآن کا اہتمام
- ۲- احادیث کی تشریح
- ۳- فقہی مسائل کی وضاحت
- ۴- اشاعت اسلام
- ۵- مبلغین کی تربیت
- ۶- تحقیق و جستجو کا سیل (CELL)
- ۷- عربی زبان کی تدریس
- ۸- اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جدید دشواریوں کا حل
- ۹- دینی مدارس کی اصلاح
- ۱۰- علماء اکیڈمی کی تشکیل

### ۴- سیاسی شعبہ

- ۱- واضح پالیسی
- ۲- امور خارجہ
- ۳- غیر ممالک سے سیاسی روابط میں اضافہ
- ۴- مقابہ سے
- ۵- امن و سلامتی کی کوشش

### ۵- سائنسی شعبہ

- ۱- جدید سائنس کی ترویج



۲- ماہر سائنسدانوں کا بورڈ

۳- تجربہ گاہوں کا قیام

۴- ٹیکنالوجی کی ترقی

۵- انجینئرز کے مسائل

۶- معدنی وسائل کی دریافت

۷- آلات حرب کی ایجاد

## ۶- معاشرتی و معاشرتی شعبہ

۱- اسلامی معاشرے کا قیام

۲- اسلامی تہذیب کی نشہیر

۳- ثقافت و آرٹ کی ترقی

۴- طلب کی ترقی و تحقیق

## ۷- شعبہ نشر و اشاعت

۱- پریس کا قیام

۲- کتب رسائل پمفلٹ، اخبارات وغیرہ کی اشاعت

۳- نیوز ایجنسی

## ۸- عسکری شعبہ

۱- فوجی معاہدے

۲- منظم و تربیت عسکر اسلامیت کا قیام

۳- ہنگامی حالت میں امداد

## ۹- زرعی شعبہ

۱- زراعت کی ترقی کا منصوبہ



- ۲- غذائی جائزہ
- ۳- نئے بیجوں کے تجربات
- ۴- باہمی امداد
- ۵- زمین کا سروے
- ۶- ٹریکٹر کے کارخانے
- ۱۰- متمرق شعبہ

- ۱- اعداد و شمار کا اکٹھا کرنا
- ۲- ٹیلنٹ Talent پول کا قیام
- ۳- افرادی قوت Man-Power کی معلومات
- ۴- بیروزگاری اور افراط زر کا حل
- ۵- سینار، مجالس، کانفرنس اور کنونشن کا انتظام
- ۶- مصنوعات کی نمائش
- ۷- انتظامی مہدوں کے لیے ماہرین کی بھرتی وغیرہ۔





1207



- مشرق و مغرب کے سیاسی افکار ..... نیتا سمنگر علی جعفری
- افلاطون اور ارسطو کے سیاسی افکار ..... محمد مجاہد فاروق
- آئینی سیاست ..... عمار ذیل دینس
- مسلمانوں کے سیاسی افکار ..... جاوید اقبال
- سیاسیات عالم ..... صفحہ حیات مطہر
- حکومت سیاست (پاکستان کی نظریاتی تاریخ) ..... محمد مجاہد فاروق
- قانون بین الاقوام ..... ..
- بین الاقوامی تنظیمیں ..... ایس ایم شاہ
- ترقی یافتہ ممالک کے دساتیر ..... فضل کریم شیخ
- ترقی پذیر ممالک کے دساتیر ..... محمد مجاہد فاروق
- تقریباً پاکستان اور اس کا پس منظر ..... نیتا سمنگر علی جعفری
- پاکستان کے ادارے ..... فضل کریم شیخ
- ہماری خارجہ پالیسی ..... فضل کریم شیخ
- سیاسی و معاشرتی نظریات ..... ایس ایم شاہ
- عوام، جماعتیں اور موثر گروہ ..... نیتا سمنگر علی جعفری
- بین الاقوامی تعلقات ..... نسیم اکبر پٹیل

نیو بک پیلس چوک اردو بازار لاہور